يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تفسیر برہان القرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر انگلینڈ

جلد چہارم

مکتبہ برہان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برھان القرآن

جلد چہارم

سورہ یوسف تا سورہ الحج

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برھان القرآن

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۱۷۴)

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آگئی ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد چہارم

سورہ یوسف تا سورہ الحج

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے

مکتبہ برہان القرآن

Name Book	:	Tafseer Burhan ul Quran	تفسیر برھان القرآن	:	نام کتاب
Author	:	Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi	علامہ قاری محمد طیب نقشبندی	:	مصنف
Book	:	4th	چہارم	:	جلد
Year	:	August 2016	ذوالقعدہ 1437ھ	:	سن اشاعت
Edition	:	1st (2 Color)	اول (2 کلر)	:	ایڈیشن
Publisher	:	Maktaba Burhan ul Quran Data Darbar Market Lahore	مکتبہ برھان القرآن داتادربار مارکیٹ لاہور 0321-4298570	:	الناشر

ملنے کے پتے

نظامیہ کتاب گھر (اُردو بازار لاہور)	علامہ فضل حق خیرآبادی (داتادربار مارکیٹ لاہور)
نعیمیہ بک سٹال (اُردو بازار لاہور)	ضیاالقرآن (داتادربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ غوثیہ (کراچی)	دارالنور (داتادربار مارکیٹ لاہور)
اسلامک بک کارپوریشن (راولپنڈی)	مکتبہ قادریہ (داتادربار مارکیٹ لاہور)
فیضان مدینہ (سرداراآباد)	مکتبہ اعلیٰ حضرت (داتادربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ والضحیٰ (اُردو بازار لاہور)	کتب خانہ امام احمد رضا (داتادربار مارکیٹ لاہور)

Find us in UK
Jamia Rasoolia Islamic Center
250 Upper Chorlton Road Old Tarfford Manchester M16 0BL
Mob: 07999312666 07450005809

فہرست

سورہ یوسف

سورہ یوسف ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن مجید کی بارہویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 52ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی خوبصورت قصہ سنائیں۔ تب یہ سورت اتری۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۷۶)

ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے کہا ہمیں یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کے بارے میں بتائیے کہ وہ فلسطین چھوڑ کر مصر کیسے آئے۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن سے وصال تک احوال زندگی بتائے گئے ہیں۔ اس لیے اسے سورہ یوسف کا نام دیا گیا۔ اس سورت میں بارہ رکوعات ایک سو گیارہ آیات ایک ہزار چھ سو کلمات اور سات ہزار ایک سو چھیاسٹھ حروف ہیں۔ (خازن جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

مضامین

اس سورت کے آغاز میں حقانیت قرآن بیان کی گئی، پھر یوسف علیہ السلام کا ذکر خیر شروع کیا گیا۔ پہلے ان کا وہ خواب بیان کیا گیا جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر بتایا گیا کہ آپ کے بھائیوں نے آپ کو اندھیرے کنوئیں پھینکا، وہاں سے ایک قافلہ والوں نے ان کو نکالا اور مصر میں لے جا کر بیچ دیا۔ آپ کو گورنر مصر نے خرید لیا، وہاں اس کی بیوی آپ پہ فریفتہ ہوئی، مگر آپ اس کے دامِ تزویر میں نہ آئے۔ تب اس نے غصہ میں آ کر آپ کو جیل میں ڈلوا دیا، آپ بارہ برس جیل میں رہے آخر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب بنائے کہ آپ کو مصر کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ تب مصر میں قحط پڑا اور آپ کے بھائی بادشاہ مصر سے غلہ لینے کے لیے آئے اور آپ کو پہچان نہ سکے، آخر آپ نے ان کو اپنی حقیقت سے آگاہ کیا اور اپنا کرتا بھیجا کہ اسے جا کر میرے والد گرامی کے چہرے پر ڈالو تو ان کی بینائی واپس آ جائے گی، پھر یعقوب علیہ السلام مصر آئے اور اپنے بیٹے کی بادشاہی دیکھی۔

آخر میں پھر قرآن کریم کی حقانیت پہ بات ختم کی گئی ہے یعنی آخری رکوع میں عظمتِ قرآن کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام کی دعوت کے عمومی اثرات پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

فضیلت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے غلاموں کو سورۂ یوسف سکھاؤ جو شخص یہ سورت پڑھے یا اپنے گھر والوں اور غلاموں کو سکھائے اللہ اس پر سکرات موت آسان کر دیتا اور اسے ایسی قوت ایمان دیتا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۳)

بیہقی نے دلائل میں حضرت عداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کئی یہود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ یوسف سن کر ایمان لے آئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہود کے علاوہ یہ واقعہ کسی کو معلوم نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر وہ جان گئے کہ آپ کو یہ اللہ ہی نے بتایا ہے۔

(درمنثور جلد ۳ صفحہ ۴۹۵)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها ۱۱۱ ۱۲ سُوْرَةُ یُوْسُفَ مَکِّیَّةٌ ۵۳ رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الف، لام، راء، یہ بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں[1] ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر اتارا ہے تا کہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۞

اسے سمجھو[2]

عظمت ہائے قرآن حکیم

[1] الف لام راء حروف مقطعات ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین ایک سر ہے اس پر سورہ بقرہ کے آغاز میں مفصل کلام ہو چکا ہے۔ آگے فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ یعنی یہ سورہ یوسف کتاب مبین (قرآن حکیم) کی آیات ہیں۔ قرآن کو مبین کہا گیا یعنی بیان کرنے والا کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى ''اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر چیز کا واضح بیان ہے۔'' (نحل:۸۹)

[2] قرآنِ مجید کو عربی میں اتارا گیا تا کہ لوگ اسے سمجھیں کیونکہ قرآن کو حضور ﷺ پر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں اتارا گیا۔ وہاں کے لوگ عربی بولتے تھے۔ اگر قرآن کسی غیر عربی زبان میں اتارا جاتا تو وہ لوگ کیسے سمجھتے اور آگے دوسری قوموں کو کیسے سمجھاتے تو ضروری تھا کہ قرآن عربی میں اتارا جاتا اور نزولِ قرآن کے لیے خطۂ عرب کو اس لیے چنا گیا کہ وہ روئے زمین کا درمیان ہے۔ یہاں سے قرآن کی آواز اٹھی جو چاروں طرف دنیا میں پھیلی۔

قرآن کی زبان صرف عربی ہے۔

یہاں فرمایا گیا: اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا اور دوسرے مقامات پر ہے۔ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (حم سجدہ:۳،۵) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ۔ (زمر:۲۸) گویا قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے۔ فارسی اردو انگلش وغیرہ

میں قرآن کا ترجمہ ہو سکتا ہے مگر وہ قرآن نہیں ہے اور ایسا حفاظت قرآن کے لیے کیا گیا۔ اگر قرآن کی ایک زبان نہ رکھی جاتی تو آج قرآن کا حال بھی تورات وانجیل سے مختلف نہ ہوتا۔ لوگوں نے ان کتابوں کو ایک زبان سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں ڈھالا اور ان میں اس قدر تبدیلیاں کر دیں کہ اصل عبارت کا ملنا ناممکن ہو گیا ہے۔ مگر قرآن ہر طرح کی تبدیلی سے محفوظ ہے کیونکہ اس کی زبان صرف عربی ہے۔ وہ جس زبان میں جن الفاظ کے ساتھ نازل ہوا قیامت تک اسی طرح رہے گا اس لیے فرمایا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ "ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (حجر: ۹) یعنی اللہ رب العزت نے قرآن کی حفاظت یوں بھی فرمائی کہ اس کی زبان صرف ایک رکھی، جو عربی ہے۔

عربی زبان کی فضیلت

قرآن کا عربی میں اترنا عربی زبان کے لیے اعزاز ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں عرب کو تین اسباب سے پسند رکھتا ہوں میں خود عربی ہوں۔ قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔" (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۴۹۶) آج مسلمانوں کو انگلش سیکھنے کا جنون ہے کاش انہیں عربی سیکھنے کا بھی کچھ جنون ہو جائے تاکہ وہ قرآن کا پیغام سمجھ سکیں۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ
اے پیارے رسول! ہم آپ کو سب سے بہتر قصہ بتاتے ہیں جیسا کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن وحی کیا ہے
وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾
اور بے شک اس سے قبل آپ (اس قصہ سے) بے خبر تھے۔ [3]

[3] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو قصہ یوسف علیہ السلام بتایا جو سب سے بہتر اور حسین قصہ ہے۔ ورنہ آپ تو اس سے قبل اسے نہ جانتے تھے۔ یہ آپ کے لیے دلیل رسالت ہے اور ابھی سورہ یوسف کے تعارف میں آپ پڑھ چکے کہ کئی یہود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سورہ یوسف سن کر ایمان لے آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ کو یہ قصہ اللہ ہی نے بتایا ہے۔ ورنہ یہود کے سوا اس قصہ کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اس کو "احسن القصص" سب سے بہتر قصہ اس لیے کہا گیا کہ اس میں جو درسِ اخلاقیات ہے وہ قصصِ انبیاء میں سے کسی دوسرے قصہ میں نہیں۔ اس میں سیرتِ شاہان، مکرِ زنان، انجام حسد، ثمرِ صبر، فریادرسی مظلوماں، ناکامیِ ظالماں و دیگر ایمانی و اخلاقی عبر و دروس ہیں، تو اس لیے اسے "احسن القصص" کہا گیا۔ پھر انبیاء سابقین میں سے جو حسنِ صورت حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا اس کی مثال نہیں۔ پھر ان کے نسب سے بڑھ کر کسی کا نسب نہیں۔ پھر ان میں جو علوم جمع کے گئے ان کی بھی قصص انبیاء میں مثال نہیں اس لیے بھی یہ

''احسن القصص'' ہے۔

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ

جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا : ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج

وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى

اور چاند کو دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کرتے ہیں، انہوں نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب

اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی داؤ کریں گے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ [4]

حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا خواب اور اس کی تعبیر

[4] حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس وقمر انہیں سجدہ کرر ہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتایا انہوں نے فرمایا اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی داؤ کریں گے یعنی شیطان انہیں تمہارے خلاف اکسائے گا کیونکہ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ دراصل یعقوب علیہ السلام تعبیر خواب کا علم رکھتے تھے اور اس خواب کی تعبیر چالیس برس بعد ظاہر ہوئی، جب یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں، خود یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کی خالہ لایا نے یوسف علیہ السلام کو اس وقت سجدہ کیا جب وہ بادشاہ مصر تھے۔ تو گیارہ ستارے ان کے بھائی تھے۔ سورج یعقوب علیہ السلام تھے اور چاند ان کی خالہ لایا۔

امام خازن نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ خواب جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں دیکھا اور وہ لیلۃ القدر بھی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک روایت کے مطابق بارہ برس تھی۔ امام بغوی و خازن رحمہا اللہ فرماتے ہیں اس خواب سے یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سجدہ مستقبل میں ہو کر رہے گا۔ اس لیے انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر برادرانِ یوسف علیہ السلام کو یہ خواب معلوم ہوا تو وہ حسد کریں گے۔

اچھا خواب کسی مخلص کو بتانا چاہیے اور بُرا خواب بتانا ہی نہیں چاہیے

حضرت یوسف علیہ السلام نے بہترین خواب دیکھا، مگر بھائیوں کی طرف سے غلط ردِ عمل کا خدشہ تھا، اس لیے یعقوب علیہ السلام نے انہیں اپنا خواب بھائیوں پر ظاہر کرنے سے روک دیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے، اگر تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسے بتائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور اگر ناپسندیدہ خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (یعنی لَاحَوْل پڑھے) اور کسی کو وہ خواب نہ بتائے۔'' (مسلم کتاب الرؤیا حدیث ۴)

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ہے، اور وہ پرندے کے پاؤں پہ ہوتا ہے جب تک اسے بیان نہ کردے، جب خواب کو بیان کردیا گیا تو گویا وہ واقع ہوگیا، مزید فرمایا: ولا تحدث بها الا لبيبا او حبيبا، اور تم خواب کو صرف دانا یا مخلص دوست پر بیان کرو۔'' (ترمذی کتاب الرؤیا حدیث ۲۲۷۹، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کو شیطانی خواب آئے تو لوگوں کو شیطان کے اس کے ساتھ کھیلنے کے بارہ میں آگاہ نہ کرے۔''

(ابن ماجہ کتاب الرؤیا حدیث ۳۹۱۳)

خواب کی حقیقت کے بارہ میں آگے قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ (یوسف، ۴۴) کے تحت کچھ تفصیل آئے گی۔ ان شاء اللہ!

برادرانِ یوسف علیہ السلام کو برا نہیں کہنا چاہیے

گیارہ برادرانِ یوسف، یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں کی صورت میں دکھائے گئے اور یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کی خالہ کو مثل شمس وقمر دکھایا گیا، جس سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ برادرانِ یوسف سے جو گناہ سرزد ہوئے ان کی انہیں معافی دے دی گئی بلکہ کہا گیا: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ (یوسف: ۹۲) البتہ ان سے گناہوں کا صدور بتاتا ہے کہ وہ انبیاء ہرگز نہ تھے جیسا کہ بعض ائمہ نے وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ سے غلط مفہوم سمجھا۔ کیونکہ انبیاء سے ایسے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا جو برادرانِ یوسف سے ظاہر ہوئے، انبیاء قبل اعلان نبوت اور بعد اعلان نبوت ہر طرح کے صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے خاندان کا مختصر تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت عیص اور یعقوب علیہ السلام، عیص پہلے پیدا ہوئے یعقوب علیہ السلام بعد میں۔ اس لیے وہ یعقوب کہلائے یعنی عقب میں آنے والا۔ جب یہ دونوں بڑے ہوئے تو ان کے مابین کچھ رنجش پیدا ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کنعان میں رہتے تھے جسے آج کل ''حبرو'' کہا جاتا ہے جو اسرائیل کا اہم مقام ہے۔ یعقوب علیہ السلام اپنے بھائی عیص سے رنجیدہ ہوکر کنعان سے شام چلے گئے جہاں ان

کے خالولیا بن ناہر رہتے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ لایا اور راحیل۔ خالو نے اپنی دونوں بیٹیاں یعقوب علیہ السلام سے بیاہ دیں۔ اس وقت دو بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا جائز تھا جو شریعت موسیٰ علیہ السلام میں آ کر حرام ٹھہرایا گیا۔ خالو نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی بھی برائے خدمت دی، زلفہ اور بلھہ۔ تو دونوں نے اپنی اپنی لونڈی یعقوب علیہ السلام کو دیدی، یوں یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں ہوگئیں اور دو لونڈیاں۔ چنانچہ لایا سے یعقوب علیہ السلام کے ہاں چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی، بیٹے یہ تھے۔ روجیل، شمعون، یہودا، لاوی، یسجر، زیلون اور بیٹی کا نام دنیہ تھا۔ زلفہ سے دو بیٹے ہوئے: ران اور یغثالی، بلھہ سے دو بیٹے ہوئے جاد اور آشر، جبکہ راحیل عرصہ دراز تک بے اولاد رہی، پھر اس کے بطن سے یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی عمر اکانویں (۹۱) برس تھی۔ تب یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو لے کر شام سے اپنے مولد کنعان میں واپس آ گئے۔ یہاں آ کر راحیل سے ان کے ہاں آخری بیٹے بنیامین پیدا ہوئے، یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے درمیان دو برس کا فاصلہ تھا۔ بنیامین کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ راحیل فوت ہوگئیں۔ (روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ بیروت) تو یعقوب علیہ السلام کے ہاں کل بارہ بیٹے ہوئے اور ایک بیٹی۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ
اور تمہارا رب تمہیں چن لے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور اولاد یعقوب پر اپنی نعمت
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ
تمام کرے گا جیسے اس نے اس سے قبل تمہارے باپ دادا ابراہیم و اسحاق پر اپنی نعمت
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ع
تمام کی، بے شک تمہارا رب علم والا حکمت والا ہے [5]

[5] حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب پر یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: اے پیارے بیٹے! اللہ تمہیں اپنی عنایات کے لیے چن لے گا (بایں طور کہ بادشاہ بنائے گا) اور تمہیں تعبیر خواب کا علم دے گا۔ (کیونکہ یہ علم یعقوب علیہ السلام کے پاس تھا پھر وہ آپ کی اولاد میں سے نبوت پانے والے بیٹے کو دیا جانا تھا) اور تم پر اللہ اپنی نعمت کو پورا کرے گا (یعنی نبوت سے سرفراز فرمائے گا) اور آل یعقوب پر بھی منصب نبوت ارزانی کرے گا (چنانچہ بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیاء آئے) جیسے تمہارے دادا اسحاق اور پردادا ابراہیم علیہ السلام پر اللہ نے اپنی نعمت تمام کرتے ہوئے انہیں منصبِ نبوت عطا فرمایا۔ یہاں یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام ازراہِ تواضع نہ لیا حالانکہ منصبِ نبوت کی نعمت ان پر بھی تمام کی گئی تھی مگر بزرگوں کے برابر انہوں نے اپنا ذکر بھی مناسب نہ جانا۔ اس میں بزرگوں کی تعظیم کا بہترین درس ہے۔

ع ۱۱

اللہ تعالیٰ کے ہاں نبوت سے بڑا کوئی انسانی منصب نہیں

وَيُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعۡقُوۡبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيۡكَ کے تحت امام خازن فرماتے ہیں: معلوم ہوا اللہ جسے نبوت دے اس پر وہ اپنی نعمت تمام کر دیتا ہے گویا مخلوق کے لیے اس سے بڑا کوئی منصب نہیں۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۶۳) یہاں ہم وضاحت کر دیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ، کہ ''اے امت محمدیہ! اللہ نے تم پہ اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔'' (مائدہ، ۳) وہاں بھی نعمت سے مراد نبوت ہے، یعنی نبوت محمدیہ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے امتِ محمدیہ! میں نے تمہیں وہ نبی عطا فرمایا ہے جو سب سے افضل نبی ہے۔ گویا نبوت سے بڑا کوئی منصب نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت کو تمام مناصبِ دینیہ سے پہلے ذکر کیا اور فرمایا: اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ (نساء، ۶۹) اس لیے ائمہ اہل بیت کو انبیاء سے افضل کہنا الحاد فی الدین ہے۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيۡنَ ۞ اِذۡ قَالُوۡا لَيُوۡسُفُ

بلاشبہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں سوال کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ [6] جب بھائیوں نے کہا، یوسف اور اس کا

وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيۡنَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنِ ۞ۚۖ

بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں اور ہم مضبوط جماعت ہیں، بیشک ہمارے والد صاحب کھلی وارفتگی میں ہیں۔ [7]

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کا تاریک کنوئیں میں پھینکنا

[6] پیچھے سورہ یوسف کے تعارف میں گزر چکا ہے کہ یہود نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد فلسطین سے مصر کیسے آئی۔ تو اس کے جواب میں سورۂ یوسف اتری۔ جسے سن کر وہ انگشتِ بدنداں رہ گئے اور ان میں سے کئی ایمان لے آئے، مگر اکثر منکر ہی رہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ قصۂ یوسف و برادرانِ یوسف میں سائلین کے لیے نشانیاں ہیں۔ علاوہ ازیں اس قصہ میں عظیم عبرتیں اور ہدایتیں ہیں مثلاً یہ کہ حسد بری بلا ہے۔ ظلم کا انجام ندامت ہے۔

[7] حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر انہیں سجدہ کرتے ہیں کسی طرح ان کے بھائیوں تک پہنچ گیا جس سے ان کے سینہ میں نارِ حسد بھڑک اٹھی۔ مروی ہے کہ بھائیوں کی بیویاں پردے میں یہ خواب سن رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہروں کو بتا دیا، وہ کہنے لگے یوسف اور اس کا بھائی بنیامین (کیونکہ وہ دونوں ایک ماں سے تھے یعنی راحیل) ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم مضبوط جماعت ہیں یعنی نوجوان ہیں اور محنت و مشقت کر کے گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں جبکہ یوسف و بنیامین گھر میں باپ کے پہلو سے لگے رہتے ہیں، تو والد

یوسف علیہ السلام

تانیس یا افاریس (صان الحجر)

ہکسوس (چرواہے) بادشاہوں کا دار الحکومت

صحرائے شام
دریائے اردن
قیساریہ
بحیرۂ روم
نابلس (سکم)
یافا
اریحا
القدس (یروشلم)
عمان
اسکندریہ
بوطو
اسدود
بحیرۂ منزلہ
غزہ
سالیس
بحیرۂ تانیس
تانیس
افاریس
(صان الحجر)
الخلیل (حبرون)
بحیرۂ مردار
عریش
نیل کا ڈیلٹا
بئر سبع
جشن
کرک
اردن
فرما
بلبیس بوبسطہ
نقب
ہیلیوپولس
القاہرہ
(مصر الجدیدہ)
وادی سرحان
ممفس
قلزم (سویز)
پٹرا
معان
بحیرۂ قارون
صحرائے سیناء
فیوم
عقبہ
ایلہ (ایلات)
عرب
خلیج سویس (سویز)
جزیرہ نمائے سیناء
مصر
دریائے نیل
مدین
کوہ طور
تل العمارنہ
بحیرۂ قلزم (احمر)

صاحب کو ہم کماؤ بیٹوں سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ یقیناً والد صاحب کھلی وارفتگی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ یعقوب علیہ السلام یوسف و بنیامین سے اس لیے زیادہ محبت رکھتے تھے کہ وہ ساری اولاد میں سے چھوٹے تھے اور ان کی والدہ بنیامین کی پیدائش کے وقت فوت ہوگئی تھیں تو آپ انہیں باپ اور ماں دونوں کا پیار دیتے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کی پیشانی میں نورِ نبوت چمکتا تھا۔ جسے نگاہِ یعقوب علیہ السلام دیکھتی تھی اور مذکورہ بالا خواب کے بعد یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ متوجہ ہوگئے تھے کیونکہ ان کی طرف وراثتِ نبوت کی منتقلی واضح ہوگئی تھی۔

بدگمانی کی مذمت

برادرانِ یوسف علیہ السلام کو اپنے والد کے بارہ میں بدگمانی ہوئی کہ وہ یوسف و بنیامین کی ناحق طرفداری کرتے ہیں حالانکہ ان کے والد پیغمبرِ خدا تھے۔ گویا شیطان دلوں میں یوں بدگمانیاں پیدا کرتا ہے کہ قریبی خونی رشتوں اور روحانی عظمتوں کا تقدس بھی پامال کر دیتا ہے۔ برادرانِ یوسف کے دلوں میں ایسی بدگمانی پیدا ہوئی کہ ان کے دلوں میں باپ کا احترام اور ایک پیغمبرِ خدا کا تقدس دھندلا گیا اور وہ اپنے بھائی کے خلاف سازش کرنے لگے، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پہ رحم فرمایا اور بعد میں ان کو توفیق توبہ دیدی گئی اور یہ اللہ کا فضل ہے جس پہ چاہے، کردے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدگمانی بڑے بڑے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ اس سے حسد، بغض، کینہ اور عداوت کی افزائش ہوتی ہے۔

لفظ ضلال وارفتہ ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے

اس جگہ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ﴿۸﴾ میں ضلال بمعنی گمراہی نہیں ہے، کثیر مفسرین نے فرمایا کہ اگر برادرانِ یوسف ضلال کا معنی یہاں گمراہی لیتے تو کافر ہوجاتے کیونکہ پیغمبر خدا کو گمراہ کہنا کفر ہے۔ (مظہری، کبیر، بغوی، خازن، مدارک وغیرہم) لہٰذا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ﴿۷﴾ (ضحیٰ:۷) میں یہی معنی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وارفتۂ محبتِ خدا پایا تو آپ کی رہنمائی فرمائی۔ اس کا معنی یوں کرنا کہ اللہ نے آپ کو گمراہ پایا، سخت بے ادبی اور تنقیصِ شانِ رسالت ہے۔ جیسا کہ بعض اردو مترجمین قرآن سے یہ غلطی ہوئی۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

یوسف کو قتل کر دو یا ایسی جگہ (دور) پھینک دو کہ تمہارے والد کی توجہ تمہارے ہی لئے رہ جائے اور اس کے بعد تم

قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

صالح لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے تاریک کنوئیں میں پھینک دو (جہاں سے)

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا

اسے کوئی مسافر اٹھا لے گا اگر تم نے کچھ کرنا ہے (تو یہ کرو) [8] کہنے لگے: ابا جان کیا سبب ہے کہ آپ ہمیں یوسف پہ

عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ

امین نہیں سمجھتے، بیشک ہم اسکے خیرخواہ ہیں، اسے کل ہمارے ساتھ بھیجیں کہ کھلکھلائے اور کھیلے اور ہم اس کے

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ

محافظ ہیں [9] یعقوب نے فرمایا مجھے یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لیجاؤ اور مجھے خوف ہے کہ اسے

الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو کہنے لگے اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک مضبوط جماعت ہیں

اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو ہم تب خسارے ہی میں ہیں۔ [10]

[8] مروی ہے کہ شیطان انسانی شکل میں برادرانِ یوسف کے پاس آیا اور اس نے انہیں یوسف علیہ السلام کے قتل یا جلاوطن کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا وہ نارِ حسد میں جلنے اور اس ظلم کی تدبیر کرنے لگے۔ چنانچہ برادرانِ یوسف نے باہم مشورہ کیا کہ یوسف کو قتل کردو۔ یا کہیں دور چھوڑ آؤ کہ واپس نہ آسکے اور یوں تمہارے باپ کی شفقتیں تمہارے ہی لیے رہ جائیں گی۔ رہا بھائی کے قتل یا جلاوطن کرنے کا گناہ تو اس کے لیے تم بعد میں توبہ کر لینا اور نیک بن جانا۔ ان میں سے یہودا نے جو عمر میں یوسف علیہ السلام سے قریب تر تھا اور آپ کے بارہ میں قدرے نرم رویہ رکھتا تھا، کہا یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ کسی تاریک کنوئیں میں پھینک دو، ممکن ہے کوئی قافلہ گزرے اور کنوئیں سے پانی لینے کے لیے ڈول ڈالے تو یوسف کو

پالے اور اسے اپنے ساتھ دور لے جائے۔ یوں خود تمہیں یوسف کو کہیں دور چھوڑنے کے لیے جانے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ بھائیوں کو یہ رائے پسند آئی۔

حسد کی برائی

حسد کی وجہ سے برادرانِ یوسف آپ کو قتل کرنے پہ آمادہ ہوئے۔ معلوم ہوا حسد بھائی کو بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیتا ہے۔ حسد سے دور رہنا چاہیے۔ شیطان آدم علیہ السلام سے حسد رکھنے کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ گویا کائنات میں پہلا گناہ حسد ہی تھا، حسد ہی کے سبب قابیل نے اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔ جب شیطان ہمارے دل میں کسی کے لیے حسد پیدا کرنا چاہے تو ہمیں لاحول پڑھنا اور اس شخص کی اچھائیوں پر غور کرنا چاہیے کیونکہ ہر آدمی میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ ہر کسی کے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے، تو کسی کی نعمت پہ حسد کرنا اللہ تعالیٰ کی عطاء پہ اعتراض کرنا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایاکم والحسد فان الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب، "حسد سے بچو، کہ حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے۔" (ابوداود کتاب الادب حدیث ۴۹۰۳) یعنی جو شخص اپنی نیکیوں کو آگ لگانا چاہتا ہے وہ حسد کرے تو ایسا کوئی نہیں چاہتا، مگر شیطانی وسوسے دل میں حسد پیدا کر دیتے ہیں۔

توبہ کی امید پر گناہ کرنا شیطانی وسوسہ ہے

برادرانِ یوسف نے کہا یوسف کو قتل یا جلاوطن کر کے بعد میں نیک بن جانا یعنی توبہ کر لینا۔ اسی طرح شیطان انسان کو وسوسہ دیتا ہے کہ یہ گناہ کر لو پھر توبہ کر لینا، مگر ایک بار گناہ کرنے سے انسان گناہ پر مزید دلیر ہو جاتا ہے اور پھر گناہ کرتا جاتا ہے توبہ کی باری ہی نہیں آتی۔ اور توبہ توفیقِ الٰہی ہی سے ملتی ہے لہٰذا ایسا وسوسہ پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہیے۔

[9] برادرانِ یوسف نے مل کر والد صاحب سے کہا کہ آپ یوسف کو ہمارے ساتھ باہر گھومنے پھرنے کے لیے کیوں نہیں بھیجتے آپ ہم پر بھروسہ کیوں نہیں رکھتے؟ ہم اس کے محافظ و خیر خواہ ہیں۔ لہٰذا آپ کل اسے ہمارے ساتھ ضرور بھیجیں۔ وہ گھومے پھرے گا کھائے پیئے گا اور سیر و تفریح کرے گا۔ معلوم ہوا منافقت دل کا روگ ہے۔ برادرانِ یوسف حسد کی وجہ سے منافقت پر اتر آئے اور اپنے والد کو دھوکہ دینے لگے۔ افسوس آج ہمارے معاشرہ کے اکثر افراد کا کردار برادانِ یوسف کی اسی دوغلی پالیسی اور منافقت کا آئینہ دار ہے۔ برادرانِ یوسف نے تو بعد میں توبہ کر لی اور معافی مانگ لی مگر ہم یہ بھی نہیں کرتے۔

[10] ان کے والد یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں دو وجہ سے یوسف کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجتا۔ ایک تو یہی بات مجھے غمناک کرتی ہے کہ یوسف ایک لمحہ کو مجھ سے جدا ہو، مجھے اس کی فرقت برداشت نہیں۔ دوسرا مجھے ڈر ہے کہ اگر تم اسے

جنگل میں لے جاؤ تو کہیں اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے اور تمہیں خبر نہ ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خواب کہ یوسف پہ دس بھیڑیوں نے حملہ کیا ہے

مروی ہے کہ اس سے قبل یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے وہ کسی پہاڑ پر کھڑے ہیں اور یوسف علیہ السلام نیچے صحرا میں ہیں۔ اتنے میں دس بھیڑیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ پھر انہی میں سے ایک بھیڑیے نے انہیں بچایا۔ پھر یوسف علیہ السلام تین دن کے لیے زمین میں غائب ہو گئے۔ (روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۲۱)

اس خواب میں دس بھیڑیوں سے مراد دس برادرانِ یوسف تھے۔ جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ پھر انہی میں سے یہودا نے انہیں قتل سے روکا اور بعد میں انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکا اور آپ تین دن کنوئیں میں رہے۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی زیادہ فکر رہتی تھی۔ مگر بیٹوں نے آپ کی فکر دور کرنے کے لیے کہا: ابا جان آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ اگر ہماری مضبوط جماعت کی موجودگی میں یوسف کو بھیڑیا کھا جائے تو ہمارے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یعنی پھر تو لوگ ہمیں اپنی بکریاں چرانے کے لیے بھی نہیں دیں گے۔ وہ کہیں گے جو لوگ اپنے سگے بھائی کی بھیڑیوں سے حفاظت نہ کر سکے وہ ہماری بکریوں کی حفاظت کیا کریں گے؟ یوں ہمارا کاروبار ختم ہو جائے گا۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ
پھر جب وہ اسے لے چلے اور اس بات پہ متفق ہوئے کہ اسے ایک کنویں میں پھینک دیں تو ہم نے اسے وحی فرمائی
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾
کہ (ایک دن) تم انہیں ان کا یہ معاملہ ضرور بتاؤ گے اور وہ نہ جانتے ہوں گے [11]

[11] یعنی اگلے دن یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائی اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور آپ کو یہودا کی رائے کے مطابق تاریک کنویں میں پھینک دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ گھبرائیں نہیں۔ ایک دن آنے والا ہے جب آپ کے یہ بھائی آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونگے۔ آپ انہیں بتائیں گے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا ظلم کیا تھا۔ اس وقت انہیں شعور بھی نہ ہوگا کہ ان سے یہ بات پوچھنے والا ان کا بھائی یوسف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر بنے اور آپ کے بھائی حصولِ غلہ کے لیے آپ کے پاس مصر پہنچے تو وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ آپ نے ان سے پوچھا: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ ”کیا تمہیں یاد ہے تم نے یوسف سے کیا کیا تھا؟“ (یوسف:۸۹)

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں تسلی دی کہ آپ کا مستقبل بہت تابناک ہے۔آپ کنوئیں سے جلدی نکل کر ترقی کا سفر شروع کرنے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں گرایا جانا

حضرت یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں گرائے جانے کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائی جنگل میں لے گئے۔ پہلے مارا پیٹا، پھر قمیص اتار لی (یہ بھی مروی ہے کہ اس وقت وہ آپ سے کہتے تھے کہ اپنے ان گیارہ ستاروں اور شمس وقمر کو بلاؤ کہ تمہیں بچائیں) پھر انہوں نے آپ کے ہاتھ پیچھے باندھے، پھر آپ کو ایک بڑے ڈول میں بٹھا کر ایک کنوئیں میں لٹکا دیا۔آپ ڈول سمیت پانی پر جا کر گرے۔وہاں پانی میں سے ایک پتھر باہرا بھرا ہوا تھا آپ اس پر بیٹھ گئے۔یعقوب علیہ السلام نے آپ کو بھیجتے ہوئے آپ کے گلے میں وہ قمیص بطور تعویذ ڈال دی تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود میں جنت سے اتاری گئی اور انہیں پہنائی گئی تھی۔وہ قمیص وراثتاً یعقوب علیہ السلام تک پہنچی۔وہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے لیے بطور تعویذ ان کے گلے میں ڈال دی، تا کہ اس کی برکت سے ان کی جان کی حفاظت ہو۔
(تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

معلوم ہوا حفاظت کے لیے گلے میں تعویذ ڈالنا سنتِ انبیاء ہے اور تبرکات سے برکت لینے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں گرے تو فرشتے نے وہ قمیص کھول کر انہیں پہنا دی کیونکہ جو قمیص آپ نے پہن رکھی تھی وہ تو بھائیوں نے اتار لی تھی جب آپ نے جنتی قمیص پہنی تو کنواں روشن ہو گیا۔حضرت حسن تابعی کہتے ہیں یوسف علیہ السلام کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا اور آپ کے کھانے اور پینے دونوں کے لیے کفایت کرنے لگا۔جبرائیل علیہ السلام وہاں آپ کے پاس تین دن رہے اور آپ کی وحشت دور کرتے رہے۔مفصل واقعہ "تفسیر خازن" جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت میں دیکھیں۔

کنوئیں میں گرائے جانے کے وقت یوسف علیہ السلام کی عمر قوی روایت کے مطابق بارہ برس تھی۔کہتے ہیں یہ کنواں جس جگہ تھا اسے آج دوتن کہا جاتا ہے۔یہ جگہ نواحی شام میں طبریہ کے مقام پر ہے اور آج کل کنوئیں والی جگہ پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔(شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا عنوان چاہِ یوسف صفحہ ۷۵۸)

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝۱۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

اور وہ اپنے والد کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے، کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور ہم نے

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا

یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا، تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات نہیں مانیں گے خواہ ہم

صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

سچے ہوں۔[12] اور وہ حضرت یوسف کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ بات

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸

تمہارے لئے تمہارے دلوں نے گھڑی ہے تو صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ سے فریاد ہے۔[13]

یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے ایک قافلہ کے ہاتھ لگنا اور مصر میں فروخت ہونا

[12] برادرانِ یوسف علیہ السلام رات کے پچھلے پہر روتے ہوئے واپس آئے۔ وہ جھوٹ کا رونا رو رہے تھے تاکہ اپنے والد صاحب کو یقین دلائیں کہ وہ یوسف علیہ السلام کو دن بھر ڈھونڈتے رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے رونے چلانے کی آوازیں سنیں تو گھبرا کر باہر نکلے، کہا: میرے بیٹو! کیا ہوا کیا تمہاری بکریوں سے کوئی حادثہ ہوا ہے؟ اور تمہارے ساتھ یوسف نہیں ہے وہ کدھر ہے؟ کہنے لگے: ابا جان ہم جنگل میں تیراندازی کرتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے اور یوں ہم بہت دور نکل گئے۔ یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اب آپ ہماری بات نہیں مانیں گے خواہ ہم سچے ہوں کیونکہ یوسف سے آپ کی والہانہ محبت آپ کو اس کی موت کا یقین نہیں کرنے دے گی۔

ہر رونے والا سچا نہیں ہوتا

اور کسی کا محض رونا دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت قاضی شریح کے پاس ایک عورت کسی معاملہ میں جھگڑا لے کر آئی، وہ روئے جا رہی تھی۔ لوگوں نے کہا یہ بہت مظلومہ ہے۔ اس قدر رو رہی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا: برادرانِ یوسف علیہ السلام بھی رات کو روتے آئے تھے۔ مگر وہ سچے نہ تھے۔ لہٰذا گواہی کے بغیر محض رونے پہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ بیروت) اگر رونے ہی پہ حق ثابت ہونے لگے تو ہر آدمی رونے کا ناٹک کرے گا، کئی

لوگوں کو رونے کا فن آتا ہے۔

قاتلانِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم کی حقیقت

تاریخ بتاتی ہے کہ جن اہلِ کوفہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو باصرار دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا تھا انہی نے آپ کو شہید کیا اور انہی نے آپ کا ماتم بھی شروع کیا جو آج تک ہو رہا ہے۔ اہلِ تشیع کا مشہور مورخ وفضائل نگار ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ جب اہل بیت قیدی بن کر بازارِ کوفہ میں سے گزرے تو وہاں کے مرد و زن چھتوں پر چڑھ کر نوحہ خوانی وسینہ کوبی کرنے لگے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بر ما نوحہ مے کنید پس کہ مارا کشتہ است۔

تم لوگ ہم پر نوحہ خوانی کرتے ہو بتاؤ پھر ہمیں کس نے قتل کیا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے کوفیو! مکارو ہمیں قتل کر کے ہم پر روتے ہو۔ واللہ! تم تھوڑا ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔ (جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ مطبوعہ تہران)

یہی ملا باقر مجلسی یہ بھی لکھتا ہے:

اہل کوفہ خروش واویلاہ واحسرتاہ برآوردند، وصدائے نالہ وزاری وگریہ وسوگواری ونوحہ وخروش بہ فلک سیاہ پوش رسانیدند وزنان ایشاں موئے ہا بر سر پریشان کردند وخاک حسرت برفق خود ریختند وروہائے خود را خراشیدند وطمانچہ بر رخسار خود می زدند، وحشتے شد کہ دیدۂ روزگا ہرگز چناں ماتمے نہ دیدہ بود۔

اہل کوفہ نے ہائے حسرت وافسوس کی آوازیں بلند کیں (یعنی ہائے حسرت کہ ہم نے امام حسین کو خود بلایا پھر آپ کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا بلکہ ابن زیاد وعمرو بن سعد کا ساتھ دیا) اور اسقدر رونا چلانا شروع کیا کہ انکی چیخیں آسمان تک بلند ہونے لگیں، ان کی عورتوں نے سروں کے بال کھول لیے اور منہ چھیل لیے، اور منہ پہ طمانچے مارنے لگیں اور وہ ہائے ہلاکت پکار رہی تھیں۔ چنانچہ ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ زمانے کی آنکھ نے ایسا ''خوفناک ماتم'' کبھی نہ دیکھا تھا۔

(چہاردہ معصوم صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ قم)

آگے ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کا یہ ماتم دیکھ کر فرمایا:

آیا میدانید کہ نامہ ہا بہ پدر من نوشتید واورافریب دادید وعہد وپیمان ہا باو نوشتید وباو بیعت کردید ودر آخر کار بااو کارزار کردید ودشمن رابرو مسلط گردانید، پس لعنت بر شما باد۔

یعنی کیا تم جانتے ہو کہ تم ہی نے میرے والد گرامی کو خطوط لکھے۔ تم نے انہیں فریب دیا، ان سے عہد وپیمان باندھا اور ان سے بیعت کی اور آخر کار تم ہی نے ان سے جنگ کی اور ان کے دشمنوں کو ان پہ مسلط کر دیا، تو تم پہ لعنت ہو۔

(چہاردہ معصوم صفحہ ۲۱۳)

مزید تفصیل کے لیے میرے والد گرامی محققِ اسلام علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ کی تصنیف ''عقائد جعفریہ''

جلد اول کا مطالعہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ماتم حسین کا آغاز ابتداء میں گریہ برادرانِ یوسف کی شکل میں شروع ہوا اور قاتلانِ حسین نے اپنا گناہ چھپانے کے لیے ماتم کا ناٹک رچایا، مگر بعد میں یہ ایک رسم بن گیا۔ تو صرف ماتم کو دیکھ کر کسی فرقہ کو سچا نہیں مانا جاسکتا۔

[13] برادرانِ یوسف علیہ السلام نے انہیں کنوئیں میں گراتے ہوئے ان کی قمیص اتار لی تھی۔ پھر انہوں نے ایک ہرن ذبح کر کے اس کا خون قمیص پر لگایا اور رات کو روتے ہوئے والد صاحب کے پاس آئے تو انہیں وہ خون آلود قمیص دکھادی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص دیکھ کر فرمایا وہ بھیڑیا کس قدر دانا تھا اس نے میرے بیٹے کو کھالیا اور اس کی قمیص پر خراش تک نہ لگائی۔ اس لیے فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ ''کہ یہ بات تمہارے لیے تمہارے دلوں نے گھڑی ہے۔ لہٰذا صبر ہی اچھا ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ ہی سے فریاد ہے۔

مروی ہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام جنگل سے ایک بھیڑیا بھی پکڑ لائے اور کہا اس نے یوسف کو کھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی دی اس نے یعقوب علیہ السلام سے کہا اللہ نے درندوں پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ انبیاء کو کوئی تکلیف دیں۔ میرا بھائی جنگل میں گم ہوگیا تھا میں اسے تلاش کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے پکڑا اور آپ کے پاس لے آئے، آپ نے فرمایا: دیکھو! ایک بھیڑیا اپنے بھائی کی محبت میں اسے ڈھونڈ رہا ہے اور تم انسان ہو کر اپنے بھائی کو گم کر آئے ہو۔

یہاں سے فضیلتِ صبر معلوم ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق پر یعقوب علیہ السلام نے فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ کہا۔ اس میں درس ہے کہ مصیبت میں صبر ہی بہتر ہے۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تھی تو انہوں نے یہی آیت پڑھی تھی: فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (بخاری کتاب التفسیر سورہ یوسف باب ۲)

قرآن صبر یعقوب بتاتا ہے اور تورات ان کی بے صبری

مگر قرآن کے برعکس تورات میں لکھا ہے کہ یوسف کے فراق میں یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کر لیا اور اسے کمر سے باندھ کر کئی دنوں تک ماتم کرتا رہا اور یہی کہتا رہا کہ میں ماتم کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جاملوں گا۔ (تورات کتاب پیدائش جلد ۳۷ آیت ۳۵) اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شانِ نبوت کے مطابق وہی کلام ہے جو قرآن میں ہے اور تورات میں انسانوں نے اپنی منظر کشی ڈالی ہے۔ جو شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی ہر تحریف سے پاک کتاب ہے، جبکہ موجودہ بائبل محرف کتاب ہے، اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے، سوائے اس کے جو قرآن کے مطابق ہو۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا

اور ایک قافلہ آیا، انہوں اپنا پانی لانے والا آدمی بھیجا اس نے (کنویں میں) اپنا ڈول لٹکایا تو پکارا یہ لڑکا ہے اور

غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ

انہوں نے اس کو سامان فروخت کے طور پر چھپا لیا اور ان کے اعمال سے اللہ واقف تھا۔[14] اور برادرانِ یوسف نے

بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ؑ

ان کو معمولی قیمت پر جو چند درہم تھے بیچ دیا اور وہ ان کے بارہ میں بے رغبت تھے۔[15]

[14] مروی ہے کہ وہ مدین سے مصر جانے والا ایک قافلہ تھا جو راستہ بھول کر ادھر آ نکلا وہ اس کنوئیں کے قریب فروکش ہوئے۔ یہ کنواں بستی سے دور چرواہوں اور راہ گیروں کے لیے تھا۔ قافلہ والوں نے اپنے ایک شخص مالک بن زعر کو پانی کے لیے بھیجا، اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کی رسی کے ساتھ لٹک گئے۔ جب آپ رسی کے ذریعے باہر نکلے تو وہ شخص آپ کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس لیے حدیثِ معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں تیسرے آسمان پر میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا۔ و قد اعطی شطر الحسن "انہیں بڑے حسن سے نوازا گیا ہے۔" (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۹)

اس شخص نے پکارا کہ دیکھو یہ کس قدر حسین لڑکا ملا ہے۔ تب اہل قافلہ نے یوسف علیہ السلام کو چھپا کر رکھ لیا تا کہ انہیں بازار مصر میں جا کر فروخت کریں اور بڑا مال کمائیں۔ مروی ہے جب یوسف علیہ السلام کنوئیں سے باہر آئے تو کنوئیں کی دیواریں آپ کے فراق میں رو پڑیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۷۰) یہ اسی طرح تھا جیسے حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے خشک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ جمعہ دیتے تھے۔ پھر جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپ تنے کو چھوڑ کر منبر پر بیٹھے تو وہ تنا آپ کے فراق میں رونے لگا۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ آپ کے بھائی یہودا کے دل میں رحم آیا وہ آپ کے لیے کھانا لایا کہ اسے کنوئیں میں لٹکائے، شائد اگر آپ زندہ ہوں تو کھانا پکڑ لیں۔ وہاں دیکھا کہ ایک قافلہ والوں نے آپ کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا رکھا ہے۔ اس نے جا کر بھائیوں کو خبر دی، سب بھائی آ گئے اور قافلہ والوں سے کہنے لگے یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے اسے تم قیمت دے کر لے جا سکتے ہو۔ بھائیوں نے اپنی عبرانی زبان میں جو اہل قافلہ نہ سمجھ سکے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر آپ نے قافلہ والوں کو اصل حقیقت بتائی تو وہ آپ کو مار ڈالیں گے، چنانچہ یوسف علیہ السلام خاموش رہے۔

[15] بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو معمولی قیمت پر چند درہموں میں قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ دس بھائی تھے انہوں نے بیس درہم قیمت وصول کی اور دو دو درہم باہم بانٹ لیے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۱۶ روایت ۱۱۴۲۵) اصل میں وہ قیمت وصول کرنے میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ قافلے والے یوسف علیہ السلام کو جلدی وہاں سے دور لے جائیں۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ
اور جس نے ان کو مصر میں خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس غلام کا رہنا سہنا اچھا بناؤ، ممکن ہے یہ ہمیں
يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ
فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔[16] اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین میں اختیار دیا
وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ
اور تا کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر بتائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے۔ مگر اکثر
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ
لوگ نہیں جانتے۔[17] اور جب یوسف (علیہ السلام) اپنی پختہ عمر کو پہنچے۔ تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
اور ہم محسنوں کو ایسے ہی جزا عطا فرماتے ہیں[18]

[16] حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو مصر لے گئے اور آپ کو وہاں جا کر فروخت کیا۔ حضرت وہب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب اہل قافلہ یوسف علیہ السلام کو مصر لیجا رہے تھے تو راستہ میں وہ قبرستان آ گیا جس میں آل یعقوب کی قبریں تھیں، تو یوسف علیہ السلام اپنی والدہ کی قبر پہ گر پڑے، اور بھائیوں نے آپ کے ساتھ جو ظلم کیا تھا اس کی فریاد کی۔ آپ وہاں رو رہے تھے کہ اہل قافلہ میں سے ایک حبشی غلام نے آپ کو ٹھوکر ماری کہ یہاں کیا کر رہے ہو، تو اسی وقت سیاہ بادل چھا گیا اور ایسا غبار اٹھا کہ ہر چیز اس میں چھپ گئی۔ قافلہ کے سردار نے اہل قافلہ سے کہا کہ ضرور تم میں سے کسی نے ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے یہ ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ اس حبشی غلام نے کہا: میں نے اس کنعانی لڑکے کو مارا ہے، مجھے لگتا ہے کہ یہ سارا اس وجہ سے ہوا ہے۔ وہ سردار یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: اے لڑکے!

تمہارے ساتھ اس غلام نے ظلم کیا ہے اگر تم بدلا لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو، ورنہ معاف کردو۔ آپ نے اسے معاف کردیا تو اسی وقت بادل چھٹ گیا غبار تھم گیا اور آسمان روشن ہوگیا، اس کے بعد قافلہ کا سردار آپ کا بہت احترام کرنے لگا۔
(جامع البیان جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰)

مصر میں یوسف علیہ السلام کو بیچا جانا

الغرض آپ کو مصر میں لایا گیا۔ وہاں جب آپ کو دریائے نیل سے غسل کروا کر عمدہ خوبصورت کپڑے پہنائے گئے تو بازار مصر کی دیواریں آپ کے حسن و جمال سے چمک اٹھیں۔ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۵۹)

حضرت وہب ہی سے مروی ہے جب آپ کو فروخت کے لیے کھڑا کیا گیا تو لوگ بڑھ چڑھ کر آپ کی قیمت مقرر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کی قیمت یہ طے ہوئی کہ آپ کو ایک بار سونے میں دوسری بار چاندی میں اور تیسری بار کستوری وریشم میں تولا جائے اور آپ کا وزن اس وقت چار سو رطل تھا اور آپ کی عمر تیرہ برس تھی تو اس قیمت پر عزیزِ مصر (حاکم مصر) قطفیر نے آپ کو خریدا اور گھر لے گیا اور اپنی بیوی زلیخا سے کہنے لگا اس لڑکے کو بہت عزت وتکریم کے ساتھ گھر رکھو ممکن ہے ہم اسے بیچ دیں اور یہ ہمیں بہت بڑا نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں کیونکہ وہ بے اولاد تھا۔ یہ روایات بھی ہیں کہ وہ اولاد کے قابل نہ تھا۔

[17] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں اختیار دیا یعنی کنعان کے کنوئیں سے نکال کر عزیز مصر کے گھر پہنچا دیا اور وہ عزیزِ مصر کے گھر میں رہنے کی وجہ سے بڑے اختیارات کے مالک تھے۔ اللہ فرماتا ہے یہ ہم نے اس لیے بھی کیا تا کہ ہم یوسف علیہ السلام پر دنیوی خزانوں کی طرح علوم و معارف کے خزانے بھی کھولیں اور انہیں بذریعہ وحی علم تعبیر خواب عطا فرمائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب پوشیدہ رہے مگر اللہ نے اسے ظاہر کردیا۔ برادرانِ یوسف نے چاہا کہ وہ رو دھو کر اور جھوٹ پر مبنی خون آلود قمیص دکھا کر اپنے والد کو دھوکہ دے سکیں مگر اللہ نے ان کا جھوٹ ظاہر کردیا۔ اسی طرح بعد میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت رکھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاک دامنی ظاہر کردی۔ الغرض اللہ رب العزت ہی اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

زلیخا کا یوسف علیہ السلام کے پیچھے پڑنا اور اللہ کا انہیں بچانا

[18] جب حضرت یوسف علیہ السلام پختہ عمر کو پہنچے بروایت حسن تابعی جب ان کی عمر چالیس برس کو پہنچی تو اللہ فرماتا ہے ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ حکم سے مراد نبوت ہے اور علم سے مراد احکامِ شرع کا جاننا ہے۔ (بغوی، قرطبی، خازن) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم محسنوں (نیکوکاروں) کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ان کے صبر کی

جزادی۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ

اور جس عورت کے گھر وہ رہتے تھے اس نے ان کا دل لبھانا چاہا اور دروازے بند کر لئے اور کہا

هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

میرے پاس آ جاؤ۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے اس نے میرا رہنا سہنا اچھا کیا بیشک ظالم لوگ کامیابی

الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

نہیں پاتے [19] اور بلا شبہ اس عورت نے ان کا ارادہ کیا اور وہ بھی ان کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے [20]

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝۲۴

اسطرح اس لئے ہوا تا کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں بیشک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے [21]

[19] حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیزِ مصر نے خرید کر اپنے گھر میں رکھا تھا اور بیوی سے کہا تھا اس غلام کا رہنا سہنا اچھا بناؤ۔ اس کی بیوی کا نام زلیخا تھا جو مصر کے بادشاہ اعلیٰ ولید بن ریان کے خاندان سے تھی اور حسن و جمال میں زنانِ مصر میں اپنی مثل نہ رکھتی تھی۔ جب اس کے شوہر نے اسے یوسف علیہ السلام کی بہتر خدمت کا حکم دیا تو وہ آپ پر فریفتہ ہونے لگی۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس کا شوہر اس کے قابل نہ تھا اس لیے بے اولاد تھا اور اسی لیے اس نے زلیخا سے کہا تھا: اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ ''کہ ممکن ہے ہم یوسف کو بیٹا بنالیں۔'' (یوسف: ۲۱) اور اسی لیے جب اسے زلیخا کی یوسف علیہ السلام پر فریفتگی کا علم ہوا تو وہ اپنی اسی کمزوری کی وجہ سے اسے اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اور اسی لیے زلیخا یوسف علیہ السلام کی طرف مائل ہوگئی کیونکہ وہ آج تک جسمانی خواہش کی تکمیل سے عاری تھی۔ بہر حال زلیخا یوسف علیہ السلام کا دل لبھانے لگی۔ ایک دن وہ آپ کو تنہائی میں لے گئی اور پیچھے سے دروازے بند کرتی گئی۔ مروی ہے کہ وہ آپ کو سات کمروں کے اندر لے گئی۔ (قرطبی) وہاں اس نے ایک کمرہ بہت سجا رکھا تھا۔ وہاں اس نے آپ کو برائی کی طرف مائل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ! عزیزِ مصر نے مجھے اپنے گھر میں رکھ کر میرا رہنا سہنا اس قدر اچھا کیا ہے۔ اب میں اس کے احسانات کا بدلہ کیا اس ظلم کے ساتھ دوں؟ ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے اس نے مجھے اس قدر بہتر ٹھکانہ دیا کہ عزیزِ مصر کے گھر ٹھہرایا۔ اب میں اللہ کی نافرمانی کر کے ظالم کیوں بنوں؟ حضرت سدی سے مروی ہے کہ زلیخا کہنے لگی اے

یوسف! تمہارے بال کتنے خوبصورت ہیں۔ آپ نے فرمایا مرنے کے بعد یہی سب سے پہلے جسم سے جھڑ جاتے ہیں۔ کہنے لگی تمہاری آنکھیں کتنی پیاری ہیں آپ نے فرمایا مرنے کے بعد آنکھیں ہی سب سے پہلے بہہ جاتی ہیں۔ الغرض وہ آپ کو برائی کی طرف بلاتی اور آپ اسے فکرِ آخرت کی طرف متوجہ کرتے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۲۷ روایت ۱۱۴۷۵)

اس جگہ ارشاد ربانی وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ میں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پہ خوبصورت روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی بتایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کے گھر میں رہتے تھے، یعنی (بظاہر) اس کے غلام تھے اور غلام پہ گھر والوں کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ وہ اسے جو کہیں اسے کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود یوسف علیہ السلام کا زلیخا کو خود سے دور کرنا آپ کی عظمت کردار کی اعلیٰ دلیل ہے۔

[20] وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے برائی کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے اسے خود سے دور کرنے کا ارادہ کیا اور اگر آپ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو اس کی طرف مائل ہو جاتے۔ (ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۴۹۲، قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۶۶) دوسری تفسیر یہ ہے کہ امام ابو حاتم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارہ میں پوچھا، انہوں نے فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور آپ بھی اس کا ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے، مگر چونکہ آپ نے رب کی دلیل دیکھ لی تھی، اس لیے ارادہ تک نہ کیا۔ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۶۶ مطبوعہ داراحیاء بیروت بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

گویا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں وَهَمَّ بِهَا جزاء مقدم ہے اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ شرط موخر، اس کی مثال قرآنِ مجید میں یوں ہے: اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا "قریب تھا کہ والدہ موسیٰ علیہ السلام اپنے مولود کا معاملہ ظاہر کر دیتیں۔ اگر ہم ان کے دل کی ڈھارس نہ بندھاتے۔" (قصص: ۱۰) تو جیسے یہاں جزا مقدم اور شرطِ موخر ہے اسی طرح وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ الخ میں ہے۔ گویا یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا ارادہ تک نہیں کیا۔

یوسف علیہ السلام کے ارادۂ گناہ کے بارہ میں موضوع اسرائیلی روایات

اس آیت کی تفسیر میں بعض رکیک و موضوع روایات بھی وارد ہیں جن سے یوسف علیہ السلام جیسے پیغمبر کی عظمتِ نبوت داغدار ہوتی ہے۔ مثلاً ان میں لکھا ہوا ہے کہ (معاذ اللہ) یوسف علیہ السلام نے اپنا ازار بند کھول لیا اور زلیخا کے پاس بیٹھ گئے۔

مگر یہ سب عصمتِ نبوت کے خلاف بدبودار من گھڑت اسرائیلی روایات ہیں جو یہود نے گھڑی ہیں اور کسی طرح ہماری کتب تفسیر میں در آئی ہیں۔ امام رازی، امام خازن اور امام قرطبی جیسے جلیل القدر مفسرین نے ان سب کو من گھڑت قرار دیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر بالفرض برائی کا ارادہ کیا ہوتا تو قرآن میں آپ کا استغفار مذکور ہوتا جیسا کہ بعض انبیاء سے بعض اجتہادی اور خلافِ اولیٰ خطاء کے صدور پر استغفار مذکور ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کا کہنا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا داؤد علیہ السلام کے بارہ میں کہا گیا۔ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴿۲۴﴾ (ص:۲۴) مگر یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی استغفار مروی نہیں، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قلب مبارک میں برائی کا ارادہ تک نہ آیا۔ پھر خود اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا: كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ''کہ ہم نے ان سے ہر برائی اور بے حیائی دور کر دی۔'' (یوسف:۲۴)

پھر زلیخا کے شوہر نے کہا: اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ''اے عورتو یہ سب تمہارا مکر ہے۔'' (یوسف:۲۸)

پھر جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دینے کی دھمکی دی تا کہ آپ اس کی طرف مائل ہوں تو آپ نے فرمایا: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ''اے میرے رب! یہ عورتیں مجھے جس برائی کی طرف بلاتی ہیں اس سے بہتر جیل میں چلا جانا ہے۔'' (یوسف:۳۳)

پھر جب جیل میں بارہ برس گذارنے کے بعد یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی ظاہر ہوگئی تو خود زلیخا نے کہا: اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۵۱﴾ ''اب حق واضح ہوگیا ہے میں نے ہی یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ سچے انسان ہیں۔'' (یوسف:۵۱)

ان تمام آیاتِ قرآنیہ کی موجودگی میں ایسی بے ہودہ موضوع اسرائیلی روایات کی کیا حقیقت ہے جو بعض مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ایسی روایات جھوٹ کا پلندا ہیں۔ پھر انبیاء کرام کا کبائر سے قبل نبوت وبعد نبوت معصوم ہونا پوری امت میں متفق علیہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور اس پہ نصوص قطعیہ وارد ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب کی کیا دلیل دیکھی؟

اس جگہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کے تحت متعدد اقوال ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے وہ کونسی برہانِ ربانی دیکھی جس کی وجہ سے گناہ ان کے قریب نہ آسکا؟ اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس کمرہ میں جہاں انہیں زلیخا لے گئی تھی، یعقوب علیہ السلام کی صورت نظر آئی۔ فضرب بیدہ علی صدرہ۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے سینے پر اپنے ہاتھ سے ضرب لگائی۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام وہاں سے بھاگ اٹھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۲۳ روایت ۱۱۴۷۷ مطبوعہ مکہ، تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ بیروت)

گویا بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے یعقوب علیہ السلام مراد ہیں اور بلاشبہ سب انبیاء اللہ کی برہان ہیں۔ اسی لیے حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں فرمایا گیا: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (نساء، ۱۷۴)

معلوم ہوا مقبولانِ خدا باذنِ پروردگار غائبانہ مدد کے لیے پہنچ سکتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی مدد کے

لیے باذنِ الٰہی پہنچے اوران کے سینے پر ہاتھ مار کرانہیں بھگایا۔

[21] یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی دلیل اس لیے دکھائی (یعقوب علیہ السلام انہیں وہاں اس لیے دکھائے گئے) تاکہ ہم ان سے ہر برائی و بے حیائی دور کردیں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔یعنی ان بندوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے نبوت کے لیے چن لیا۔

عقیدۂ عصمتِ انبیاء کی حقانیت

حضرت یوسف علیہ السلام سے برائی دور رکھی گئی اور فرمایا گیا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۝۲۴ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں، یعنی انبیاء میں سے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ جب شیطان کو جنت سے دھتکارا گیا تو اس نے کہا:

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝۴۰ ''اے اللہ! میں تیرے سب بندوں کو گمراہ کروں گا،سوا تیرے برگزیدہ بندوں کے۔'' (حجر:۴۰) صاف معلوم ہوا کہ انبیاء پر شیطان داؤ نہیں کرسکتا کیونکہ وہ برگزیدہ بندے ہیں اور خود شیطان کو اعتراف ہے کہ ان پر اسکا داؤ نہیں چل سکتا، ویسے بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر انبیاء برگزیدہ نہیں ہیں تو پھر اللہ کے برگزیدہ بندے کون ہوتے ہیں؟

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ

اور وہ دونوں دروازے کی طرف لپکے، عورت نے انکی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے عورت کے شوہر کو دروازے پر پایا،

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ

کہنے لگی اسکی سزا کیا ہے جو آپکی بیوی سے برائی چاہے، الایہ کہ اسے قید کیا جائے یا کوئی دردناک عذاب،

اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

حضرت یوسف نے کہا اس عورت نے میرا دل لبھانا چاہا [22] اور عورت کے اہل خانہ میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر انکی

كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ

قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ سچی ہے اور وہ سچے نہیں ہیں اور اگر ان کی قمیص

قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهُ

پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور حضرت یوسف سچے ہیں جب عورت کے میاں نے ان کی قمیص دیکھی

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ

تو وہ پیچھے سے پھٹی تھی، کہنے لگا یہ تم عورتوں کا مکر ہے بلاشبہ تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔ [23] اے یوسف!

اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٜ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

تم اس بات سے صرف نظر کرو اور اے عورت! تم اپنے گناہ کی معافی مانگو بیشک تم ہی خطاوار ہو۔ [24]

[22] چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے بھاگ اٹھے، زلیخا آپ کے پیچھے بھاگی۔ اس کا ہاتھ آپ کی قمیص پر پڑ گیا۔ آپ آگے بھاگے اس نے پیچھے کھینچا، قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ حضرت یوسف گر پڑے پھر اٹھ کر بھاگ پڑے۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ کمروں کے دروازے خود کھلتے گئے۔ پیچھے زلیخا بھی بھاگی آ رہی تھی۔ آخری دروازے پر دونوں نے دیکھا کہ زلیخا کا شوہر کھڑا ہے۔ زلیخا نے فوراً بات بناتے ہوئے کہا: اے میرے سرتاج! جو شخص تمہاری بیوی سے برائی کرنا چاہے اس کی سزا کیا ہے۔ سوا اس کے کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا کوئی سخت سزا دی جائے۔ عزیز مصر نے کہا کھل کر بتاؤ کیا ماجرا ہے؟ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس عبرانی غلام نے مجھ پر

دست درازی کرنا چاہی ہے۔عزیز مصر کو سخت غصہ آیا اور روایات کے مطابق اس نے یوسف علیہ السلام پر برسنا شروع کیا۔تب آپ نے فرمایا:اے عزیز مصر!یہ سب جھوٹ ہے۔خود زلیخا نے مجھے برائی کی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔

شوہر بیوی کا آقا وحاکم ہوتا ہے

اس جگہ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط سے معلوم ہوا کو شوہر بیوی کا آقا وسردار ہوتا ہے،بیوی اس کی ماتحت اور محکوم ہے،یہاں زَوْجَهَا کی بجائے سَیِّدَهَا کہہ کر مرد کی عورت پر حاکمیت واضح کی گئی ہے۔اہل مغرب نے بیوی کے اختیارات کو مرد سے برابر بلکہ اس سے زیادہ قرار دے کر جو نقصانات اٹھائے ہیں وہ مغرب میں رہ کر ہی معلوم کیے جاسکتے ہیں۔میں یہ تفسیر برطانیہ میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں اور یہ باتیں علیٰ وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں۔عورت ناقصة العقل ہے اگر اسے اہل مغرب کی طرح مرد کی گرفت سے آزادی دیدی جائے تو گھر کا نظام ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور پیچھے بے حیائی رہ جاتی ہے اور یہی کچھ یورپ میں ہورہا ہے۔

جو نوجوان اپنی عزت بچانا چاہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے تمام اختیار اور دباؤ کے باوجود اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنا چاہی تو اللہ نے انکی مدد کے لیے غیب سے اسباب مہیا کیے۔معلوم ہوا جو شخص بھی شیطان سے بھاگنا چاہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے،ان کا ارشاد ہے:اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ.''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''(محمد صلی اللہ علیہ وسلم،۷)

اور ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے:''اے میرے بندے!اگر تو میری طرف ایک قدم آئے تو میں تیری طرف دس قدم آتا ہوں،اگر تو میری طرف چل کر آئے تو میں تیری طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''(بخاری کتاب التوحید باب ۱۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر معجزانہ گواہی

[23] حضرت عبداللہ بن عباس،ابو ہریرہ،حسن،سعید بن جبیر اور ضحاک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہاں زلیخا کے خاندان کا ایک شیر خوار بچہ جو گہوارے میں پڑا تھا بول اٹھا۔(ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''چار بچوں نے شیر خوارگی میں کلام کیا ہے۔بنت فرعون کو کنگھی کرنے والی عورت کا بچہ۔یوسف علیہ السلام کا گواہ بچہ،جریج کا گواہ بچہ اور عیسیٰ علیہ السلام''۔(تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۱۹۲ بیروت)

الغرض اس بچے نے کہا:دیکھو اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف علیہ السلام سچے نہیں ہیں۔(گویا یوسف علیہ السلام نے حملہ کیا اور زلیخا نے اپنا دفاع کرتے ہوئے ان کا کرتا آگے سے پھاڑ دیا)اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف علیہ السلام سچے(اس طرح معنی یہ ہے کہ وہ عزت بچانے کیلئے بھاگے اور زلیخا نے پیچھے سے ان کا دامن پکڑ کر روکنا چاہا تو پیچھے سے ان کی قمیص پھٹ گئی)۔جب عزیزِ مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام کی قمیص

دیکھی تو وہ پیچھے سے کافی زیادہ پھٹی ہوئی تھی۔ تو وہ کہنے لگا اے عورتو! یہ تمہارا مکر ہے تمہارا مکر بہت بڑا ہوتا ہے۔ شائد وہ اپنی نامردی کی وجہ سے اپنی بیوی سے اس قدر مرعوب تھا کہ سیدھا اسے نہ کہہ سکا کہ اے زلیخا! یہ تیرا مکر ہے بلکہ اس نے کہا یہ تم عورتوں کا مکر ہے (کہ اپنی عزت بچانے کے لیے تم پاکدامن لوگوں پر بہتان باندھ دیتی ہو)۔

اس کے علاوہ بھی یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے کئی شواہد وہاں موجود تھے جن کی وجہ سے ان پہ زلیخا کا الزام سچا نہیں ہوسکتا تھا، مثلاً زلیخا نے مکمل بناؤ سنگار کر رکھا تھا جبکہ یوسف علیہ السلام اپنی عمومی حالت میں تھے، یہ صورت حال بھی بتارہی تھی کہ برائی کا تقاضا زلیخا کی طرف سے تھا نہ کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے۔ پھر یوسف علیہ السلام زلیخا کے گھر میں سال ہا سال سے رہ رہے تھے، اور آپ نے کبھی اس کی طرف نگاہ غلط انداز نہیں ڈالی تھی اور زلیخا کا شوہر قطفیر بھی یہ سب کچھ دیکھتا تھا، اس لیے بھی اس کو زلیخا کی باتوں کا یقین کرنا مشکل تھا۔

عورتوں کے مکر وفریب۔

عورتوں کے لیے کہا گیا اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور بلاشبہ اگر عورتیں مکر وفریب کرنے پر آئیں تو شیطان سے بڑھ جاتی ہیں۔ شیطان کے بارہ میں کہا گیا۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ''شیطان کا داؤ کمزور ہے۔'' (نساء: ۷۶) اور عورتوں کے لیے کہا گیا۔ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ''تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔'' مگر یہ عمومی بات ہے، ورنہ بعض عورتیں اپنی طہارت و پرہیز گاری میں مردوں سے بھی افضل ہیں۔ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے لیے کہا گیا: وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ (آل عمران: ۴۲)

عظمت وفضیلت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

دیکھو یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے لیے بچے نے گواہی دی، سیدہ مریم کی پاکدامنی کے لیے ان کے شیر خوار بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گواہی دی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی بتانے کو اللہ رب العزت نے قرآن میں سورہ نور کی ۱۸ آیات اتاریں۔ یہ اللہ کے ہاں ان کا مقام ومرتبہ ہے، اس کے باوجود اہلِ تشیع کا ہر وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنا اور ان پر لعن طعن کرتے رہنا کس قدر بد دینی وگمراہی ہے۔

[24] پھر عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا زلیخا نے آپ سے جو کچھ کیا ہے اسے بھول جائیں، پھر اس نے زلیخا سے کہا تم نے ایک پاکدامن انسان پر تہمت رکھی ہے۔ اس گناہ کی اس سے معافی مانگو یا یہ کہ اللہ سے توبہ کرو کہ تم ہی خطاوار ہو۔ معلوم ہوا یوسف علیہ السلام کے بارہ میں ارادہ گناہ کی سب روایات جھوٹی اور قرآن سے متصادم ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے اس پیغمبرانہ کردار میں سب مسلم نوجوانوں خصوصاً یورپ و امریکہ جیسے آزاد ماحول میں رہنے والے نوجوانوں کے لیے عظیم درسِ نصیحت ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام زلیخا کے تمام اختیار اور دباؤ کے باوجود خود کو گناہ سے دور رکھ سکتے ہیں تو وہ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

ایک صالح نوجوان کا اپنی پاکدامنی کو بچانا

علامہ ابن جوزی نے حکایت لکھی ہے کہ ایک خوبصورت صالح نوجوان سے ایک بزرگ کو بہت عمدہ خوشبو محسوس ہوتی تھی، جو دنیا کی کسی خوشبو سے مماثلت نہیں رکھتی تھی۔ ایک دن بزرگ نے اس نوجوان سے اس خوشبو کا راز پوچھا، اس نے بتانے سے انکار کیا۔ جب اصرار کیا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ کپڑے کی دوکان پہ کام کرتا تھا۔ ایک دن وہاں ایک مالدار عورت آئی اور اس نوجوان کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگی۔ عورت نے گھر جا کر اپنی لونڈی کو دوکان پہ بھیجا کہ مجھے متعدد کپڑے چاہئیں۔ لہٰذا فلاں فلاں کپڑوں کے نمونے دوکان پہ کام کرنے والے نوجوان کے ہاتھ بھیج دیے جائیں، مجھے جو کپڑے پسند آئیں گے میں لے لوں گی۔ اس نوجوان کو کپڑے دے کر بھیج دیا گیا۔ نوجوان کو کمرے میں بٹھا دیا گیا اور عورت اس کو تنہائی میں لے گئی اور اس سے گناہ کا تقاضا کیا۔

جب نوجوان نے دیکھا کہ بھاگنے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تو اس نے کہا: ٹھہرو مجھے طہارت خانہ جانا ہے۔ وہ طہارت خانہ میں گیا اور اپنے جسم سے جو غلاظت نکلی اسے اپنے کپڑوں اور جسم پہ مل لیا۔ جب وہ اس حالت میں غلاظت سے لت پت باہر نکلا تو عورت نے شور مچا دیا، پاگل پاگل۔ یوں اس نوجوان نے بھاگ کر جان بچائی، وہ نوجوان بتانے لگا کہ اس دن سے میں خود بھی اپنے جسم میں عجیب خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں امیر مصر کی بیوی اپنے غلام کا دل لبھاتی ہے، اس کا دل غلام کی محبت سے لبریز ہے

شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ

اسے کھلی بے راہ روی میں دیکھتی ہیں جب زلیخا نے ان کا داؤ سنا تو انہیں بلا لیا۔[25] اور ان کے لئے گاؤ تکیے

اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ

لگادیے اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دیدی اور یوسف (علیہ السلام) سے کہنے لگی

سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

ان عورتوں کے سامنے آؤ، جب عورتوں نے آپ کو دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹنے لگیں

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝

اور کہنے لگیں، اللہ کی بڑائی ہے یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہی ہے۔[26]

حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنان مصر کا اپنے ہاتھ کاٹ لینا

[25] زلیخا کے یوسف علیہ السلام کے پیچھے پڑنے اور آپ کی قمیص پھاڑنے کے واقعہ کو اگرچہ دبانے کی کوشش کی گئی مگر کسی نہ کسی طرح یہ خبر شہر میں پھیل ہی گئی اور طبقہ امراء کی عورتیں باہم چہ میگوئیاں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے زرخرید غلام پر فریفتہ اور بے راہ روی کا شکار ہوگئی ہے۔ زلیخا نے جب ان کی یہ پرمکر باتیں سنیں تو انہیں اپنے ہاں بلالیا۔ مکر کا لفظ اس لیے بولا گیا کہ بظاہر وہ زلیخا پر اعتراض کر رہی تھیں۔ مگر حقیقت میں وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ کس نگارِ پری پیکر کے جلوۂ حسن نے عزیز مصر جیسے بڑے آدمی کی بیوی کے ہوش اڑا دیے ہیں۔

[26] حضرت زید بن اسلم (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب زنانِ مصر زلیخا کے بلانے پر آ گئیں اور سب نے کھانا کھالیا تو زلیخا نے انہیں لیموں اور چھریاں دیدیں۔ وہ کاٹ کاٹ کر کھانے لگیں، زلیخا نے ان سے کہا: کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ کہنے لگیں! جیسے تمہاری مرضی۔ اس نے نوکر سے کہا یوسف کو یہاں لے آؤ۔ چنانچہ جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو لیموں کے ساتھ اپنی انگلیاں کاٹنے لگیں اور انہیں شعور نہ ہوا اور آپ کے حسن کے دیکھنے میں محو ہونے سے انہیں درد کا احساس تک نہ ہوا، جب آپ چلے گئے تو زلیخا نے کہا یہ ہے وہ غلام جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت

کرتی ہو جسے دیکھ کر تم نے ہاتھ کاٹ لیے ہیں۔تب انہوں نے اپنے ہاتھ دیکھے تو چیخنے چلانے لگیں۔زلیخا نے کہا: بتاؤ پھر میں کیا کروں۔عورتیں کہنے لگیں۔یہ انسان نہیں کوئی مکرم فرشتہ ہے۔(جس کے چہرے پر حسن اور حیاء دونوں کی انتہا ہے)اور آج کے بعد ہم تمہیں کچھ ملامت نہ کریں گی۔(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۳۷ روایت ۱۱۵۶۷)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حسنِ یوسف علیہ السلام کے دیکھنے سے کئی عورتوں کی موت بھی واقع ہوگئی۔(تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ بیروت) یاد رہے یوسف علیہ السلام پہلے عزیز مصر کے غلام تھے۔پھر اس نے انہیں اپنی بیوی کو ہبہ کر دیا تو وہ زلیخا کے غلام ہوگئے۔(قرطبی عن انس رضی اللہ عنہ) یعنی آپ زلیخا کے حکم پر عورتوں کے سامنے اس لیے آئے کہ آپ مجبور تھے۔مگر آپ نے نگاہ نہیں اٹھائی۔

حسنِ یوسف علیہ السلام حدیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

کان وجه یوسف مثل البرق و کانت المرأة اذا اتت لحاجة ستر وجهه مخافة ان تفتتن به۔

''یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور آپ کے پاس جب کوئی عورت کسی حاجت کے لیے آتی تو آپ اپنا چہرہ چھپا لیتے، مبادا کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے۔''(درمنثور بروایت حکیم ترمذی فی نوادر الاصول وطبرانی وغیرہ جلد ۴ صفحہ ۵۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب مجھے شب معراج تیسرے آسمان کی طرف لیجایا گیا تو وہاں میری ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی، وقد اُعطِی شطرا من الحسن، اور انہیں حسن کا نصف حصہ دیا گیا ہے۔''(مسلم کتاب الایمان باب الاسراء بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۱۶۲)

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں: ''جب یوسف علیہ السلام مصر کی گلیوں میں چلتے تو ان کی گلیاں آپ کے چہرے سے چمک اٹھتیں، جیسے پانی اور سورج دیواروں پر چمکتے ہیں۔''(درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۳۲)

حسنِ یوسف علیہ السلام اور حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ تو حسنِ یوسف علیہ السلام ہے مگر حسن مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے کہیں زیادہ ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی و رسول کو جو فضلیت دی وہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا فرمائی، بلکہ درجۂ کمال کے ساتھ عطا فرمائی۔چنانچہ حدیثِ طیبہ کے مطابق یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک حصہ دیا گیا مگر اللہ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن کامل عطا فرمایا۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

لوائم زلیخا لو رأین جبینه　　　لآثرن فی القطع القلوب علی الایدی

یعنی زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین مبارک کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے اپنے دل کاٹ لیتیں۔(روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۴۹)

اور صوفیاء کے نزدیک حضور نورِ کائنات ﷺ کا جمال مستور تھا اگر اسے ظاہر کیا جاتا تو خلق خدا ہلاک ہو جاتی۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے مصطفیٰ کریم ﷺ کی حقیقت پر مطلع ہونا چاہا تو مجھے اپنے اور آپ کے مابین ہزار نوری حجابات نظر آئے اگر میں پہلے حجاب کے قریب جاتا تو یوں جل جاتا جیسے ایک بال آگ میں جل جائے۔
(جواہر البحار جلد ۳ صفحہ ۵۱ مطبوعہ مصر)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب حضور ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک یوں چمک اٹھتا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔'' (بخاری کتاب المناقب باب ۲۳)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن یوسفی و حسن محمدی کے مابین موازنہ پر علم و حکمت سے معمور شعر کہا ہے۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

یعنی حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنانِ مصر کی انگلیاں بے خودی میں صرف ایک بار کٹ گئی تھیں، انہوں نے خود نہیں کاٹنا چاہا تھا جبکہ محبوبِ خدا ﷺ کی یہ شان مبارک ہے کہ محض آپ کے نام پر مردانِ عرب اپنے ارادے سے اپنی انگلیاں نہیں بلکہ سر کٹا رہے ہیں، صرف ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ کٹواتے رہیں گے۔ حسن یوسفی کی تعریف زنانِ مصر نے کی مگر حسن مصطفی ﷺ کی تعریف اللہ وحدہٗ لاشریک نے فرمائی۔ وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ اس کی تفصیل اسی مقام پر آئے گی انشاء اللہ۔

شہید کو بوقتِ شہادت الم نہ ہونے کا فلسفہ

زنانِ مصر کے سامنے جلوہ حسن یوسف علیہ السلام تھا اور مروی ہے کہ شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پہ بعد میں گرتا ہے اور اسے دیدارِ الٰہی پہلے مل جاتا ہے۔ جب حسن یوسف سامنے ہو تو احساس الم نہیں ہوتا تو حسن خالق یوسف کے دیکھنے والے کو احساس الم کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا ''شہید کو شہادت کے وقت محض اتنا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے پاؤں میں چیونٹی نے کاٹا ہو۔'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

زلیخا کہنے لگی تو یہ ہے وہ جس کے بارہ میں تم مجھے ملامت کرتی ہو میں نے اس کا دل لبھانا چاہا تو اس نے

فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ

خود کو بچا لیا اور اگر اس نے وہ کچھ نہ کیا جو میں اسے کہتی ہوں تو وہ قید کیا جائے گا اور وہ ضرور

الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا

رسوا ہوگا۔[27] آپ نے فرمایا اے میرے رب! مجھے اس بات سے قید زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر

تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ

تو نے مجھ سے انکا مکر دور نہ کیا تو میں ان کی طرف جھکا جاؤں گا اور نادان بن جاؤں گا۔تو آپ کے

لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا

رب نے آپ کی دعا سن لی اور عورتوں کا مکر آپ سے دور کر دیا وہ سننے جاننے والا ہے۔ پھر ان لوگوں کو

لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

کئی نشانیاں دیکھنے کے بعد یہ سوجھا کہ وہ آپ کو کچھ مدت تک قید کر دیں۔[28]

[27] زلیخا چونکہ اس وقت ایمان نہ لائی تھی اور اہلِ مصر کا وہ کافرانہ ماحول شرم وحیا سے عاری تھا۔اس لیے زلیخا نے عورتوں سے کہا یہ یوسف ہے جس کے بارہ میں تم نے مجھے ملامت کی۔ میں نے اسے لبھانا چاہا مگر اس نے خود کو پوری کوشش سے بچالیا۔اب اگر یہ میری بات نہ مانے گا تو میں اسے قید کروادوں گی اور رسوا کرواؤں گی۔عورتوں نے بھی اس کی حمایت کی، کہ ہاں اسے ایسی ہی دھمکی دو شائد وہ تمہاری بات مان جائے۔

[28] جب یوسف علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ زلیخا آپ کو قید کروانا چاہتی ہے اور طبقہ امراء کی عورتیں بھی اس کی ہمنوا ہیں تو آپ سمجھ گئے کہ اب شیطان پوری قوت سے آپ پر حملہ کرنے والا ہے تو آپ نے دعا کی اے اللہ! مجھے قید وبند کی صعوبتیں اٹھانا برداشت ہے مگر یہ عورتیں مجھے جدھر بلاتی ہیں ادھر متوجہ ہونا مجھے برداشت نہیں۔اے اللہ! میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور عزیزِ مصر نے آپ کی پاکدامنی کی کئی نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود آپ کو قید خانہ میں بھیج دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدمنی کے ظاہری دلائل

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی چند نشانیاں یہ تھیں، اول: یوسف علیہ السلام عرصہ دراز سے عزیز مصر کے گھر میں رہ رہے تھے، مگر کبھی اس نے آپ کی آنکھوں میں میل نہیں دیکھی تھی جس سے شبہ ہو کہ آپ زلیخا کی طرف مائل ہیں۔ دوم: جب یوسف علیہ السلام باہر کو بھاگے تو زلیخا پیچھے بھاگی اور دروازے پہ عزیز مصر کھڑا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا، یہ منظر زلیخا کی حالت کو مشکوک بنا رہا تھا۔ اگر یوسف علیہ السلام پیچھے بھاگ رہے ہوتے اور زلیخا آگے ہوتی تو زلیخا کی بات میں کچھ وزن ہوتا۔ سوم: زلیخا نے زیب و زینت کر رکھی تھی تاکہ آپ کو اپنی طرف مائل کر سکے، مگر آپ سادہ حالت میں تھے، یہ چیز بھی آپ کی زلیخا سے بے رغبتی پہ دال تھی۔ چہارم: پھر گہوارے میں بچے نے بول کر یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی بیان کی۔ پنجم: پھر آپ کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہونا بھی آپ کی پاک دامنی پہ گواہی دے رہا تھا۔ ان سب چیزوں کے باوجود عزیز مصر نے آپ کو جیل بھیجنے کا حکم صادر کر دیا۔ گویا اس نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ یوسف علیہ السلام نے معاذ اللہ اس کی بیوی سے دست درازی کرنا چاہی ہے لہٰذا انہیں قید کی سزا دی گئی ہے۔ مگر اصل بات یہ تھی کہ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عورتوں کی پہنچ سے دور کرنا چاہتا تھا۔

عظمتِ اسلام اور تہذیبِ مغرب کی خستہ حالی

معلوم ہوا اجنبی عورت کی طرف کسی مرد کا بری نیت سے مائل ہونا حرام ہے۔ اس قدر حرام کہ اس سے بچنے کے لیے جیل جانا پڑے تو چلے جانا چاہیے۔ یہاں سے ہمیں مغربی تہذیب کی غلاظت کے مقابلہ میں اسلامی تہذیب کی طہارت معلوم ہوتی ہے۔ یورپین ممالک اور امریکہ و کینیڈا کا قانون یہ ہے کہ اٹھارہ برس کی عمر کے نوجوان کو کسی نکاح کی ضرورت نہیں۔ ایک عورت ایک رات میں جتنے مردوں کے پاس چاہے جا سکتی ہے اسی طرح مرد کو بھی یہی اجازت ہے۔ اگر عورت اپنے شوہر کے گھر میں اپنے آشنا کو لے آئے تو شوہر کو اُف کرنے کی اجازت نہیں ورنہ اسے پولیس پکڑ کر لے جا سکتی ہے۔ گویا اہلِ مغرب نے انسان کو حیوان سے بدتر بنا دیا ہے مگر اسلام وہ تعلیم دیتا ہے جو قرآن نے کردارِ یوسفی کی شکل میں بتائی ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ

اور یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ قید خانہ میں دو نوجوان داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا میں (خواب میں) خودکو

وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ

شراب نچوڑتے دیکھتا ہوں اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پہ روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے

نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ

کھا رہے ہیں، ہمیں اس کی تعبیر بتائیں ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔[29] آپ نے فرمایا تمہیں جو بھی کھانا

تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰ لِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ

دیا جاتا ہے میں تمہیں اس کی حقیقت بتا سکتا ہوں اس سے قبل کہ وہ تمہارے پاس آئے یہ اس علم میں سے ہے جو

رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۳۷

میرے رب نے مجھے دیا[30] میں اس قوم کے دین سے منہ موڑتا ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت سے منکر ہیں۔

قید خانہ میں ساقی و نان بائی کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر

[29] آخر عزیزِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو خود اپنی اور اپنی بیوی کی عزت کے بچانے کیلئے ناحق جیل بھجوا دیا۔ آپ کی عمر جیل جاتے ہوئے بروایت تیس برس تھی۔ اتفاق سے آپ کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل میں آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان میں سے ایک نوجوان مصر کے بادشاہ اعلیٰ (ریان بن ولید) کا ساقی تھا جو اسے شراب پلاتا تھا اور دوسرا بادشاہ کا کھانا تیار کرنے والا (نانی بائی) تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۴۱ روایت ۱۱۵۹۴)

مروی ہے کہ بعض لوگوں نے شاہ مصر کو دھوکے سے مروانا چاہا۔ انہوں نے ساقی و نان بائی دونوں کو خریدا تا کہ وہ شاہ مصر کے شراب و طعام میں زہر ملا دیں۔ دونوں نے ایسا کرنے کی حامی بھر لی۔ بعد میں ساقی باز آ گیا اور نان بائی اپنا کام کر گزرا، جب بادشاہ کے سامنے شراب و طعام کو رکھا گیا تو ساقی نے کہا: اے بادشاہ! یہ کھانا نہ کھائیں اس میں زہر ہے، نان بائی کو غصہ آیا اس نے کہا بادشاہ یہ شراب بھی نہ پئیں اس میں زہر ہے۔ بادشاہ نے ساقی سے کہا تم اپنا بنایا ہوا شراب خود پیو۔ اس نے فوراً پی لیا تو اسے کوئی نقصان نہ ہوا، کیونکہ اس نے شراب میں کچھ نہیں ملایا تھا۔ پھر اس نے نان بائی سے کہا تم اپنا بنایا ہوا کھانا خود کھاؤ۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا تو وہ مر گیا بادشاہ نے دونوں کو

قید خانہ بھجوادیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ بیروت)

روایات کے مطابق یہ دونوں نوجوان پانچ برس تک قید خانہ میں رہے۔ یہی ان کی سزا تھی۔ سزا ختم ہونے سے کچھ دن قبل ساقی نے خواب دیکھا کہ وہ حسبِ سابق شراب کشید کر کے بادشاہ کو پلا رہا ہے۔ اس نے یہ خواب یوسف علیہ السلام سے بیان کیا۔ یہ دیکھ کر نان بائی نے آپ سے کہا میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ میں شاہ مصر کے لیے روٹیاں پکا کر سر پر رکھے لے جا رہا ہوں اور پرندے میرے سر سے روٹیاں اٹھا اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ پھر دونوں نے کہا اے یوسف علیہ السلام ہمیں ان خوابیوں کی تعبیر بتائیں ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔

قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے احوال

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ کے تحت مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام قید خانہ میں غمزدہ لوگوں کا غم بانٹتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری کرتے تھے، رات بھر عبادت میں گزارتے اور خوفِ خدا سے یوں روتے کہ قید خانہ کے در و دیوار بھی رونے لگتے۔ آپ کی صحبت سے قید خانہ میں مجرم لوگ صالح بن گئے۔ یوسف علیہ السلام کے حالات سے ہمیں درس صبر و رضا ملتا ہے۔ آپ شفیق باپ کی گود سے نکال کر چاہِ کنعان میں ڈالے گئے۔ یہ نزول تھا۔ پھر چاہ کنعان سے نکال کر عزیزِ مصر کے قصرِ شاہی میں پہنچائے گئے یہ عروج تھا۔ پھر قصرِ شاہی سے سیدھے قید خانہ بھیجے گئے۔ یہ پھر نزول تھا۔ پھر قید خانہ سے سیدھے تخت شاہی پر جا بیٹھے یہ پھر عروج تھا مگر آپ کی زبان ہر نزول و عروج پر ذکرِ الٰہی سے تر رہی۔ اس میں ہمارے لیے صبر و رضا اور توکل و استقامت کا عظیم درس ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ میں جانے کی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ قید خانہ سے نکل کر بادشاہ مصر بننے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے غلامی پھر قید سے دوچار کیا تاکہ آپ غلاموں اور قیدیوں اور معاشرہ کے دیگر مجبور طبقات کے احساسات سے واقف ہوں اور حاکم بن کر ان سے بہتر سلوک کریں ورنہ آپ سے قبل حکمران ٹولہ مظلوموں پر مزید ظلم کا عادی تھا۔

[30] حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی و نان بائی کے خوابوں کی تعبیر بتانے سے قبل ان پر یہ واضح کرنا چاہا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ نے آپ کو معجزات دیئے ہیں اور آپ عظیم المرتبت انبیاء کی اولاد سے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اے میرے قید کے دونوں ساتھیو! مجھے اللہ نے یہ علم دیا ہے کہ تمہارے پاس گھر سے یا قید خانہ کی انتظامیہ کی طرف سے جو کھانا آتا ہے۔ اس کے آنے سے قبل میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ وہ کیا ہوگا، کیسا ہوگا۔

قرطبی، بغوی، خازن، رازی، نسفی اور قاضی مظہری جیسے مستند مفسرین نے یہاں فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کا کھانے کی کیفیت و ماہیت کے بارہ میں غائبانہ خبر دینا عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کی طرح ہے جو انہوں نے فرمایا: اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ "میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھر میں جمع کرتے ہو۔"

(آل عمران: ۴۹) دیکھئے۔ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۹۱، خازن جلد ۲، صفحہ ۲۸۳۔ بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳۔ نسفی جلد ۳ صفحہ ۱۹ کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۵۵ و دیگر)

انبیاء کا علم غیب اور علم غیب مصطفیٰ ﷺ

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو مختلف علوم غیبیہ سے مستقلاً نوازتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمانا: لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ اور عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا: اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ بتاتا ہے کہ یہ علوم اللہ نے انہیں مستقل طور پر عطا فرما دیئے تھے، یہ نہیں کہ کوئی ان سے سوال کرے تو اللہ اس سوال کا جواب انہیں بتا دے، کیونکہ اس طرح کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کو یہ علم مستقلاً دیا گیا ہو۔ جب انبیاء سابقین کے علم غیب کا یہ عالم ہے تو سید الانبیاء کے علوم غیبیہ کا کیا عالم ہوگا۔ تمام انبیاء کا علم آپ کے سامنے سمندر میں قطرے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ ''اے محبوب کریم! آپ جو کچھ نہ جانتے تھے ہم نے آپ کو بتا دیا۔'' (نساء ۱۱۳) امام بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فاق النبین فی خلق وفی خلق   ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

یعنی ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء ﷺ اپنی تخلیق اور اپنے اخلاق میں سب انبیاء پر فوقیت رکھتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام علم اور کرامت میں حضور ﷺ کے مرتبہ کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ

اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے جائز نہیں کہ

نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸ يٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔[31] اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! کیا کئی مختلف خدا بہتر ہیں

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ

یا اللہ بہتر ہے جو واحد و غالب ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر چند ناموں ہی کی پوجا کرتے ہو جو تم

اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ

اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری، اللہ کے سوا کسی کا کوئی حکم نہیں، اس نے

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ

حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو یہ ہے مضبوط دین مگر اکثر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰

لوگ نہیں جانتے۔[32]

[31] اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے ساقی و نان بائی سے فرمایا میں اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے لوگوں سے بیزار ہوں کیونکہ میں اپنے پردادا ابراہیم علیہ السلام، دادا اسحاق علیہ السلام اور باپ یعقوب علیہ السلام کے دین کا پیروکار ہوں۔ یعنی جو منصب نبوت انہیں ملا وہ مجھے بھی عطا کیا گیا ہے، تو ہم انبیاء کے لیے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ یہ ہم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں علم نبوت عطا فرمایا اور لوگوں پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے ذریعے انہیں راہ حق دکھایا مگر اکثر لوگ اس نعمت پر شکر الٰہی نہیں بجالاتے۔

معلوم ہوا کہ ایام اسیری ہی میں یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی۔ قصہ یوسف علیہ السلام میں یہ پہلا موقع ہے کہ آپ

نے خود کو بطور نبی پیش کیا اور پیغمبرانہ تعلیمات سے دوسروں کو آشنا فرمایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اسی دورِ اسیری میں منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔

[32] آپ نے مزید فرمایا کہ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! بتاؤ کون سا عقیدہ صحیح ہے کیا یہ صحیح ہے کہ کئی خدا تسلیم کیے جائیں، کوئی لوہے کا، کوئی تانبے کا، کوئی لکڑی اور کوئی پتھر کا اور کوئی بارش برسانے والا، کوئی اولاد دینے والا، کوئی مصائب دور کرنے والا؟ یا یہ صحیح ہے کہ ایک خدائے جبار وقدیر کو مانا جائے جس نے ساری کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور اسی کی عبادت کی جائے اور اللہ کے سوا تمہارے جھوٹے خدا بس من گھڑت نام ہیں جو تم اور تمہارے باپ دادا نے گھڑے ہیں، اللہ نے ان کے رب اور معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس کی بجائے اللہ نے تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور حکم تو صرف اللہ ہی کا نافذ ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہیں چل سکتا۔ دراصل مشرکین ہمیشہ سے یہ سمجھتے آئے ہیں کہ ان کے جھوٹے خداؤں کو اللہ نے منصب خدائی عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کے ذریعے اس شیطانی وسوسے کا رد فرمایا کہ اللہ نے ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر کوئی دلیل نہیں اتاری بلکہ یہ لوگوں کے خودساختہ نام ہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ سے معلوم ہوا اللہ کی شریعت ہی ہر قانون پر غالب ہے اور حکم الٰہی کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہیں چل سکتا۔ خواہ وہ امراء ہوں، قضاۃ ہوں، والدین ہوں یا قبیلہ وبرادری۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے مالک کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَقَالَ

تو اسے سولی دی جائے گی پھر پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، اس معاملہ کا فیصلہ ہو چکا جس میں تم پوچھتے ہو [33] اور

لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

آپ نے اس شخص سے فرمایا جسے آپ نے جانا کہ وہ ان دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے کہ اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا، تو

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اسے شیطان نے بھلا دیا کہ اپنے مالک سے ذکر کرے تو وہ چند برس قید خانہ میں رہے [34]

ع ۵ / ۱۵

[33] توحید و رسالت اور آخرت جیسے بنیادی اسلامی عقائد کی تبلیغ کے بعد یوسف علیہ السلام نے ساقی و نان بائی کو ان کے

خوابوں کی تعبیر بتائی۔ساقی سے فرمایا کہ وہ رہا ہو کر اپنے رب (بادشاہ) کو حسب سابق شراب پلایا کریگا اور نان بائی سے فرمایا کہ وہ بادشاہ کو زہر دینے کے جرم میں سولی پر لٹکایا جائے گا۔اس کی لاش سولی پر لٹکی رہے گی اور پرندے آ کر اس کے سر سے بھیجا نوچ نوچ کر کھائیں گے، یہ تعبیر سن کر ساقی خوش ہو گیا اور نان بائی پریشان ہو کر کہنے لگا میں نے تو کوئی خواب نہ دیکھا تھا میں نے تو ساقی کو خواب سناتے دیکھ کر اپنی طرف سے ایک خواب گھڑا اور بیان کر دیا۔ (قرطبی، خازن، کبیر، مدارک وغیرہ) یوسف علیہ السلام نے فرمایا: قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ میں نے جو کہہ دیا ہے وہی ہوگا، خواہ تم نے کچھ خواب دیکھا ہے یا نہیں۔یعنی میں اللہ کا نبی ہوں اور نبی کی پیش گوئی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔(مگر یہ سچے نبی کی شان ہے کہ وہ خواب کی تعبیر بھی بتائے تو وہ وحی الٰہی سے بتاتا ہے اور اس کے منہ سے نکلی بات غلط نہیں ہو سکتی جبکہ جھوٹے نبی کی پیش گوئی پوری ہو ہی نہیں سکتی۔مرزا قادیانی نے محمدی بیگم سے اپنے نکاح، مولوی ثناء اللہ امرتسری کی موت اور پادری عبداللہ آتھم کی ہلاکت وغیرہ کی پیش گوئیاں کیں مگر ان میں سے ایک بھی پوری نہ ہوئی)

جھوٹا خواب گھڑنے کا گناہ

یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹا خواب بیان کرنا گناہ ہے جیسے نان بائی نے جھوٹا خواب بتایا تو مبتلائے عذاب ہوا۔آج ہزاروں جعلی پیر فقیر جھوٹے خوابوں کے سہارے پیشوا بنے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔آپ نے مجھے یہ فرمایا ہے وہ فرمایا ہے۔حالانکہ یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔کیونکہ جس شخص کو آقائے کریم ﷺ خواب میں جلوہ عطا فرمائیں وہ شریعت کا باغی نہیں ہو سکتا اور جرائم پیشہ نہیں رہ سکتا۔اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی جھوٹے خوابوں کا سہارا لیا۔

حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے جھوٹا خواب گھڑا اسے روز قیامت حکم دیا جائے گا کہ دو جَو لے کر ان میں گرہ لگائے؛'' (جو ناممکن ہے جب وہ نہ لگا سکے گا تو جہنم بھیج دیا جائے گا)
(بخاری کتاب التعبیر باب ۴۵، ترمذی کتاب الرؤیا باب ۸)

لہٰذا جو جھوٹے پیر فقیر خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔یہ حدیث ان کے پکے جہنمی ہونے کی خبر دیتی ہے اور یہ حدیث بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ جہنم میں اپنی جگہ پکی سمجھے۔'' (بخاری کتاب العلم باب ۳۸، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۱۲)

[34] چنانچہ یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کے عین مطابق ساقی تین دن کے بعد رہا ہو کر اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہو گیا اور نان بائی پھانسی پر چڑھ گیا۔جب ساقی رہا ہو کر قید خانہ سے جانے لگا تو آپ نے اسے فرمایا بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا کہ قید خانہ میں یوسف نامی ایک شخص بے گناہ محبوس ہے۔اسے تمہارے وزیر خزانہ عزیزِ مصر قطفیر نے محض اپنی بیوی کو بدنامی سے بچانے کے لیے پانچ برس سے ظلماً قید خانہ میں ڈال رکھا ہے۔ساقی بادشاہ کے پاس گیا تو اسے شیطان

نے یوسف علیہ السلام کا پیغام بھلا دیا۔ یوں آپ سات برس مزید قید میں رہے۔ مجموعی طور پر آپ کا قید میں رہنا بارہ برس تک رہا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ یوسف علیہ السلام پر رحمت فرمائے، اگر انہوں نے (ساقی سے) وہ بات نہ کہی ہوتی: اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا، تو وہ قید خانہ میں اتنا طویل عرصہ نہ رہتے جتنا وہ رہے۔'' (تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ بیروت) حالانکہ کسی مظلوم کا بادشاہ سے فریادرسی کے لیے رابطہ کی کوشش کرنا کوئی گناہ نہیں، بلکہ خلاف اولیٰ بھی نہیں، مگر انبیاء کرام علیہم السلام توکل کے جس درجہ پر ہیں اس کے لحاظ سے یوسف علیہ السلام کا ساقی سے کہنا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اللہ کے ہاں وجہ ابتلاء بن گیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
اور شاہ مصر نے کہا میں (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دبلی گائیں کھاتی ہیں
وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ
اور سات ہرے خوشے اور دوسرے سات خشک خوشے دیکھتا ہوں اے درباریو! مجھے میرے خواب کے بارہ میں
كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ
بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو، وہ کہنے لگے یہ پریشان کن برے خواب ہیں اور ہم
الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴
خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ [35]

شاہ مصر کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر

[35] جب قید خانہ سے یوسف علیہ السلام کی رہائی کا عنداللہ وقت قریب آیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسباب بنا دیئے۔ امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ شاہ مصر دریائے نیل کے کنارے سالانہ جشنِ مسرت مناتا تھا۔ سب اہل مصر اس میں جمع ہوتے تھے۔ دورانِ جشن جمعہ کی رات کو شاہ نے خواب دیکھا کہ جیسے دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلی ہیں۔ ان کے پیچھے سات دبلی گائیں برآمد ہوئیں اور پہلی سات گائیوں کو کھا گئیں اور دبلی کی دبلی ہی رہیں، پھر اس نے دیکھا کہ سات ہرے بھرے خوشہ ہائے گندم ہیں جن پر سات خشک خوشے غالب آ گئے اور انہیں یوں نگل گئے جیسے وہ وہاں تھے ہی نہیں اور پھر خشک ہی رہے۔ اس خواب سے شاہ مصر بہت گھبرایا۔ اس نے نجومیوں، کاہنوں اور عمائدین قوم کو جمع

کر کے ان سے اس کی تعبیر پوچھی مگر وہ کچھ نہ بتا سکے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۹ صفحہ ۱۹۹)
مگر شاہ مصر خواب کی ظاہری شکل سے اندازہ کر رہا تھا کہ یہ عام سا خواب نہیں ضرور کوئی بڑی آفت آنے والی ہے۔ جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ

تب ان دو قیدیوں میں سے جس نے نجات پائی تھی۔ اس نے کہا جبکہ اسے عرصہ بعد یاد آیا، کہ میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں

فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

مجھے بھیجو۔ [36] (کہنے لگا) اے یوسف، اے راست باز انسان! ہمیں (تعبیر) بتاؤ کہ سات موٹی گائیں ہیں

یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ

جنہیں سات دبلی گائیں کھاتی ہیں اور سات ہرے خوشے اور سات دوسرے خشک ہیں،

اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۴۶

تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹوں تاکہ وہ جانیں۔ [37]

[36] جب سارے نجومی و کاہن شاہ مصر کے مذکورہ خواب کی تعبیر سے قاصر رہ گئے تو وہ ساقی جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل گیا تھا اسے ایک عرصہ بعد یاد آیا کہ جیل میں یوسف نام کا ایک شخص خواب کی تعبیر بتاتا تھا اور اس کی تعبیر پر اسے قید خانہ سے رہائی ملی تھی۔ اس نے بادشاہ سے کہا مجھے اگر اجازت دی جائے تو میں قید خانہ میں ایک شخص سے مل کر آتا ہوں جو خواب کی تعبیر بتانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے کہا پھر دیکھتے کیا ہو جلدی جاؤ۔ مولانا جامی اپنی کتاب زلیخا میں فرماتے ہیں۔

بگفتا اذن خواہی چیست از من | چہ بہتر کوررا از چشم روشن
مرا چشم خرد ایں لحظہ کوراست | کہ از دانستن ایں راز دور است

''بادشاہ نے کہا مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اندھے کو چشم روشن سے بہتر کیا چاہیے۔ اس لحظہ میری آنکھ اندھی اور اس راز کے سمجھنے سے دور ہے۔''

[37] چنانچہ وہ ساقی دوڑتا ہوا قید خانہ گیا اور سات برس کے بعد یوسف علیہ السلام سے جا کر ملا۔ آپ نے اس کی اس زود فراموشی کا کچھ بھی برا نہ منایا۔ ساقی نے کہا اے میرے پیارے دوست یوسف، اے سراپا صدق و صفا انسان! میں شاہ

مصر کا نمائندہ بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس نے خواب دیکھا ہے کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا جاتی ہیں اور سات خشک خوشے سات ہرے خوشوں پر غالب آ جاتے ہیں۔ شاہ مصر اور تمام ارکانِ سلطنت اس خواب کی تعبیر جاننے کے لیے مضطرب و پریشان ہیں اور تمہاری دانائی سے فیض یاب ہونے کو بے قرار ہیں۔

معلوم ہوا درگزر انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ یوسف علیہ السلام چاہتے تو ساقی سے کہتے تم کیسے احسان فراموش ہو آج سات برس کے بعد تمہیں میری یاد نے تڑپایا ہے۔ مگر آپ نے کچھ بھی نہ کہا۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا

آپ نے فرمایا تم سات برس تک خوب کھیتی باڑی کرو گے تو جو فصل تم کاٹو اسے خوشوں ہی میں رہنے دو سوا اس کے

قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا

جو تم تھوڑا سا کھا لو پھر اس کے بعد سات شدید برس آئیں گے کہ جو کچھ تم نے ان کے لئے بچا رکھا ہوگا اسے

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ

کھا جائیں گے۔ سوا قلیل حصہ کے جو تم بچا لو، پھر اس کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں پہ بکثرت بارش

فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

کی جائے گی اور اس میں وہ پھلوں کے رس نچوڑیں گے۔ [38]

ع ۶ / ۱۶

[38] حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو کہتا پہلے بادشاہ مجھے جیل سے رہا کرے یا اتنا مال دے پھر میں اس کے خواب کی تعبیر بتاؤں گا۔ مگر یوسف علیہ السلام پیغمبر خدا ہیں اور انبیاء توکل، استقامت اور صبر و رضا کا پیکر ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم لوگوں پر سات برس مسلسل خوش حالی آئے گی۔ تم خوب غلہ اگاؤ گے۔ تو تم سات برسوں میں جو غلہ اگاؤ اسے بہت کفایت شعاری کے ساتھ صرف بقدرِ ضرورت کھاؤ اور اکثر غلہ چھٹائی کے بغیر خوشوں ہی میں رہنے دو اور جمع کر لو، خوشوں میں اس لیے رہنے دو تاکہ وہ کیڑا لگنے سے محفوظ رہے۔ خوشحالی کے ان سات برسوں کے بعد قحط سالی کے سات برس آئیں گے اور گزشتہ سات برسوں کے جمع شدہ سارے غلہ کو نگل جائیں گے، مگر تمہیں چاہیے کہ سارا غلہ نہ کھاؤ بلکہ اس میں سے کچھ بچا لو تاکہ آئندہ مزید غلہ اگا سکو۔ سات موٹی گائیوں اور سات ہرے خوشوں سے خوشحالی کے سات برس مراد ہیں اور سات دبلی گائیوں اور سات خشک خوشوں سے قحط سالی کے سات برس۔ آپ نے مزید بتایا کہ قحط سالی کے بعد ایک سال پھر خوشحالی کے ساتھ آئے گا لوگ غلہ کے ساتھ پھل بھی اگائیں

گے اور ان کے رس پئیں گے۔

علماء دین کو علوم طبعیہ بھی پڑھنے چاہئیں

اس جگہ یوسف علیہ السلام نہ صرف خواب کی تعبیر بتا رہے ہیں بلکہ ایک ماہر معاشیات کی طرح لوگوں کو آنے والے چودہ برسوں کی بہتر معاشی حکمت عملی کے گُر بھی بتا رہے ہیں بلکہ آپ نے غلے کو کیڑے سے بچانے کیلئے اسے خوشوں میں رکھنے کی تجویز دے کر بتا دیا کہ انبیاء کرام علوم شریعہ کے ساتھ علوم طبعیہ سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو علم زراعت (Agricultural Scince) کا وہ اصول بتا دیا جس سے سب لوگ ناواقف تھے۔ افسوس ہے کہ آج علوم شرعیہ وعلوم طبعیہ میں تفریق ہوگئی ہے۔ علماء دین علوم جدیدہ (Modern Sciences) اور علوم طبعیہ (Natural Sciences) سے عموماً ناواقف ہیں اور علوم جدیدہ کے جاننے والے دین وشریعت سے اکثر بے بہرہ دکھائی دیتے ہیں۔ اگر یہ دونوں دریا اکٹھے بہتے تو آج زمانے کی زمامِ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی۔

ضروری نہیں کہ خواب پہلے معبر کے مطابق ہی ہو جائے

ایک حدیث میں ہے: الرؤیا لاول عابر، یعنی ''خواب کی تعبیر وہی ہوتی ہے جو پہلا معبر بیان کر دے۔'' (ابن ماجہ کتاب التعبیر) مگر اس حدیث کی صحت پر کلام ہے کہ اس کے بعض راوی قابل حجت نہیں ہیں، صحیح یہی ہے کہ پہلے معبر کے مطابق خواب کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شاہ مصر کے خواب پر ارکان سلطنت اور اس زمانہ کے معبرین نے یہی کہا تھا کہ یہ ایک پریشان کن خواب ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ پھر بعد میں یوسف علیہ السلام نے خواب کی حقیقت بیان کی تو وہی کچھ واقع ہوا جو یوسف علیہ السلام نے بیان کیا۔ معلوم ہوا پہلے معبر کی تعبیر پر خواب کا واقع ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اس نے خواب سنایا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا تیری تعبیر یہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تعبیر کا پہلا حصہ تو درست کہا ہے، دوسرا درست نہیں کہا، تو اسی طرح واقع ہوا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (بخاری کتاب التعبیر)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

اور شاہ مصر نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ جب آپ کے پاس اس کا نمائندہ آیا تو آپ نے فرمایا اپنے مالک کے

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ

پاس واپس جاؤ، اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا ماجرا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب ان کے مکر سے

عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ

آگاہ ہے۔[39] بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کا دل لبھانا چاہا وہ کہنے لگیں

حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

اللہ کی قسم! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی، عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب حق خوب واضح

حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ

ہوگیا ہے، میں نے ہی، یوسف کا دل لبھانا چاہا تھا اور وہ راست بازوں میں سے ہے۔[40] (یوسف علیہ السلام نے فرمایا) یہ اس

لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

لئے ہے تاکہ عزیز مصر جان لے کہ میں نے تنہائی میں اس سے خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کاروں کا داؤ کامیاب نہیں ہونے دیتا۔[41]

حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ سے نکل کر تخت مصر پر جلوہ گر ہونا

[39] جب شاہ مصر اور ارکان سلطنت کو بتایا گیا کہ یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں شاہ کے خواب کی یہ تعبیر بتائی ہے تو سب کے ہوش اڑ گئے، وہ حیران رہ گئے کہ کیا اس قدر بصیرت افروز تعبیر بتانے والا صاحب علم آدمی قید و بند میں پڑا ہے؟ اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کے ظلم کا نشانہ بن کر عرصہ بارہ سال سے جرم بے گناہی کی سزا کاٹ رہا ہے تو ان کے دل یوسف علیہ السلام کے لیے رحمت، محبت اور عقیدت سے بھر گئے اور سب کا اصرار بڑھا کہ آپ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ قید خانہ سے دربار شاہی میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ شاہ مصر خود آپ کی زبان سے خواب کی تعبیر سننا چاہتا تھا، کیونکہ پورے ملک کا معاشی مستقبل اس تعبیر پر انحصار کر رہا تھا۔ چنانچہ شاہ مصر نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جلدی میرے پاس لاؤ۔ اس کے نمائندہ خصوصی نے آپ کے پاس قید خانہ میں حاضر ہو کر آپ کو اس کا

پیغام دیا۔ آپ نے اسے فرمایا شاہ مصر کے پاس واپس چلے جاؤ، اسے کہو پہلے یہ واضح کیا جائے کہ مجھے کس جرم میں بارہ برس جیل میں رکھا گیا؟ یعنی جب تک میرے دامن سے الزام کا دھبہ دور نہ کیا جائے میں باہر نہیں آؤں گا اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ ان عورتوں سے صورت حال معلوم کرے جنہوں نے مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹے تھے کیونکہ ان کے سامنے زلیخا نے اقرار کیا تھا کہ میں نے یوسف سے برائی کا تقاضا کیا تھا مگر اس نے خود کو بچا لیا اور اگر اس نے میرا کہا نہ مانا تو اسے ضرور قید میں ڈال دیا جائے گا اور وہ رسوا ہوگا۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ۝ (یوسف: ۳۲)

اگر یوسف علیہ السلام صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اوپر لگنے والے الزام کی تحقیق کا مطالبہ نہ کرتے اور جیل کی سختی سے گھبرائے ہوئے شخص کی طرح شاہ کے بلانے پر فوراً چلے جاتے تو لوگ آپ کو ہمیشہ مجرم ہی تصور کرتے، مگر اللہ کو اپنے کسی نبی کے دامن پر الزام کا دھبہ منظور نہیں اور یہ بھی ہے کہ اگر آپ بادشاہ کے بلانے پہ فورا چلے جاتے تو بادشاہ کے دل میں آپ کا وہ گہرا احترام پیدا نہ ہوتا جو آپ کے مذکورہ مطالبہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ آپ کے اس مطالبہ سے شاہ مصر نے جانا کہ یوسف علیہ السلام انتہائی مدبر، حوصلہ مند، عالی ظرف، صابر اور دور اندیش ہیں اور آپ کی انہی صفات کی وجہ سے شاہِ مصر نے بالآخر حکومت آپ کے حوالہ کر دی۔ گویا آپ کا یہی صبر و استقلال آپ کے شاہ مصر بننے کا زینہ ثابت ہوا۔

مومن کو عزت سے جینا چاہیے خواہ اس میں تکلیف ہو

حضرت یوسف علیہ السلام نے الزام کی تحقیق کے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ یوسف علیہ السلام کی اس خودداری اور صبر و استقامت نے بھی شاہ مصر کو بہت متاثر کیا۔ حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یوسف علیہ السلام کی اس استقامت کی تعریف فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں، اگر میں قید خانہ میں اتنی دیر رہتا جس قدر یوسف علیہ السلام قید میں رہے تھے پھر مجھے قاصد بلانے آتا (جیسے یوسف علیہ السلام کو شاہی قاصد بلانے آیا تھا) تو میں اس کے بلانے پر ضرور چلا جاتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ" (بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ۱۹)

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عجز ہے، ورنہ آپ کا صبر و استقامت، حوصلہ اور راہ حق میں تحمل مصائب تمام انبیاء سے زیادہ ہے۔

[40] شاہ مصر نے اسی وقت وزیر خزانہ عزیزِ مصر قطفیر کو بلایا اور اس کی بیوی زلیخا اور ان عورتوں کو طلب کر لیا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ اس وقت عورتوں نے تفصیل سے بتا دیا کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف کھینچنا چاہا تھا مگر انہوں نے اپنی عزت کا بھرپور دفاع کیا، پھر جب ان پر زلیخا کا داؤ نہ چلا تو وہ ان کے درپے آزار ہوگئی

اور انہیں جیل بھجوا دیا۔ اب زلیخا کو بھی سچی بات کہنا پڑی کیونکہ وہ سامنے ہی بیٹھی تھی۔ وہ کہنے لگی ہاں میں نے ہی یوسف علیہ السلام کو برائی کی دعوت دی تھی اور وہ اپنی بے گناہی میں سچے ہیں۔

اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ﴿۵۱﴾ سے معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں زلیخا کے لیے کبھی برائی کا ارادہ تک نہ آیا تھا اور اس بارہ میں اسرائیلی روایات سب جھوٹ کا پلندا ہیں۔

[41] حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بتایا گیا کہ شاہ مصر کی تحقیق و تفتیش کے نتیجہ میں زلیخا نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ میں نے تحقیقات کا مطالبہ زلیخا یا کسی اور شخص کو رسوا کرنے کے لیے نہیں کیا تھا میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عزیزِ مصر جان لے کہ میں نے اس کے گھر میں خیانت نہیں کی اور اس کے احسانات کا بدلہ اسے بے وفائی کی صورت میں نہیں دیا کیونکہ اللہ خیانت کاروں کو پسند نہیں رکھتا نہ ہی ان کا داؤ کامیاب ہونے دیتا ہے۔ یہاں سے خیانت کی برائی معلوم ہوئی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں قرار دیتا بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب رحم کرے

اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ

بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔[42] اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ کہ میں اس سے خود بات کروں، [43]

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ

جب آپ نے اس سے بات کی تو اس نے کہا آج آپ ہمارے ہاں عزت والے امن والے ہیں۔ آپ نے فرمایا (اے بادشاہ)

عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

مجھے زمین کے سب خزانوں کا حاکم بنادے، میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں۔[44]

[42] پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ میرا نفس بری ہے یعنی وہ مجھے برائی کی طرف مائل نہیں کرنا چاہتا کیونکہ نفس کی صفات میں سے ہے کہ وہ امارہ ہے یعنی برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ سوا اس کے جس پر میرا رب رحمت کرے کہ وہ غفور و رحیم ہے اور جس پر رب رحیم رحمت کرے اس کا نفس نفسِ امارہ نہیں رہتا بلکہ نفسِ لوامہ یا نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے یعنی چونکہ اللہ نے مجھ پر رحمت کرتے ہوئے مجھے منصب نبوت دیا ہے لہٰذا میرا نفس مجھ سے برائی نہیں کرواسکتا۔ (اسی لیے یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: ان نفسی لامارۃ بالسوء کہ میرا نفس برائی کا حکم دینے والا ہے بلکہ فرمایا: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ کہ نفس کی ایک صفت برائی کا حکم کرنا بھی ہے۔

یاد رہے! نفس، قلبی کیفیت کا نام ہے۔ بُرے اعمال سے دل پر تاریکی آجاتی ہے جو آدمی کو برائی کی دعوت دیتی ہے۔ یہ نفسِ امارہ ہے۔ پھر اگر انسان بُرے اعمال سے توبہ کرکے اعمال صالحہ اپنا لے تو اس کا دل اسے گزشتہ گناہوں پر ملامت کرنے لگتا ہے۔ دل کی یہی کیفیت نفسِ لوامہ ہے۔ (ملامت کرنے والا نفس) اسی طرح اعمالِ صالحہ کی برکت سے جب دل میں ایمانی نور پیدا ہوتا ہے جو انسان کو اللہ کی رضا پر راضی اور مطمئن کر دیتا ہے۔ تب وہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔ بعض ائمہ نے نفس بمعنی روح لیا ہے۔ مگر مجھے اس سے اختلاف ہے لیکن یہ جائے تفصیل نہیں۔

[43] جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ہر الزام سے بری قرار دیا گیا تو شاہِ مصر نے کہا کہ آپ کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اس کے پاس لایا جائے۔ چنانچہ آپ کو بڑے کرّ وفر کے ساتھ دربارِ شاہی میں لایا گیا۔ تمام ارکانِ سلطنت دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے آدابِ خسروانہ بجالائے۔ جب آپ داخلِ عمارت ہوئے تو شاہِ مصر نے تخت سے اتر کر

آپ کو سجدہ کیا۔ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ بیروت) پھر آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور آپ کو بے گناہ قید خانہ میں رکھے جانے پر معذرت کی۔ پھر آپ سے اپنا خواب کہا۔ آپ نے خواب کی تعبیر بتائی۔

[44] جب آپ نے بادشاہ کو بتایا کہ آنے والے خوشحالی کے سات برسوں میں غلہ بچانے اور اس کی حفاظت کے لیے کیا غیر معمولی اقدامات کرنا پڑیں گے اور ان کے بعد قحط سالی کے اگلے سات برسوں میں کیسا خوفناک قحط پڑے گا تو بادشاہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کہنے لگا ہمارے تمام ارکانِ سلطنت خائن اور چور ہیں وہ غلے کی کیا حفاظت کریں گے وہ خود ہی کھا جائیں گے اور جب قحط کے سالوں میں لوگوں کو غلہ نہیں ملے گا تو وہ ہنگامے کریں گے کشت وخون ہوگا اور میں ایسے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم یہ نظام نہیں سنبھال سکتے تو الگ ہو جاؤ، میں سنبھال سکتا ہوں۔ مجھے زمامِ اقتدار دیدو میں سلطنت کی حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اسے چلانا بھی جانتا ہوں۔

شاہِ مصر نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اقتدار سے الگ ہو جائے۔ وہ الگ ہو گیا اور تخت شاہی پر یوسف علیہ السلام کو بٹھا دیا۔ یقیناً وہ بہت نیک سیرت حاکم تھا۔ دورِ حاضر کے مسلم ممالک کے ظالم حکمرانوں جیسا نہ تھا جو کرسی اقتدار سے یوں چمٹتے ہیں کہ قوم انہیں جس قدر جوتے مارے وہ خون چوسنے والی جونک کی طرح زیادہ چمٹتے جاتے ہیں۔

قومی وصوبائی اسمبلیوں میں دینی جماعتوں کا داخل ہونا ضروری ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے قول اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ سے معلوم ہوا کہ جب زمامِ اقتدار چوروں لٹیروں کے ہاتھ میں چلی جائے جو زمین میں فسق وفجور پھیلائیں اور سرکاری خزانہ لوٹیں اور غیر اسلامی قوانین نافذ کریں تو اہل علم و فضل کو دین وشریعت اور عوامی حقوق کے تحفظ کے لیے اقتدار طلب کرنا چاہیے۔ یہ اسی حدیث پہ عمل ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی کو ہاتھ سے روک سکتا ہے وہ ہاتھ سے روکے۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے انہی مقاصد کے لیے حکومت طلب کی اور آپ کے حکومت سنبھالنے سے مصر کا ہر شخص اسلام لے آیا اور عدل کا دور دورہ ہو گیا۔

آج جب ملکی انتخابات میں سیکولر اور دین بیزار پارٹیاں حصہ لیکر ملک وقوم پہ مسلط ہو رہی اور غیر اسلامی قوانین رائج کر رہی ہیں تو ایسے میں دینی جماعتوں پہ ضروری ہے کہ انتخابات میں حصہ لیکر اسمبلیوں میں پہنچیں اور دین دشمن عناصر کو غیر اسلامی قوانین کے اجراء سے روکیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو گویا انہوں نے اسلام دشمن عناصر کو کھلی چھٹی دیدی ہے کہ وہ دین وشریعت میں جو تحریف کر سکتے ہیں کریں اور اسے ملک میں قانوناً نافذ کر دیں۔ کیونکہ اسمبلیوں میں عوامی نمائندے جو قوانین پاس کرتے ہیں انہیں ملکی عدالتیں نافذ کرتی ہیں، تو جیسے نمائندے ہونگے ویسے ہی قوانین بنیں گے۔

پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور یہ صرف اس طرح ممکن ہوا کہ اسمبلی میں علماء دین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جو دیگر ممبرانِ اسمبلی کو قرآن وسنت کی روشنی میں عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور

منکرینِ ختم نبوت کی ارتدادی حیثیت کے بارہ میں آگاہ کررہے تھے۔ اگر علماء دین اسمبلی میں نہ ہوتے تو یہ مسئلہ کسی صورت حل نہیں ہوتا۔

الیکشن کے موجودہ طریق کارکوکس طرح شریعت کے مطابق کیا جاسکتا ہے

مگر اس جگہ سوال یہ ہے کہ علماء اور دین دار لوگ مروجہ الیکشنز میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں جبکہ ان میں اسمبلی کی سیٹ جیتنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی اور حصولِ اقتدار کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارنا پڑتے ہیں حالانکہ حدیث کے مطابق طلبِ اقتدار حرام ہے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:

''میں اور میری قوم کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کہیں امیر بنا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا لا نولّی ھذا من سألہ ولا من حرص علیہ۔ یعنی ''جس شخص نے امارت (حکومت) طلب کی یا اس کی حرص ظاہر کی ہم اسے امارت ہرگز نہ دیں گے۔'' (بخاری کتاب الاحکام باب ۷ حدیث ۷۱۴۹، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۷۳۳)

حضرت عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عبدالرحمان! امارت مت طلب کر، اگر تو نے اسے مانگ کر حاصل کیا تو یہ تجھ پر بوجھ بنا دی جائے گی اور اگر یہ تمہیں مانگے بغیر دی گئی تو اس میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔

(بخاری کتاب الایمان والنذور حدیث ۶۶۲۲، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۶۵۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اقتدار اور حکومت کا طلب کرنا جائز نہیں ہے، تو پھر علماء دین پارلیمنٹ میں جانے کے لیے الیکشن کمپین چلانے کا جواز کیسے نکال سکتے ہیں؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہرت و ناموری کے لیے طلبِ اقتدار حرام ہے، کیونکہ اس میں انسان کے اندر حرص دنیا اور کبر و تفوق کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی مثال موجودہ جمہوریت کی طرح ہے جس میں لوگ عموماً محض شہرت و ناموری کے لیے اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ایک ایک سیٹ پر بیس، تیس یا اس سے بھی زائد امیدوار میدان میں اتر آتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی تعریف میں زمین و آسمان کی طنابیں کھینچتا اور دوسرے امیدواروں کی کردار کشی میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے اور کامیابی کے لیے رشوت، دھونس، فریب اور دھاندلی وغیرہ جیسے سب حربے استعمال کرتا ہے۔

لیلیٰ بیچاری ایک ہے مجنوں ہزار ہیں
اک ممبری کے واسطے سب بے قرار ہیں

اور برصغیر، مڈل ایسٹ اور افریقی ممالک میں عموماً دولت کی کثرت اور سیاسی طاقت کو الیکشن میں کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے، ایسی جمہوریت کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ جبکہ علماء دین اور دیندار طبقہ کو شہرت و ناموری کے لیے نہیں بلکہ دین و شریعت کے تحفظ کے لیے اقتدار حاصل کرنا چاہیے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ تاہم اس کا طریقہ یہ

ہے کہ امیدوارانِ انتخاب کے لیے علمِ دین اور حسنِ کردار کا ایک معیار مقرر کیا جائے، جو اس پہ پورا اترے وہی الیکشن میں شامل ہونے کا مجاز ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ووٹر کے لیے بھی ایک شرعی، اخلاقی اور علمی معیار مقرر کیا جائے اور اس کے لیے ضوابط و شرائط مقرر کی جائیں اور جو اس معیار اور ان ضوابط پہ پورا اترے وہی ووٹ دے سکے، لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا دینی جماعتوں کو اسلام دشمن عناصر کے لیے میدان خالی نہیں چھوڑنا چاہیے، بلکہ اخف البلیتین کے تحت انتخابات میں حصہ ضرور لینا چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيبُ
اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین میں اقتدار دیا کہ وہ زمین میں جہاں چاہیں قبضہ جمائیں۔ ہم اپنی رحمت
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ
جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر ایمان لانے والوں
لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ ع
اور پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔[45]

[45] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں اقتدار دیدیا کہ جو چاہیں حکم جاری کریں کوئی ان کا حکم روک نہ سکے۔ ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے یعنی جو ہمارے آگے جھکے ہم دنیا کو اس کے آگے جھکا دیتے ہیں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا واقعہ اس کی ایک دلیل ہے۔

کیا یوسف علیہ السلام مصر کے حاکم اعلیٰ بنے تھے یا وزیر خزانہ؟

اس جگہ بعض مفسرین نے اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ سے یہ سمجھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام وزیر خزانہ بن گئے تھے اور مصر کا اقتدارِ اعلیٰ بدستور شاہِ مصر ریان بن ولید کے پاس ہی رہا۔ بلکہ بعض لوگوں نے مزید بات بڑھاتے ہوئے یہاں سے ایک مسلمان کو کافروں کے ہاں ملازمت کرنے کا جواز بھی نکالنا چاہا، کیونکہ یوسف علیہ السلام مومن تھے اور شاہِ مصر کی حکومت غیر اسلامی تھی۔ مگر ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ شاہِ مصر ریان بن ولید تخت شاہی سے الگ ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں ملک کا اقتدارِ اعلیٰ آ گیا تھا۔ قرآن و حدیث سے اسی موقف کی تائید ملتی ہے۔ مثلاً

(۱) فرمایا گیا: مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں اقتدار دیا کہ جہاں چاہیں قبضہ جمائیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کے حکم کا روکنا کسی انسان کے اختیار میں نہ تھا۔ یہ منصب حاکم اعلیٰ ہی کا ہو سکتا ہے نہ کہ ایک تابع فرمان وزیر خزانہ کا۔

(۲) پھر قصہ یوسف علیہ السلام میں آگے آئے گا کہ یوسف علیہ السلام کے حاکم بننے کے بعد آپ کو ملک (بادشاہ) کہا گیا جیسے: قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ۔ حکومتی کارکنوں نے کہا ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا (یوسف: ۷۲) گویا آپ وزیر نہیں بادشاہ بنے تھے۔

(۳) یونہی وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ۔ (یوسف: ۱۰۰) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام صاحب تخت بنے اور تخت حاکم اعلیٰ ہی کا ہوتا تھا۔ وزراء وارکانِ سلطنت کا نہیں۔ اگر آپ وزیر خزانہ بنے ہوتے تو صاحب تخت نہ ہوتے۔

(۴) اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس، سدی اور وہب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب قحط سالی کے زمانہ میں یوسف علیہ السلام تمام اہلِ مصر کی املاک اور جانوں کے مالک بن گئے تو ریان بن ولید نے کہا اے یوسف (علیہ السلام) میں بھی آپ کے غلاموں سے ایک غلام ہوں۔ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۲۱۹)

(۵) علاوہ ازیں کسی نبی کا کسی حاکم (اور وہ بھی کافر) کے زیر فرمان ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں، یہ شانِ نبوت ہی کے خلاف ہے کہ اللہ کا نبی کفار کے زیر فرمان ہو۔ انبیاء کفار پہ حکم الٰہی کو نافذ کرنے آتے ہیں نہ کہ کسی کافر کا حکم ماننے۔ قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کے حکم سے بادشاہ مقرر کیے جاتے تھے جیسے: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ ''ان کے نبی نے کہا اللہ نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔'' (بقرہ: ۲۴۷) الغرض یوسف علیہ السلام مصر کے حاکمِ اعلیٰ بنے تھے نہ کہ وزیر خزانہ۔

حاکمِ مصر یوسف علیہ السلام کے اہم سرکاری اقدامات

ثعلبی نے روایت کیا ہے کہ جب شاہِ مصر نے حکومت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی تو آپ نے لوگوں سے لطف و کرم کا معاملہ فرمایا لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ نے انہیں دعوت اسلام دی سب اسلام لے آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، سدی اور وہب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب خوشحالی کے سات برس شروع ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے زرعی اصلاحات کیں۔ کثیر پیداوار ہونے لگی، کاشتکاری کے لیے بہت سے نئے میدان تیار کیے گئے، غلہ جمع کرنے کیلئے بڑے بڑے گودام بنائے گئے۔ ہر سال نئے گودام بنتے گئے اور بھرتے گئے۔ جب قحط سالی شروع ہوئی تو لوگوں نے گھروں میں جو غلہ جمع کر رکھا تھا وہ پہلے ہی برس میں ختم ہو گیا۔ پھر وہ آپ کے سرکاری گوداموں سے غلہ خریدنے پر مجبور ہوئے۔ ایک برس انہوں نے درہم و دینار سے غلہ خریدا حتیٰ کہ مصر میں کوئی درہم و دینار نہ رہ گیا جو آپ کے قبضہ میں نہ آ گیا۔ (سرکاری خزانہ پیسوں سے بھر گیا)۔

دوسرے سال لوگوں نے زیورات بیچ کر غلہ خریدا۔ سب زیورات آپ کے پاس آ گئے۔ تیسرے سال انہوں نے اموال مویشی بیچ کر غلہ خریدا۔ چوتھے سال انہوں نے غلاموں باندیوں کے عوض، پانچویں برس زمینوں اور جائیدادوں کے عوض اور چھٹے برس اولاد کے عوض غلہ لیا اور ساتویں برس لوگوں نے اپنی گردنیں یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں دے کر خود کو

آپ کا غلام بنایا اور غلہ لیا۔(ان میں سابق حاکم ریان بن ولید بھی شامل تھا) قحط سالی ختم ہونے پر آپ نے تمام اہل مصر کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ ان کی جائیدادیں، زیورات، پیسے اور غلام سب کچھ انہیں واپس کر دیا۔ آپ قحط سالی کے دوران پیٹ بھر نہ کھاتے تھے فرماتے تھے اگر میں نے پیٹ بھر لیا تو بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔(تفسیر قرطبی جلد ۹ صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام اہل مصر کی گردنوں اور املاک کا مالک اس لیے بنایا گیا کہ اسی مصر میں ایک بار آپ کو ناحق غلام بنا کر بیچا گیا تھا اللہ نے اپنے نبی کو اس کا عوض دلایا کہ سارا مصر آپ کے ہاتھ پر بیچ دیا۔ اللہ رب العزت انبیاء کرام علیہم السلام کی شان یوں بڑھاتا ہے۔ تو اللہ کو یہ کیسے گوارا ہے کہ اس کا نبی کفار کے ہاں ملازم ہو کر رہے۔

زلیخا سے یوسف علیہ السلام کی شادی

امام قرطبی نے وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ زلیخا کا شوہر فوت ہو گیا۔ زلیخا کا مال ختم ہو گیا۔ اس کی بینائی جاتی رہی، وہ غم یوسف علیہ السلام میں رو رو کر اندھی ہو گئی (کہ ہائے میں نے ان پر کیوں ظلم کیا) پھر وہ لوگوں سے مانگے تانگے پر گزارہ کرنے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ ایک راستہ سے ہر ہفتہ گزرتے تھے۔ ایک بار زلیخا راستے میں آ کر کھڑی ہو گئی جب آپ گزرے تو اس نے زور سے کہا پاک ہے وہ اللہ جو بادشاہوں کو ان کی نافرمانی کے سبب غلام اور غلاموں کو ان کی عبادت کے سبب بادشاہ بنا دیتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے آواز سن کر کہا: یہ کون ہے؟ زلیخا کو حاضر کیا گیا وہ کہنے لگی میں وہی زلیخا ہوں جو دل و جان سے آپ کی خدمت کرتی تھی۔ آپ نے میرے ہی گھر تربیت پائی، پھر میں جہالت کے سبب پھسل گئی۔ میں نے اپنے گناہ کا وبال دیکھ لیا، میرا مال چلا گیا، میری کمر جھک گئی، بینائی جاتی رہی اور اب مانگے تانگے پر جی رہی ہوں۔ یوسف علیہ السلام کو بہت رحم آیا اور بہت روئے، پھر آپ نے زلیخا سے شادی کر لی۔ جب وہ آپ کے پاس آئی تو آپ نماز میں کھڑے ہوئے وہ پیچھے کھڑی ہو گئی۔ آپ نے دعا کی اے اللہ! زلیخا کا شباب و جمال اور اس کی بصارت لوٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے زلیخا کو اس کی وہی صحت و جوانی اور وہی حسن و جمال لوٹا دیا۔ یہ یوسف علیہ السلام کے محرمات سے بچنے کا اعزاز تھا۔(قرطبی جلد ۹ صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

مروی ہے کہ آپ نے زلیخا کو کنواری پایا۔ پھر اس سے آپ کے دو بیٹے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے۔
(تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائی (مصر) آئے اور آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور وہ آپ کو پہچان نہ سکے۔[46]

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا

جب آپ نے انہیں ان کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا باپ کی طرف سے جو تمہارا ایک بھائی ہے۔ اسے (بھی) میرے پاس لاؤ، کیا تم

تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا

نہیں دیکھتے کہ میں ناپ تول پورا کرتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔ اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس

كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾

کوئی غلہ نہیں اور میرے قریب نہ آنا۔ کہنے لگے ہم اسے اس کے باپ سے ضرور حاصل کر لیں گے اور ہمیں یہ کام ضرور کرنا ہے۔[47]

اولادِ یعقوب علیہ السلام کا حصولِ غلہ کیلئے یوسف علیہ السلام کے پاس مصر آنا

[46] مصر میں پڑنے والے سات سالہ قحط کا اثر آس پاس کے علاقوں پر بھی پڑا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن کنعان (فلسطین) بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو برادرانِ یوسف علیہ السلام بھی حصولِ غلہ کے لیے مصر آئے، جب وہ آپ کے پاس داخل ہوئے تو آپ نے انہیں اپنے نورِ نبوت اور نورِ فراست سے پہچان لیا کہ وہ آپ کے سگے بھائی ہیں مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے، ایک تو درمیان میں چالیس برس گزر چکے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو چاہِ کنعان میں پھینکا تھا تب آپ بارہ یا تیرہ برس کے تھے اور اب آپ باون برس کے ہو گئے تھے۔ (بغوی، مدارک، خازن، کبیر، مظہری وغیرہ) پھر آپ کے بھائی تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ جس شاہِ مصر کے سامنے وہ حصولِ غلہ کے لیے کھڑے ہیں وہ ان کا سگا بھائی یوسف ہے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ یوسف کہیں ہلاک ہو گیا ہو گا یا کسی جگہ غلامی و درماندگی کی زندگی گزار رہا ہو گا کیونکہ انہوں نے اپنے بھائی کو ایک قافلہ کے ہاتھ بطور غلام فروخت کیا تھا۔

مروی ہے کہ بھائیوں نے آپ سے عبرانی زبان میں بات کی آپ نے اسی زبان میں جواب دیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کنعان سے غلہ لینے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہیں تم ہمارے ملک میں جاسوسی تو نہیں کرنے آئے۔ کہنے لگے نہیں، بخدا ہم جاسوس نہیں ہیں ہم ایک برگزیدہ شخصیت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور باہم سگے بھائی ہیں۔ ہمارے والد انبیاء میں سے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم کل کتنے بھائی ہو؟ کہنے لگے ہم بارہ بھائی تھے۔ ہمارا ایک بھائی جنگل میں ہلاک ہو گیا تھا اس کا نام یوسف تھا۔ (اللہ ہی جانتا ہے اس وقت یوسف علیہ السلام کی قلبی کیفیت کیا تھی)۔ آپ نے فرمایا اب تم یہاں کتنے

بھائی موجود ہو؟ کہنے لگے: دس، فرمایا پھر گیارہواں کدھر ہے؟ کہنے لگے وہ ہمارے والد کے پاس ہے۔ اس کی اور ہمارے ہلاک شدہ بھائی کی ماں ایک ہے اور ہمارا باپ فرطِ محبت سے اسے اپنے سے جدا نہیں کرتا۔ اسے بنیامین کہتے ہیں۔
(تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ بیروت)

[47] حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو مصر نہیں بھیجا تھا مگر اس کے لیے ایک خالی اونٹ بھیجا تھا تا کہ اس کے لیے بھی غلہ حاصل کیا جائے۔ ادھر یوسف علیہ السلام کسی شخص کو ایک اونٹ پر لادے جانے والے غلہ سے زائد نہیں دیتے تھے تا کہ سب کو غلہ مل سکے، کہیں ایسا نہ ہو کہ امیر لوگ سارا غلہ خرید کر لے جائیں اور آپ اسی کو غلہ دیتے تھے جو آپ کے پاس آتا تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنے دس بھائیوں کو غلہ دیدیا اور بنیامین کا اونٹ خالی رہنے دیا، آپ نے فرمایا: ہم آنے والے لوگوں کے حساب سے غلہ دیتے ہیں اونٹوں کے حساب سے نہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر تم اپنے گیارہویں بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو دوبارہ میرے پاس غلے کے لیے نہیں آنا۔ یعنی اگر تم اس کو نہ لائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر زیادہ غلہ لینا چاہا اور ایسے لوگوں کو دوبارہ غلہ نہیں دینا چاہیے۔ دراصل آپ بنیامین سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے بھائیوں سے یہ بھی فرمایا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم کس قدر مہمان نواز ہیں اور ہر شخص کو پورا تول کر غلہ دیتے ہیں کسی سے زیادتی نہیں کرتے؟ لہٰذا اگر تم اپنے بھائی کو لاؤ گے تو فائدہ ہی پاؤ گے۔

دراصل یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ انہیں شاہی مہمانوں کی طرح عزت و تکریم دی۔ بھائی کہنے لگے: شاہ مصر! ہم اپنے والد صاحب سے جا کر ضرور عرض کریں گے کہ وہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیجیں اور یہ کام ہمیں کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر ہمیں غلہ کیسے ملے گا اور کہاں سے ملے گا؟ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے بطورِ ضمانت اپنے بھائی شمعون کو یوسف علیہ السلام کے پاس چھوڑ دیا۔

وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۝۵۹ سے مہمان نوازی کی فضیلت معلوم ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مختلف قبائل کے وفود مہمان بن کر آتے۔ آپ ان کی خوب مہمان داری کرتے اور ان میں اکثر مسلمان ہو کر واپس ہو جاتے۔ احادیثِ طیبہ مہمان نوازی رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بھری پڑی ہیں۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا

یوسف (علیہ السلام) نے اپنے خادموں سے کہا ان کی قیمت خرید (چپکے سے) واپس ان کے سامان میں ڈال دو تا کہ جب وہ

انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۶۲ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا

اپنے گھر پلٹ کر جائیں تو اسے پہچانیں اور تا کہ واپس آئیں۔[48] پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو کہنے لگے

يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۶۳

ابا جان! (آئندہ) ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے۔آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو بھیجیں تا کہ ہم غلہ لے سکیں اور ہم یقیناً اس کے محافظ ہیں۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کیا میں اس کے بارہ میں تم پر یوں بھروسہ کروں جیسے میں نے اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل تم پر بھروسہ کیا تھا؟

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۶۴

تو اللہ بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔[49]

[48] حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ دینے والے اپنے کارکنان کو حکم فرمایا کہ ان دس عبرانی مسافروں نے غلے کی جو قیمت ادا کی ہے وہ چپکے سے ان کے غلہ میں واپس ڈال دو، آپ کا مقصد یہ تھا کہ جب گھر جا کر آپ کے بھائی اپنے پیسے دیکھیں گے تو پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی پیسے ہیں جو انہوں نے غلہ خریدنے کے لیے دیے تھے اس طرح وہ ضرور واپس آئیں گے۔ دراصل آپ کے بھائیوں کو ان کے پیسے لوٹانے میں کئی حکمتیں تھیں مثلاً (۱) آپ نے بھائیوں سے پیسے لینا خلاف مروت وصلہ رحمی جانا، مگر آپ ان کو ابھی بتانا نہیں چاہتے تھے کہ آپ ان کے بھائی ہیں۔اس لیے چپکے سے پیسے ان کے غلے میں ڈال دیے۔(۲) آپ نے یہ خیال بھی فرمایا کہ نہ جانے گھر میں گزر اوقات کیسی ہے۔ممکن ہے یہ لوگ زیر بار ہوں اور والد صاحب مالی مشکلات رکھتے ہوں، تو پیسے لے کر ان کی مشکلات میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہیے (۳) آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ بھائی احسان مند ہو کر واپس آئیں اور بنیامین کو بھی لے کر آئیں۔(۴) آپ کے پیشِ نظر یہ بات بھی تھی کہ جب آپ نے انہیں بنیامین کے لانے کی سختی کر دی ہے تو معلوم نہیں بھائیوں کے پاس دوبارہ آنے کے لیے زادِ راہ ہے یا نہیں اس لیے آپ نے پیسے واپس لوٹا دیے۔مفسرین نے دیگر وجوہ بھی لکھی ہیں۔

برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا اخلاقِ پیغمبرانہ ہے

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے جو مظالم کیے تھے آپ نے ان کے بدلے ان پر عنایات کی بارش کر دی۔ یہی مومن کی شان ہے۔ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور وہ قطع رحمی کرتے ہیں، وہ ان سے اچھائی کرتا ہے وہ اس سے برائی کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا اگر یہی معاملہ ہے تو جب تک تم ایسا کرتے رہو گے اللہ کے فرشتے تمہاری مدد کرتے رہیں گے۔(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا، بلکہ جس نے بھی آپ کے ساتھ زیادتی کی آپ نے اسے معاف فرمایا۔

[49] برادرانِ یوسف علیہ السلام نے واپس کنعان جا کر والد صاحب سے بڑی دردمندی سے کہا کہ ابا جان اس بار تو ہم شاہ مصر سے غلہ لے آئے ہیں مگر آئندہ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر بنیامین کو ہم نہ لے گئے تو غلہ نہیں ملے گا تو آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیجیں۔ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔اس کے علاوہ انہوں نے شاہ مصر کی مہمان نوازی، غریب پروری اور احسن اخلاق کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ابا جان اگر مصر میں کوئی اولادِ یعقوب میں سے ہوتا تو بھی ہماری اس قدر مہمان نوازی نہ کرتا جس قدر شاہ مصر نے کی ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا شمعون کدھر ہے؟ بیٹوں نے کہا اسے شاہ مصر نے رکھ لیا ہے کہ پہلے بنیامین کو لے کر آؤ۔یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں بنیامین کے بارے میں تم پر اسی طرح بھروسہ کرلوں جس طرح اس سے قبل میں نے یوسف کے بارہ میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ لہٰذا میں اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں کہ وہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا

جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھاان کی قیمت خرید انہیں لوٹا دی گئی ہے کہنے لگے ابا جان ! ہمیں

نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا

اور کیا چاہئے یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔اب ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے

وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى

اور ایک اونٹ کے بوجھ برابر غلہ مزید لیں گے۔ یہ غلہ تو بہت کم ہے [50] یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا میں اسے تمہارے ساتھ

تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ

ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم اللہ کا عہد نہ لاؤ کہ اسے میرے پاس ضرور واپس لاؤ گے سوا اس کے کہ تمہیں مکمل گھیر لیا جائے۔جب انہوں نے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

باپ کو اللہ کا عہد دیا تو انہوں نے کہا جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ نگہدار ہے۔[51]

[50] مذکورہ گفتگو کے بعد برادران یوسف علیہ السلام نے جب غلہ کھولا تو اس میں وہ پیسے نکل آئے جو انہوں نے غلہ خریدنے کیلئے ادا کیے تھے۔ وہ خوشی سے پکارے: ابا جان! شاہ مصر نے ہم پر مزید احسان بھی کیا ہے کہ ہماری رقم ہمیں لوٹا دی ہے۔ ہم شاہ مصر کے پاس دوبارہ ضرور جائیں گے، گھر والوں کے لیے غلہ حاصل کریں گے اور بنیامین کے ساتھ جانے کی وجہ سے ایک اونٹ مزید غلہ سے لاد کر لائیں گے، کیونکہ جو غلہ ہم لائے ہیں یہ بہت کم ہے جلد ختم ہو جائے گا۔

[51] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم اللہ کو گواہ بنا کر مجھے یہ عہد دو کہ تم بنیامین کو ضرور واپس لاؤ گے سوا اس کے کہ تم چاروں طرف سے گھر جاؤ اور کسی صورت اسے واپس نہ لا سکو تو وہ الگ بات ہے۔ تو بیٹوں نے اللہ کو گواہ بنا کر کہا کہ ابا جان ہم بنیامین کو ضرور واپس لائیں گے۔ سوا اس کے ہمیں ہر طرف سے گھیر لیا جائے یعنی ہم اسے واپس لانے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ اللہ کی تقدیر نہ حائل ہو جائے اور ہمیں گھیر لے۔ پھر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ ہماری باتوں پر اللہ نگہدار ہے یعنی ہم اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کا معاملہ آسان کر دیتا ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو بھیجتے ہوئے کہا: فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اور یہ بھی کہا:

اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ﴿۶۶﴾ تو اللہ نے انہیں اس کی ساری اولاد واپس عطا فرما دی۔ اگر کہا جائے کہ یعقوب علیہ السلام اپنے انہی بیٹوں کے ہاتھوں یوسف علیہ السلام کے حوالے سے پہلے ایک بار زخم اٹھا چکے تھے پھر انہی بیٹوں پر دوبارہ اعتماد کرتے ہوئے ان کے ساتھ بنیامین کے بھیجنے پر کیوں تیار ہو گئے؟ حالانکہ حدیث میں ہے مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو بھیجا گیا اس وقت وہ بارہ برس کے لڑکے تھے، مگر جب بنیامین کو بھیجا گیا اس وقت وہ پچاس برس کے بزرگ آدمی تھے لہٰذا ان کے ضیاع کا خطرہ نہ تھا۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام نے انہیں بلا خطر بھیج دیا اور یوں بھی برادرانِ یعقوب علیہ السلام اب اس طرح کے کھلنڈرے نوجوان نہیں رہے تھے جیسے حضرت یوسف کے وقت میں تھے، اب وہ پختہ عمر کے سنجیدہ لوگ تھے، اس لیے یعقوب علیہ السلام نے ان پہ بھروسہ کیا اور بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ
اور فرمایا اے میرے بیٹو! (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا
وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ
اور میں تمہیں اللہ سے کچھ بچا نہیں سکتا۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نافذ نہیں، میں اسی پر
تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ
بھروسہ کرتا ہوں اور بھروسہ کرنے والوں کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ [52] جب وہ اسی طرح
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً
داخل ہوئے جیسے انہیں ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو وہ انہیں اللہ سے کچھ بچا نہ سکتا تھا صرف دلِ
فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
یعقوب (علیہ السلام) میں ایک حاجت تھی جو انہوں نے پوری کی اور وہ علم والے ہیں کیونکہ ہم نے انہیں علم بخشا مگر اکثر
النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع
لوگ نہیں جانتے۔ [53]

ع ۸ ۲

[52] جب یعقوب علیہ السلام اپنے گیارہ بیٹوں کو مصر روانہ کرنے لگے تو فرمایا بیٹو تم شہر میں ایک دروازے کی بجائے مختلف

دروازوں سے داخل ہونا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ گیارہ صحت مند، بلند قامت، خوبصورت ہم شکل بھائیوں کو اکٹھا دیکھ کر انہیں کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔ ساتھ ہی آپ نے وضاحت بھی فرمادی کہ یہ صرف ایک تدبیر ہے ورنہ اگر اللہ کی طرف سے لکھا چکا ہے کہ تمہیں نظر بد لگے گی یا کوئی نقصان پہنچے گا تو میری تدبیر تمہیں اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتی کیونکہ اللہ ہی کا حکم نافذ ہے اور میرا بھروسہ اللہ ہی پر ہے اور ہر کسی کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے یعنی سمجھنا چاہیے کہ وہی ہر نفع ونقصان کا مالک حقیقی ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے پہلے بھی ایک بار مصر آئے تھے۔ اس وقت آپ نے انہیں مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا حکم کیوں نہیں دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار انہیں مصر میں کوئی جاننے والا نہ تھا۔ جبکہ دوسری بار اہلِ مصر انہیں جان چکے تھے کہ وہ باہم سگے بھائی ہیں اور کسی پیغمبر کے بیٹے ہیں اور شاہِ مصر یوسف علیہ السلام کی ان پر خصوصی عنایات ہیں، اس لیے دوسری بار انہیں کسی کی نظر بد کے لگنے کا قوی اندیشہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رَهَبِ يَعقوبُ عليهمُ العينَ محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خشي عليهم العين مجاہد کہتے ہیں: خاف عليهم العين سب کا یہی معنی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خوف تھا کہ ان کے بیٹوں کو نظر لگ سکتی ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۶۸ روایت ۱۱۷۶۷، ۱۱۷۶۸، ۱۱۷۷۱ مطبوعہ بیروت)

نظر بد کا لگنا برحق ہے اور اس کا علاج

بلکہ صاف حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: العين حق ونهیٰ عن الوشم ''نظر کا لگنا برحق ہے اور آپ نے گھور کر دیکھنے سے منع فرمایا۔''

(بخاری کتاب الطب باب ۳۵ حدیث ۵۷۴۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ نظر لگنے پر دم کرنا چاہیے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑکی کے چہرے پر پھنسیاں دیکھیں فرمایا اسے دم کراؤ اسے نظر لگی ہے۔ (بخاری حوالہ مذکورہ)

معلوم ہوا نظر بد لگتی ہے اور اس پر دم درود کروانا حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ دم درود کے منکروں کے لیے یہ احادیث درسِ عبرت ہیں۔

نظر بد کا علاج بھی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نہار ہے تھے۔ ادھر سے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ گذرے، انہوں نے دیکھ کر کہا میں نے اس سے خوبصورت کوئی جسم نہیں دیکھا۔ اتنا کہنا تھا کہ سہل بن حنیف کو بخار ہو گیا اور گر پڑے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا، آپ نے پانی منگوایا اور عامر کو اس سے وضوء کا حکم دیا۔ انہوں نے وضوء کیا، پھر آپ کے حکم سے وہ پانی حضرت سہل پہ ڈالا گیا (تو نظر ختم ہو گئی)

(ابن ماجہ کتاب الطب باب ۳۲ صفحہ ۳۵۰۹)

نظر بد کے لگنے سے معلوم ہوا اللہ کے کسی نیک بندے کی اچھی نظر بھی لگ سکتی ہے۔ اگر نظر بد میں یہ تاثیر ہے تو

نظر خیر کا کیا کہنا۔

[53] چنانچہ برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے حکم پر شہر کے چار مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی ایک قلبی خواہش تھی جس پر انہوں نے عمل کیا اور ان کا عمل جاہلانہ نہیں عالمانہ تھا، کیونکہ وہ صاحب علم تھے خود ہم نے انہیں علوم نبوت و معارف ربانیہ سے نوازا تھا اور اکثر لوگ ان علوم سے ناواقف ہیں۔ یاد رہے قرین قیاس یہ ہے کہ جس شہر میں یوسف علیہ السلام کا پایہ تخت تھا یہ وہی ھمفس نامی شہر تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور جہاں فرعون کا پایہ تخت تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات آج بھی مصر کے دارالسلطنت قاہرہ کے مشرق میں قریباً بارہ میل دور واقع ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں دورہ مصر کے دوران ہم نے یہ کھنڈرات دیکھے تھے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا
اور جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے بھائی (بنیامین) کو اپنے ساتھ ٹھہرا لیا، فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں
تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾
تو یہ لوگ جو کرتے رہے اس سے تم پریشان نہ ہو۔ [54]

برادران یوسف علیہ السلام کا دوبارہ مصر آنا اور آپ کا بنیامین کو حیلہ سے پاس رکھنا

[54] جب بنیامین سمیت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی دربارِ مصر میں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو علیحدہ کر کے بتایا کہ میں تمہارا سگا بھائی یوسف ہوں اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے اب تک مجھ سے اور تم سے جو مظالم روا رکھے ہیں ان سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جب برادرانِ یوسف علیہ السلام دوبارہ مصر پہنچے تو یوسف علیہ السلام بنیامین کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ آپ نے سب بھائیوں کی دعوت کی۔ دعوت میں وہ دو دو بھائی مل کر آمنے سامنے بیٹھ گئے جن کی مائیں ایک تھیں۔ بنیامین اکیلا بیٹھا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں اس اکیلے کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہوں۔ پھر آپ نے سب دو دو بھائیوں کو الگ رہائش دیدیں اور بنیامین کی رہائش اپنے ساتھ ملا لی۔ یوں یوسف علیہ السلام کو بنیامین کے ساتھ تنہائی میسر آ گئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۲۵۲)

یہ بھی مروی ہے کہ بنیامین اکیلا کھانا کھانے بیٹھا تو اس پر گریہ طاری ہو گیا یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی کہنے لگا: اے بادشاہ مصر! میرا بھی ایک بھائی تھا جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے میرا سگا بھائی تھا اس کا نام یوسف تھا اسے بچپن میں بھیڑیا کھا گیا اگر آج وہ زندہ ہوتا تو میں اکیلا نہ بیٹھتا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ اور مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ امام کاشفی نقل کرتے ہیں بنیامین کی نظر یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں پر پڑی تو پھر رونے لگا۔ آپ نے رونے کا سبب

پوچھا، کہنے لگا: اے بادشاہ! آپ کے ہاتھ میرے بھائی یوسف سے بہت ملتے جلتے ہیں اور آپ کا چہرہ بھی اس سے بہت مشابہ ہے، اب یوسف علیہ السلام میں یارائے صبر نہ رہا اور بنیامین کو سینے سے لگا کر فرمانے لگے میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔ (روح البیان جلد ۴ صفحہ ۹۷ مطبوعہ بیروت)

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پھر جب آپ نے انہیں ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنا پیالہ اپنے بھائی کے غلہ میں ڈال دیا، پھر پکارنے والے نے پکارا:

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝

اے قافلہ والو! تم یقیناً چور ہو، وہ ان کی طرف واپس مڑے اور کہا تم کیا چیز گم پاتے ہو؟

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝

کہنے لگے ہم شاہ مصر کا پیالہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لا دے اس کے لئے بار شتر انعام ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ [55]

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝

برادران یوسف نے کہا: بخدا تم خوب جانتے ہو ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں،

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ

کارندوں نے کہا، اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہے؟ کہنے لگے جس کے غلہ میں پیالہ پایا جائے وہ خود ہی

فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

سزا میں رکھ لیا جائے، ہم ظالموں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔ [56]

[55] جب یوسف علیہ السلام اور بنیامین کا باہم تعارف ہو گیا تو بنیامین نے کہا آپ مجھے واپس نہ بھیجیں میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں تمہیں اسی صورت اپنے پاس رکھ سکتا ہوں کہ تم پر کوئی نامناسب الزام آ جائے، اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں۔ تب یوسف علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ جب بھائیوں کو ایک ایک بار شتر غلہ دیا تو اپنا شاہی پیالہ جس سے آپ پانی پیتے تھے وہ بنیامین کے غلہ میں ڈال کر اوپر سے غلے کا منہ بند کر دیا۔ عکرمہ ومجاہد وغیرہما سے مروی ہے کہ وہ سونے کا پیالہ تھا۔ (درمنثور)

برادران یوسف علیہ السلام غلہ لے کر چل دیئے۔ بنیامین متفکر تھا کہ آپ نے اسے بھائیوں کے ساتھ کیوں جانے دیا

ہے۔ادھر شاہی کارندوں نے بادشاہ کا پیالہ گم پایا تو شور مچایا کہ پیالہ کدھر ہے کسی نے کہا یہ کنعانی قافلہ ابھی یہاں سے نکلا ہے ممکن ہے انہی میں سے کسی نے چرایا ہو، اس نے آواز دی او قافلہ والو! ٹھہرو تم بلاشبہ چور ہو۔ برادران یوسف علیہ السلام نے حیرت سے مڑ کر دیکھا اور کارندوں سے پوچھا کیا چیز تمہیں نہیں مل رہی؟ شاہی کارندوں کے امیر نے کہا ہمیں شاہ مصر کا قیمتی پیالہ نہیں مل رہا اور جو شخص وہ پیالہ ہمیں واپس لا دے ہم اسے ایک اونٹ کے بار برابر مزید غلہ دیں گے اور میں اس کا کفیل (ذمہ دار) ہوں۔

کفالت کے بعض شرعی احکام

معلوم ہوا کسی کے قرض یا دوسرے حق کا کفیل بننا جائز ہے۔ یعنی یہ کہہ دینا کہ اگر فلاں شخص قرض نہ لوٹائے تو میں لوٹاؤں گا، تب قرض خواہ کو اختیار ہے کہ خواہ مقروض سے حق مانگے یا اس کے کفیل سے مانگے۔ حدیث میں ہے: الکفیل غارم ''کفیل بھی مقروض ہو جاتا ہے۔'' (ترمذی کتاب البیوع باب ۳۹) یاد رہے اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۝ کے الفاظ ان کارندوں کے تھے جو صورت حال سے ناواقف تھے یوسف علیہ السلام کے نہ تھے کہ عصمت نبوت پر اعتراض آئے اور ممکن ہے یہ ءانکم لسارقون کے معنی میں ہو یعنی کیا تم چور ہو۔

[56] برادران یوسف علیہ السلام نے کہا تمہیں معلوم ہے ہم فسادی لوگ نہیں ہیں یعنی ہم انبیاء کی اولاد ہیں۔ ہم چور کیسے ہو سکتے ہیں۔ مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم تو وہ پونجی بھی واپس لے آئے ہیں جو گزشتہ بار ہمارے غلے میں واپس ڈالی گئی تھی۔

شاہی کارندوں نے برادرانِ یوسف علیہ السلام سے کہا اگر تم چور ثابت ہوئے تو چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ کہنے لگے ہم میں سے جس کے سامان میں سے بادشاہ کا پیالہ نکل آئے اسی کو بطور سزا غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔ ہم اہلِ کنعان ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیتے ہیں کہ چور کو اس شخص کا غلام بنا دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ

یوسف (علیہ السلام) ان کے سامان کی تلاشی لینے لگے، اپنے بھائی کے سامان سے پہلے، پھر اسے اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا،

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ

یوں ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو تدبیر سکھائی، وہ اپنے بھائی کو (مصر کے) شاہی نظام کے تحت نہیں پکڑ سکتے تھے سوا اس کے کہ

اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۝ قَالُوْۤا

اللہ چاہے، ہم جس کے درجات چاہیں بلند کر دیں، (مخلوق سے) ہر عالم سے بڑا عالم موجود ہے۔[57] برادران یوسف نے کہا

اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ

اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کے بھائی (یوسف) نے بھی چوری کی تھی، یوسف (علیہ السلام) نے (اپنا غصہ) اپنے دل ہی میں چھپا لیا، اسے

وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝

ان پر ظاہر نہ کیا اور (دل میں) کہا تم برا موقف رکھتے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کہتے ہو۔[58]

[57] اب یوسف علیہ السلام آئے اور بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ بنیامین کو آپ نے آخر میں رکھا۔ دس بھائیوں کے سامان سے کچھ نہ نکلا، اب بنیامین کی باری تھی۔ آپ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ اس نوجوان نے چوری کی ہو، بھائیوں نے کہا: اس کی تلاشی بھی لازماً لی جائے تاکہ کسی کو ہمارے متعلق شک نہ رہ جائے۔ جب یوسف علیہ السلام نے بنیامین کا غلہ کھولا تو اس میں سے آپ کا پیالہ نکل آیا۔ بھائیوں کے سر شرم سے جھک گئے، ان کے دماغ چکرانے لگے۔ وہ بنیامین کو ملامت کرنے لگے۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ یہ پیالہ میرے غلہ میں کیسے آیا۔ بھائیوں نے کہا پھر تمہارے غلے میں یہ پیالہ کس نے رکھا؟ اس نے کہا: میرے سامان میں اسی نے پیالہ رکھا ہوگا جس نے تمہارے سامان میں پچھلی بار پیسے رکھے تھے۔ یہ سن کر وہ لاجواب ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو تدبیر سکھائی کہ وہ بنیامین کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیں پھر بھائیوں سے پوچھیں کہ چور کی سزا کیا ہے۔ پھر ان کی بیان کردہ سزا کے مطابق وہ بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیں۔ کیونکہ مصر میں پہلے سے جاری شاہی نظام کے مطابق آپ بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہاں یہ نظام تھا کہ چور دوگنا مال واپس کرے لیکن جب اللہ چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے ہم جس کو چاہیں بلندی درجات عطا کریں یعنی علم میں ترقی دیں کیونکہ دنیا میں ہر عالم سے بڑا عالم ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے علم سے بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ کیا۔

جائز کام کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو حکمِ الٰہی سے حیلہ کے ساتھ اپنے ساتھ رکھا۔ اسی طرح جب قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو ساتھ چلنے کے لیے اصرار کیا تو آپ نے کہا تھا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾ کہ "میں بیمار ہوں۔" (صافات، ۸۹) یعنی تمہارے کفر کی وجہ سے میرا دل زخمی ہے، مگر قوم نے سمجھا کہ شائد آپ کو بخار یا کوئی اور جسمانی عارضہ ہے تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے، یہ آپ نے ایک حیلہ کیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام ہی نے بادشاہ مصر سے کہدیا تھا کہ میرے ساتھ میری بہن ہے، یعنی دین میں میری بہن ہے۔ حالانکہ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی حضرت سارہ تھیں، کیونکہ اگر آپ ایسا نہ کہتے تو وہ سارہ کو پکڑ لیتا۔ یہ آپ نے ایک حیلہ کیا، تو جب کسی کی زندگی یا عزت خطرے میں ہو ایسے میں اگر وہ کوئی حیلہ کرے تو یہ جائز ہے۔ البتہ بری نیت سے حیلہ کرنا گناہ ہے جیسے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مال کو اِدھر سے اُدھر کرنا۔

[58] برادرانِ یوسف علیہ السلام نے کہا اگر آج بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کا بھائی (جو ماں باپ دونوں کی طرف سے اس کا بھائی تھا) بھی چوری کرتا تھا۔ یہ یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام تھا جسے سن کر آپ کو شدید غصہ آیا مگر آپ غصہ پی گئے۔ اسے ظاہر نہ کیا کیونکہ ابھی اللہ کی طرف سے آپ کو بھائیوں پر اپنی حقیقت کے واضح کرنے کی اجازت نہ تھی، آپ نے دل ہی میں کہا تم لوگ برا موقف رکھتے ہو اور مجھ پر تمہارے چوری کے الزام کی حقیقت سے اللہ واقف ہے۔ ابن ادریس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بچپن میں یوسف علیہ السلام گھر والوں سے کھانا چھپا کر غریبوں میں بانٹ دیا کرتے تھے، بھائیوں نے اس عمل کو چوری سے تعبیر کیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۲۶۵)

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ

کہنے لگے اے بادشاہِ معزز اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، آپ ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ رکھ لیں ہم آپ کو احسان کرنے

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا

والا دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔

عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

تب تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔ [59]

[59] برادران یوسف علیہ السلام سخت پریشان تھے کہ کیا کریں وہ بنیامین کو زبردستی ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے اور اگر اسے چھوڑ کر جاتے تو اپنے والد صاحب کو کیا منہ دکھاتے، یعنی وہ سوچتے تھے والد صاحب کیا کہیں گے پہلے تم یوسف کو گم کر آئے۔ اب بنیامین کو گم کر دیا۔ چنانچہ وہ یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے۔ اے بادشاہ معظم! آپ ہم میں سے کسی کو بنیامین کی

ع ۹ ۲

جگہ رکھ لیں۔ ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔انہیں بنیامین سے بہت محبت ہے وہ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے وہ اس کی فرقت برداشت نہیں کر سکتے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا جس کے غلہ سے ہمارا پیالہ نکلا ہے اگر ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں تو یہ ظلم ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو روک کر غمِ یعقوب علیہ السلام میں اضافہ کیوں کیا؟

اگر سوال کیا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس رکھ کر اپنے والد صاحب کے غم میں کیوں اضافہ کیا یہ تو قطع رحمی اور قلت رحمت ہے جو شان انبیاء کے لائق نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا آپ نے حکمِ خدا سے کیا، دراصل اللہ جل مجدہٗ الکریم صبر یعقوب علیہ السلام کی مزید آزمائش فرمارہا تھا تا کہ ان کے درجات مزید بلند ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یوسف علیہ السلام جب عزیز مصر کے گھر میں شہزادوں کی طرح رہتے تھے تب آپ اپنے والد صاحب کو بذریعہ خط اپنے حالات سے مطلع کر سکتے تھے، پھر آپ شاہِ مصر بن گئے اور کنعان بھی ایک طرح آپ کی حکومت میں آ گیا۔ تب کیا مانع تھا کہ آپ نے والد صاحب سے رابطہ نہ کیا۔ بس اللہ کو صبر یعقوب علیہ السلام کا امتحان مقصود تھا اور انبیاء کے معاملات وحی الٰہی کے تحت چلتے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ

جب وہ یوسف (علیہ السلام) کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدگی میں مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ

اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ

تمہارے باپ نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا؟ اور اس سے قبل تم یوسف کے بارہ میں جو زیادتی کر چکے ہو (وہ تم جانتے ہو)

یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ

تو میں یہ سرزمین نہ چھوڑوں گا۔ حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے حق میں فیصلہ کر دے

وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝۸۰ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ [60] تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو ابا جان آپ کے بیٹے نے

سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝۸۱ وَ سْـَٔلِ

چوری کی ہے اور ہم وہی گواہی دیتے جو ہمیں معلوم ہے اور ہم غیب کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ [61] آپ اس

الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲

بستی (والوں سے) پوچھیں جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھیں جس میں ہم لوٹے اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔ [62]

برادرانِ یوسف کا بنیامین کے بغیر کنعان جانا اور یعقوب علیہ السلام کا غم

[60] برادرانِ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو حاصل کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کی منت سماجت بھی کی جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزرا، اور روایات کے مطابق انہوں نے دباؤ بھی ڈالا اور طیش میں آئے مگر کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ آخر باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سب سے بڑا بھائی روبیل تھا، اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم نے والد صاحب کو اللہ کے نام کی گواہی دے کر ان سے عہد کیا تھا کہ تم بنیامین کو ضرور اپنے ساتھ واپس لاؤ گے (کاشفی نے نقل کیا کہ انہوں نے والد صاحب سے کہا تھا ہمیں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی قسم! ہم بنیامین کو ضرور واپس لائیں گے۔ (روح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ دار احیاء بیروت) اور اس سے قبل تم یوسف علیہ السلام کو بھی اپنے باپ سے چھین چکے ہو اب تم اپنے باپ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اب میں واپس نہ جاؤں گا۔ الا یہ کہ والد صاحب مجھے واپس آنے کی اجازت دے دیں یا اللہ میرے بارے میں

فیصلہ کر دے۔ یعنی مجھے موت دیدیے یا میرے بارے میں یعقوب علیہ السلام پر وحی اتار دے کہ وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

[61] روبیل نے بھائیوں سے مزید کہا: تم جا کر والد صاحب کو بتاؤ کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہے اور بدلے میں اسے غلام بنا کر رکھ لیا گیا ہے اور ہم اسی چیز کی گواہی دے رہے ہیں جو ہم نے دیکھی ہے کہ اس کے غلہ سے بادشاہ کا پیالہ نکلا، لہٰذا بظاہر وہ چور ہے مگر غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم غیب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، یعنی اگر وہ چور نہیں ہے تو اس کے غلہ میں پیالہ کیسے آیا؟ یہ بات اللہ ہی جانتا ہے۔ دراصل وہ خود حیران تھے کہ کیا ہو رہا ہے، پہلے ان کے سامان میں سے پیسے برآمد ہوئے اب بنیامین کے سامان سے پیالہ نکل آیا ہے۔

[62] روبیل نے اپنے بھائیوں سے یہ بھی کہا کہ تم واپس جا کر والد صاحب سے کہنا اگر آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں تو جس بستی میں ہماری تلاشی لی گئی اور جس قافلہ میں شامل ہو کر ہم واپس آئے ہیں۔ ان لوگوں سے پوچھ لیں کہ آیا بنیامین کے سامان سے شاہِ مصر کا پیالہ برآمد ہوا یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں پیالہ برآمد ہوا تھا تو آپ جان لیں کہ ہم سچے ہیں۔ بہر حال برادرانِ یوسف علیہ السلام واپس کنعان پہنچے اور جا کر والد صاحب کو بتایا کہ اس طرح بنیامین کے سامان سے شاہِ مصر کا پیالہ برآمد ہوا اور اسے شاہِ مصر نے گرفتار کر کے بطورِ سزا اپنا غلام بنا لیا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے کیا جواب دیا، وہ اگلی آیت میں ہے۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ تمہارے دلوں نے یہ بات تمہارے لئے آراستہ کی ہے تو صبر اچھا ہے، قریب ہے

يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۳ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ علم والا حکمت والا ہے۔ [63] یعقوب (علیہ السلام) نے اُن سے منہ پھیرا

يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝۸۴

اور کہا ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر، اور آپ کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، آپ دل ہی میں غم پیتے تھے۔ [64]

[63] اس کا ایک یہ معنیٰ کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا جیسے تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں جھوٹ گھڑا اسی طرح تم اب بھی جھوٹ گھڑ سکتے ہو۔ جب ایک بار کسی کا جھوٹ واضح ہو جائے تو دوبارہ اس پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ تمہی نے شاہِ مصر کو بتایا تھا کہ ہمارے ہاں چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے لہٰذا ہم میں سے جس کے پاس پیالہ نکلے اسے غلام بنا لیا جائے، گویا بنیامین کو پکڑوانے میں خود تم نے سبب مہیا کیا، ورنہ شاہِ مصر اپنے مصری قانون کے مطابق تو اسے غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ جیسا کہ پیچھے گزرا: مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ۔ لہٰذا اب صبر ہی بہتر

ہے اور ممکن ہے اللہ میرے سب بیٹوں کو میرے پاس واپس لے آئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو یوسف علیہ السلام کے بارے میں علم تھا کہ وہ زندہ وسلامت ہیں۔

[64] بنیامین کے فراق نے یعقوب علیہ السلام کے دل میں فراقِ یوسف کا غم تازہ کر دیا۔ زخمی عضو کو چوٹ لگے تو آدمی درد سے بلبلا اٹھتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر، چنانچہ غم یوسف میں روتے روتے یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی۔ مروی ہے کہ آپ چھ برس نابینا رہے (بغوی) پھر قمیص یوسف علیہ السلام کی برکت سے آپ کو بینائی واپس ملی، اس کے باوجود آپ اس قدر صابر تھے کہ اپنا غم اندر ہی اندر پیتے تھے کچھ واویلا اور چیخ و پکار نہ کرتے تھے۔

مصیبت میں صبر کرنے کی فضیلت حدیث سے

حضرت یعقوب علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ سے ہمیں عظیم درسِ صبر ملتا ہے کہ مؤمن کو مصیبت میں اللہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ یہ مصیبت اللہ ہی کی طرف سے آئی ہے اور اسے اللہ ہی دور فرمانے والا ہے اور جب انسان مصیبت پہ صبر کرتا ہے اور واویلا و چیخ و پکار سے بچتا ہے تو اللہ اس کو دنیا و آخرت میں اس کا عظیم اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: ابن آدم ان صبرت واحتسبت عند الصدمة الاولیٰ لم ارض لك ثوابا دون الجنة۔ ''اے ابنِ آدم! اگر تو ابتداء مصیبت میں صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے تو میں تیرے لیے جنت سے کم کسی ثواب پہ راضی نہ ہوں گا۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث ۱۵۹۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء مصیبت کی بات اس لیے فرمائی کہ بعد میں تو رو دھو کر سب کو صبر آ جاتا ہے، مزہ تو یہ ہے کہ ابتداء مصیبت میں صبر کیا جائے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلم مصیبت کے آنے پہ ان الفاظ کی پناہ لیتا ہے جو اللہ نے فرمائے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اور کہتا ہے اے اللہ! اس مصیبت پہ میں تیرے حکم پہ صبر کرتا ہوں تو مجھے اس کا اجر عطا فرما تو اللہ اسے اس صبر کا اجر بھی دیتا ہے اور اس مصیبت کے بدلے میں آخرت کی نعمت بھی عطا فرماتا ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث ۱۵۹۸)

اہلِ تشیع کے ہاں مروج ماتم کا ردّ

آپ نے یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ اس لیے کہا کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلی امتوں کو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کہنا نہ سکھایا گیا تھا۔ یہ صرف آخری امت (امت محمدیہ) کو سکھایا گیا کہ مصیبت میں اسے پڑھیں، اگر پہلی امتوں کو بھی یہ سکھایا گیا ہوتا تو یعقوب علیہ السلام یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ نہ کہتے بلکہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ہی پڑھتے۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۲۷۵) یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ اہلِ تشیع کے ہاں معتبر و مشہور تفسیر الصافی جلد ا صفحہ ۸۴۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران ایران میں بھی مذکور ہے۔اسی طرح شیعہ مفسر علی بن ابراہیم قمی نے یہاں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا: لم یعرف یعقوبُ الاسترجاعَ ولذا قال یا اسفا علی یوسف، یعنی یعقوب علیہ السلام اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہنا نہیں جانتے تھے، ورنہ یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ نہ کہتے۔

(تفسیر قمی سورہ یوسف صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ ایران)

جب امت محمدیہ کو سکھایا گیا کہ وہ مصیبت میں یٰٓاَسَفٰی (ہائے افسوس!) کی بجائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہیں تو اس سے زائد بے صبری جیسے سینہ کوبی اور نوحہ گری کا کیا جواز ہے۔اسی لیے امام جعفر صادق علیہ الرحمہ (اہل تشیع کے عقیدہ میں چھٹے امام معصوم) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ضربُ المسلمِ یدَہ علی فخذِہ اِحباطٌ لاجرِہ، یعنی جس نے مصیبت میں اپنے ران پر ہاتھ مارا اس نے اپنا اجر ضائع کرلیا۔

(فروع کافی کتاب الجنائز جلد ۳ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ تہران)

اور حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ینزل الصبر علی قدر المصیبة ومن ضرب یدہ علی فخذہ عند المصیبة حبط عملہ، یعنی جس قدر مصیبت آئے اسی قدر صبر نازل ہوتا ہے اور جس نے مصیبت میں اپنے ران پہ ہاتھ مارا اس کا اجر ضائع ہوگیا۔(نہج البلاغہ حصہ چہارم کلام ۱۴۴ صفحہ ۶۹۴ مطبوعہ بیروت)

جب ران پہ ہاتھ مارنا اس قدر گناہ ہے تو سینہ کوبی، زنجیر زنی، اور گریبان ردگی کا گناہ کس قدر ہوگا۔اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۱۸ھ کی کتاب "فقہ جعفریہ" جلد ۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ
بیٹوں نے کہا (اباجان) بخدا آپ ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ قریب مرگ ہو جائیں یا
مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ
بالکل ہلاک ہو جائیں، آپ نے فرمایا میں تو اپنی مصیبت اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے جو میں
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾
جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔[65]

[65] بیٹوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا ابا جان آپ یوسف کو یاد کرتے کرتے فوت ہو جائیں گے۔عرصہ دراز ہوا اسے بھیڑیا کھا گیا۔اب وہ کہاں سے واپس آئے گا؟ آپ نے فرمایا میں اپنے غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں یعنی کبھی میں نے

تمہیں اپنا غم بتا کر پریشان کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ کبھی میں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا ہے اور جو کچھ میں اللہ کی طرف سے یوسف کے بارے میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ مطلب یہ کہ تم اسے مردہ سمجھتے ہو مگر میں جانتا ہوں کہ وہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ عنقریب مجھے آ ملے گا۔ یہاں اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ سے ہمیں درس صبر ملتا ہے یعنی مومن کو چاہیے کہ مالی وجانی مصائب میں صبر کرے اور سمجھے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، ہر خوشی غمی اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو

اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ

بیشک اللہ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوتا۔[66] جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ

تو کہنے لگے اے بادشاہ معظم! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت آ پہنچی اور ہم تھوڑے سے پیسے لائے ہیں،

لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸

تو آپ ہمیں پورا غلہ دیں اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔[67]

[66] حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک دن بیٹوں سے فرمایا، جاؤ یوسف اور بنیامین کو ڈھونڈ کر لاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو کہ اللہ کی رحمت سے صرف کفار نا امید ہوتے ہیں، مومن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہے کہ تم بنیامین کو لینے مصر جاؤ وہاں تمہیں یوسف بھی مل جائے گا۔ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے پاس ایک بار ملک الموت بشکل انسانی آئے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں ملک الموت ہوں آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں مجھے بتاؤ کیا تم نے میرے بیٹے یوسف کی روح قبض کی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تب آپ نے جانا کہ یوسف زندہ ہے اور کہا: يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۹۰ روایت ۱۱۹۰۹)

اس کے علاوہ جب سے یوسف علیہ السلام نے آپ کو بچپن میں اپنا خواب بتایا تھا کہ گیارہ ستارے اور شمس وقمر انہیں سجدہ کرتے ہیں تب سے آپ جانتے تھے کہ ایک دن آپ اور آپ کے سب بیٹے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں گے۔

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو پہچاننا اور اعترافِ جرم کرنا

[67] حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حکم پر کہ جاؤ یوسف و بنیامین کو تلاش کرو، برادرانِ یوسف علیہ السلام مصر میں تیسری بار یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے: اے بادشاہ معظم! ہم پر اور ہمارے اہل وعیال پر بھاری مصیبت آپڑی ہے، قحط سالی کی وجہ سے گھر میں تنگدستی وافلاس ہے۔ ادھر آپ نے ہمارے بھائی بنیامین کو پکڑ رکھا ہے۔ دوسرا بھائی اس کی وجہ سے یہاں رک گیا ہے۔ ہمارا ایک بھائی پہلے ہلاک ہوگیا تھا۔ ان غموں نے ہمارے والد صاحب کو نڈھال کردیا ہے رورو کر ان کی بینائی جاتی رہی ہے، ہم تھوڑے سے پیسے لائے ہیں آپ ہمیں پورا غلہ دیں اور جو پیسے کم ہوجائیں وہ ہم پر صدقہ کرتے ہوئے معاف کردیں۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا اللہ رب العزت کو معاملات میں فراخ دلی پسند ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو کسی چیز کے خریدنے یا بیچنے میں فراخ دلی کرے اور مقروض پر کشادگی کرے۔ (بخاری کتاب البیوع باب ۱۶)

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا
آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم جاہل تھے؟ کہنے لگے
ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ
کیا آپ یوسف ہی ہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اللہ نے ہم پر
عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾
احسان کیا۔ بیشک جو اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ [68]
قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾
بھائی کہنے لگے، قسم بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔ [69]

[68] جب بھائیوں نے گھر کی تنگیٔ حالات اور والد صاحب کی نابینائی کا دردمندانہ ذکر کیا تو یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور آپ کے لیے اپنی حقیقت کو بھائیوں سے تادیر چھپانا مشکل ہوگیا۔ تب آپ نے ان سے پوچھا: کیا تمہیں یاد ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین سے کیا کیا زیادتیاں کی تھیں؟ یہ کہتے ہوئے آپ کچھ مسکرائے، آپ کے حسن کا یہ عالم تھا کہ مسکراتے تو دانتوں سے نور چمکتا تھا۔ آپ کے بھائی یہ نور بچپن میں آپ سے دیکھا کرتے تھے۔ آج انہیں وہی چمک نظر آئی پھر آپ کی زبان سے انہوں نے یوسف کا لفظ اور یہ سوال سنا کہ وہ یوسف سے کیا کیا ظلم کرتے تھے تو ان کی

چھٹی حس بیدار ہوئی اور وہ بے قرار ہو کر بولے اے بادشاہ مصر! کہیں آپ یوسف ہی تو نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے، اللہ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہم سب بھائیوں کو باہم ملا دیا یا ہمیں حکومت مصر دے کر لوگوں میں بڑی عزت و آبرو دی۔ یقیناً جو شخص تقویٰ و صبر سے کام لے (جیسے یوسف علیہ السلام نے تقویٰ اپنا کر خود کو ہر گناہ سے دور رکھا اور قید و بند کی صعوبات پر صبر کیا) تو اللہ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہاں سے تقویٰ و صبر کی اہمیت معلوم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدد جگہ ان دونوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ جیسے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ (آل عمران: ۱۲۰) بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵ (آل عمران: ۱۲۵) دراصل صبر نیکی پر قائم رہنا اور تقویٰ گناہ سے بچنا ہے اور یہی دو اسباب فلاح ہیں۔

[69] بھائی کہنے لگے: اے یوسف! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔ ہم خطا کار تھے اور آپ نیکوکار، یعنی ہم آپ سے جور و جفا کرتے رہے اور آپ بدلے میں مہر و وفا کرتے رہے۔ آپ نے ہمیں پہچان کر ہماری مہمان نوازی میں حد کر دی اور غلے کی قیمت تک لوٹا دی۔

معلوم ہوا اپنی خطاء کو مان لینا انسان کی بڑائی ہے۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام بہر حال اولادِ انبیاء تھے۔ انہوں نے اپنی غلطیوں کا کھلے بندوں اعتراف کیا۔ اس سے ان کے مرتبہ میں کمی نہیں آئی اضافہ ہوا اس میں ہمارے لیے درسِ ہدایت ہے۔ آج کوئی شخص اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں۔ عدالتوں میں کیسوں کی بھر مار ہے ہر کوئی خود کو سچا کہہ رہا ہے اپنی غلطی نہ ماننا ہی فسادات کی جڑ ہے۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۹۲

آپ نے فرمایا آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے کہ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔[70]

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ

میری یہ قمیض لے جاؤ اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہوجائیں گے اور اپنے سب گھر والوں کو

بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۳ ع

میرے پاس لے آؤ۔[71]

ع ۱۵ ۴

[70] حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بھائیو! تم مت تصور کرو کہ میں تمہیں کچھ ملامت کروں گا یا سزا دونگا۔ بلکہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ بھی تمہاری لغزشوں کی بخشش فرمادے کہ وہ بخشنہار و رحمت بار ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے بھائیوں سے فرمایا کہ اہل مصر قبل ازیں باہم کہتے تھے کہ اللہ کی بے نیازی دیکھو اس نے ایک غلام کو شاہ مصر بنا دیا۔ آج آپ لوگوں کے آنے سے انہیں معلوم ہوگیا کہ میں غلام نہیں آزاد گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں جو انبیاء کا گھرانہ ہے، یعنی تم نے آکر میری عزت میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ سبحان اللہ یہ کریموں کی شان ہے وہ مجرموں کو یوں معاف کرتے ہیں کہ انہیں شرمسار بھی نہیں ہونے دیتے بلکہ خود ان کے ممنون بنتے ہیں۔

عفوودرگذر کی اہمیت:

حضرت یوسف علیہ السلام شاہِ مصر کی حیثیت سے بھائیوں کو جو سزا چاہتے دے سکتے تھے مگر آپ نے انہیں نہ صرف معاف فرمایا بلکہ جودوکرم کی بارش کردی آج سگے بھائی چھوٹی چھوٹی باتوں پر زندگی بھر کے لیے راستے الگ کرلیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاقِ پیغمبرانہ کا کچھ حصہ عطا فرمائے۔

سیرتِ یوسفی و سیرتِ محمدی میں مماثلت:

قریش خصوصاً بنو ہاشم کے بعض لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں وہی سلوک کیا تھا جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی اور آپ کو تکلیفیں دے دے کر وطن سے نکالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی طرح حکومت عطا کی جس طرح یوسف علیہ السلام کو عطا کی اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو آپ کے سامنے یوں کھڑا کیا جیسے یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں کو کھڑا کیا تھا تو فتح مکہ کے موقع پر قریش کے لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ نہ جانے ان سے کیا سلوک کیا جائے گا حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ شریف کے اندر جاکر نماز پڑھی پھر

باہر تشریف لائے۔سرداران قریش خوفزدہ کھڑے تھے آپ نے فرمایا آج تم کیا خیال کرتے ہو کہ میں تم سے کیا معاملہ کروں گا؟ کہنے لگے آپ ہمارے سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا آج میں تم سے وہی سلوک کروں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اور میں انہی کی بات کہتا ہوں۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ (یوسف:۹۲) پھر آپ نے فرمایا: اذهبوا فانتم الطلقآء۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سرداران قریش کو معاف کیا تو ان کے دلوں کی کایا ہی پلٹ گئے اور وہ سب کے سب اسلام لے آئے اور وہ یوں دھڑا دھڑ اسلام میں آنے لگے جیسے ان کے پیروں سے بیڑیاں کھول دی گئی ہوں اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ ''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے گی اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔'' (سورہ نصر،۱)

قمیص یوسف علیہ السلام کی برکت سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا واپس آجانا

[71] جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کے والد صاحب کی بینائی جاتی رہی ہے تو آپ کو سخت صدمہ ہوا آپ نے بھائیوں سے فرمایا میری قمیص لے جاؤ اسے والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دو، اس کی برکت سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی اور پھر والد صاحب سمیت تمام گھر والوں کو یہاں میرے پاس لے آؤ۔ یوسف علیہ السلام والد صاحب کے پاس خود نہ گئے انہیں بلوایا اس لیے کہ آپ کے سر پر امور مملکت کا بہت بوجھ تھا اور مخلص ایماندار عوام دوست حاکم کی یہی نشانی ہے کہ وہ ملکی وعوامی مفادات کو ذاتی امور پر ترجیح دیتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھجوایا کہ اگر امور مملکت درمیان میں حائل نہ ہوتے تو میں خود چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ یعقوب علیہ السلام کے مصر آنے سے تمام مملکت مصر کے لوگ ان کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور دعا و برکت حاصل کریں گے۔

قمیص یوسف علیہ السلام کی تاریخ:

یہ قمیص ابراہیم علیہ السلام پر جنت سے نازل ہوئی جب وہ نار نمرود میں ڈالے گئے پھر وہ ان کے بعد اسحاق علیہ السلام کے پاس محفوظ رہی پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس آئی، پھر جب یوسف علیہ السلام باپ سے جدا ہوئے تو انہوں نے وہ قمیص ایک نلکی میں ڈال کر یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دی تا کہ وہ اس کی برکت سے محفوظ رہیں پھر جب انہیں کنوئیں میں پھینکا گیا تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور نلکی سے وہ قمیص نکال کر انہیں پہنا دی کیونکہ جو قمیص انہوں نے پہن رکھی تھی وہ بھائیوں نے اتار لی تھی تا کہ اس پر جھوٹا خون لگا کر اسے والد صاحب کو دکھا سکیں۔

پھر اسی قمیص میں یوسف علیہ السلام مصر پہنچے، پھر انہوں نے وہ قمیص بطور برکت سنبھال لی۔ جب آپ سے بھائیوں کا

تعارف ہوا تو جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ اس قمیص کو یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجیں کیونکہ اس میں جنتی خوشبو ہے۔ لایقع علی سقیم ولا مبتلی الاعوفی یہ جس بیمار ولاچار پر ڈالی جائے اسے عافیت مل جائے گی۔ تب آپ نے یہ قمیص بھائیوں کے ہاتھ بھجوائی اور فرمایا اسے میرے والد صاحب کے چہرے پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جائیں گے۔
(تفسیر بغوی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴، خازن جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ ہوارک جلد ۳ صفحہ ۱۴۱، قرطبی جلد ۹ صفحہ ۲۵۹)

لباسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت:

اگر قمیصِ یوسف علیہ السلام کی یہ برکت ہے تو لباسِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کا کیا عالم ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ مبارک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سنبھال کر رکھا تھا پھر وہ ان کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ سیدہ اسماء فرماتی ہیں ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو دیتے ہیں جس سے انہیں شفا ہوتی ہے۔ (مسلم کتاب اللباس حدیث ۱۰)
یہ تو وہ جبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم مبارک پر پہنا، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے خواب میں تشریف لا کر ان کے برص زدہ جسم پر اپنی چادر مبارک ڈال دی جب وہ بیدار ہوئے تو جسم کا سارا برص دور ہو چکا تھا۔ اسی موقع پر امام بوصیری علیہ الرحمہ نے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قصیدہ لکھا جسے قصیدہ بردہ (چادر والا قصیدہ) کہتے ہیں اور وہ پورے عالم میں مشہور ہے۔ بلکہ اس کے پڑھنے سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔
(اسلامی انسائیکلو پیڈیا زیر عنوان بوصیری صفحہ ۴۲۲ مطبوعہ مکتبہ الفیصل لاہور)
قمیصِ یوسف علیہ السلام سے صرف کنعان مہکا اور لباسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا جہان مہکا۔ آج بھی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس خوش نصیب کے خواب میں تشریف لے آتے ہیں اس کا گھر خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص   یوسفستان ہے ہر گوشۂ کنعان عرب

تبرکات کی تکریم واحترام کا جواز

انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ قمیص سنبھال کر رکھی اور اس سے برکت حاصل کرتے رہے۔ معلوم ہوا تبرکات کی تعظیم سنت انبیاء ہے اور حدیث میں ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجامت کروائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بال مبارک حاصل کرنے کے لیے جھپٹ پڑے مجھے بھی آپ کی پیشانی مبارک کے چند بال مل گئے۔ وہ میں نے اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں سی لیے اس کے بعد میں جس جنگ میں گیا اس میں مجھے کامیابی دی گئی۔
(مسند ابی یعلیٰ حدیث ۷۱۷۸ صفحہ ۱۳۰۵ حدیث خالد بن الولید مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت مطبوعہ دمشق)
مشہور حدیث ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی جو ساری فوج نے مل کر ڈھونڈھی حالانکہ وہ پرانی بوسیدہ ٹوپی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال مبارک سی

رکھا ہے اور میں جس جنگ میں گیا ہوں اس کی برکت سے مجھے فتح حاصل ہوئی ہے۔

(طبرانی کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۴ حدیث ۳۸۰۴ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ

اور جب (برادران یوسف) کا قافلہ مصر سے چلا تو ان کے والد صاحب نے کہا یقیناً مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم

تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

مجھے بے حواس نہ جانو گھر والے کہنے لگے بخدا آپ اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں۔ چنانچہ جب بشارت لانے والا آیا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۙ اِنِّىْٓ

تو قمیض کو آپ کے چہرے پر ڈالا جس سے آپ پھر بینا ہو گئے، آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا

اللہ کی طرف وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ [72] وہ کہنے لگے اے ابا جان! ہمارے لئے بخشش مانگئے بیشک ہم

خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

خطا کار تھے آپ نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [73]

[72] روایات کے مطابق یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو بہت سی سواریاں دیں کہ ان پر اپنے گھر والوں کو مصر لایا جائے اور اپنی قمیص بھی ہمراہ روانہ کی۔ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان (فلسطین) میں اپنے پوتوں اور اپنی بہوؤں کے درمیان بیٹھے ہوئے فرمایا: اگر تم مجھے بدحواس نہ جانو تو آج مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے مگر چونکہ نبی کی خوشبو نبی ہی کو آ رہی تھی۔ اس لیے گھر والوں نے کہا: اے بزرگوار! آپ یہ بات اپنی پرانی وارفتگی و محبت میں کہہ رہے ہیں ورنہ یوسف کو فوت ہوئے زمانہ بیت گیا۔ اب یوسف کی خوشبو کہاں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعقوب علیہ السلام نے قمیصِ یوسف علیہ السلام کی خوشبو ۸۰ فراسخ سے محسوس کی۔ (ایک فرسخ قریباً آٹھ کلومیٹر ہوتا ہے۔ گویا چھ سو چالیس کلومیٹر کا فاصلہ درمیان میں حائل تھا)۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۱۹۷ روایت ۱۱۹۶۴ مطبوعہ مکہ)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہودا نے کہا: میں ہی یوسف علیہ السلام کی قمیص جھوٹے خون میں لتھیڑ کر ابا جان کے پاس لے گیا تھا اور انہیں دکھ دیا تھا آج میں ہی دوبارہ قمیصِ یوسف لے کر ابا جان کے پاس جاؤں گا اور انہیں

بتاؤں گا کہ یوسف زندہ ہے اور انہیں خوش کروں گا چنانچہ جب وہ قمیص لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور قمیص آپ کے چہرہ پر ڈالی تو چھ برس سے ختم ہو جانے والی بینائی واپس آ گئی۔ بینائی آ جانے کے بعد یعقوب علیہ السلام نے یہودا سے پوچھا میرا بیٹا یوسف کس حالت میں ہے؟ اس نے عرض کیا: وہ شاہِ مصر ہے۔ آپ نے فرمایا میں شاہِ مصر کو کیا کروں یہ بتاؤ وہ کس دین پر ہے؟ عرض کیا: وہ دین اسلام پر ہے۔ آپ نے فرمایا اب نعمت مکمل ہوئی ہے۔ (بغوی جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت) یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ یوسف کے بارے میں اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اس سے یعقوب علیہ السلام کا رونا صرف دردِ فراق کی وجہ سے تھا۔ لاعلمی کی وجہ سے نہیں تھا۔

اگر اللہ چاہتا تو قمیصِ یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو چاہِ کنعان سے بھی آ سکتی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کو صبر یعقوب علیہ السلام کا امتحان مقصود تھا، تا کہ صبر کے نمونے اہلِ ایمان کے لیے قائم کیے جائیں اور جناب یعقوب علیہ السلام کے درجات بلند ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کے گھر پہنچتے ہی پہلا کام یہ کرتے کہ اپنے والد سے رابطہ یا ملاقات کا اہتمام کرتے، مگر انبیاء وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم ربانی ہوتا ہے۔

[73] بیٹوں نے کہا ابا جان ہماری خطاؤں کے لیے اللہ سے دعاء بخشش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعقوب علیہ السلام نے دعا کو شب جمعہ کے لیے موخر کیا کیونکہ یہ بابرکت رات ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۰۰) حضرت وہب سے مروی ہے کہ آپ مسلسل بیس برس تک ہر شب جمعہ کو بیٹوں کے لیے دعا و استغفار کرتے رہے۔ (بغوی جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)

شبِ جمعہ کی فضیلت

اس سے شبِ جمعہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔ گویا یہ برکت والی رات ہے، اس میں دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی شکایت کی کہ وہ قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وظیفہ بتایا کہ اگر ہو سکے تو شب جمعہ کے وسط میں، نہیں تو اس کے اول میں خصوصی چار رکعات پڑھو، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ یاسین، دوسری میں سورہ دخان، تیسری میں الم سجدہ اور چوتھی میں سورہ ملک پڑھو، اس کے بعد کثرت سے تسبیح و تحمید اور درود شریف پڑھو۔ پھر یہ دعاء کہو (حدیث میں طویل دعاء مذکور ہے جو وہاں دیکھی جا سکتی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تم تین یا پانچ یا سات شب جمعہ تک یہ عمل کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ عمل کیا، تب وہ کہنے لگے پہلے مجھ سے چار پانچ آیات یاد نہیں ہوتی تھیں، اب میں چالیس آیات اکٹھی یاد کر لیتا ہوں اور جو حدیث سنتا ہوں اس کا ایک لفظ بھی مجھے نہیں بھولتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالحسن! رب کعبہ کی قسم! تم سچے مومن ہو۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۴ حدیث ۳۵۷۰) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ

پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ ٹھہرایا اور کہا مصر میں داخل ہو اگر اللہ نے چاہا

اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ؕ۝۹۹ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ

تو آپ امن میں رہیں گے۔[74] آپ نے اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا اور وہ آپ کے لئے

يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ

سجدے میں جھک گئے۔[75] اور آپ نے فرمایا: ابا جان! یہ میرے دیرینہ خواب کی تعبیر ہے۔میرے رب نے اسے

اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ

سچ کر دکھایا ہے اور میرے رب نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا اور تمہیں گاؤں سے (یہاں) لے آیا۔[76]

اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ

اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالا تھا۔ بے شک میرا رب جو چاہتا ہے

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰

وہ خفیہ تدبیر سے کر ڈالتا ہے وہ علم والا حکمت والا ہے۔

والدین اور بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا

[74] مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ہاتھ دو سو سواریاں کنعان بھیج تھیں۔ چنانچہ آپ کے خاندان کے بہتر افراد اور ایک روایت میں ترانویں افراد کنعان سے مصر آئے۔ جب یہ مصر کے قریب پہنچے تو یوسف علیہ السلام چار ہزار کے لشکر کے ساتھ استقبال کو نکلے، دیگر اہلِ مصر اس کے سوا تھے۔ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یہودا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چل رہے تھے آپ نے فرمایا یہ اتنا بڑا لشکر کیوں آ رہا ہے۔ اس نے بتایا یہ آپ کے بیٹے یوسف کا لشکر ہے جب باپ بیٹا سامنے آئے تو یوسف علیہ السلام نے بڑھ کر سلام کہنا چاہا مگر جبرائیل علیہ السلام نے ان سے کہا: نہیں پہلے یعقوب علیہ السلام سلام کہیں گے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ اے میرے غموں کے دور کرنے والے یوسف! تمہیں سلام ہو تب باپ بیٹا دونوں بغل گیر ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ بیروت)

چنانچہ یوسف علیہ السلام خاندان کو لے کر شہر میں داخل ہوئے اور کہا آپ کو ملک مصر میں امن حاصل ہوگا یعنی اب یہاں ظالم حکمرانوں کا نہیں اللہ کا قانون نافذ ہے اور یہ معنی بھی ہے کہ اب آپ کی آمد کی برکت سے مصر میں دوبارہ قحط نہیں آئے گا۔

[75] حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا پھر ماں باپ اور بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ سدی اور وہب وغیرہما کے نزدیک یہاں ماں سے مراد آپ کی خالہ ہے (ابن ابی حاتم) کیونکہ آپ کی والدہ راعیل تو آپ کی ولادت کے دو برس بعد بنیامین کی ولادت کے وقت فوت ہوگئی تھیں۔ پھر دونوں کو ان کی خالہ ''لیا'' نے پالا تھا اور وہی خاندان کے ساتھ مصر آئیں اور یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔

شریعت میں خالہ بمنزل ماں ہے

معلوم ہوا خالہ ماں کی جگہ پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ ابویہ میں ماں کی جگہ خالہ کو رکھا ہے۔ اسی لیے شرعی مسئلہ ہے کہ اگر کسی یتیم بچے کو مختلف رشتہ دار اپنانا چاہتے ہوں تو جس کے گھر میں بچے کی خالہ ہو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم بیٹی امامہ کو حضرت جعفر کے حوالے کیا کیونکہ ان کے گھر میں امامہ کی خالہ تھیں حالانکہ حضرت علی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بھی اس کے طلب گار تھے اور اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ۔ ''خالہ بمنزل ماں ہے۔'' (بخاری کتاب المغازی باب ۴۴)

باپ نے بیٹے کو کیوں سجدہ کیا؟

اس جگہ اگر اعتراض کیا جائے کہ یوسف علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ اپنے والد کو سجدہ کرتے، باپ نے بیٹے کو کیوں سجدہ کیا؟ تو اس کے چند وجوہ سے جواب ہے (۱) یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو سجدہ کرنا بحکمِ الٰہی تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ باپ نے کیوں سجدہ کیا بیٹے کو چاہیے تھا کہ باپ کو سجدہ کرے، انبیاء جو کرتے ہیں وحی الٰہی سے کرتے ہیں۔ (۲) اس میں یہ درس ہے کہ انبیاء کرام حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے خواہ اہل دنیا کے نزدیک وہ کام کس قدر باعثِ عار ہو۔ (۳) یوسف علیہ السلام اس وقت انعاماتِ الٰہیہ کا مہبط اور فیوضاتِ ربانیہ کا مظہر تھے اور یہ سجدہ حقیقت میں تجلیاتِ الٰہیہ ہی کو سجدہ تھا یوسف علیہ السلام ان کا مظہر تھے (۴) یعقوب علیہ السلام سے اس لیے بھی سجدہ کروایا گیا تاکہ بھائیوں کو سجدہ کرنے میں عار محسوس نہ ہو (۵) علاوہ ازیں اس خواب نے بھی پورا ہونا تھا جو یوسف علیہ السلام نے بچپن میں دیکھی تھی کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

شریعتِ محمدیہ میں سجدۂ تعظیم حرام ہے اور قیامِ تعظیم جائز

یاد رہے! یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا تعظیمی سجدہ تھا اور پہلی امتوں میں غیر خدا کے آگے

تعظیماً سجدہ کرنا جائز تھا جیسے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا یا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا گیا، مگر امت محمدیہ کے لیے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لو کنت آمراً احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن۔ ''اگر میں کسی غیر خدا کے لیے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔'' (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۰)

البتہ علماء و مشائخ، والدین اور اساتذہ کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا جائز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: قوموا الی سیدکم۔ ''اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔'' (بخاری کتاب الاستیذان باب ۲۶ حدیث ۶۲۶۲) اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور جب وہ آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۸۷۲)

تاہم کسی شخص کو خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔ ہاں اگر لوگ خود کھڑے ہو جائیں تو وہ اور بات ہے، کیونکہ یہ خواہش کبر و نخوت پہ دلالت کرتی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ صحابہ آپ کے لیے کھڑے ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر صحابہ کرام کے لیے کوئی محبوب شخصیت نہ تھی۔ وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلك۔ اور جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند رکھتے ہیں۔ (ترمذی کتاب الادب حدیث ۲۷۵۴) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ جس کو یہ پسند ہے کہ لوگ اس کے لیے صف بستہ کھڑے ہو جائیں تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ پکا سمجھے۔ (ترمذی کتاب الادب حدیث ۲۷۵۵)

اس سے ان نوابوں، حکمرانوں اور پیروں فقیروں کی حالت زار اور بُری عاقبت معلوم ہوتی ہے جو اس بات کی شدید خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا بھرپور استقبال ہو اور لوگ ان کی آمد پہ دست بستہ کھڑے ہو جائیں اور ان کے نعرے لگائیں، اگر ان کی آمد پہ کوئی کھڑا نہ ہو تو وہ سخت بگڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ حدیث کے مطابق جہنمی ہیں۔

[76] حضرت یعقوب علیہ السلام کے سجدے نے یوسف علیہ السلام کے مقام و مرتبہ میں مزید بہت سا اضافہ کر دیا۔ ایسے میں آپ جیسے نبی اللہ کا سر فخر سے بلند ہونے کی بجائے عجز سے مزید جھک گیا۔ اس میں شاہانِ جہاں کے لیے درسِ عجز ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید سے نکال کر تختِ شاہی پر بٹھا دیا اور اے میرے گھر والو! اللہ تمہیں گاؤں سے یہاں شہر میں لے آیا یعنی تم پر اللہ کا انعام ہوا۔

یہاں یوسف علیہ السلام نے اپنے قید سے نکالے جانے کا ذکر تو کیا مگر اپنے کنوئیں سے نکالے جانے کا ذکر نہ کیا حالانکہ وہ بھی آپ پہ عظیم احسانِ الٰہی تھا کیونکہ محفل میں آپ کے بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔آپ انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے تھے پھر کنوئیں سے نکل کر آپ غلام بنے اور قید سے نکل کر بادشاہ اور کنویں میں آپ کے ساتھی جبرائیل علیہ السلام تھے اور قید میں کفار و فجار۔اس لیے آپ نے قید سے نکلنے ہی کو نعمت گردانا۔

اس جگہ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ سے معلوم ہوا گاؤں سے شہر میں آ کر آباد ہونا نعمت ہے۔کیونکہ گاؤں کی نسبت شہر میں تعلیم و تعلم کے اسباب زیادہ مہیا ہوتے ہیں۔اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے (شہر چھوڑ کر) گاؤں کی رہائش اختیار کی اس نے خود پر ظلم کیا۔(ترمذی کتاب الفتن باب ۶۹) لیکن اگر کسی عالم دین نے شہر میں علم حاصل کرنے کے بعد گاؤں میں جا کر رہائش اختیار کی تاکہ اپنے گاؤں والوں کو دین سکھائے تو یہ بہت بڑی خدمت دین ہے۔اس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔(توبہ، ۱۲۲)

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ

اے میرے رب! تو نے مجھے ملک عطا کیا اور مجھے باتوں کا انجام بتایا اے آسمانوں اور زمین کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا

خالق تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام پر موت دے

وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا

اور نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے۔[77] یہ غیب کی خبریں ہیں جو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ تو

كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ

وہاں نہ تھے جب برادران یوسف نے اکٹھ کیا اور وہ داؤ کر رہے تھے [78] اور اکثر لوگ ایمان لانے والے

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا

نہیں ہیں خواہ آپ کو کس قدر تمنا ہو اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتے یہ تو تمام جہانوں کے لئے

ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع

ایک نصیحت ہے۔[79]

ع ۱۱ ۵

[77] اس آیت میں یوسف علیہ السلام کی وہ دعا ذکر کی گئی ہے جو انہوں نے وصال سے قبل مانگی کہ اے اللہ! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور علوم نبوت سے نوازا جن میں باتوں کا انجام یعنی غیب کی خبریں اور خوابوں کی تعبیر شامل ہے، تو اے خالق ارض وسما! مجھے اسلام پر موت دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے یعنی ان کی قبور کے قرب میں مجھے قبر عطا کر اور جنت میں ان کی سنگت نصیب فرما۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا وصال

امام بغوی فرماتے ہیں یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس برس رہے۔ جب ان کا وصال قریب آیا تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ ان کے جسم کو (فلسطین میں) ان کے والد اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں لے جا کر دفن کیا جائے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے ان کی وصیت پوری کی۔ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو ساگوان کے تابوت میں مصر سے بیت المقدس منتقل

کیا گیا اور اسی دن ان کے بھائی عیص کا بھی وصال ہوا دونوں جڑواں پیدا ہوئے اور اکٹھے دفن کیے گئے۔
(بغوی جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

اور یوسف علیہ السلام جب کنوئیں میں ڈالے گئے تو آپ کی عمر بارہ برس تھی اور والد صاحب سے آپ کا فراق اکثر روایات کے مطابق اسی برس پر محیط ہے۔ امام حسن بصری کے بقول والد صاحب سے ملاقات کے بعد آپ تیئیس برس زندہ رہے اور وصال کے وقت آپ کی عمر ایک سوبیس برس تھی۔ آپ کی بیوی حضرت زلیخا آپ کی زندگی کے اواخر میں آپ کی موجودگی میں فوت ہوگئی تھیں آپ کے وصال پر اہلِ مصر میں تنازع ہوا ہر علاقہ کے لوگ آپ کو اپنے ہاں دفن کرنا چاہتے تھے۔ تب فیصلہ ہوا کہ آپ کی قبر دریائے نیل کے کنارے یوں بنائی جائے کہ پانی قبر سے لگ کر گزرے یوں سارے مصر کے لوگ برکت حاصل کرلیں۔ (بغوی عن عکرمہ رضی اللہ عنہما جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

معلوم ہوا مقابر مقربین سے برکت لینا اہلِ ایمان کا پرانا طریقہ ہے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنو اسرائیل مصر سے نکلے تو یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق آپ کے جسم مبارک کو آپ کی قبر سے نکال کر لے گئے اور فلسطین میں حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کے قریب لے جا کر دفن کیا۔

جسد یوسف علیہ السلام کی مصر سے فلسطین منتقلی

اس منتقلی کا مفصل ایمان افروز واقعہ مفسرین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کچھ مانگا، آپ نے فرمایا مانگو کیا چاہیے (ایک روایت کے مطابق حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اعرابی پہ رشک آیا ہم نے سوچا اب یہ جنت مانگے گا) اس نے ایک اونٹنی اور چند بکریوں کا سوال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال بھی نہیں کر سکتے؟ پھر آپ نے خود ہی تفسیر فرمائی کہ جب موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ تب علماء بنی اسرائیل نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر سے جائیں تو انکی نعش کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ موسی علیہ السلام نے تحقیق کروائی کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کا کس کو علم ہے؟ تب ایک بڑھیا کے سوا کسی کے پاس اس کا علم نہ تھا، اس بڑھیا نے موسی علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان کی قبر کی جگہ اسوقت نہیں بتلائے گی جب تک آپ اس سے یہ وعدہ نہ کریں کہ وہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوگی، موسی علیہ السلام نے توقف کیا۔ تب وحی آئی کہ اے موسی علیہ السلام! اس بڑھیا سے جنت کا وعدہ کرلیں۔ تب اس نے یوسف علیہ السلام کی قبر پر دلالت کی اور وہ جگہ دریائے نیل کے نیچے چلی گئی تھی، تو پانی ہٹا کر وہاں سے قبر کھودی گئی اور یوسف علیہ السلام کے جسد مبارک کو بنی اسرائیل اپنے ساتھ لے گئے۔
(مسند ابی یعلی حدیث ابی موسی اشعری حدیث ۷۲۵۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

آج یوسف علیہ السلام کی قبر فلسطین کے نابلس کے علاقہ بلاطہ میں واقع ہے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۵۶۳ مطبوعہ مکتبہ

الفیصل لاہور) یوں یوسف علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی: وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے کی بحث

یاد رہے کہ دفن کے بعد کسی کی قبر کھود کر اسے وہاں سے کسی اور جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے، سوا شرعی عذر کے اور شرعی عذر یہ ہے کہ اسے کسی غصب شدہ زمین میں دفن کر دیا، یا وہ جگہ حق شفعہ میں آ گئی، وغیرہ۔ (فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ ۱۶۷ کتاب الجنائز، فتاوی قاضی خاں جلد اول صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ کوئٹہ) اسی طرح اگر حکومت نے مفادِ عامہ کے لیے راستہ یا نہر کو وسیع کرنے کا حکم دیا اور قبریں اس کی لپیٹ میں آ گئیں تو بھی مُردوں کو کسی اور جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، جیسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں شہداء احد کو کسی اور جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رہا یوسف علیہ السلام کا کئی صدیوں بعد مصر سے فلسطین منتقل کیا جانا تو یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہمارے لیے پہلی شریعتوں کے احکام کی تردید ہو جائے تو ان سے استدلال جائز نہیں اور یہاں تردید وارد ہے۔ چنانچہ احد کے شہداء کو بعض لوگوں نے کسی اور جگہ لیجانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ادفنوهم حيث صرعوا**. جہاں یہ شہید ہوئے انہیں وہیں دفن کرو۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۲۹۰) جب دفن سے قبل میت کے منتقل کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا تو دفن کے بعد اس کا منتقل کرنا زیادہ معیوب ہے۔

جبکہ دفن سے قبل کسی کی نعش کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لیجانا تفصیل طلب ہے، اگر اتنے فاصلہ تک لیجانا ہو کہ میت کے خراب ہونے یا بدبو چھوڑنے کا امکان ہو تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو جائز ہے۔

میتوں کو برطانیہ سے پاکستان لیجانے کی برائی

یہاں برطانیہ میں یہ رسمِ بد ہے کہ پاکستان کے بعض علاقوں کے لوگ اپنی اموات کو برطانیہ سے ضرور پاکستان لے کر جاتے ہیں اور وہاں دفن کرتے ہیں۔ یہ رسمِ بد میں نے یورپ کے دوسرے ملکوں بیلجم وغیرہ میں بھی دیکھی ہے اور اس کے لیے کئی نامناسب امور سے گزرنا پڑتا ہے، مثلاً جس میت کو پاکستان لیجایا جانا ہو اس کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے اور اس میں ایسے کیمیکلز ڈالے جاتے ہیں کہ راستہ میں میت خراب نہ ہو اور بدبو نہ چھوڑ دے، اس کے باوجود بعض میتیں گرم موسم کی وجہ سے بدبو چھوڑ دیتی ہیں اور یہ چیر پھاڑ میت کے ساتھ بڑا ظلم اور اس کی بے حرمتی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ میت کو معلوم ہوتا ہے کہ کون اسے نہلا رہا ہے کون کفنا رہا ہے، صرف اسے بولنے اور حرکت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس پہ کثیر احادیث وارد ہیں، لہٰذا اسے غیر ضروری تکلیف دینا جائز نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب جنازہ کو لوگوں کی گردنوں پہ رکھا جاتا ہے تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے: قدّمونی، مجھے جلدی لے چلو اور اگر نیک

نہ ہوتو کہتا ہے: یا ویلھا این یذھبون بھا، ہائے مجھے کدھر لے جا رہے ہیں۔ اس کی آواز کو انسانوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان سن لے غش کھا کر بیہوش ہو جائے۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۱۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ واپس ہوتے ہیں۔ حتی انه لیسمع قرع نعالهم. حتی کہ وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے۔'' (بخاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۳۸، مسلم کتاب الجنائز حدیث ۶۸) جب یہاں تک میت کا علم اور ادراک ہے تو اس کو بلا وجہ غیر ضروری تکلیف دینا کس قدر ایذاء اور ظلم ہے۔

پھر میت کو پاکستان پہنچانے میں کافی وقت لگتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ جس دن وہ برطانیہ میں فوت ہوا اسی دن اسے پاکستان میں لیجا کر دفنا دیا جائے، قریباً دو دن ضرور لگتے ہیں اور یہ میت کی تدفین میں غیر ضروری تاخیر ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسرعوا بالجنازة فان تك صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تك سوا ذلك فشر تضعونها عن رقابکم. ''جنازہ کو جلدی دفناؤ، اگر وہ نیک ہے تو تم اسے جلدی اپنے گھر پہنچا دو گے اور اگر ایسا نہیں تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنے کندھوں سے جلدی اتار دو گے۔''
(بخاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۱۵، مسلم کتاب الجنائز حدیث ۵۰)

لہٰذا مسلمانانِ یورپ کو چاہیے کہ وہ اپنی اموات کو یہیں یورپ میں دفنائیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ نے وصیت کی تھی کہ اسے پاکستان میں لیجا کر فلاں جگہ دفنانا، تو اس کی وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں جو کام شریعت کے خلاف ہے وہاں کسی وصیت کا ماننا جائز نہیں۔ اگر کوئی وصیت کرے کہ اس کی قبر کو کھلا رکھنا تو کیا کھلا رکھا جائے گا؟ یوں بھی جب ایک شخص کی اولاد بیوی بہن بھائی سب برطانیہ میں رہتے ہیں اور عموماً ایسا ہی ہے تو اسے پاکستان لیجانے کا معنی ہی کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ہمارا وطن ہے ہم اپنے وطن میں پیوند خاک ہونا چاہتے ہیں، میں کہتا ہوں اگر آپ کو وطن سے اتنی ہی محبت ہے تو جب آپ بوڑھے ہو گئے اور عمر ساٹھ سے بڑھ گئی تو پھر موت کو قریب سمجھو اور پاکستان چلے جاؤ تاکہ وہیں تمہاری قبر بنے، مگر یہ کیا طریقہ ہے کہ آخری دم تک تم برطانیہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے، بس موت کے بعد تمہاری محبتِ وطن ابل پڑتی ہے؟

[78] یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے یہ واقعات وہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی اتاری ہیں ورنہ آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے جب برادرانِ یوسف علیہ السلام نے انہیں کنوئیں میں ڈالنے پر اتفاق کیا تھا اور وہ اپنا داؤ کر رہے تھے۔ اور نہ ہی آپ نے کسی انسان سے کچھ علم تاریخ پڑھا ہے۔ پھر آپ کو یہ خبریں وحی الٰہی کے بغیر کیسے معلوم ہو گئیں، اس کے باوجود کفار کو آپ کی نبوت میں کیوں شک ہے؟

[79] اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ خواہ کس قدر تمنا رکھیں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ایمان لانے والے خوش

نصیب تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور آپ کفار سے اس دعوت وتبلیغ پر کوئی اجرت تو نہیں مانگتے۔ پھر وہ آپ کی تبلیغ پر یوں چراغ پا کیوں ہوتے ہیں۔ یہ قرآن تو تمام جہانوں (اقوام) کے لیے نصیحت ہے۔ لہٰذا کفار اس کا پیغام ٹھنڈے دل سے سن تو لیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ سے معلوم ہوا۔ قرآن عالمگیر کتاب ہدایت ہے اور حضور ﷺ کی نبوت تمام نسل انسانی کے لیے ہے۔ اسی لیے آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر کفار گزرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر

مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوْٓا

لیتے ہیں۔[80] اور ان میں سے اکثر اللہ پر اس طرح ہی ایمان لاتے ہیں کہ ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔[81] کیا وہ اس سے

اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا

بے خوف ہیں کہ ان پر گھیرنے والا عذاب آ جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور انہیں شعور تک نہ ہو۔[82]

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

آپ فرما دیں یہ میرا راستہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور میرے پیروکار بھی

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اور اللہ پاک ہے اور میرا مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں۔[83]

کفار کی معاندانہ روش اور انبیاء کا فریضہ تبلیغ

[80] یعنی کفار آسمان وزمین کی وسیع کائنات میں غور کیوں نہیں کرتے کہ جس رب نے آسمان وزمین بنائے۔ آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اگایا اور انسان وحیوان کو رزق کھلایا اور شمس وقمر کے ذریعے جہاں کو روشن کیا اور سلسلہ ماہ وسال بنایا اس رب کے سوا کون مستحق عبادت ہے۔

معلوم ہوا قرآن مسلمانوں کو سائنسی علوم حاصل کرنے کی رغبت دلاتا ہے کیونکہ کائنات ارض وسماوی میں غور وفکر ہی سائنسی علوم کی بنیاد ہے مثلاً نظام شمسی وقمر میں غور وفکر سے علمِ فلکیات (Astronomy) ایجاد ہوا۔ مختلف دھاتوں میں غور وفکر سے علمِ کیمیا (Chemistry) معرض وجود میں آیا اور نباتات میں غور وفکر سے علمِ نباتات (Biology)

پیدا ہوا۔ اسی لیے کئی سائنسی علوم کے موجدین مسلمان ہیں۔

[81] مشرکین اللہ کو ماننے کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ ان کے جھوٹے خدا اللہ کی خدائی میں شریک ہیں اور ان کے بغیر اللہ اپنا نظام نہیں چلا سکتا۔ آج ہندوؤں نے بھی ایسے کوئی اوتار بنا رکھے ہیں الغرض ان کا اللہ کو ماننا اللہ کی حقیقی صفات سے انکار کے برابر ہے۔

[82] دشمنانِ اسلام کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی پکڑ سے ڈرتے کیوں نہیں ہیں اور ان پر اچانک قیامت بھی قائم ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت یوں اچانک قائم ہوگی کہ دکاندار خریدار کو کپڑا بیچ رہا ہوگا۔ ابھی خریدار نے کپڑا لیا نہ ہوگا کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔ (بخاری و مسلم) یہاں اَلسَّاعَۃُ سے مراد موت بھی ہوسکتی ہے کہ جس پر موت آ گئی اس پر قیامت قائم ہوگئی۔

[83] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار سے فرمادیں کہ اللہ کے دین کی طرف بلانا ہی میرا واحد راستہ ہے اور میں اپنا راستہ ترک نہیں کرسکتا۔ اس کے سوا میرا کوئی راستہ ہی نہیں۔ میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور میرے پیروکار بھی بصیرت پر ہیں کہ اللہ ہر شرک سے پاک ہے اور ہم مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ معلوم ہوا مومن کو مشرکوں والا کوئی طور طریقہ نہیں اپنانا چاہیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ

اور اے نبی (ﷺ)! آپ سے قبل ہم نے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔ وہ مختلف

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

شہروں سے تھے۔ [84] کیا کفار زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے منکروں کا کیا انجام ہوا اور اللہ سے

قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ حَتّٰٓى اِذَا

ڈرنے والوں کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ اس سے ایسے کام نہیں لیتے؟ حتیٰ کہ جب

اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ

رسولانِ گرامی مایوس ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا، تو رسولوں کو ہماری مدد آ پہنچی، تو ہم جسے چاہیں

نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

بچا لیتے ہیں اور ہمارا عذاب ان سے ٹالا نہیں جاتا۔ [85]

[84] کفارِ عرب میں چونکہ زمانہ اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ آیا تھا اور وہ مفہومِ نبوت سے بے خبر تھے۔ جب

حضور ﷺ نے دعویٰ نبوت فرمایا تو وہ عجیب شکوک وشبہات کا شکار ہونے لگے۔ ان شکوک میں سے یہ بھی تھا کہ شیطان نے انہیں سمجھایا کہ نبی تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے۔ انسانوں کے لیے انسان ہی کیسے نبی بن سکتا ہے۔ اس کے رَد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے قبل مختلف علاقوں میں جو انبیاء آئے وہ سب انسان اور مرد تھے۔ ان میں سے کوئی فرشتہ یا جن یا کوئی دوسری مخلوق سے نہ تھا۔

عورت نبوت یا امامت کی اہل نہیں ہے

اِلَّا رِجَالًا سے معلوم ہوا کہ نبی صرف مرد ہی ہوسکتا ہے عورت نبی نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کو تبلیغ کے لیے لوگوں میں کھڑے ہو کر وعظ کہنا پڑتا ہے اور اللہ نہیں چاہتا کہ ایک عورت شمع محفل بنے یہ اس کی پردہ داری کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ عورت میں اس قدر قوت برداشت نہیں جو ایک نبی کو لوگوں کی مخالفتوں کے اٹھانے کے لیے چاہیے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ سربراہ کو بھی اکثر لوگوں کے سامنے رہنا پڑتا اور بڑی بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جنہوں نے اپنا کار حکومت عورت کے سپرد کر دیا۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ نے سنا کہ اہل ایران نے ایک عورت کو بادشاہ بنایا ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب ۸۲)

[85] یعنی کفار رسولانِ خدا کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ رسولوں کو بتا دیا گیا کہ کفار کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں اور وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے، جیسے نوح علیہ السلام سے کہا: اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ہود) اس وقت کفار نے سمجھا کہ انبیاء نے اس سے جو کہا تھا کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آ جائے گا یہ سب جھوٹ تھا، تب اللہ کا عذاب آ گیا اور دشمنان اسلام کو ہلاک کر کے انبیاء و مومنین کی مدد کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہمارا عذاب آ جاتا ہے تو مجرموں سے ٹالا نہیں جاتا۔ یہ اس آیت کی تفسیر میں تحقیقی بحث کا خلاصہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا
بلاشبہ انبیاء کے قصوں میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ قرآن ایسا بیان نہیں جو خود
یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ
گھڑا جا سکے۔ بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل
وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع
اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔[86]

ع ١٢ / ٦

[86] انبیاء کے قصوں میں عقل والوں کے لیے ہدایت ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نصرتِ مظلوماں، ناکامی ظالماں، انجامِ حسد، مکرِ زناں اور سیرتِ بادشاہاں کے بارہ میں کئی عبرتیں ہیں۔ اور قرآنِ مجید نے جس طرح یہ قصے بتائے ہیں وہ کوئی انسان اپنی طرف سے بتا نہیں سکتا۔ معلوم ہوا قرآن اللہ کا سچا کلام ہے۔ بلکہ قرآن میں پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے یعنی انسانی ہدایت کے تمام پہلو اس میں روشن کر دیئے گئے ہیں اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔ یاد رہے قرآن یوں تو تمام نسل انسانی کے لیے ہدایت ہے جیسے فرمایا گیا: هُدًی لِّلنَّاسِ۔ کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ (بقرہ، ١٨٥) مگر اس ہدایت سے صرف مومنین ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں صرف مومنین کی بات کی گئی۔ اللہ رب العزت سب کو اس ہدایت سے متمتع فرمائے۔ آمین!!

الحمد للہ آج ١١ شعبان المعظم ١٤٢٨ھ بمطابق ٢٤ اگست ٢٠٠٧ء بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ سے قبل سورہ یوسف کی تفسیر مکمل ہوئی۔

و صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و الہ و صحبہ اجمعین

سورہ رعد

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے سورہ رعد قرآن کریم کی پچاسویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے تیرہویں سورت۔ اسے سورہ رعد اس لیے کہا کہ اس میں رعد یعنی آسمانی کڑک کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ "اور بادلوں کی کڑک اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتی ہے۔" (رعد: ۱۳) رعد کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی ہے۔ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ (بقرہ: ۱۹) مگر رعد کا انفرادی ذکر صرف یہیں سورہ رعد میں ہے اس مناسبت سے اسے سورہ رعد کہا گیا اور سورتوں کی وجہ تسمیہ میں ادنیٰ مناسبت ہی کافی سمجھی جاتی ہے۔

سورہ رعد کے مکی یا مدنی ہونے کے بارہ میں مختلف روایات ہیں تاہم قرآن کریم میں اسے مدنی سورتوں میں لکھا گیا ہے۔

مضامین

اس سورت کے آغاز میں اللہ رب العزت نے پہلے آسمانی قدرتیں اور نعمتیں بیان فرمائیں، پھر زمینی نعمتوں کا ذکر فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے رکوع میں اپنے علم محیط کا بیان فرمایا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بجلیاں اور رعد بھیجتا ہے اور فرشتے اس کے خوف سے تسبیح کہتے ہیں۔

پھر شرک کی مذمت فرمائی گئی اور جن جھوٹے خداؤں کو پکارا جاتا ہے ان کی بے بسی ولاچاری واضح کی گئی، اس کے مقابلہ میں بتایا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ بارشیں برساتا اور رزق اگاتا ہے۔

پھر تیسرے رکوع میں بتایا گیا کہ مومنین کی صفات کیا ہیں اور ان کا کردار کیسا ہوتا ہے اور ان کی شان بتائی گئی کہ وہ خود بھی جنتی ہیں اور ان کی وجہ سے انکے آباء و ازواج واولاد کو بھی بخشا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں بتایا گیا کہ منکرین کی صفات کیا ہوتی ہیں اور ان کا انجام کیا ہے۔

پھر چوتھے رکوع میں کفار کی یہ حالت بیان کی گئی کہ وہ کفر پہ اڑ گئے ہیں انکا معجزات مانگنا صرف ہٹ دھرمی کے لیے ہے، اگر ان کو سب نشانیاں دکھا دی جائیں تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جبکہ آخری دو رکوعات میں انبیائے سابقین کے طریقۂ دعوت پہ روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا کہ ان کے ساتھ منکرین قوم نے کیا سلوک کیا یہ اس لیے تھا تا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جائے کہ وہ دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستیوں سے پریشان نہ ہوں۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ یوسف ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی یہ عظمت بیان کی گئی کہ کس طرح وہ یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان سے اٹھا کر تختِ مصر پہ بٹھا تا ہے، مظلوموں کی مدد اور ظالموں کو رسوا کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سورہ رعد میں اللہ رب العزت نے اپنی عظمتیں اور قدرتیں زیادہ طور پر بیان فرمائی ہیں۔

فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو موت حاضر ہو اس کے پاس سورہ رعد پڑھو کیونکہ اس سے میت کو جاں کنی میں تخفیف حاصل ہوتی ہے۔'' (درمنثور بروایت ابوالشیخ وابن منذر جلد ۴ صفحہ ۵۹۹)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

أٰیاتھا ٤٣ | ١٣ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ٩٦ | رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ

الف، لام، میم، راء، [1] یہ کتاب خداوندی کی آیات ہیں اور آپ کی طرف آپ کے رب کے یہاں سے جو نازل کیا گیا وہ حق ہے۔

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔[2]

عظمت قرآن، شان ربوبیت اور حقانیت قیامت

[1] حروف مقطعات کی مفصل بحث ہم سورہ بقرہ کے آغاز میں کر چکے ہیں البتہ اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الٓمّٓرٰ کا معنی ہے۔ انا اللہ اعلم واری یعنی میں اللہ ہوں میں سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہوں۔ (الف انا سے، لام اللہ سے، میم اعلم سے اور راء اری سے رمز ہے) بعض نے کہا الف اللہ سے، لام جبرائیل سے، میم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور راء رسالت سے رمز، بہر حال یہ قیافات ہیں حقیقی معنی اللہ ہی جانتا ہے۔

[2] کفارِ عرب قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے شدید صدمہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ خواہ اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے مگر ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے جو کلام اترا ہے وہ حق ہے۔ آج بھی انسانوں کی اکثریت قرآن سے منکر ہے مگر اس سے قرآن کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اکثریت کی رائے کہاں معتبر ہے کہاں نہیں

اگر سوال کیا جائے کہ جب اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے تو اسلام میں اکثریت یعنی جمہوری رائے تو درست کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا اکثریت کا فیصلہ ہر جگہ معتبر ہوتا ہے اس بارے میں ایک مفصل و محقق بحث ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں قرآن وسنت کی نص قطعی موجود نہ ہو وہاں اکثر فقہاء و مجتہدین کی رائے حجت

ہے، کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ان امتی لاتجتمع علی الضلالة فاذا رأیتم اختلافا فاتبعوا السواد الاعظم۔ ''بیشک میری امت گمراہی پہ جمع نہ ہوگی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کی پیروی کرو۔'' (ابن ماجہ کتاب الفتن، باب ۸ حدیث ۳۹۵۰، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) مگر جہاں قرآن وسنت کی نص قطعی موجود ہو وہاں قرآن وسنت کی نصوصِ قطعیہ ہی کا اعتبار ہے اکثریت یا اقلیت کا اعتبار نہیں ہے، اگر بالفرض ساری انسانیت بھی قرآن کی نص قطعی کے خلاف جمع ہو جائے تو بھی قرآن ہی سچا ہے اور قربِ قیامت میں وہ وقت آئے گا کہ روئے زمین پہ اللہ کا نام لینے والا ایک انسان بھی نہیں رہ جائے گا صرف کفار ہی رہ جائیں گے تب قیامت قائم کی جائے گی۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ

اللہ وہ ہے جس نے آسمان بلند کئے کسی ستون کے بغیر جو تم دیکھ سکو۔[3] پھر اس نے (اپنی شان کے مطابق) عرش پر استواء کیا

وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ

اور سورج چاند کو تابع فرمان کیا، ہر سیارہ وقت مقررہ تک چل رہا ہے ۔اللہ ہر معاملہ کی تدبیر

یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ

فرماتا ہے وہ آیات کھول کھول کر بتاتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات پر یقین لاؤ۔[4] اللہ وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا

وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَاَنۡهٰرًا ؕ وَمِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ

اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور تمام پھلوں سے اس نے جوڑے جوڑے بنائے۔[5] وہ رات سے

اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

دن کو ڈھانپ دیتا ہے اس میں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔[6]

[3] اللہ رب العزت نے اتنا بڑا آسمان کسی ستون کے بغیر کھڑا کر دیا، کیا یہ اس کی واحدانیت وعظمت کی کھلی دلیل نہیں؟ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان بھی کسی ستون پر کھڑا ہے مگر انسان اس ستون کو دیکھ نہیں سکتے اور وہ ستون حکمِ الٰہی ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ وَیُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ ''اللہ آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا۔'' (حج، ۶۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آسمان موجود ہے اگر

انسان اسے سائنس کی آنکھ سے نہ دیکھ سکے تو یہ سائنس کا قصور ہے۔ سائنس تو صرف خلاء (Space) میں پھرنے والے بعض سیارگان ہی کا مشاہدہ کرسکتی ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہے۔

[4] اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے، یعنی ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ اور یا استواء سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے عرش پر اپنی حکومت مستحکم فرمائی۔ اللہ نے شمس وقمر اور دوسرے سیارے بنائے جو اپنے وقت مقرر (قیامت) تک اپنے اپنے دائرہ میں اپنی اپنی رفتار کے مطابق اللہ کے حکم سے چل رہے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی عظمت وحدانیت کی کھلی دلیل نہیں ہے؟۔ آخر اللہ کے سوا کون ہے جو اس نظام شمسی وقمری کو چلا رہا ہے اور جس رب نے یہ جہان بنایا کیا وہ اسے تباہ کر کے قیامت برپا نہیں کرسکتا؟ لہٰذا انسانوں کو اپنے رب کی ملاقات (قیامت) پر یقین لانا چاہیے۔

[5] آسمانی نشانیوں کے بعد زمینی نشانیاں بتائی جارہی ہیں کہ اللہ نے اتنی بڑی زمین پھیلائی۔ پھر اس پر اللہ نے پہاڑ کھڑے کیے تاکہ زمین ان عظیم میخوں کی وجہ سے جمی رہے اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو سمندروں کا اربوں کھربوں ٹن وزنی پانی اپنی مدوجزر سے زمین کے خشک حصے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ زمین پہ یہ اونچے اونچے پہاڑ کس نے کھڑے کیے، جب باقی زمین ہموار ہے تو یہ بلندیاں کہاں سے آگئیں انہیں کون لایا؟ اللہ رب العالمین کے سوا کون ہے جو انہیں لاسکے؟

[6] تسخیر شمس وقمر میں اہل عقل کے لیے مقام غور ہے کہ سورج روزانہ مقرر وقت پہ طلوع ہو کر مقرر وقت پہ غروب ہوتا ہے، آخر اسے اس مقرر رفتار پہ ہمیشہ کون چلا رہا ہے؟ کوئی چھوٹی سے چھوٹی مشین بھی از خود نہیں چلتی، اسے کوئی چلاتا ہے تو چلتی ہے، تو جو ذات اس قمری وشمسی نظام کو بنانے والی ہے اور اسے چلا رہی ہے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں کسی دوسری ذات کی محتاج نہ ہو اور اسے کوئی بنانے والا نہ ہو وہ اپنی ذات میں واجب الوجود اور قادر ومختار ہو، تو اسی ہستی کو اللہ کہا جاتا ہے۔

وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ

اور زمین میں پہلو بہ پہلو ٹکڑے ہیں، انگوروں کے باغات ہیں، کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں اکٹھے

وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَہَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی

اور جداگانہ جنہیں ایک جیسا پانی دیا جاتا ہے اور ہم بعض کا ذائقہ دوسروں سے اچھا

الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ

کر دیتے ہیں، بیشک اس میں عقل کرنے والے لوگوں کے لئے عظیم نشانیاں ہیں۔[7] اور اگر آپ کو (کفار کی باتوں پہ)

قَوۡلُہُمۡ ءَ اِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

تعجب ہے تو ان کا یہ قول عجیب تر ہے کہ (وہ کہتے ہیں) جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی شکل میں

بِرَبِّہِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ

اٹھائے جائیں گے؟ یہ لوگ اپنے رب کے منکر ہیں ان کی گردنوں میں طوق ہیں۔ یہ اہل جہنم ہیں جو وہاں

فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۵﴾

ہمیشہ رہیں گے۔[8]

[7] زمین میں پہلو بہ پہلو ٹکڑے ہوتے ہیں مگر ایک بنجر ہے ایک زرخیز، ایک سخت ہے ایک نرم، یہ زمین کے ٹکڑوں میں مختلف تاثیرات کس نے پیدا کر دیں؟ وہ اللہ کے سوا کون ہے۔ پھر زمین پر انگوروں کے مختلف باغات اور ہر طرح کی کھیتیاں ہیں جن کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ کھجوروں کے درخت بھی مختلف طرح سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہیں ایک درخت اُگتا ہے کہیں ایک جڑ سے اکٹھے کئی درخت اُگ آتے ہیں اور یہ اللہ کی کس قدر عظیم قدرت ہے کہ ایک پانی سے مختلف باغات کھیتیاں اور درخت سیراب کیے جاتے ہیں مگر ان کے پھلوں کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف کون لایا وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں نہریں اور دریا بہائے اور دریاؤں کے بہنے سے بھی پہاڑوں کا تعلق ہے۔ کیونکہ پہاڑوں پر بارش اور برف برستی ہے اور اس سے نہریں اور دریا بہہ پڑتے ہیں، پھر ان نہروں اور دریاؤں کی برکت سے زمین سے پھل اگتے ہیں اور اللہ نے پھلوں کے جوڑے بنائے ہیں مثلاً میٹھا کڑوا، لذیز بے لذت، سخت نرم، چھوٹا بڑا، کیا

یہ رنگا رنگی اللہ کی موجودگی و وحدانیت کی دلیل نہیں۔ اگر یہ سب طرح کے پھل فطرت (Nature) پیدا کرتی ہے تو نیچر میں یہ مختلف تقاضے کہاں سے آ گئے اس کا تو ایک ہی تقاضا ہونا چاہیے۔ مثلاً دیکھیے کہ ایک ہی حصۂ زمین ہے، اسے ایک ہی جیسا پانی دیا گیا، ایک ہی جیسا بیج ڈالا گیا، یکساں نرمائی وکھدائی کی گئی، ایک جیسی ہوا اور دھوپ ملی، پھر یہ کیوں ہوا کہ کوئی پھل بہت میٹھا ہے اور کوئی بہت پھیکا؟ یہ رنگوں، ذائقوں اور حجم کا اختلاف کہاں سے آیا؟ وہ اللہ کے سوا کون ہے۔

یہی حال انسانی قلوب کا ہے۔ ایک ہی قرآن اور نبی ﷺ کا فرمان سب پہ پڑھا جاتا ہے، مگر کسی میں جذبۂ اطاعت پیدا ہوتا ہے تو کسی میں جذبۂ نفرت، کسی سے ایمان کے برگ و بار کھلتے ہیں تو کسی سے کفر کے خس و خار، يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

یہ تمام آیات لامذہبیت (Secularism) کا شدید رد کر رہی ہیں۔ یعنی بتا رہی ہیں کہ اللہ کے حکم سے ساری کائنات چل رہی ہے اور یہ نظریہ کہ اس کائنات کا چلانے والا کوئی خدا نہیں، بس یہ سب کچھ از خود چل رہا ہے، سراسر احمقانہ نظریہ ہے۔

[8] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ اگر آپ کو کفار کا بے جان بتوں کو اپنا خدا اور حاجت روا ماننا عجیب لگتا ہے تو ان کی یہ بات بھی عجیب تر ہے کہ وہ کہتے ہیں جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئی شکل میں دوبارہ اٹھایا جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر دراصل یہ لوگ اپنے رب کی قدرتوں سے منکر ہیں کیونکہ ان کی گردنوں میں ان کے جاہل و منکر آباء کی اندھی تقلید کے طوق پڑے ہوئے ہیں جن کے ذریعے وہ جہنم کی طرف کھنچے جا رہے ہیں ورنہ اگر وہ اپنی عقل سے کام لیتے اور قرآن کی آواز پر کان رکھتے تو انہیں قیامت کے ماننے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ط

اور وہ بھلائی سے قبل آپ سے برائی کا جلد آنا مانگتے ہیں اور ان سے قبل ان جیسے لوگ پہلے بھی گزر چکے ہیں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ج وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ

اور آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود انہیں بخشنے والا ہے اور آپ کا رب سخت عذاب والا

الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط اِنَّمَآ

(بھی) ہے۔ [9] کفار کہتے ہیں اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ جبکہ آپ

اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ ع

تو ڈرانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہیں۔ [10]

[9] کفار نے کہا تھا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے نازل کردہ سچا کلام ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب لے آ۔ (انفال،۳۲) اس بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ کفار بھلائی مانگنے کی بجائے برائی مانگنے میں جلدی دکھا رہے ہیں۔ ایسے احمق لوگ پہلے بھی گزرے ہیں جو اپنی تباہی خود مانگتے تھے مگر اللہ رب العزت مغفرت فرمانے والا پہلے ہے اور عذاب دینے والا بعد میں۔ یعنی اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: رحمتی سبقت غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔'' (بخاری کتاب التوحید باب ۵۵)

تو اللہ بندوں کے ظلم (کفر و شرک اور معاصی) کے باوجود ان کی مغفرت فرماتا ہے یعنی جب وہ توبہ کر کے باز آ جائیں تو اللہ کی مغفرت جوش میں آ جاتی ہے اس لیے اللہ کفار کے مطالبہ عذاب کے باوجود انہیں عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور انہیں توبہ کا موقع دیتا رہتا ہے، تا آنکہ ان پہ حجت تمام ہو جائے اور ان کی مہلت پوری ہو جائے۔

[10] کفار عرب ہٹ دھرمی کے ساتھ کہتے تھے کہ محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر ان گنت معجزات دیکھے سب سے بڑھ کر انہوں نے قرآن جیسا عظیم معجزہ دیکھا اور وہ اس جیسی ایک آیت بنا کر لانے سے عاجز رہے پھر بھی وہ کہتے تھے کہ اس نبی پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا یہ کام نہیں کہ کفار جو نشانیاں مانگتے جائیں آپ دکھاتے جائیں آپ کا کام لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرانا ہے۔ اس کے لیے جس قدر نشانیاں دکھانے کی

ضرورت تھی آپ دکھا چکے۔ مزید ان کے فرمائشی معجزات دکھانے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ۟ یعنی اے پیارے محبوب! آپ ہر قوم کے لیے ہادی ہیں یعنی تمام نسل انسانی آپ کے دائرہ نبوت میں ہے۔ اسی لیے اب آپ کے بعد کسی نئے نبی کی آمد کی ضرورت نہیں۔ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ۟ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہر قوم میں اللہ کی طرف سے ایک ہادی ضرور ہوا ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ۝۲۴ (فاطر: ۲۴)

تاہم پہلا معنی زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت میں حضور ﷺ ہی کی رسالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول الله ﷺ هو المنذر وهو الهادي، یعنی رسول اللہ ﷺ ہی منذر ہیں اور آپ ہی ھادی ہیں۔ (درمنثور بروایت ابن جریر و ابن مردویہ جلد ۴ صفحہ ۶۰۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ کی غلط شیعی تفسیر کا رد

اس کے تحت شیعہ مفسر ملا عیاشی نے امام باقر رحمہ اللہ سے ایک تفسیر نقل کی ہے جو سراسر جھوٹی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں منذر ہوں اور اے علی تم ھادی ہو۔ (تفسیر عیاشی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ تہران) ملا باقر مجلسی نے امام باقر سے یوں نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں منذر ہوں، علی ھادی ہے اور ہر امام اس زمانہ کا ھادی ہوتا ہے جس میں وہ ہو۔ (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۷۹ مطبوعہ تہران)

یہ روایت بھی سراسر من گھڑت ہے۔ اس طرح کی من گھڑت روایات سے شیعہ مفسرین اپنا عقیدہ امامت ثابت کرتے ہیں اور یہی انکا طریقہ تفسیر ہے کہ وہ اکثر آیات کے تحت حدیثیں گھڑتے اور ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔ پھر اسی عقیدہ امامت کہ بنیاد پہ وہ تمام صحابہ کرام خصوصا خلفاء راشدین کو کافر قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ جب حضرت علی قرآن کے مطابق ھادی تھے تو ان کی امامت کو چھوڑ کر صحابہ نے جب دوسرے خلفاء کا انتخاب کیا تو وہ معاذ اللہ ان کے نزدیک مرتد ہو گئے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ ایسی خطرناک شیعی روایات کو بعض سنی مفسرین نے بھی عدم احتیاط کی وجہ سے نقل کر دیا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے احمد بن یحیی سے، اس نے حسن بن حسین انصاری کوفی سے، اس نے معاذ بن مسلم سے اور اس نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس آیت کے نزول پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منذر میں ہوں اور اے علی ھادی تم ہو، میرے بعد لوگ صرف تم ہی سے ہدایت پائیں گے۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۳۴۴ مطبوعہ بیروت)

اس حدیث کا راوی حسن بن حسین کوفی کٹر شیعہ ہے، امام ابوحاتم اس کے بارے میں فرماتے ہیں:
وكان من رؤساء الشيعة، وہ سردارانِ شیعہ میں سے تھا اور امام ذہبی ابن جریر کی مذکورہ روایت کے بارہ میں

کہتے ہیں یہ اسی شیعہ راوی حسن بن حسین کی گھڑی ہوئی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۴۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی بلا شبہ ہادی ہیں، مگر یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے بعد صرف وہی ھادی ہیں یہ شیعی عقیدہ امامت کی ترجمانی ہے، حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی آسمان ہدایت کا درخشندہ وتابندہ ستارہ ہے، جبکہ خلفاء راشدین کی خصوصی شان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرو۔''

(ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۶۶۲)

تو پھر صرف حضرت علی کو ھادی کہنا شیعی عقیدہ امامت کی ترجمانی نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رسول الله ﷺ المنذر وانا الهادی، رسول اللہ ﷺ منذر ہیں اور میں ھادی ہوں۔ (المستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے مگر امام ذہبی تلخیص میں فرماتے ہیں، یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ محض جھوٹ ہے اللہ اس کے گھڑنے والے کو رسوا کرے۔ (تلخیص جلد اول صفحہ ۱۴۰)

اور امام ذہبی کی یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے راویوں میں سے حسین بن حسن اشقر بھی ہے جس کے بارے میں امام ابوزرعہ فرماتے ہیں: یہ شخص منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے کہا: اس کے پاس بہت سی منکر روایات ہیں۔ اور امام ہذلی نے کہا: یہ شخص کذاب ہے۔ (تھذیب التھذیب جلد اول صفحہ ۵۲۲ راوی نمبر ۱۵۵۷ مطبوعہ دار احیاء، بیروت)

درمنثور میں امام سیوطی نے اس طرح کی دیگر روایات بھی نقل کی ہیں اور ان کا حال بھی ابن جریر اور حاکم کی ان روایات سے مختلف نہیں ہے۔

اور اگر ان روایات کو درست بھی مان لیا جائے تو ان کا معنی یہ ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بعض خاص امور میں امت کی وہ راہنمائی فرمائی ہے جو ان کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا تھا، آپ نے خلفاء راشدین ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت اور اقتداء کر کے امت کو بتادیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سچے جانشیں ہیں، اس لیے اگر آپ ہی ہادی ہوں تو یہ بھی درست ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء راشدین کے فضائل ومناقب بیان کر کے ان کی عظمت کردار کی طرف امت کو عظیم ہدایت دی ہے۔ چنانچہ شیعہ مورخ نصر بن مزاحم لکھتا ہے کہ حضرت علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے خط کے جواب میں جو لکھا اس میں یہ بھی تھا:

"ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید رحمهما الله وجزاهما باحسن الجزاء" یعنی ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے شدید صدمہ ہے، اللہ ان پہ رحم فرمائے اور انہیں بہترین جزا عطا فرمائے۔

(وقعۃ صفین صفحہ ۸۹ کتاب علی الی معاویہ مطبوعہ قم)

الغرض سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبارک اور ایسے دیگر اقوال ایسی ہدایت ہیں جو امت کو خصوصاً شیعہ کو آپ ہی سے مل سکتی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے، مگر یہ اس صورت میں جب حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ
اللہ ہر مادہ کے حمل سے واقف ہے اور وہ ماؤں کے رحموں کے گھٹنے بڑھنے کو بھی جانتا ہے۔اور اس کے ہاں
شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۞
ہر چیز ایک مقدار کے ساتھ ہے۔[11] وہ ہر چھپی اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے،وہ سب سے بزرگ و برتر ہے
سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ
اللہ کے لئے برابر ہے جو تم میں سے اپنی بات چھپائے اور جو اسے ظاہر کرے اور جو رات کو چھپے
وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۞
اور جو دن کو کھلا پھرے۔[12]

اللہ کا علم واختیار اور اس کی تدبیر کائنات

[11] خدا سے انکار اور شرک و بت پرستی میں مبتلا قوموں کی رہنمائی کے لیے اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ جانتا ہے ہر مادہ (حیوان اور انسان) نے اپنے پیٹ میں کیسا بچہ اٹھا رکھا ہے۔نر ہے یا مادہ، صحت مند ہے یا غیر صحت مند اور ایک ہے یا ایک سے زائد، آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ کہ اسے ماؤں کے رحموں کے گھٹنے بڑھنے کا پورا علم ہے۔اس کا ایک معنی یہ ہے کہ کبھی ماں کے رحم میں بچے کی نشوونما گھٹ جاتی ہے اور وہ ناقص الاعضاء رہ جاتا ہے کبھی نشوونما مکمل ہوتی ہے اور وہ کامل الاعضاء بن جاتا ہے، یا یہ کہ کبھی حمل کی مدت نو ماہ سے کچھ بڑھ جاتی ہے اور کبھی اس سے گھٹ جاتی ہے یا یہ معنی ہے کہ بعض لوگوں کے لیے زیادہ اولاد ہوتی ہے پھر ان کی بدعملی کے سبب اللہ ان کی قسمت میں اولاد کم کر دیتا ہے یا بعض کے لیے کم اولاد ہوتی ہے پھر ان کی اطاعت کے سبب ان کی اولاد بڑھا دی جاتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اور اسی کے حکم سے ہے۔آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقرر مقدار ہے یعنی کس کو کتنی اولاد دی جائے گی کتنا رزق ملے گا۔تو کیا ایسے علیم وخبیر اور جبار وقدیر رب کے

ساتھ اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کیا جا سکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

[12] اللہ کے علم کا یہ حال ہے کہ خواہ کوئی شخص اپنی بات اپنے دل میں چھپائے رکھے یا اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے بہر حال وہ اللہ کے سامنے ظاہر ہی ہے اور خواہ کوئی شخص رات کو چھپ کر کوئی کام کرے یا دن کے اجالے میں کھلے عام کرے، بہر حال اللہ کے لیے دونوں برابر ہیں۔ تو ایسا علیم وخبیر رب ہی لائق عبادت ہے نہ کہ کوئی اور۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
انسان کے آگے پیچھے ڈیوٹیاں بدلنے والے (فرشتے) مقرر ہیں جو حکم خداوندی سے اس کی حفاظت کرتے ہیں؟ بیشک اللہ
لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا
کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہیں بدلتے اور جب اللہ کسی قوم کے لئے عذاب چاہتا ہے
فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ
تو اسے کوئی لوٹا نہیں سکتا اور نہ ہی اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی حامی ہے۔ [13] اللہ وہ ہے جو تم پر بجلی چمکاتا ہے'
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ ۚ
خوف وامید کے لئے، اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔ [14]

[13] اپنے علم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا اختیار اور اپنی قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اللہ نے انسان کے آگے پیچھے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ڈیوٹیاں بدلتے رہتے ہیں یعنی ایک دوسرے کے بعد باری باری آتے ہیں، صبح والے رات کو چلے جاتے ہیں اور رات والے صبح کو، وہ انسان کو اللہ کے حکم سے آفات وحوادث سے بچاتے رہتے ہیں۔ گویا حکم الٰہی کے بغیر انسان کو کوئی تکلیف یا مصیبت نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں البتہ جب مصیبت کا آنا مقدر ہو تو حفاظت اٹھالی جاتی ہے۔

انسان کی باری باری حفاظت کرنے والے فرشتے

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل والنهار۔ ''رات اور دن کے ملائکہ تم پہ باری باری اترتے ہیں اور فجر وعصر میں اکٹھے ہوتے ہیں، رات کے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ سب کچھ جاننے کے باوجود ان سے پوچھتا ہے: كيف تركتم عبادي۔ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا تھا؟ وہ کہتے ہیں، ہم نے جب ان کو چھوڑا تو وہ نماز (فجر) پڑھ رہے تھے اور جب

ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز (عصر) پڑھ رہے تھے۔'' (بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ حدیث ۵۵۵، مسلم کتاب المساجد حدیث ۶۳۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو مصائب سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں، مگر جب تقدیر آجاتی ہے تو وہ مصیبت کا رستہ چھوڑ دیتے ہیں۔'' (تفسیر ابن جریر طبری)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلیں

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ۔ الخ کہ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، یعنی اسے خراب نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود خراب نہیں کر لیتے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ یعنی ''اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو جو نعمت دی ہو اسے وہ نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود خراب نہیں کر لیتے۔'' (انفال، ۵۳)

اس آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ میں مسلمانوں کے لیے یہ درس ہے کہ وہ اپنی خراب صورت احوال کے خود ذمہ دار ہیں وہ آج بھی غالب قوم بن سکتے ہیں اگر وہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ کی پکار سن لیں۔ کبھی وہ دنیا کی سب سے بڑی سیاسی طاقت تھے اور انہوں نے بارہ صدیوں تک اپنا غلبہ باقی رکھا، پھر جب انہوں نے فسق و فجور، بےحیائی، لوٹ کھسوٹ اور ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے کا طرزِ زندگی اپنا لیا تو اللہ نے ان سے اپنی نعمتیں چھین لیں اور ان کے غلبہ کو مغلوبیت اور ان کی عزت کو ذلت سے بدل دیا۔

[14] یعنی اللہ کی قدرتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آسمانی بجلی چمکاتا ہے جس سے لوگ خوف و امید میں ڈوب جاتے ہیں اور گہرے بادل گھر آتے ہیں ایسے میں لوگوں کو یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں موسلا دھار بارش سے فصلیں تباہ نہ ہو جائیں اور یہ امید بھی ہوتی ہے کہ معتدل بارش سے گلشنِ حیات لہلہا اٹھے گا۔ اسی طرح مسافر ڈرتا ہے کہ بارش سے سفر خراب ہوگا اور مقیم امید لگاتا ہے کہ گرمی گھٹ جائے گی اور موسم خوشگوار ہو جائے گا۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور بادلوں کی کڑک اس کی حمد کی ساتھ اس کی تسبیح کہتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے تسبیح بولتے ہیں وہ بجلیاں بھیجتا ہے

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳ ؕ

اور جن پر انہیں چاہے گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑے میں ہوتے ہیں اور وہ سخت پکڑ والا ہے۔ [15]

[15] رعد کا لغوی معنی بجلی کی کڑک ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود نے چند سوالات پوچھے اور کہا کہ اگر ان کے درست جوابات دیدیئے جائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے آپ نے انہیں

درست جوابات دیدیے مگر وہ ایمان نہ لائے، ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ انہوں نے کہا رعد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بادلوں پر مقرر ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں آتشیں چابک ہے وہ اس چابک سے باذنِ الٰہی بادلوں کو ہانکتا ہے اور کڑک کی آواز جو ہم سنتے ہیں اسی فرشتے کی آواز ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ رعد باب ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رعد فرشتہ بادلوں کو ہانکنے کیلئے تسبیح کہتا ہے تو سب فرشتے تسبیح پکارنے لگتے ہیں تب بارش شروع ہوجاتی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

بادلوں کی گرج چمک کے بارہ میں سائنسی نظریہ اوراحادیث میں مطابقت

جدید سائنس کہتی ہے کہ زمین سے جو بخارات اٹھتے ہیں ان میں تپش اور حرارت کے اجزاء بھی ہوتے ہیں اوراوپر جا کر جب بخارات جمع ہوتے ہیں تو ان میں مثبت چارجز (Positive charges) اور منفی چارجز (Negative charges) جمع ہوجاتے ہیں تو ان دونوں کے تصادم سے بجلی اور کڑک پیدا ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ سائنس کے نزدیک کڑک کی آواز مذکورہ چارجز کے ٹکراؤ کی آواز ہے اور حدیث کہہ رہی ہے کہ وہ فرشتہ کی تسبیح ہے، اب کس کو درست کہا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سائنس کے یہ نظریات اگر درست ہیں تو بجلی اور کڑک کے بارے میں مذکورہ احادیث اور سائنس کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے، وہ یوں کہ بجلی جن طبعی اسباب سے پیدا ہوتی ہے ان میں بھی کڑک کی آواز ہوتی ہے اور اسی میں فرشتے کی تسبیح بھی شامل ہوجاتی ہے، کیونکہ ان چارجز کا اجتماع بھی حکم الٰہی سے ہوتا ہے، تو فرشتہ یہ اجتماع دیکھ کر اللہ کی قدرت پہ اس کی تسبیح کہہ اٹھتا ہے اور یہ ناممکن چیز نہیں ہے۔ اسی طرح حدیث میں کہا گیا کہ فرشتہ بادلوں کو ہانکتا اور تسبیح کہتا ہے، تو ممکن ہے اس کے ہانکنے اور اسکی شدید گرجدار آواز سے بادلوں میں ہلچل پیدا ہوتی ہے اور مذکورہ چارجز شدت سے باہم ٹکراتے ہیں، اس طرح یہ گرج چمک اور فرشتہ کی تسبیح باہم اکٹھی وجود میں آتی ہیں۔

بادلوں کی گرج چمک کے بارے میں سائنس جو کہتی ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

سائنس دان جون زویسانے اس رپورٹ کا خلاصہ پیش کیا ہے ہے جو نیشنل لائٹننگ ڈیٹیکشن نیٹ ورک نے دی ہے، یہ نیٹ ورک ۱۹۸۹ء سے U.S.A میں بذریعہ سیٹ لائٹ سو سے زائد مقامات پر ریسرچ کر رہا ہے، وہ کہتا ہے:

"بادل کے دو حصے ہوتے ہیں، اوپر والے حصہ میں مثبت برقی چارجز ہوتے ہیں اور نیچے والے میں منفی برقی چارجز، ان چارجز میں اس قدر حرارت ہوتی ہے کہ ان کی برقی Voltage میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتی کہ وہ پھٹنے لگتا ہے اور ہوا میں جو (ذرات) Particles ہیں ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے، جس سے کڑک اور چمک پیدا ہوتی ہے، مزید وہ کہتا ہے:

How the cloud aquires this charge is still not agreed upon in the scientific community!

(ترجمہ) بادل یہ چارجز کیسے پیدا کرتے ہیں، اس بارے میں ابھی تک سائنٹفک سوسائٹی (یعنی سائنسدانوں) میں کوئی اتفاق نہیں ہے''۔ حوالہ کے لیے دیکھیں

(science.howstuffworks.com/nature/natural-disasters/lightining3)

معلوم ہوا کہ گرج اور چمک کے بارے میں سائنس دانوں کے نظریات ابھی تک کسی حتمی رائے تک نہیں پہنچے اور وہ ان چیزوں کی افزائش کا دوٹوک جواب دینے سے قاصر ہیں، مگر حدیث نے ہمیں اس گرج چمک کی حقیقت کے بارہ میں دوٹوک جواب دیا ہے اور وہی درست ہے کیونکہ وہ اس رسول ﷺ کی زبان سے نکلا ہے جس پہ ان بادلوں کے خالق رب العالمین کا کلام نازل ہوتا ہے۔ البتہ اگر سائنسی نظریات بھی اس کے موافق ہو جائیں تو انہیں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

بجلی کی کڑک سن کر کیا دعاء پڑھنا سنت ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مجرموں پر آسمانی بجلی گراتا ہے اور اس کی پکڑ سخت ہے۔ معلوم ہوا بادلوں کے گرجنے اور بجلی کے چمکنے پر اللہ کا خوف محسوس ہونا چاہیے کہ کہیں ہم پہ بجلی نہ گرا دی جائے۔ اسی لیے بجلی کی آواز سن کر حضور ﷺ یہ دعا فرماتے: اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذالك۔ ''اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ فرما اور ہمیں اس سے قبل عافیت عطا فرما۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بجلی کڑکتی تو حضور ﷺ کا چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا خوف کے آثار ظاہر ہو جاتے اور آپ فرماتے اے اللہ! اسے ہمارے لیے رحمت بنا عذاب نہ بنا۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۶۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ اس کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عرب کے ایک متکبر شخص کو بلا بھیجا، پیغام لیجانے والے شخص نے جا کر اسے کہا: تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں، اس نے کہا: تم جس خدا سے مجھے ڈراتے ہو وہ کیا چیز ہے سونے کا ہے یا چاندی کا، یا پیتل کا؟ وہ شخص واپس گیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کا جواب سنایا۔ آپ نے اسے دوبارہ بھیجا، اس متکبر شخص نے وہی جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو اس کے پاس تیسری بار بھیجا، اس نے وہی جواب دیا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اللہ نے اس کے سر پہ اچانک ایک بادل بھیج دیا، اس میں سے شدید گرج اور بجلی پیدا ہوئی، جو سیدھی آ کر اس شخص پہ پڑی اور اسے ڈھیر کر دیا، تب یہ آیت اتری: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ۔ الخ

(درمنثور بروایت نسائی، بزار، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور طبرانی کبیر جلد ۴ صفحہ ۶۲۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کبھی یہ آسمانی بجلی ان لوگوں پہ آ گرتی ہے جو اللہ کے بارے میں گستاخیاں کر رہے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ بڑی گرفت والا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈر کر بولنا چاہیے، اس کی شان کے خلاف کوئی ایسا لفظ نہیں کہنا چاہیے کہ ایمان ضائع ہو جائے اور بندہ اللہ کی پکڑ میں آ جائے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ
اسی کیلئے سچی پکار ہے اور جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ انہیں کچھ جواب نہیں دے سکتے
بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا
مگر اس شخص کی طرح جو پانی کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوتا کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ نہیں پہنچ سکتا اور
دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کافروں کی پرستش محض گمراہی میں ہے۔[16] اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة
خواہ خوشی سے یا مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح وشام اسے سجدہ کرتے ہیں۔[17]

السجدۃ ۲

[16] گزشتہ آیات میں اپنا علم واختیار اور اور اپنی قدرت وعظمت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بتوں، ستاروں، آگ، جانوروں اور انسانوں کی پرستش کرنے والے مشرکین کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اللہ ہی کو پکارنا حق ہے اور جو اس کے سوا دوسری چیزوں کو پوجتے اور انہیں مشکلات میں پکارتے ہیں ان کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص پانی کے قریب کھڑے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس سے فریاد کرے کہ اے پانی تو اٹھ کر میرے منہ میں آجا تو پانی اس کے منہ تک کبھی نہ آئے گا کیونکہ وہ پکار سننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ یہی حال بتوں کے پوجنے اور ان سے فریادیں مانگنے والوں کا ہے۔

غیر خدا کو معبود سمجھ کر پکارنا شرک ہے نہ کہ مطلقاً پکارنا

اس آیت سے غلط استدلال کرتے ہوئے بعض لوگ یارسول اللہ پکارنے والوں کو کافر ومشرک ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح فوت شدہ اولیاء اللہ سے مدد چاہنے پہ بھی اس آیت کا اطلاق کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کے بارے میں اتری ہے۔

چنانچہ اس آیت کے تحت امام ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والذین یدعون من دونہ ای مثل الذین یعبدون آلھۃ غیر اللہ یعنی اللہ کے سوا جھوٹے خداؤں کے پوجنے والوں کا یہ حال ہے۔ الخ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۲۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

والذین یدعون من دونه الاصنام والاوثان۔ یعنی بتوں اور دیوتاؤں کے پجاریوں کا یہ حال ہے۔
(قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

اور ہم پیچھے متعدد مواقع پہ بتا چکے ہیں کہ غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت قرآن کریم میں کئی مقامات پہ آئی ہے وہاں یہ صراحت ہے کہ اللہ کے سوا کسی الٰہ کو نہ پکارا جائے، لفظ الٰہ کو ساتھ صراحتاً ذکر کیا گیا ہے یعنی سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر اسے نہ پکارا جائے، یعنی اس کی عبادت نہ کی جائے اس لیے جہاں یہ لفظ دعاء غیر خدا کے لیے استعمال کیا جائے وہاں اس کا معنی عبادت کرنا ہوتا ہے، جیسے:

(۱) وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے۔ (فرقان، ۶۸)

(۲) وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کی عبادت کرے حالانکہ اس کے پاس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (مؤمنون، ۱۱۷)

(۳) فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ اور تم اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کی عبادت مت کرو، ورنہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔ (شعراء، ۲۱۳)

اسی طرح وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں وہ انہیں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، یعنی وہ انکو معبود سمجھ کر پکارتے ہیں جو ان کی عبادت کے معنی میں ہے۔

رہا یا رسول اللہ کہنا تو اس کے جواز میں کیا شک ہے خود نماز میں کہا جاتا ہے: السلام علیك ایها النبی، یعنی اے نبی اکرم ﷺ آپ پر سلام ہو، گویا ہر مسلمان نماز میں رسول اللہ ﷺ کو پکارتا ہے۔

اور صحابہ کرام جنگ یمامہ میں یا محمداہ کے نعرے لگاتے تھے۔
(البدایہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ مقتل مسیلمۃ الکذاب دارالریان بیروت۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

غیر اللہ کو پکارنے کے مسئلہ پر مولانا گنگوہی اور مولانا وحید الزمان کا فیصلہ کن کلام

اسی طرح اکابر علماء دیوبند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم ہے کہ نداء غیر اللہ کو دور سے پکارنا شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل (یعنی الٰہ) عقیدہ جانے، ورنہ شرک نہیں، مثلاً جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا۔
(فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۶۸)

اسی طرح اکابر علماء اہل حدیث میں سے مولانا وحید الزمان حیدر آبادی فیصلہ کن الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں:

"الدعاء الشرعی عبادۃ کالصلوۃ فلا یجوز من غیر اللہ وھی المراد فی الآیات التی ورد فیہا لفظ الدعاء اما الدعاء اللغوی بمعنی النداء فتجوز لغیر اللہ مطلقا سواء کان حیا او میتا وثبت فی حدیث الاعمیٰ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی وفی حدیث آخر یا عباد اللہ اعینونی وقال عمر حین زال قدمہ وامحمداہ رواہ ابن الجوزی من اصحابنا وقال اویس القرنی بعد وفاۃ عمر یا عمراہ یا عمراہ یا عمراہ رواہ ھرم بن حیان وقال السید فی توالیفہ:

قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے ابن قیم مددے قاضی شوکاں مددے

(ترجمہ) شرعی پکارنا بمعنی عبادت ہے جیسے نماز، تو وہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے اور جن آیات میں لفظ دعاء آیا ہے (کہ غیر اللہ سے دعاء نہ کرو) اس سے یہی معنی (عبادت) مراد ہے، رہا لغوی معنی میں پکارنا یعنی نداء کرنا تو وہ غیر اللہ کے لیے مطلقاً جائز ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اور اندھے والی حدیث میں ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ الفاظ سکھائے) یا محمد میں آپ کے وسیلہ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور دوسری حدیث میں ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مصیبت میں یوں پکارا کرو) اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں ٹلا تو انہوں نے پکارا تھا: وامحمداہ (یعنی یا رسول اللہ ﷺ) اسے ہمارے اصحاب میں سے ابن جوزی نے روایت کیا ہے (اور امام بخاری نے بھی الادب المفرد میں روایت کیا ہے)

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال پر اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے (یمن سے) پکارا تھا: یا عمراہ یا عمراہ یا عمراہ، اسے ھرم بن حیان نے روایت کیا ہے۔ اور سید (نواب صدیق حسن) نے اپنی بعض تصانیف میں یہ شعر کہا ہے۔

قبلۂ دیں مدد کرو کعبۂ ایماں مدد کرو ابن قیم مدد کرو قاضی شوکاں مدد کرو

(ھدیۃ المھدی صفحہ ۲۳ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ)

مولانا رشید احمد گنگوہی اکابر علماء دیوبند میں سے ہیں اور مولانا وحید الزمان حیدر آبادی مشہور اہل حدیث عالم دین ہیں۔ ان کی مذکورہ عبارات بہت سے سنی وہابی اختلافات کا مکمل فیصلہ کر دیتی ہیں۔ کاش دیوبندی اور اہل حدیث علماء انہی عبارات کی روشنی میں مسائلِ اختلافیہ کا تصفیہ کر لیں تاکہ امتِ مسلمہ میں افتراق وانتشار کم ہو سکے۔ جب مولانا وحید الزمان بایں ذوق وہابیت اپنے فوت شدہ اسلاف کو ابن قیم مددے قاضی شوکاں مددے کہہ کر غائبانہ پکارتے ہیں تو پھر یا رسول اللہ اور یا علی کہنے پہ شرک کا فتویٰ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

[17] یعنی آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے آگے سجدہ ریز ہے خواہ خوشی سے یعنی اپنے اختیار سے جیسے فرشتے اور مومنین۔ خواہ ناخوشی سے یعنی بلا ارادہ واختیار جیسے تمام احجار واشجار وحیوانات بھی حسبِ حال اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر بلا اختیار۔ اور کفار کا تقدیر الٰہی کے آگے بے بس ہونا بھی اللہ کے حضور ان کا سجدۂ حال ہے۔ اور ہر چیز کا سایہ جب زمین

پر نظر غور کرتا ہے تو زبان حال سے اللہ کے حضور سجدہ ریزی کرتا ہے مگر ہمارا ادراک نہیں۔

جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ "کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کے سائے اللہ کے حضور عاجز ہو کر دائیں بائیں سجدے میں گرتے رہتے ہیں" (نحل: ۴۸)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ

(اے رسول ﷺ کفار سے) پوچھیں آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ فرمائیں کہ اللہ ہے، آپ فرمائیں کیا تم نے

اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى

اس کے مقابلہ میں مددگار بنا لئے ہیں جو خود اپنے لئے نہ کسی نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے؟ [18] آپ فرمائیں کیا اندھا و بینا

وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

برابر ہیں؟ کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں؟ [19] کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں

خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ

جنہوں نے اللہ کی تخلیق جیسی تخلیق کی تھی کہ ان پر تخلیق متشابہ ہوگئی؟ آپ فرمائیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

و غالب ہے۔ [20] اس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے وادیاں اپنی گنجائش کے مطابق بہ پڑیں

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ

پھر پانی کا بہاؤ بالائی جھاگ اٹھالایا اور لوگ جو چیز زیور یا سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں

حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ۬

اس میں سے بھی جھاگ پیدا ہوتی ہے یونہی اللہ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى

تو جھاگ بے کار چلی جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے۔ وہ زمین میں

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ۝۱۷

ٹھہر جاتی ہے اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ [21]

وقف النبی علیہ السلام

ردِّ شرک کا بیان اور حق و باطل کی خوبصورت مثال

[18] بت پرست قوموں کی ہدایت کے لیے فرمایا جارہا ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار سے پوچھیں بتاؤ آسمان وزمین کا خالق کون ہے کیونکہ کفارِ عرب بھی مانتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ (عنکبوت:۶۱)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! آپ کفار سے فرمائیں اللہ کو خالق ارض وسماء ماننے کے بعد تم نے اس کے مقابلہ میں ایسے مددگار کیوں گھڑ رکھے ہیں جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ دراصل کفارِ عرب سمجھتے تھے کہ ان کے لات ومنات اور عزیٰ وھبل ان کے ایسے مددگار ہیں کہ اللہ چاہے یا نہ چاہے وہ از خود ان کی بگڑی سنوار سکتے ہیں کیونکہ اللہ اپنے نظام کائنات کے چلانے میں ان کے لات ومنات کا محتاج ہے تنہا اللہ اتنا بڑا نظام نہیں چلا سکتا۔ اسی لیے انہوں نے کہا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ اس نے کئی خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا دیا ہے۔ یہ بہت عجیب بات ہے۔ (ص:۵) کفار کے اس شیطانی وسوسے کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں جو مددگار بنا لیے ہیں وہ خود اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں تو وہ اپنے پجاریوں کا کیا نفع ونقصان کر سکتے ہیں۔

[19] یعنی جیسے اندھا و بینا برابر نہیں ایسے ہی کافر و مومن بھی برابر نہیں۔ کافر اندھا ہے اور مومن بینا۔ اسی طرح تاریکیاں اور نور برابر نہیں ہیں۔ اسلام نور ہے اور اس کے سوا سب مذاہب تاریکیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں نورِ مبین نازل فرمایا، اس کا ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (نساء:۱۷۴) اب جو راستہ اس نور سے دور ہے وہ اندھیروں سے بھرپور ہے۔

یاد رہے اس آیت میں پانچ بار لفظ قل آیا ہے گویا اللہ تعالیٰ اپنی بات بار بار اپنے رسول کے ذریعے کہلواتا ہے اس سے آپ کی شانِ محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی　　　اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

[20] اللہ تعالیٰ مشرکین پر سوال وارد فرما رہا ہے کہ جن جھوٹے خداؤں کو وہ اللہ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں کیا انہوں نے اللہ کی طرح کوئی چیز تخلیق کی ہے جس سے ان کو اشتباہ ہوگیا کہ شائد وہ بھی اللہ کی طرح لائق عبادت ہیں؟ جب اللہ ہی ہر چیز کا خالق اور یکتا وغالب ہے تو اس کے سوا کوئی دوسرا کس طرح مستحق عبادت ہوسکتا ہے؟

[21] اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پہاڑوں اور بلند مقامات پر پانی برسایا جس سے نشیب کی طرف وادیاں بہنے لگیں اب پانی کے اوپر جھاگ چڑھ آئی جس کی کچھ قدر و قیمت نہیں، قدر و قیمت صرف پانی کی ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ اسی

طرح لوگ زیورات بنانے کیلئے سونے چاندی کو آگ پر تپاتے ہیں اور برتن وغیرہ بنانے کیلئے لوہے تانبے جیسی دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں جس سے وہ پگھل کر ایک مائع بن جاتی ہیں جس کے اوپر جھاگ چڑھ آتی ہے جھاگ کی کچھ قدر و قیمت نہیں اسے اتار کر پھینک دیا جاتا ہے اور لوگوں کو نفع دینے والی دھات نیچے بیٹھ جاتی ہے، یہ حق و باطل کی دو مثالیں ہیں۔

پہلی مثال کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے آسمان سے قرآن اتارا تو دلوں کی وادیاں اس سے بہنے لگیں۔ اب یقین کا پانی تو نیچے دل کی زمین میں راسخ ہوا مگر اس پر شکوک وشبہات کی جھاگ بھی چڑھ آئی جو بے حقیقت ہے اور کسی کے اس پر دلیل کا پاؤں مارنے سے ختم ہو سکتی ہے۔

دوسری مثال کا بھی یہی مفہوم ہے کہ حق اس دھات کی طرح ہے جو نیچے بیٹھ گئی اور اس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور باطل جھاگ کی طرح بیکار ہے، بازار قیامت میں ایمان کی دھات ہی کام آئے گی کفر کی جھاگ نہیں۔ ان مثالوں میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کفر کا غلبہ و جوش جھاگ کی طرح عارضی ہے جو ہمیشہ نہیں رہ سکتا جلد ختم ہو جاتا ہے تاریخ میں کئی غیر اسلامی قوتیں جھاگ کی طرح بلند ہوئیں اور جھاگ کی طرح مٹ گئیں، جیسے فرقہ معتزلہ، قدریہ، جبریہ، باطنیہ، قرامطہ، تاتاری فتنہ اور فتنۂ دین اکبری وغیرہ، مگر اسلام ہمیشہ سے باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اور کچھ ہی دن جاتے ہیں کہ اسلام کو دنیا میں پھر سیاسی غلبہ حاصل ہوگا۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ
جنہوں نے اپنے رب کی بات مانی ان کے لئے بھلائی (جنت) ہے اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا (کفر کیا) اگر ان کے پاس (روز قیامت)
لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ
وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا اور بھی ہو تو وہ اسے اپنے بدلے میں ضرور دیں گے۔ انہی لوگوں کے لئے
الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع
بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ [22]

وقف النبی ﷺ

النصف ۲ ع ۸

اہل جنت واہل نار کی صفات اور ان کے انجام کا باہمی تقابل

[22] گزشتہ رکوعات میں دلائل توحید بیان ہوئے اور قرآن وصاحب قرآن رسول کی صداقت واضح کی گئی اب کہا جارہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی بات مان کر اس کی توحید اور اس کے نازل کردہ کلام کی صداقت پر ایمان لے آئیں ان کے لیے بھلائی یعنی جنت ہے اور جو ایسا نہیں کرتے ان کا انجام یہ ہے کہ اگر بالفرض روز قیامت ان کے پاس ساری زمین

کے خزانے ہوں بلکہ اتنے خزانے اور بھی ان کے پاس ہوں تو وہ کوشش کریں گے کہ ان سے یہ سارے خزانے لے کر انہیں جہنم سے بچالیا جائے مگر ایسا نہیں کیا جائے گا حالانکہ روز قیامت میں تو کسی کے پاس ایک پائی بھی نہ ہوگی اور اگر ہو بھی تو کافر سے کچھ قبول نہ کیا جائے گا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط ''جولوگ کفر کریں اور کفر ہی پر مرجائیں ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ اسے بدلے میں دے۔'' (آل عمران:۹۱) لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

معلوم ہوا مومن سے روز قیامت بدلہ قبول کیا جائے گا۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ اگر مومن کے فرائض میں کمی ہوگی تو اسے نوافل سے پُر کرلیا جائے گا۔ اسی طرح مومنوں میں نیکیوں کا تبادلہ ہوگا۔ مظلوم کو ظالم کی نیکیوں میں سے کچھ دلا کر ان کا معاملہ نمٹایا جائے گا۔ مگر کافر کی کوئی نیکی چونکہ قبول ہی نہیں اس لیے وہ روز قیامت خالی ہاتھ ہوگا جیسے فرمایا گیا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۵ (مائدہ،۵) اسی لیے کافروں کے بارے میں کہا گیا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ اور مومن کے متعلق کہا گیا: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۝۸ اس سے آسان تر حساب لیا جائے گا۔ (انشقاق:۸)

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا

تو جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا وہ حق ہے کیا وہ اس کی طرح ہے جو اندھا ہو اور

يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

نصیحت تو عقل والے ہی پکڑتے ہیں۔ یعنی جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی

الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

نہیں کرتے۔ [23] اور جو اس (رشتہ) کو جوڑتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں

وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ [24] اور جو اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خفیہ و علانیہ خرچ کرتے ہیں

السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ

اور برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے آخری گھر ہے۔ [25] یعنی باغات عدن جن میں وہ خود

صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ

داخل ہونگے اور جو ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے ایمان لائے۔ [26] فرشتے ان پر

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ﴿۲۴﴾

ہر دروازے سے حاضر ہوں گے۔ (کہیں گے) تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا تو آخری گھر کیا ہی اچھا ہے۔ [27]

[23] فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لانے والا بینا ہے اور ایمان نہ لانے والا اندھا، اب کیا بینا و نابینا برابر ہوسکتے ہیں۔ اہل ایمان بینا ہیں اس لیے ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں جو انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ کے جواب میں بَلٰی (اعراف:۱۷۲) کہہ کر کیا تھا۔

یا یہ معنی ہے کہ وہ ہر اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے اللہ کے نام پر کسی سے کیا ہو یا اللہ سے کیا ہو اور وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔اس میں قسم کا پورا کرنا، نذر کا ادا کرنا اور وعدہ نبھانا سب چیزیں آ گئیں، کیونکہ جو اللہ کے نام پہ قسم اٹھاتا ہے یا اللہ کے نام پہ نذر مانتا ہے وہ بھی اللہ سے عہد کرتا ہے کہ وہ یہ قسم یا نذر پوری کرے گا۔اس سے ایفاء عہد کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔افسوس آج اسلامی معاشرہ اس صفت سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔

[24] مومنوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ جس رشتے کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے جوڑتے ہیں جیسے انبیاء، ملائکہ اور کتبِ خداوندی سے ایمان کا رشتہ۔صحابہ واہل بیت سے عقیدت کا رشتہ۔اعزہ واقارب سے صلہ رحمی کا رشتہ۔والدین، اساتذہ اور مشائخ دین سے اطاعت کا رشتہ اور عام مسلمانوں سے حسن اخلاق کا رشتہ، ان سب رشتوں کو وہ قائم رکھتے ہیں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، یعنی کوئی ایسا کام کرنے لگیں جس میں ان کا رب ناراض ہے تو وہ اس کی ناراضگی کا سوچ کر اس کام سے باز آ جاتے ہیں۔چوتھی صفت یہ کہ برے انجام کا خوف رکھتے ہیں لہٰذا وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے جو رضاء مولیٰ کے خلاف ہو اور ان کے انجام کو خراب کر دے۔

[25] ان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے صبر کرتے ہیں یعنی نفس کو برائیوں سے روکتے اور بھلائیوں کا عادی بناتے ہیں اور مصائب میں گھبراتے نہیں ہیں۔چھٹی صفت یہ ہے کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں یعنی اسے جملہ ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ بجالاتے ہیں۔یہاں سے احکامِ شرع میں نماز کی اہمیت واضح ہوئی۔ساتویں صفت یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے اس کی راہ میں خفیہ و علانیہ خرچ کرتے ہیں۔یعنی جہاں ریاء سے بچنا مقصود ہو وہاں خفیہ اور جہاں دوسروں کو رغبت دلانا مقصود ہو وہاں علانیہ خرچ کرتے ہیں۔آٹھویں صفت یہ ہے کہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دور کرتے ہیں یعنی کفر چھوڑ کر ایمان، گمراہی چھوڑ کر ہدایت اور برے اخلاق چھوڑ کر اچھے اخلاق اپناتے ہیں۔اس کا یہ معنی بھی ہے کہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں تاکہ برائی مٹ جائے۔

[26] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان صفات کے حامل اہل ایمان نہ صرف خود جنت عدن میں جائیں گے بلکہ ان کی شفاعت و وسیلہ سے ان کے مومن باپ دادا، بیویوں اور اولاد کو بھی جنت عدن دی جائے گی۔یاد رہے مومن کے ساتھ اس کی وہی بیوی جنت میں جائے گی جو موت تک اس کی بیوی رہی اور جو عورت خاوند کی طلاق یا موت کے بعد دوسری شادی کر لے اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے جس کے ساتھ جنت میں رہنا پسند کرے کر لے، یاد رہے! وَاَزْوَاجِهِمْ زوج کی جمع ہے جس کا معنی بیوی بھی ہے اور شوہر بھی یعنی جس طرح صالح شوہر کی شفاعت سے اس کی بیوی جنت حاصل کرے گی۔اسی طرح نیک بیوی کی شفاعت سے اس کے شوہر کو بخشا جائے گا۔معلوم ہوا نیک آدمی اپنے خاندان کے لیے روزِ قیامت باعثِ رحمت ہوگا۔یہاں سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح جسمانی تعلق سے مومن اپنے والدین اور اولاد کے لیے باعثِ رحمت ہے یونہی روحانی و ایمانی تعلق کی وجہ سے وہ اپنے اساتذہ و تلامذہ کے لیے باعث رحمت ہے۔

[27] حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مومن جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوگا اس کے سامنے دو رویہ خدام کھڑے ہوں گے، اتنے میں ایک فرشتہ اندر آنے کی اجازت چاہے گا۔ دروازے کے قریب والا خادم اگلے خادم سے کہے گا وہ اگلے خادم سے کہے گا اور یوں مومن تک بات پہنچے گی اور وہ کہے گا فرشتے کو اندر آنے دو، وہ حاضر ہو کر کہے گا۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۹)

یعنی فرشتے جنت میں اہل ایمان کو مبارک دیں گے کہ تم نے دنیا میں صبر کیا، یعنی حرام روزی سے بچے رہے، حرام کاموں کے قریب نہ گئے، اور مشکلات و مصائب میں گھبرا کر اللہ کا شکوہ نہ کیا بلکہ اس کی رضا پہ راضی رہے۔

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

مگر جو لوگ اللہ کا عہد مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اور جس (رشتے) کے ملانے کا اللہ نے

بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ

حکم دیا اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے

سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ

برا گھر ہے۔ [28] اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ [29] اور کفار

الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

دنیوی زندگی پر خوش ہو گئے حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں حقیر سامان کے سوا کچھ نہیں۔ [30]

[28] اہل جنت کی صفات حمیدہ بیان کرنے کے بعد اب اہل جہنم کی صفات بتائی جا رہی ہیں یعنی وہ بری صفات جن کے اپنانے والے جہنم میں چلے جاتے ہیں تو بتایا کہ اہل جہنم کی صفات اہل جنت کی صفات مذکورہ کا الٹ ہیں۔ یعنی اگر وہ عہد کے نبھانے والے تھے تو یہ عہد شکن ہوتے ہیں اگر وہ ان رشتوں کے ملانے والے تھے جن کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا تو یہ ان رشتوں کے توڑنے والے ہوتے ہیں اگر وہ صبر، نماز اور انفاق فی سبیل اللہ جیسی صفات سے زمین میں اصلاح پھیلانے والے تھے تو یہ زمین میں فساد جاری کرنے والے ہوتے ہیں لہٰذا ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر دوزخ ہے۔ اس سے عہد شکنی اور قطع رحمی کی برائی معلوم ہوئی۔ کئی لوگ دوستوں رشتہ داروں اور زوجین وغیرہ میں پھوٹ ڈال کر اور قطع رحمی کر کے خوش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے لعنت اور جہنم کا اعلان فرما رہا ہے۔

[29] مکی دور میں اہلِ ایمان اکثر غریب لوگ تھے اور دشمنانِ اسلام کفار مکہ اکثر مالدار تھے تو وہ غریب اہل ایمان کا

مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ جس کے لیے رزق تنگ یا کشادہ کرے، یہ اللہ کی مرضی ہے۔ یعنی یہ نہیں کہنا چاہیے کہ فلاں غریب ہے لہٰذا اللہ کو ناپسند ہے اس لیے اللہ نے اسے غریب رکھا اور نہ یہ کہنا چاہیے کہ ہر مالدار اللہ کو پسند ہے لہٰذا اللہ نے اس لیے فلاں کو مالدار کیا۔ نہیں، بلکہ کبھی غرباء کو ان کے صبر کی وجہ سے اونچا درجہ دیا جاتا اور کبھی امراء کو ان کے تکبر کی وجہ سے مردود بنا دیا جاتا ہے۔ اور بہت سے مالدار اللہ کو ناراض کر کے مال جمع کرتے ہیں، مگر اللہ ان کی رسی دراز کر دیتا ہے۔

[30] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار دنیا پر خوش ہو گئے اور وہ غریب مومنوں کا مذاق اڑانے لگے، حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں نہایت حقیر سامان ہے۔

اللہ کے ہاں دنیا کی بیقدری اور آخرت کی قدر و قیمت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک بار حضور سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بدبودار مردار پڑا تھا صحابہ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیے آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اسے ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ نے عرض کیا اسے تو کوئی مفت بھی نہ لے گا۔ آپ نے فرمایا یاد رکھو، ان الدنیا لاھون علی اللہ من ھذا علی اھلہ۔ اللہ کے ہاں آخرت کے مقابلہ میں دنیا اس مردار سے بھی ذلیل تر ہے۔

(مسلم کتاب الزھد حدیث ۲۹۵۷)

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چٹائی پہ سوئے تھے اس کے نشانات آپ کے جسم مبارک پہ پڑ گئے ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر رونے لگے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیصر و کسریٰ کے پاس عظیم نعمتیں ہیں اور آپ تو اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: اما ترضیٰ ان تکون لھم الدنیا ولنا الآخرۃ، اے عمر! کیا تم اس بات پہ راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ تحریم حدیث ۴۹۱۳، مسلم کتاب الطلاق حدیث ۱۴۷۹)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ آئے آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے کبھی تین دن تک مسلسل پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ (یعنی اکثر فاقے آتے تھے) (مسلم کتاب الزھد حدیث ۲۹۷۰)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ
اور کفار کہتے ہیں اس (نبی) پر اسکے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی آپ فرمائیں اللہ جسے چاہے
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ
گمراہ کرتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع لائے اسے ہدایت دیتا ہے[31] یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے
بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
انکے دل مطمئن ہو گئے، سن لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔[32] جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال
الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾
کرتے رہے ان کے لئے مبارک بادی ہے اور بہتر انجام[33]

کفارِ عرب کا فرمائشی معجزے مانگنا اور اللہ کی طرف سے اس کا جواب

[31] مشرکینِ عرب حضور ﷺ سے فرمائشیں کرتے رہتے تھے کہ انہیں یہ معجزہ دکھایا جائے وہ معجزہ دکھایا جائے ان کا مقصد ایمان لانا نہ تھا وہ صرف حجت بازی کرتے تھے اور جب انہیں ان کا مطلوبہ معجزہ نہ دکھایا جاتا تو وہ کہتے اس شخص پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر تم معجزہ دیکھ کر ہدایت پانا چاہتے ہو تو ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے دل میں حق کی طرف رجوع دیکھے اسے ہدایت دے دیتا ہے۔

یعنی فرمایا گیا کہ اے معجزہ کے طلب گارو! اگر تمہارے دل میں صداقتِ قرآن کی طرف رجوع ہے تو اللہ تمہیں ضرور ہدایت دلائے گا اور اگر نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ تمہارے دلوں میں اللہ کے رسول اور اس کی کتاب سے نفرت و عداوت ہے تو پھر لاکھ معجزات کا دیکھنا بھی تمہیں مفید نہیں، کفار کو یہ باتیں اس لیے کہی گئیں کہ انہیں قرآن جیسا عظیم معجزہ دکھایا گیا مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اب اگر انہیں مزید آیات ونشاناتِ نبوت دکھائے جاتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے اور بالآخر ہلاک کر دیئے جاتے۔

[32] گزشتہ آیت میں کہا گیا: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ جو شخص حق کی طرف رجوع لائے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حق کی طرف رجوع کون لاتا ہے؟ تو فرمایا کہ حق کی طرف رجوع وہ لوگ لاتے ہیں جو ایمان

لائیں اوران کے دل اللہ کے ذکر یعنی قرآن پر مطمئن ہو جائیں اور وہ اللہ کی کتاب میں شکوک وشبہات نہ پیدا کریں۔اور کیوں نہیں؟ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے اور قرآن بھی اللہ کا بہترین ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ﴿۹﴾ ''بے شک ہم ہی نے ذکر نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (حجر:۹)

اور اللہ کا ذکر جس بھی انداز میں کیا جائے اس سے بہر حال سکون قلب ملتا ہے۔حتیٰ کہ اللہ کے نیک بندوں کے ذکر سے بھی سکون قلب ملتا ہے کیونکہ ان کا ذکر بھی اللہ ہی کا ذکر ہے۔ نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ نے اس آیت کے تحت فرمایا: اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور میرے صحابہ سے محبت بھی اللہ کا ذکر ہے۔(درمنثور) اور جہاں قرآن میں ہے کہ اللہ کی آیات سننے سے دل کانپ اٹھتے ہیں تو وہ کانپنا بھی باعثِ سکون ہوتا ہے کیونکہ اس سے خوف وخشیتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون کیسے ملتا ہے؟

یاد رکھنا چاہیے کہ بے سکونی کا سب سے بڑا سبب یادِ الٰہی سے غفلت اور دنیا میں کھو جانا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ کی رضا پہ راضی رہے، صبر کا دامن نہ چھوڑے اور ہر حال میں اللہ کا شکر بجالائے۔جب وہ صبر کا دامن چھوڑ دیتا اور دنیوی خواہشات کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے تو اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔مثلاً ایک انسان ایک چھوٹے مکان میں رہتا ہے، اسے چاہیے کہ اس مکان میں اللہ کی رضا پہ راضی اور خوش رہے، اسی میں سکون قلب ہے۔مگر اس نے دیکھا کہ اس کے قریبی عزیز بڑے بڑے مکانوں میں رہتے ہیں تو اس کے دل میں بڑے مکان کی خواہش آئی۔اب وہ اس خواہش کی تکمیل میں سوچنے لگا، اس کے پاس اتنا مال نہیں کہ بڑا مکان بنا سکے، تو بڑے مکان کی خواہش اس کا سکون برباد کیے رکھے گی تاوقتیکہ وہ بڑا مکان بنا لے۔خواہ اس کے لیے اسے کتنی تکلیفیں، مصیبتیں اور پریشانیاں اٹھانا پڑیں اور اپنا سکون برباد کرنا پڑے۔مگر اس سے بھی اسے سکون نہیں ملے گا، پھر وہ دیکھے گا کہ لوگوں کے پاس اس سے بھی بڑے مکانات ہیں تو اس کے دل میں اس سے بھی بڑا مکان بنانے کی خواہش آجائے گی اور وہ پریشان و بے سکون رہنے لگے گا، اسی طرح وہ ساری زندگی انہی پریشانیوں میں گذار کر دنیا سے چل بسے گا اور وہ سب مکانات یہیں رہ جائیں گے، جبکہ اللہ والوں نے صبر ورضا کا دامن تھام لیا تو ان کی زندگیاں سکون سے بھر گئیں۔

آج بڑے بڑے بادشاہ بے سکون ہیں راتوں کو نیند نہیں آتی، دشمن ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور امورِ سلطنت قابو میں نہیں آتے۔اسی طرح بڑے بڑے جاگیر دار و سرمایہ دار بے سکون ہیں، انہیں تجارت کے خسارے، کارکنوں کی بدعنوانیوں، قرضوں کے بوجھ، ادھار والوں کا ادھار واپس نہ کرنا اور ایسی ہزار پریشانیوں کا ہر وقت سامنا ہے جن کا تصور رونگٹے کھڑے کر دے۔الغرض دنیوی خواہشات ہی انسان کا سکون تباہ کرتی ہیں، مومن کو اللہ کی رضا پہ راضی رہنا چاہیے

تو بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی وہ پرسکون رہے گا، کیونکہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

[33] طوبیٰ عربی میں مبارک بادی کا لفظ ہے جیسے کہتے ہیں: طوبی لك تمہیں مبارک ہو اور بعض احادیث کے مطابق طوبیٰ جنت کا ایک عظیم درخت ہے کہ اگر اس کے سائے میں ایک اونٹ چلنا شروع کردے تو اونٹ کو موت آجائے گی مگر اس کا سایہ ختم نہ ہوگا، یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کو درخت طوبیٰ کا پھل اور اسکا گھنا سایہ عطا کیا جائے گا۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی طرح ہم نے آپکو اس قوم میں بھیجا جس سے پہلے کئی قومیں گزر گئیں تا کہ آپ ان پر

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

وہ کتاب تلاوت کریں جو ہم نے آپکی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمان سے انکار کرتے ہیں آپ فرمادیں وہ میرا رب ہے

هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میری توبہ ہے[34] اور اگر ایسا قرآن ہوتا جس سے

قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ

پہاڑ چلا دیئے جاتے یا زمین پھاڑ دی جاتی یا مردوں سے کلام کیا جاتا (تو بھی وہ ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا اللہ ہی کے

يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا

قبضہ میں ہے[35] تو کیا ایمان والوں کو یقین نہیں آیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا[36]

يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ

اور کافروں پر ان کے کرتوتوں کے سبب کوئی نہ کوئی ہلاکت پہنچتی رہے گی یا ان کے مسکن سے قریب اترتی رہے گی

دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴿۳۱﴾ ع

حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آجائے بے شک اللہ وعدے کے خلاف نہیں فرماتا۔[37]

[34] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اللہ تعالیٰ کو رحمان کہہ کر پکارتے تھے کفار مکہ اس پر معترض ہوتے کہ رحمان کون ہے اور وہ

ازروئے مذاق کہتے کہ ہم تو یمن کے رحمان (مسیلمہ کذاب) کے سوا کوئی رحمان نہیں جانتے ایک جگہ قرآن میں ہے: وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ ''جب ان سے کہا جائے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمان کون ہے؟'' (فرقان:۶۰) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! ہم نے آپ کو جس طرح کی مذاق اڑانے والی قوم میں بھیجا ہے اس سے قبل بھی ایسی ہی قوموں میں ہم نے انبیاء بھیجے اور وہ اسی طرح انبیاء سے مذاق کرتے تھے اور کفار رحمان سے انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمادیں وہ میرا رب ہے۔ وہی معبود ہے اسی پر میرا بھروسہ اور اسی کی طرف ہر کام میں میرا رجوع ہے۔

معلوم ہوا رحمان اللہ کا محبوب تر نام ہے، مخلوق میں سے کسی کو رحیم تو کہا جا سکتا ہے (یعنی رحم کرنے والا) جیسے حضور ﷺ کے لیے فرمایا: گیا۔ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:۱۲۸) مگر اللہ کے سوا کسی کو رحمان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ نام اللہ سے خاص ہے۔ بعض مسلمان جہالت سے اپنا نام رحمان رکھ لیتے ہیں یہ سخت گناہ ہے۔ عبدالرحمان نام ہونا چاہیے۔

[35] ابوجہل اور دوسرے سردارانِ قریش نے حضور ﷺ سے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اتباع کریں تو آپ قرآن پڑھ کر پہاڑوں کو شہر مکہ سے نکال دیں تاکہ ہمارے لیے جگہ وسیع ہو جائے اور آپ قرآن پڑھ کر سلیمان علیہ السلام کی طرح ہمارے لیے ہوا مسخر کردیں تاکہ ہم ایک ہی دن میں شام سے تجارت کر کے واپس مکہ آجایا کریں یا آپ اپنے آباء میں سے قصی کو زندہ کردیں۔ اس سے ہم پوچھیں گے اگر اس نے آپ کو رسول کہہ دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر قرآن کے ذریعے پہاڑ چلا دیئے جاتے، زمین طے کر لی جاتی اور مُردوں سے کلام کرلیا جاتا تو بھی کفار ایمان نہ لاتے بلکہ ہدایت کا سارا معاملہ اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اور جب وہ ایمان نہ لاتے تو بدلے میں ہلاک کردیے جاتے۔

[36] جب کفار اس طرح کے معجزات ونشانات مانگتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے دلوں میں خیال آتا کہ اگر انہیں ایسے معجزات دکھا دیئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ ممکن ہے وہ ایمان لے ہی آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا مومنوں کو اس بات پر یقین نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب انسانوں کو ازخود ہدایت دے دیتا، یعنی اللہ کی یہ شان نہیں، نہ ہی ایسا کرنا اس کی حکمت کا تقاضا ہے بلکہ اللہ نے کار ہدایت یوں مرتب کیا ہے کہ اس نے ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے اور کتابیں اتاریں اور انسانوں پر دلائل توحید ورسالت واضح کیے۔ اب جو خوشی سے ایمان لے آئے وہ کامیاب ہے جو نہ لائے وہ ناکام۔ لوگوں کو اپنی عقل وبصیرت استعمال کر کے ایمان لانا چاہیے۔ زبردستی ایمان دلانا تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔

[37] یعنی دشمنانِ دین کی تنبیہ کے لیے ہم انہیں مختلف مصائب میں ڈالتے یا ان کے قرب و جوار میں مصائب اتارتے رہتے ہیں تاکہ وہ متنبہ ہو کر رجوع الی الحق کریں انہیں کچھ مہلت دی جاتی ہے اگر وہ باز نہ آئیں تو اللہ کا وعدہ

آ جاتا ہے اور دشمنانِ اسلام کی کمر توڑ کر رکھ دی جاتی ہے۔
کفار مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا خود ان پر قحط سالی کے سات برس لائے گئے اور بدر و احزاب میں انہیں مارا گیا اور ان کے قرب وجوار میں یعنی یہود پر مصائب اترے۔ انہیں مدینہ طیبہ سے نکالا گیا مگر جب کفار عرب کو تنبیہ نہ ہوئی تو اللہ کا وعدہ آ گیا اور مکہ فتح کر لیا گیا اور اس کے بعد جزیرہ عرب سے بت پرستی کا ہر نام ونشان مٹا دیا گیا اس کے بعد بھی آج تک دین اسلام کے مٹانے کے لیے کئی فتنے اٹھے جیسے تاتار، باطنیہ، دین اکبر اور مارکس ازم وغیرہ مگر سب مٹ گئے۔ آج امریکہ اپنا لاؤ لشکر لے کر میدان میں اترا ہے مگر جلد ہی اس کا یوم حساب بھی آنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ کفار پر آ تا رہا ہے وہ آ کر رہے گا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ

اور یقیناً آپ سے قبل رسولوں سے مذاق کیا گیا تو میں نے کفر کرنے والوں کو (کچھ) مہلت دی۔ پھر میں نے

اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا

انہیں پکڑ لیا تو دیکھو میرا عذاب کیسا تھا۔[38] تو وہ (رب) کہ ہر جان جو کچھ کرتی ہے وہ اس کا نگران ہے (اس کا شریک کون ہے؟)

كَسَبَتْ ج وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ط قُلْ سَمُّوْهُمْ ط اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ

انہوں نے اللہ کے لئے شریک بنائے، آپ فرمائیں کہ ان کے نام تو لو، کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو وہ زمین میں

فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ط بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ

کہیں نہیں جانتا' یا ویسے ہی بے بنیاد بات (بکتے ہو) بلکہ منکروں کے لئے ان کا داؤ آراستہ کیا گیا ہے

وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ

اور وہ راہ راست سے روکے گئے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔[39] ان کے لئے

عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ج وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

دنیوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب سخت تر ہے اور انہیں اللہ سے

مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

کوئی بچانے والا نہیں۔[40]

ردشرک، انجام اہل ایمان اور صداقت قرآن

[38] جب کفار نے رسول اللہ ﷺ سے گزشتہ رکوع میں مذکورہ معجزات مانگے اور وہ حکمتِ الٰہیہ کے تحت انہیں نہ دکھائے گئے تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑانا اور جھوٹا کہنا شروع کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی اور جمع خاطر کے لیے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ سے قبل بھیجے جانے والے رسولوں سے بھی ان کی قوموں نے ایسے ہی مذاق کیا تھا تو میں نے مذاق کرنے والوں کو کچھ مدت تک مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا تو دیکھو میرا عذاب کیسا سخت تھا کہ

ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ آپ بھی تسلی رکھیں آپ سے مذاق کرنے والوں کا بھی یہی انجام ہے اور آپ کا دین تا قیامت باقی ہے۔ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے معلوم ہوا نبی کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

[39] یعنی جس خدائے علیم وقدیر کی یہ شان ہے کہ ہر جان جو کچھ کرتی ہے خواہ چھپ کر کرے یا ظاہر وہ اس کی ہر حرکت سے واقف ہے کیا کفار کے تراشیدہ بے جان و بے قدرت جھوٹے خدا اس کے علم وقدرت میں شریک ہو سکتے ہیں؟ اس کے باوجود کفار نے اللہ کے لیے شریک بنا لیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذرا ان کے نام تو لو! کون ہیں وہ؟ اللہ تو نہیں جانتا کہ زمین میں کوئی اس کا شریک ہے، تو کیا تم اللہ کو وہ بات بتانا چاہتے ہو جو وہ ساری زمین میں کہیں نہیں جانتا یا یونہی بے بنیاد بات منہ سے نکالتے ہو؟ دراصل شیطان نے ایک دام مکر وفریب بنا کر اسے آراستہ کیا اور انہیں اس میں پھنسا لیا ہے یوں وہ راہ حق سے روک دیئے گئے ہیں اور ان کے مسلسل کفر اور اسلام دشمنی کے باعث ان کے دل پر گمراہی کی پکی مہر لگا دی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

[40] کفار کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے کہ انہیں اسلام دشمنی کے باعث قتل، گرفتاری، جلاوطنی اور دیگر عذابات سے دوچار کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں سخت ہے اور انہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

معلوم ہوا کفار کے لیے دنیا میں بالآخر ذلت ہے۔ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اگر کفار کبھی مومنوں پر غلبہ پالیں تو یہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقصد مومنوں کی تنبیہ ہے۔ بالآخر کفار کے لیے دنیا ہی میں عذاب ہے۔ مومنوں کو چاہیے کہ خود کو سنواریں اور اسلام کے مستقبل سے مایوس نہ ہوں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا

جس جنت کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے، اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے میوے اور

دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

سائے دائمی ہیں، یہ اللہ سے ڈرنے والوں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام آگ ہے۔[41]

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کی طرف اتاری جانے والی وحی سے خوش ہوتے ہیں اور کچھ گروہ اس کے بعض حصوں سے

يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا

انکار کرتے ہیں۔[42] آپ فرمائیں مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اسکے ساتھ شرک نہ کروں میں اسی کی طرف بلاتا

وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

ہوں اور اس کی طرف ہی مجھے لوٹنا ہے اور یوں ہم نے قرآن کو عربی دستور بنا کر اتارا ہے[43] اور اگر تم نے منکروں کی خواہشات کی

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

پیروی کی اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آ گیا تو تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار ہوگا نہ بچانے والا۔[44]

[41] دشمنانِ اسلام کا عذاب بتانے کے بعد اللہ سے ڈرنے والے مومنین کا مقام بتایا جا رہا ہے کہ جنت میں ان کے لیے دائمی میوے اور درختوں کے گھنے سائے ہیں۔ یعنی جنت کے درخت کبھی نہ سوکھیں گے نہ ان کے میوے کم ہوں گے جبکہ دنیا کے درخت کچھ عرصہ بعد سوکھ کر ختم ہو جاتے ہیں اور دنیا کے پھل ایک موسم میں ہوتے ہیں دوسرے میں نہیں، جبکہ جنتی پھل ہمیشہ ہونگے، اس لیے فرمایا گیا: اُكُلُهَا دَآئِمٌ۔ یہ مومنین کا انجام ہے جبکہ کافروں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں۔

[42] یعنی مومنین کو قرآن دیا گیا تو وہ حضور ﷺ پر اترنے والی ہر آیت سن کر خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ، اللہ کی طرف سے ایک نئی رحمت و ہدایت آ گئی۔ اس سے صحابہ کرام کی ایمانی کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے مگر بعض گمراہ فرقے جیسے یہود و نصاریٰ و دیگر کفار قرآن کے کچھ حصوں سے انکار کرتے ہیں یعنی رسالتِ محمدیہ کے بیان والی آیات کو نہیں مانتے اور توحید یا اخلاقیات والی آیات کو مان لیتے ہیں حالانکہ یہ ضد بازی ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مان لیا جائے کچھ نہ مانا جائے۔

معلوم ہوا قرآن کی ایک ہدایت کا نہ ماننا پورے قرآن سے انکار کے برابر ہے۔

[43] عربی دستور بنا کر اتارے جانے کا یہ معنی ہے کہ قرآن ایک مکمل دستور حیات ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور قرآن کی زبان صرف عربی ہے۔ کسی دوسری زبان میں قرآن کا ترجمہ تو کیا جا سکتا ہے مگر وہ قرآن نہیں ہے، قرآن کی تلاوت صرف عربی میں کی جا سکتی ہے۔ یونہی نماز میں صرف عربی الفاظ ہی پڑھے جا سکتے ہیں ترجمہ نہیں اور یہ حفاظتِ قرآن کے لیے ہے۔ اگر قرآن کی زبان ایک نہ رکھی جاتی تو جس طرح تورات وانجیل کے ترجمہ در ترجمہ سے ان میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کی گئیں قرآن بھی اسی طرح انسانی تحریفات وتغیرات کا شکار ہو کر رہ جاتا مگر اس کی صرف ایک زبان عربی رکھے جانے کی وجہ سے قرآن محفوظ ترین کتاب ہے۔ آج تک اس کے ایک لفظ یا حرف میں تبدیلی نہیں لائی جا سکی۔

[44] یعنی اے انسانو! جب قرآن کا علم تمہارے پاس آ گیا تو اسے چھوڑ کر اگر تم نے کوئی دوسرا دستور اپنایا تو تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا

اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل کئی رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی۔[45] اور کسی

كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝٣٨ يَمْحُوا

رسول کے اختیار میں نہیں کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے، ہر مدت کے لئے تحریر ہے۔[46] اللہ جو چاہے

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝٣٩ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

مٹا دیتا ہے یا باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔[47] اور اگر ہم آپ کو وہ بعض باتیں دکھا دیں جو ہم کفار سے

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝٤٠

وعدہ کرتے ہیں یا آپکو (اس سے قبل) وفات دیدیں تو بہر حال آپکے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے[48]

کفار کے بعض شبہات کا جواب اور ان کے لیے چند عبرت خیز دروس

[45] مروی ہے کہ یہود نے اعتراض کیا کہ اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کی ساری توجہ تو صرف عورتوں میں ہے۔ (یعنی آپ نکاح پہ نکاح کیے جا رہے ہیں) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے قبل جو

انبیاء ورسل آئے انہوں نے بھی کئی شادیاں کیں اور کثیر اولاد حاصل کی۔ اس چیز کو وجہ اعتراض بنانا چہ معنی وارد؟۔ چنانچہ تورات کے بقول سلیمان علیہ السلام کی تین سو آزاد عورتیں بطور بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں اور ان کے والد داؤد علیہ السلام کی ایک کم سو بیویاں تھیں۔ (تورات، کتاب سلاطین باب ۱۱ آیت ۴ صفحہ ۴۴۰ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

گویا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا۔ جب پہلے انبیاء پر اعتراض ہوتا تھا تو وہ خود جواب دیتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول بھی ہیں اور حبیب بھی۔ اس لیے آپ پر اعتراض ہو تو جواب اللہ رب العزت خود دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ "چار چیزیں تمام انبیاء کی سنت ہیں۔ عطر، نکاح، مسواک اور ختنہ۔" (ترمذی کتاب النکاح باب ۱) لہٰذا بلا وجہ شادی نہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ "نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرا پیروکار نہیں۔"
(ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازواج کی حکمتیں

یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کثیر شادیاں کرنا کسی نفسانی خواہش سے نہ تھا، اس پر ہم سورہ نساء کے پہلے رکوع کے تحت کلام کر چکے ہیں اور مزید سورہ احزاب میں آئے گا۔ آپ کی کثرتِ ازواج کی بعض حکمتیں یہ ہیں:

(۱) بعض عورتوں سے آپ نے اس لیے نکاح کیا تاکہ ان کے قبائل کو اسلام کی طرف متوجہ کیا جائے، جیسے ابو سفیان کی اسلام سے سخت دشمنی رہی، مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوئی تو ابوسفیان کی دشمنی تھم گئی اور بالآخر وہ اسلام کے دامن میں آگئے اور ان کے اسلام لانے سے پورا شہر مکہ اسلام لے آیا۔

(۲) بعض عورتوں سے آپ نے اس لیے شادی کی تاکہ عرب میں پھیلی ہوئی بعض جہالتوں کو دور کیا جائے، جیسے وہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے۔ آپ نے اس سلسلہ میں اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جس پہ یہود نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں اور منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھنے کی جہالت کا رد کیا۔

(۳) آپ نے اس لیے بھی متعدد شادیاں فرمائیں کہ عورتوں میں دین کی تبلیغ وتعلیم کا بندوبست ہو۔ چنانچہ آپ نے جو احادیث ازواج مطہرات کو بیان کیں اور ان کے ذریعہ وہ امت تک پہنچیں ان کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام زیادہ معروف ہے اور ان میں زیادہ تر وہ مسائل بیان ہوئے ہیں جن کا تعلق خانگی معاملات، حقوقِ زوجین، اور حقوقِ خواتین سے ہے۔

(۴) اسی طرح بعض بیوہ عورتوں سے شادی کر کے آپ نے ان کو سہارا دیا اور ان کے یتیم بچوں کو اپنی کفالت میں لیا

جیسے سیدہ خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی تمام ازواج بیوائیں ہی تھیں جن کو آپ نے جینے کا سہارا دیا۔

[46]　کوئی نبی حکم الٰہی کے بغیر معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ وہ اس وقت معجزہ دکھاتا ہے جب اللہ کا حکم ہو اور اللہ نے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر رکھا ہے اور اس کی تحریر لکھی ہے۔ یہ کفار عرب کے بار بار طلب معجزہ کے جواب میں کہا گیا۔

[47]　یعنی اللہ کے فرشتے لوحِ محفوظ میں جو تحریر لکھتے ہیں کہ فلاں شخص کو اتنا رزق ملے گا اتنی اولاد ملے گی وغیرہ، اللہ تعالیٰ اس تحریر میں سے جو چاہے مٹا دیتا اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اللہ ہی کے پاس ہے یعنی فرشتے وہی کچھ جانتے ہیں جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ اس میں سے کیا چیز بعد میں بحکمِ الٰہی محو کر دی جائے گی۔ ہاں اللہ ہی جانتا ہے کہ بالآخر کیا ہوگا اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔

از روئے حدیث صلہ رحمی کی برکت سے تقدیر بدل جاتی ہے

اس آیت کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدقہ، والدین سے حسن سلوک اور لوگوں سے بھلائی، یہ چیزیں بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتی اور عمر میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ (درمنثور عن ابن مردویہ جلد ۲ صفحہ ۶۶۱) یعنی لوحِ محفوظ میں اگر کسی کو بدبخت لکھا گیا ہو تو ان اعمال حسنہ کی برکت سے اسے محو کر کے اس کی جگہ نیک بخت لکھ دیا جاتا ہے اور عمر بڑھا دی جاتی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سرّہ ان یُبسط لہ فی رزقہ وان ینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔ جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کے رزق میں اضافہ کر دیا جائے اور عمر میں کشادگی آ جائے اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری کتاب الادب باب ۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انساب کو سیکھو، تاکہ تم اس کی وجہ سے صلہ رحمی کرو، کیونکہ صلہ رحمی کرنا اہل و عیال میں محبت پیدا کرتا ہے، مال میں برکت لاتا اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔'' (ترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث ۱۹۷۹، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۷۴)

تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق کی وضاحت

جاننا چاہیے کہ تقدیر دو طرح کی ہے، معلق اور مبرم: مبرم وہ ہے جو اللہ کے ہاں ہے اور وہ اللہ کا علم ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر اس میں تبدیلی آ جائے تو اللہ کے لیے جہل لازم آئے گا، یعنی پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کے علم میں نئی بات آ گئی جو پہلے اس کے علم میں نہ تھی اور یہ ماننا کفر ہے اور اسی کے بارے میں فرمایا گیا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط ''اور جب کسی جان کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اسے ہرگز مؤخر نہیں کرے گا۔'' (منافقون، ۱۱) اور

فرمایا گیا: اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۝ ''جب لوگوں کی موت آجاتی ہے تو وہ ایک گھڑی نہ آگے ہوسکتے ہیں نہ پیچھے۔'' (یونس،۴۹)

اس طرح کی آیات مزید بھی ہیں، ان سب کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے علم میں جو کسی کا وقت موت ہے اس میں ایک گھڑی آگے پیچھے نہیں ہوسکتی، یہی تقدیر مبرم ہے اور اسی کو اللہ نے ام الکتاب فرمایا ہے، جبکہ دوسری قسم تقدیرِ معلق ہے، یعنی یہ لکھا گیا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اسی برس ہے، لیکن اگر اس شخص نے صلہ رحمی اور حسنِ اخلاق برتا تو اسکے رزق اور عمر میں اس قدر اضافہ کردیا جائے گا، اب اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں، بہر حال وہ جو کرے گا بعد میں اسی طرح لکھ دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تقدیرِ مبرم نہیں بدل سکتی اور تقدیرِ معلق بدل جاتی ہے، وہ کبھی انسان کے اچھے اعمال سے بدل جاتی ہے، یعنی اچھے اعمال سے اچھی ہوجاتی اور برے اعمال سے بری اور کبھی دعاء سے بھی بدل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لایرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر. ''قضاء (تقدیر) کو صرف دعاء ہی بدل سکتی ہے اور عمر میں اضافہ نیکی کرنے ہی سے ہوسکتا ہے۔''
(ترمذی کتاب البر حدیث ۲۱۳۹)

[48] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم دشمنانِ اسلام کے بارے میں جو وعدہ کرتے ہیں کہ وہ مغلوب ہونگے اور دین غالب آئے گا تو یہ وعدے ضرور پورے ہوں گے خواہ ہم آپ کو بعض وعدے آپ کی دنیا میں موجودگی ہی میں دکھا دیں یا آپ کے وصال کے بعد انہیں پورا کریں۔ بہر حال آپ پیغام حق پہنچاتے رہیں۔ حساب لینا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ آپ کی موجودگی میں جزیرہ عرب مغلوب ہوا اور اسلام کا جھنڈا یمن سے بحرین تک لہرا اٹھا اور آپ کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد خلافتِ راشدہ میں عراق، ایران، مصر، ترکی اور کثیر افریقی اور رشین مما لک فتح ہوئے اور اسلام دنیا کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ پر پھیل گیا۔ گویا قرآن کی پیش گوئی حق ثابت ہوئی اس سے عظمت وصداقتِ قرآن کا پتہ چلا اور خلافتِ راشدہ کی حقانیت بھی ظاہر ہوئی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اسکی اطراف سے کم کرتے آتے ہیں اور اللہ جوفیصلہ کر دے اس کے فیصلہ کو کوئی

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴۱ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ

ٹالنے والانہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے[49] اور اُن سے پہلے لوگ بھی (دین کے خلاف) داؤ کرتے تھے جبکہ ساری

الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ

تدبیراللہ کے قبضہ میں ہے، وہ جانتا ہے جو ہر جان کرتی ہے اور کفار عنقریب جان لیں گے کہ کس کے لئے

عُقْبَى الدَّارِ ۝۴۲ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

آخری گھر (جنت) ہے۔[50] اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں، آپ فرما دیں کہ

شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝۴۳ ع

اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے (وہ بھی گواہ ہے)[51]

[49] یعنی کفار دیکھیں کہ ہم ان پر چاروں طرف سے کیسے گھیرا تنگ کر رہے ہیں اور اللہ کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ بدر واحد اور احزاب میں کفارِ عرب پر مسلمانوں کی فتوحات اور یہود مدینہ کی مقہوریت اور جلا وطنی وقتل کی طرف اشارہ ہے، یا اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے اس سے قبل بڑے بڑے بادشاہوں فرعونوں اور نمرودوں سے ان کی زمین چھین لی، اور اللہ کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے لہٰذا وہ اسلام اور اہلِ اسلام پر مظالم سے باز آجائیں۔ اس میں دورِ حاضر کے فرعون کے لیے بھی درسِ عبرت ہے۔

[50] یعنی کفار ہمیشہ سے دینِ حق کے خلاف داؤ کرتے رہے ہیں۔ اگر اب بھی وہ اپنے طریقے پر گامزن ہیں تو جائے تعجب نہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ہر جان کیا کررہی ہے۔ وہ کفار کی تمام سازشوں سے آگاہ ہے اور عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ آخری گھر (جنت) کس کا ہے یعنی جس نے جس قدر اسلام دشمنی کی ہوگی اسے اسی قدر جہنم میں جلنا ہوگا جیسا کہ فرمایا گیا: وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ ''کفار کا انجام آگ ہے۔'' (رعد:۳۵) یا اس کا یہ معنی ہے کہ عنقریب کفار کو معلوم ہوجائے گا کہ غلبہ کس دین کو حاصل ہوتا ہے، یعنی غلبہ دینِ حق ہی کا ہوگا۔ اسی لیے فرمایا گیا: الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ، ''اسلام غالب آتا ہے مغلوب نہیں رہتا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹)

[51] کفار کے رسالت محمدی سے انکار سے اس کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آتا، جب کہ اللہ رب العزت اس کی صداقت پر گواہی دیتے ہوئے کہہ رہا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ گویا توحید کی گواہی کے لیے حضور ﷺ کافی ہیں اور رسالت کی گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔

؎ جناب محمد برائے الٰہی جناب الٰہی برائے محمد ﷺ

آگے فرمایا گیا کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے اس کی گواہی بھی کافی ہے۔ بعض نے اس سے جبرائیل علیہ السلام کو مراد لیا۔ بعض نے وہ اہل کتاب مراد لیے جو ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی، تمیم داری اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم، مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے حق میں اتری ہے۔ (ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۴۰۸) یعنی وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ تورات وانجیل میں آپ کی صداقت کی گواہیاں موجود ہیں۔

الحمدللہ آج ۱۷ شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورہ رعد کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ ابراہیم

سورہ ابراہیم ترتیب تلاوت میں قرآن کریم کی چودویں سورت ہے اور ترتیبِ نزول میں اس کا نمبر اکہتر (71) واں ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ البتہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا آیت ۲۸ اور اس کے مابعد والی دو آیت مدنی ہیں۔ اسے سورہ ابراہیم اس لیے کہا گیا کہ اس کی آیت ۳۵ سے ۴۱ تک میں ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ بتایا گیا جب آپ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد اپنی اولاد اور اہلِ مکہ کے لیے عظیم الشان دعائیں فرمائیں۔ چونکہ اس سورت میں اس کے علاوہ کسی دوسرے نبی کا کوئی مفصل واقعہ مذکور نہیں اس لیے اسے سورہ ابراہیم کہا گیا۔

اس سورت میں سات رکوعات، باون آیات، آٹھ سو اکسٹھ کلمات اور تین ہزار چار سو چونتیس حروف ہیں۔

مضامین

اس صورت کے آغاز میں نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کا مقصدِ بعثت بتایا گیا۔ اور بطور مثال موسیٰ علیہ السلام کا ذکر مبارک فرمایا گیا۔ پھر دوسرے رکوع میں انبیاء سابقین اور ان کے مخالفین کے مابین ہونے والے بعض مکالمات بتائے گئے۔ پھر تیسرے رکوع میں بتایا گیا کہ کفار انبیائے سابقین کو دھمکیوں کے ذریعے خاموش کرانے کی کوشش کیا کرتے تھے مگر ان کی کوشش ہمیشہ ناکام رہتی تھی اور نتیجے میں کفار نارِ جہنم کا ایندھن بنتے تھے، اس کے بعد کفار کی بے مقصد زندگی اور اس کا اخروی انجام واضح کیا گیا۔

پھر چوتھے رکوع میں روزِ قیامت شیطان کی اپنے پیروکاروں سے بیزاری بتائی گئی کہ کس طرح وہ ہر الزام سے خود کو بری کرے گا، پھر حق و باطل کو دو درختوں کی مثال سے واضح کیا گیا۔ پھر پانچویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اپنی بعض ارضی و سماوی نعمتیں گنوائیں۔ پھر چھٹے رکوع میں ابراہیم علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ لایا گیا اور آخری رکوع میں دعوتِ توحید و رسالت کو مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ رعد ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی و زمینی قدرتیں اور نعمتیں بیان کی ہیں جیسا کہ اس کا آغاز ہی اس مضمون سے ہوا اور یہی مضمون سورہ ابراہیم میں چلا جا رہا ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کے طریقۂ دعوت پہ روشنی ڈالی گئی ہے اور منکرین کی معاندت و مخاصمت بیان کی گئی ہے، یعنی دونوں کے مضامین ایک ہی جیسے ہیں، اس لیے دونوں کو ایک ساتھ لایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتھا ۵۲ ۱۴ سُورَۃُ اِبْرٰهِیمَ مَکِّیَّۃٌ ۷۲ رکوعاتھا ۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ

الف، لام، راء، یہ کتاب ہے جو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپکی طرف اتاری تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائیں [1]

بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى

انہیں اپنے رب کے حکم سے خدائے غالب و ستودہ کی طرف بلائیں یعنی وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ﴿۲﴾

جو کچھ ہے اسی کا ہے اور کافروں کے لئے سخت عذاب کی ہلاکت ہے۔جو

الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ

دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۳﴾

اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں۔[2]

انبیاء کا مقصد بعثت اوران کے منکرین کا انجام بد

[1] الٓرٰ حروف مقطعات ہیں اوران کے بارے میں ہم سورہ یوسف کے آغاز میں کچھ لکھ چکے ہیں وہاں دیکھیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر قرآن اس لیے اتارا گیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں۔ بلا شبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل انسان تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا وہ پتھروں، درختوں، جانوروں، ستاروں اور انسانوں کے آگے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ ایران میں آگ کی پوجا کی جاتی

تھی۔اہل روم ستارہ پرست تھے۔آج بھی Sunday اور Monday جیسے الفاظ اسی منحوس دور کی یادگار ہیں کیونکہ Sunday کو Sun یعنی سورج کی اور Monday کو Mon یعنی چاند کی عبادت کی جاتی تھی۔ہندوستان میں ہزاروں دیوتاؤں کو پوجا جاتا تھا اور آج تک پوجا جارہا ہے حتیٰ کہ وہ ایک جانور (گائے) کو بھی خدا مانتے ہیں اور اس کا پیشاب بھی متبرک سمجھ کر پی جاتے ہیں اور وہاں شوہر کے مرنے پر اس کی بیوی کو اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا اور اہلِ عرب ننگے طوافِ کعبہ کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے اور وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے ایسے تاریک دور میں اللہ رب العزت نے رحمت عالم نور مجسم ﷺ کو نورِ قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا اور جہاں جہاں تک آپ کا دین پہنچا اور پہنچ رہا ہے انسان کو شعورِ انسانیت مل رہا ہے اور وہ تاریکی سے نکل کر نور کی طرف آ رہا ہے۔

؎ جہاں تاریک تھا اندھیر تھا اور سخت کالا تھا کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) عمومیت رسالتِ محمدیہ:

لِتُخْرِجَ النَّاسَ میں لفظ الناس تا قیامت پیدا ہونے والے ہر انسان کو محیط ہے۔جیسے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ میں لفظ الناس ہر انسان کو محیط ہے۔اس لیے آپ کی رسالت تمام روئے زمین اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے، یعنی اس میں زمین وزمان کی کوئی قید نہیں ہے۔لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں اور آپ کی عمومیت رسالت پہ اللہ تعالیٰ یوں گواہی دیتا ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آپ فرمادیں (یارسول اللہ ﷺ) کہ اے سب انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔(اعراف،۱۵۸) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُرسلتُ الی الخلق کافۃ۔ ''مجھے سب مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (مسلم کتاب المساجد حدیث ۵۲۳)

(۲) علماء دین کی فضیلت:

آپ کے بعد کوئی نبی نہیں مگر علماء ہیں جو لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لا رہے ہیں اور ساری دنیا میں اسلام پھیل رہا ہے تو ان کا کام حقیقت میں حضور ﷺ کا کام ہے کیونکہ وہ نائبین ووارثین رسول ﷺ ہیں۔

(۳) ہدایت کا راستہ ایک ہی ہے

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ سے معلوم ہوا گمراہی کے راستے کئی ہیں ہدایت کا راستہ صرف ایک ہے۔اس لیے اسلام کے سوا جو ہے وہ کفر ہے، نجات صرف اسلام میں ہے۔

[2] کفار کے بارے میں کہا گیا جو لوگوں کو دینِ اسلام سے روکتے اور اس کا مذاق اڑا کر اسے لوگوں کے لیے مشکل بناتے ہیں کہ ان کے لیے عذاب شدید ہے کیونکہ وہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ان

کی سرداری اور دنیوی جاہ وحشمت باقی رہے۔ خواہ آخرت ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائے۔ وہ دین اسلام کے بارہ میں غلط تصورات پھیلا کر لوگوں کو اس سے روکتے ہیں۔ وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہیں۔ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو اپنی لیڈری چمکانے کیلئے لوگوں کو گمراہ کر کے انہیں اپنے پیچھے لگاتے ہیں۔ خواہ وہ اہل کتاب و مشرکین کے مذہبی و سیاسی لیڈر ہوں، جھوٹے مدعیانِ نبوت ہوں یا اسلام میں نئے گمراہ کن باطل نظریات وعقائد ایجاد کر کے ان پر اسلام کا لیبل لگانے والے نام نہاد مذہبی راہنما ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے اپنی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ انہیں بیان کر سکے، تو اللہ جس (منکر) کو چاہے گمراہ رکھے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

اور جسے چاہے ہدایت دیدے اور وہ غالب و دانا ہے۔[3] اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَذَكِّرْهُمْ

قوم کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالو اور انہیں اللہ کے ایام یاد دلاؤ بے شک اس میں ہر صبر وشکر کرنے والے کے لیے نشانیاں

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝٥ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

ہیں۔[4] اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم پر اللہ کی جو نعمت ہے اسے یاد کرو کہ اس نے

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

تمہیں پیروان فرعون سے نجات دی جو تمہیں سخت تر عذاب دیتے تھے

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝٦ ع

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے عظیم آزمائش تھی[5]

ع ۱ ۱۳

[3] کسی بھی رسول کو جس قوم کی طرف بھیجا گیا وہ اسی قوم کی زبان کا بولنے والا تھا تا کہ لوگ اس کی بات سمجھ کر حق کو

پہچان سکیں، ایسا کہیں نہیں ہوا کہ قوم کی زبان اور ہو اور نبی کی زبان اور، اس کے باوجود منکرین اپنی ضد پر اڑ گئے اور انبیاء کی مخالفت کرنے لگے۔ تو اللہ جس منکر کو چاہے اس کی ہٹ دھرمی کے باعث گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے دل میں انابت دیکھے اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ (رعد: ۲۷)

رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی زبانیں جانتے ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ سے معلوم ہوا حضور آقائے دو جہاں ﷺ کو دنیا کی ہر زبان دی گئی کیونکہ آپ تمام اقوام عالم کے لیے رسول ہیں۔ قرآن فرماتا ہے: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ آپ تو ڈرانے والے اور ہر قوم کے لیے ہادی ہیں۔ (رعد: ۷) قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کہہ دیں اے لوگو میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ (اعراف: ۱۵۸) جب آپ ہر قوم کے رسول ہیں تو وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ کے مطابق آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کو تمام اقوام کی زبانیں عطا کی جائیں چنانچہ آپ کے پاس سلمان فارسی آئے، صہیب رومی آئے اور بلال حبشی آئے آپ نے سب کے ساتھ ان کی زبان میں بات کی، حتیٰ کہ آپ ساری مخلوق کے رسول ہیں اور آپ ہر مخلوق کی زبان جانتے ہیں۔ آپ کے پاس جانوروں نے شکایات کیں۔ جیسے اونٹ، ہرنی، گوہ اور خچر وغیرہ۔ آپ نے سب کی شکایات دور فرمائیں اور کیوں نہ ہو آپ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی شان والے ہیں اور آپ خود فرماتے ہیں: ارسلت الی الخلق کافة. ''مجھے سب مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔'' (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۵۶)

[4] انبیاء کے عمومی تذکرے کے بعد بطور مثال موسیٰ علیہ السلام کا ذکر لایا گیا کہ اللہ نے انہیں ان کی قوم کی طرف معجزات دے کر بھیجا اور انہیں حکم ہوا کہ قوم کو گمراہیوں سے نکال کر نور اسلام کی طرف لائیں اور انہیں اللہ کے وہ دن یاد دلائیں جب اللہ نے ان پر خصوصی نعمتیں فرمائیں، مثلاً وہ دن جب اللہ بنی اسرائیل کو کنعان سے نکال کر مصر لایا۔ پھر وہ دن جب موسیٰ علیہ السلام ان میں ان کے نجات دہندہ بن کر پیدا ہوئے اور اللہ نے آپ کی پیدائش پر اپنی عظیم قدرتیں ظاہر فرمائیں۔ پھر وہ دن جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی گئی وغیر ذالک۔ معلوم ہوا جس دن کسی قوم کو عظیم نعمت ملے قوم کو وہ دن یاد رکھنا چاہیے اسی لیے پوری دنیا میں اہل اسلام ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے اور آپ کی عظمتوں کے چرچے کرتے ہیں۔ اس موضوع پر راقم الحروف کی کتاب ''جشن میلاد النبی ﷺ کا جواز'' قابل مطالعہ ہے۔

[5] چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو وہ دن یاد دلایا جب اللہ نے انہیں فرعون سے آزادی عطا فرمائی۔ کیونکہ فرعون ان کے بچوں کو ذبح کرتا اور بچیوں کو چھوڑتا تھا تاکہ وہ بڑی ہو کر فرعونیوں کے تصرف میں آئیں۔ اسی لیے وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ فرمایا گیا نہ کہ نباتکم۔

لفظ آل پیروکاروں کو بھی شامل ہوتا ہے

مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ سے معلوم ہوا کہ لفظ آل میں پیروکار بھی داخل ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرعون کے ساتھ غرق ہونے والے لوگ نہ تو سب فرعون کی اولاد تھے نہ اس کے قریبی رشتہ دار، بلکہ وہ اس کے پیروکار تھے۔ اسی طرح اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد میں آل محمد کے الفاظ میں جہاں حضور ﷺ کی ذریت و اہل بیت شامل ہیں وہاں آپ کے پیروکار امتی بھی شامل ہے، آگے ہر مومن کو درود شریف کی برکات میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر وہ محمد عربی ﷺ کی پیروی کرتا ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے خبردار کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میرا

لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

عذاب سخت ہے۔[6] اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تم اور زمین میں رہنے والے سب لوگ کفر کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ

تو بھی اللہ بے پرواہ و قابل ستائش ہے۔[7] کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں آئی جیسے قوم نوح،

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛؕ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

اور عاد و ثمود اور جو ان کے بعد تھے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا؟ ان کے پاس ان کے رسول

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِىْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ

واضح نشانیاں لائے تو انہوں نے (تعجب سے) اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھائے اور کہا کہ تمہیں جو (دین) دیکر

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

بھیجا گیا ہے ہم اس سے انکار کرتے ہیں اور جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس میں گہرے شک میں مبتلا ہیں۔[8]

مع

الثلثۃ

انبیاء سابقین کی تبلیغی مساعی اور منکرین کی ان سے حجت بازی

[6] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے مزید فرمایا کہ یاد کرو تورات میں اللہ نے تم سے فرمایا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اپنی نعمتیں تم پر بڑھادوں گا اور اگر تم نعمتوں کا کفران کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

شکر سے نعمت کا بڑھنا اور شکر کی صورتیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعمت کا شکر ادا کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو یہ چار چیزیں مل گئیں وہ ان چار چیزوں سے محروم نہیں رہے گا، جسے شکر کی توفیق دے دی گئی وہ نعمت کی زیادتی سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ اللہ فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ جسے دعا کی

توفیق مل گئی وہ قبولیت سے محروم نہ رہے گا، کیونکہ اللہ فرماتا ہے: اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ ''تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔'' (غافر، ٦٠) اور جسے استغفار دے دیا گیا وہ بخشش سے محروم نہ رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ ''اپنے رب سے بخشش مانگو، بیشک وہ بخشنے والا ہے۔'' (نوح، ١٠) اور جس کو توبہ کی توفیق دے دی گئی اس کی توبہ قبول کر لی گئی، کہ اللہ فرماتا ہے: وَھُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ۔ ''اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔'' (شوریٰ، ٢٥) (درمنثور جلد ٥ صفحہ ٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! تیری نعمتوں کا شکر کیسے کیا جائے جبکہ شکر بجالانا بھی تیری توفیق ہی سے ممکن ہے اور یہ ایک نئی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد! اب تو نے واقعی میرا شکر ادا کر دیا ہے یعنی میری نعمت کا صحیح اعتراف کیا ہے۔ (قرطبی جلد ٩ صفحہ ٣٤٣)

اچھا پہننا یا اچھی گاڑی رکھنا بھی شکر کا ایک طریقہ ہے

یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اللہ نے کسی کو حلال ذرائع سے مال دیا ہے تو اچھا لباس پہننا اور اچھی گاڑی رکھنا بھی اللہ کا شکر ہے اور اس پہ حدیث دال ہے۔

چنانچہ ابو الاحوص کہتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میرا لباس بہت ادنیٰ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: الك مالٌ. کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گائیں اور غلام سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اذا آتاك الله مالاً فليُرَ اثرُ نعمة الله عليك و كرامتِه۔ جب اللہ تجھے مال دے تو تجھ پر اللہ کی نعمت و کرامت کا اثر دکھائی دینا چاہیے۔ (ابوداؤد کتاب اللباس حدیث ٤٠٦٣، مسند احمد جلد ٣ صفحہ ٤٧٣)

نعمت کا شکر یہ بھی ہے کہ نعمت کو اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بنایا جائے نہ کہ اس کی معصیت کا۔ امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے یعنی ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ اگر نعمت دے تو اسے کمزور لوگوں کے ستانے کا ذریعہ بنایا جائے اور انسان متکبر ہو جائے اور دوسروں کو اپنے سے حقیر جاننے لگے، یہ کفرانِ نعمت ہے۔ مگر عموماً دیکھا گیا ہے کہ نعمت پا کر لوگ مغرور ہو جاتے ہیں، جس کے پاس مال، اقتدار، اختیار، شہرت، علم یا کوئی اور نعمت آ جائے تو اس کی گردن اکڑ جاتی ہے، وہ کسی سے سیدھے ہاتھ سے سلام نہیں لیتا، سیدھے منہ سے کلام نہیں کرتا، بعض بڑے بڑے پیر فقیر اور علماء دیکھے گئے ہیں کہ تکبر کے پتلے ہوتے ہیں اور جسے کرسیٔ اقتدار مل جائے وہ ہواؤں میں اڑنے لگتا ہے، یہ نعمت کی سخت ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ نعمت دے تو ساتھ عجز بھی دے، یہی سب سے بڑا شکر ہے۔

نعمت کا ایک شکریہ ہے کہ اسے محروموں تک پہنچایا جائے

نعمت کا ایک شکریہ بھی ہے جولوگ اس نعمت سے محروم ہیں، انہیں اس کا فائدہ پہنچایا جائے۔ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو فقراء ومساکین کی مدد کی جائے۔ اگر اللہ نے علم دیا ہے تو اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اگر اللہ نے ڈاکٹر بنادیا ہے تو لوگوں کی چمڑیاں اتارنے کی بجائے ان کو اپنے علم سے مدد پہنچائی جائے، وغیر ذلک۔ اسی طرح اگر اللہ نے اقتدار دیا ہے تو مظلومین و بے بس لوگوں کی مدد کی جائے، یہ بھی نعمت کا بہت بڑا شکر ہے۔

نعمت کی ناشکری عذاب کا سبب ہے

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۝ سے معلوم ہوا کہ ناشکری عذاب الٰہی کا سبب ہے۔ آج مسلمانوں کے زوال کا سبب یہی ناشکری خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝

''اللہ نے ایک بستی (مکہ مکرمہ) کی مثال دی ہے جو امن واطمینان والی تھی اس کا رزق ہر جگہ سے پہنچتا تھا، اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔'' (نحل: ۱۱۲)

یعنی اہل مکہ کی اکثریت نے جب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول نہ کی تو اللہ نے ان پہ قحط سالی مسلط کر دی۔ آج ہم مسلمانوں نے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کا طریقہ اپنا رکھا ہے، اگر اللہ ہمیں اس کی سزا دے تو یہ بات قابل فہم ہے، مگر ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیقِ عمل دیدے اور اپنا عذاب اُٹھالے۔

[7] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید فرمایا اے میری قوم! اللہ کی ناشکری کر کے تم اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ وہ ساری کائنات سے بے نیاز اور قابلِ حمد ہے اگر سارے انسان اس کے منکر ہو جائیں تو اس کی بادشاہی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ بلکہ شکر کرنے میں انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ اللہ دنیا وآخرت کی نعمتیں بڑھا دیتا ہے۔ الغرض شکر کرنے سے فائدہ ہی فائدہ ہے اور ناشکری کرنے سے نقصان ہی نقصان ہے۔

[8] یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے اسلام دشمنی کرنے والو! کیا تمہارے پاس قوم نوح اور عاد وثمود اور ان کے بعد والی قوموں (جنہیں اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنی تھیں اور کہاں کہاں تھیں) کی خبر نہیں آئی؟ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے تھے اس کے باوجود انہوں نے غصہ یا تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے اور کہا کہ ہم اس دین کو نہیں مانتے جو تم لے کر آئے ہو اور ہمیں تمہاری دعوت میں گہرا شک ہے۔ تو شک کرنے والے برباد ہو گئے اور یقین لانے والے بامراد ہو گئے۔

کسی کو اپنا نسب نامہ آدم علیہ السلام تک نہیں پہنچانا چاہیے

وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ سے معلوم ہوا کسی کو اپنا نسب آدم علیہ السلام تک نہیں بیان کرنا

چاہیے، کیونکہ قوم نوح اور عاد وثمود کے بعد ایسی قومیں گذری ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یاد رہے زمانہ نوح علیہ السلام کے طوفان میں حضرت نوح کے چند ساتھیوں کے سوا سب انسان ہلاک کر دیئے گئے تھے پھر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے عاد وثمود دونوں قومیں خطہ عرب میں آباد ہوئیں پھر تباہ ہوئیں۔ البتہ ان میں سے بعض مومنین بچے، جن سے انسانیت کا سلسلہ چلتا رہا مگر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس وقت کون کون سی قومیں زمین پر آباد ہوئیں لہٰذا آدم علیہ السلام تک کسی کا نسب کیسے حتمی ویقینی ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی بزرگ کا نسب ہو یا کسی بادشاہ کا

اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سنا کہ بعض نسابین (انساب عرب کے ماہرین) آپ کا نسب معد بن عدنان سے آگے تک بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اہلِ نسب جھوٹ کہتے ہیں۔ کیا اللہ نے نہیں فرمایا: لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ط (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۴۴)

جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب کا آدم علیہ السلام تک پہچانا درست نہیں تو کسی دوسرے آدمی کا سوال ہی کیا ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک عرب سے معروف تر ہے، بلکہ ایسے ہے جیسے کسی درخت کی مرکزی جڑ ہو جس سے ساری جڑیں دائیں بائیں پھیلتی ہیں۔

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ

ان کے رسولوں نے کہا کیا تمہیں اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے تمہیں بلاتا ہے تا کہ

لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ

تمہارے بعض گناہ معاف کرے اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے۔[9] کفار نے کہا تم تو

اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا

ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور ہمیں ان (خداؤں) سے روکنا چاہتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا

بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۞ قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ

کرتے آئے ہیں تو تم ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل لاؤ، رسولوں نے ان سے کہا ہم تمہارے جیسے بشر ہی ہیں مگر اللہ

اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔[10] اور ہمیں اختیار نہیں کہ اللہ کے اذن کے بغیر تمہارے پاس

بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۞ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا

کوئی معجزہ لے آئیں اور اللہ ہی پہ مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہمیں کیا عذر ہے کہ اللہ پر

نَـتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ

بھروسہ نہ کریں جبکہ اللہ نے ہمیں ہمارے راستے دکھائے اور تم ہمیں جو بھی اذیت دو گے ہم اس پہ صبر کریں گے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ۞

اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔[11]

[9] کفار جب انبیاء سے کہتے کہ انہیں انبیاء کی دعوت میں گہرا شک ہے تو انبیاء انہیں جواب دیتے کہ ہماری دعوت تو یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو تو کیا تمہیں اس اللہ کے بارے میں شک ہے جس نے یہ کائنات ارض وسما پیدا کی ہے؟ اللہ تمہیں اپنی توحید پر ایمان لانے کی دعوت اس لیے نہیں دیتا کہ اس میں اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ فائدہ سے بے نیاز ہے۔ وہ اس

لیے تمہیں دعوت ایمان دیتا ہے تا کہ تمہارے بعض گناہ معاف کرے کیونکہ ایمان لانے کی برکت سے دور کفر کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں بعض گناہ (مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ) اس لیے فرمایا کہ ایمان لانے کی وجہ سے صرف حقوق اللہ معاف ہوتے ہیں۔ حقوق العباد بہر حال بندوں کو لوٹانا ہی پڑتے ہیں۔ الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

جو شخص اسلام لائے اللہ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ ''آپ کفار سے فرما دیں اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو ان سے جو پہلے گناہ ہوئے وہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' (انفال، ۳۸) لہٰذا آج شیعہ لوگوں کا حضرت ابوسفیان، امیر معاویہ، حضرت عمر فاروق، عمرو بن العاص و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ قبل اسلام کے حوالہ سے ان پر اعتراضات کرنا اپنے ایمان کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص زندگی بھر مسلمان رہے اور مرنے سے قبل کافر ہو جائے تو اس کی زندگی بھر کی نیکیاں برباد ہیں، اسی طرح جو شخص زندگی بھر کافر رہے اور مرنے سے قبل ایمان لے آئے تو اس کی زندگی بھر کے گناہ معاف ہو گئے۔

آگے انبیاء نے فرمایا: وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ کہ اللہ تمہیں دعوت ایمان اس لیے بھی دیتا ہے تا کہ کفر کی وجہ سے جو عذاب تم پر آ سکتا ہے اسے کچھ موخر کر دے اور تم اللہ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایمان لے آؤ اور یہ مہلت موت تک ہے۔ موت سے قبل جو انسان ایمان لے آیا وہ گناہوں سے بھی پاک ہو گیا۔

[10] انبیاء کی اس حکیمانہ گفتگو سے لاجواب ہو کر کفار یہ کہنا شروع کر دیتے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے بشر (انسان) ہو یعنی تمہارا ظاہری بشرہ (حلیہ) ہمارے ہی جیسا ہے دو ہاتھ، دو ٹانگیں، منہ، ناک، آنکھیں وغیرہ لہٰذا ہم تمہیں اپنے سے برتر کیوں سمجھیں اور تم ہمیں ہمارے ان خداوؤں کی عبادت سے کیوں روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا شروع سے کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا تم اپنی نبوت پر کوئی واضح دلیل (معجزہ) لاؤ۔ انبیاء اس کے جواب میں فرماتے کہ ہاں ہم دیکھنے میں تو تمہارے ہی جیسے بشر ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا اور اسے منصبِ نبوت دے دیتا ہے۔

انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ رہا ہے، مومنوں کا نہیں

یاد رہے انبیاء کا خود کو لوگوں جیسا بشر کہنا ان کا عجز و انکسار ہے جو قابلِ تعریف ہے مگر کفار کا انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا انبیاء کے حق میں ان کی گستاخی و زبان درازی ہے۔ دیکھئے ایک شیخ اپنے مرید کو یوں خط لکھتا ہے۔ از جانب فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں، تو یہ اس کا عجز و انکسار ہے۔ اب اگر مرید اپنے شیخ کو یوں جواب لکھے بخدمت فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں تو یہ اس کی زبان درازی و بے شرمی ہے یا کم از کم جہالت و حماقت ہے۔

یہ کہیں ثابت نہیں کہ انبیاء کے صحابہ نے انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہہ کر پکارا ہو۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو جب بھی بشر کہا تو ابوجہل وابولہب اوران کے ساتھیوں نے کہا، کسی صحابی نے کبھی نہیں کہا۔قرآن میں ہے کہ کفار نے حضور ﷺ کے بارے میں کہا: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ''یہ تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے۔''(انبیاء، ۳)

یاد رہے کہ انبیاء کولوگوں جیسا بشر کہنا قرآن میں تین طرح مذکور ہوا۔اول: اللہ تعالیٰ نے ان کولوگوں جیسا بشر کہا (اور وہ اپنے بندوں کوجس طرح چاہے یادفرمائے) دوم: انبیاء نے خود اپنے آپ کولوگوں جیسا بشر کہا اور یہ ان کا عجز ہے۔سوم: کفار نے ان کو اپنے جیسا بشر کہا اور یہ ان کی گستاخی ہے۔اب جو مسلمان انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں ان سے سوال ہے کہ وہ خودکو کیا سمجھتے ہیں؟ خدا سمجھتے ہیں، انبیاء سمجھتے ہیں یا کفار سمجھتے ہیں؟ خودسوچیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ

اور کفار نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے

مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

دین میں آؤ تو ان کو ان کے رب نے وحی فرمائی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

زمین میں ٹھہرائیں گے۔ یہ انعام اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میری تنبیہ کا خوف رکھے۔[12]

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ

اور (انبیاء) نے فتح مانگی اور پھر ظالم و سرکش نامراد ہوگیا۔ [13] اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے پیپ جیسا پانی

مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ

پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور نگل نہ سکے گا اور اس پر ہر طرف سے موت آئے گی اور وہ

مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ

مر نہ سکے گا۔[14] اور اس کے پیچھے ایک (اور) سخت عذاب ہوگا۔[15] اپنے رب سے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

انکار کرنے والوں کی مثال یہ ہے کہ ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جس پر طوفان والے دن میں تیز ہوا چلی،

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

انہیں اپنی کمائی میں کسی چیز پر قبضہ نہ ہوگا یہ ہے دور کی گمراہی۔[16]

انبیاء کے مقابلہ میں کفار کی نامرادی اور ان کیلئے جہنم کے ہولناک عذابات

[12] گزشتہ رکوع میں وہ مکالمات بتائے گئے جو انبیاء سابقین اور کفار کے درمیان ہوتے تھے۔ اب اللہ رب العزت فرما رہا ہے کہ کفار سے جب انبیاء کی باتوں کا جواب نہ بن پڑتا تو وہ انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہتے کہ ہم تمہیں

اپنے علاقہ سے نکال دیں گے، نہیں توتمہیں یہ نیا دین چھوڑ کر ہمارے والا دین اپنانا ہوگا۔تب اللہ تعالیٰ انبیاء کی تسلی کے لیے ان کی طرف وحی فرماتا کہ گھبراؤ نہیں۔ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اوران کے بعد زمین میں تمہیں قبضہ دیں گے یعنی تمہیں علاقہ سے نکالنے کی دھمکی دینے والوں کا نشان مٹ جائے گا اور علاقہ تمہارے قبضہ میں ہوگا اور ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ڈرتے ہیں ایسے ہی انعام سے نوازتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔فرعونیوں کو ہلاک کر کے ان کے علاقوں پہ بنی اسرائیل کو حکومت دی گئی۔ اللہ فرماتا ہے وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان علاقوں کا وارث بنایا۔'' (شعراء،۵۹) اسی طرح قوم نوح کو غرق کر کے ان کی جگہ مسلمانوں کو آباد کیا گیا۔

انبیاء کفار کے معجزہ طلب کرنے پر انہیں فرماتے تھے کہ معجزہ کا اظہار اللہ کے حکم ہی سے ہوسکتا ہے جب اللہ چاہے گا معجزہ عطا فرمائے گا اور ہم اسے ظاہر کر دیں گے لہٰذا اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ رکھیں جبکہ وہی ہمیں ہمارے راستے بتاتا ہے یعنی بذریعہ وحی ہم پر آداب زندگی واضح فرماتا ہے اور اے منکرو تمہاری ایذا رسانیوں پر ہم صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہاں دوبار توکل کی بات کی گئی ممکن ہے پہلی بار یہ مراد ہو کہ توکل کر کے ایمان لاؤ اور دوسری بار یہ مراد ہو کہ توکل کر کے اعمال صالحہ اپناؤ اسی لیے پہلی بار اَلْمُؤْمِنُوْنَ کہا گیا اور دوسری بار اَلْمُتَوَكِّلُوْنَ۔

[13] انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے فتح مانگی یعنی دعا کی کہ ان کے دشمنوں کو تباہ کر دیا جائے تو ان کی دعا سن لی گئی اور سب ظالم وسرکش دشمنان اسلام لقمہ عذاب بنا دیئے گئے۔

[14] دنیوی عذاب کے بعد کفار کے لیے عذاب جہنم بھی تیار ہے۔ وہاں انہیں پیپ جیسا غلیظ بدبودار اور خوفناک پانی پلایا جائے گا۔ جسے وہ نگل نہ سکیں گے انہیں ہر طرف سے موت آئے گی اور وہ مر نہ سکیں گے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ ''انہیں سخت کھولتا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا۔'' (سورہ محمد ﷺ:۱۵) وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ''اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں دھات جیسا پانی پلایا جائے گا جو ان کے چہرے بھون ڈالے گا۔'' (کہف:۲۹) اس طرح کا خوفناک پانی پینے سے بھی کافر مر نہ سکے گا۔ حالانکہ موت اس پر ہر طرف سے آئے گی۔ قرآنِ مجید میں ہے: لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ ''کافر جہنم میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔'' (اعلیٰ:۱۳)

معلوم ہوا جہنم کے ہولناک عذابات صرف کفار کے لیے ہوں گے۔ اسی لیے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہہ کر یہ بات شروع کی گئی۔ مومنین بحمد اللہ ایسے عذابات سے جہنم میں بھی محفوظ رہیں گے۔ اگر کوئی مومن شامتِ اعمال سے جہنم میں گیا تو اسے کفار کے سامنے رسوا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے کفار کے ساتھ رکھا جائے گا۔

[15] یعنی کفار کو ایسا ہولناک پانی پلانے کے بعد پھر آگ کے عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

[16] کفار مکہ فخریہ کہتے تھے کہ وہ حجاج بیت اللہ کی خدمت اور کعبۃ اللہ کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس

کے جواب میں فرمایا کفار کی نیکیاں روز قیامت یوں اڑ جائیں گی جیسے تیز آندھی سے ریت کا ڈھیر اڑ جاتا ہے۔

کافر کو اس کی کسی نیکی کا آخرت میں کچھ فائدہ نہ ہوگا

دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ''اور جو ایمان کی جگہ کفر کرے، اس کے اعمال ضائع ہوگئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔'' (مائدہ، ۵) اسی لیے کفار کے لیے ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے۔ جب انہیں ان کی اپنی کوئی نیکی فائدہ نہیں دے سکتی تو کسی دوسرے کی کوئی نیکی یا دعاء کیا فائدہ دے گی؟ جبکہ مومن کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ ہوگی اور آخرت میں اس کا اجر ملے گا۔ لہٰذا جس شخص کی گمراہی حد کفر تک پہنچی ہو اس کے لیے بھی نہ ایصالِ ثواب ہے نہ دعاء مغفرت اور نہ نماز جنازہ، جیسے منکرینِ ختم نبوت، منکرینِ حجیتِ حدیث، منکرینِ ایمان خلفاء راشدین اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں کھلی گستاخیاں کرنے والے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا اگر وہ چاہے تو تمہیں ہلاک کر دے
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ ۙ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا
اور دوسرے لوگ لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ [17] سب کفار اللہ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے
فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ
تب کمزور لوگ ان میں سے تکبر کرنے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیروکار تھے تو کیا آج تم
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ
ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ہدایت دیتے،
سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ ع
اب ہمارے لئے برابر ہے کہ روئیں پیٹیں یا صبر کریں، ہمارے لئے کوئی جائے فرار نہیں۔ [18]

ع ۳ ۱۵

[17] کفار عرب قیامت سے انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا جس رب نے یہ زمین و آسمان ایک بار بنائے کیا وہ انہیں تباہ کر کے آخرت قائم نہیں کر سکتا؟ بلکہ اگر اللہ چاہے تو اے منکرو! تمہیں ہلاک کر کے تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

[18] دنیا میں منکر قوموں کے مذہبی و سیاسی لیڈر انہیں اسلام سے دور رکھتے ہیں۔ روز قیامت سب کفار یعنی لیڈر اور ان کے پیروکار اللہ کے حضور جمع ہوں گے۔ اس وقت لیڈروں سے ان کے پیروکار کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہاری وجہ سے ہم نے کفر کیا اور کفر پہ مرے۔ اب کیا تم ہمیں نار جہنم سے کچھ بچا نہیں سکتے؟ لیڈر کہیں گے: اگر اللہ ہمیں دنیا میں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں بھی ہدایت دیتے جب ہم ہی گمراہ تھے تو تمہیں کیا ہدایت دیتے۔ اب ہم خواہ روئیں پیٹیں یا صبر کریں، برابر ہے یعنی نہ رونے کا فائدہ ہے نہ صبر کرنے کا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اہل جہنم (کفار) کے لیے عذاب کی سختی نا قابل برداشت ہو جائے گی تو وہ کہیں گے آؤ صبر کریں شائد صبر سے تکلیف دور ہو جائے، وہ پانچ صدیوں تک خاموش (عذاب سہتے) رہیں گے جب اس سے نفع نہ ہو گا تو کہیں گے آؤ چیخ و پکار کریں تو پانچ صدیوں تک چیخ و پکار کریں گے جب اس سے بھی نفع نہ ہو گا تو کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ برابر ہے کہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں ہمیں چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۴۵)

اہلِ تشیع کے ہاں مروج ماتم حسین کی ممانعت

اس آیت سے معلوم ہوا رونا پیٹنا صبر کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ جہنمی کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا۔ اس سے اہلِ تشیع عبرت پکڑیں، جو بزعمِ خود غم امام حسین رضی اللہ عنہ میں روتے پیٹتے اور آہ و فغاں اور نوحہ خوانی کرتے ہیں مگر بقول قرآن یہ چیزیں صبر کے خلاف ہیں، یہ چیزیں جزع میں داخل ہیں۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم شیخ یعقوب کلینی روایت کرتا ہے کہ (اہل تشیع کے ہاں چھٹے امام معصوم) امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جزع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اشد الجزع الصرخ بالويل والعويل ولطم الوجه والصدر وجز الشعر من النواصی ومن اقام النواحة فقد ترك الصبر۔ یعنی شدید جزع یہ ہے کہ چیخ و پکار کی جائے، چہرہ اور سینہ پیٹا جائے اور پیشانی کے بال نوچے جائیں اور جس نے نوحہ گری کا اہتمام کیا اس نے صبر ترک کر دیا۔

(فروع کافی صفحہ ۱۱۳ کتاب الجنائز مطبوعہ مکتبہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

امام جعفر صادق کے اس ارشاد کے بعد فیصلہ اہلِ تشیع کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جزع کو اپنا کر امام جعفر صادق کی نافرمانی کرتے ہیں یا صبر کو اپنا کر امام صاحب کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا:

ينزل الصبر على قدر المصيبة ومن ضرب يده على فخذه عند مصيبته حبط عمله۔ مصیبت کے مطابق صبر اترتا ہے، (یعنی جتنی بڑی مصیبت پہ صبر کیا جائے اتنا بڑا اجر ہے) اور جس نے مصیبت میں اپنے ران پہ

ہاتھ مارا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (نہج البلاغہ صفحہ ۶۹۴ جزء رابع، قول ۱۴۴ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس قول میں مصیبت آنے پر ران پہ ہاتھ مارنے کو صبر کے خلاف قرار دیا ہے۔ جب اتنی سی حرکت خلاف صبر ہے تو اہلِ تشیع کا ماتم حسین میں سینہ کوبی زنجیر زنی اور نوحہ گری کرنا اس سے کہیں بڑھ کر صبر کے خلاف اور جزع میں داخل ہے۔ پھر اہل تشیع اس طرح کی حرکات کر کے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں؟

ایک شیعہ راوی عمرو بن ابی مقدام کہتا ہے: امام باقر رحمہ اللہ نے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَلَا يَعْصِينَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ۔ عورتیں بھلائی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں (ممتحنہ، ۱۲) کا کیا معنی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

اذا انا مت فلا یخمشی علیّ وجها ولا تنثری علی شعرا ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علیّ نائحة. ''جب میرا وصال ہو جائے تو تم مجھ پر چہرہ مت پیٹنا، مجھ پر بال مت کھولنا، چیخ و پکار مت کرنا اور کسی نوحہ کرنے والی کو مت کھڑا کرنا۔'' (فروع کافی کتاب النکاح روایت ۶۴۲۰ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد جو امام باقر رحمہ اللہ نے روایت کیا اور مشہور شیعہ عالم یعقوب کلینی نے ذکر کیا، بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پہ بھی مروجہ ماتم کی کوئی حرکت جائز نہ تھی۔

خود امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل کربلا میں اپنی غمخوار بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ آخری وصیت فرمائی:

یا اخیة انی اقسمتُ علیكِ فابِری قسمی لا تشقی علی جیبا ولا تخمشی علی وجها ولا تدعی علی بالویل والثبور اذا انا هلکت. اے میری بہن! میں تجھے قسم دیتا ہوں میری قسم کو پورا کرنا، جب میں شہادت پا جاؤں تو مجھ پر گریبان مت پھاڑنا، مجھ پہ چہرہ مت پیٹنا، مجھ پہ واویلا مت کرنا۔

(ارشاد شیخ مفید صفحہ ۴۴۶ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

اور جب فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ

تو میں نے جھوٹ کہا اور مجھے تم پر اختیار نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے مان لی، لہٰذا مجھے ملامت نہ کرو

فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ

خود کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو، تم نے مجھے

اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

اس سے قبل جو اللہ سے شریک کیا میں اس سے انکار کرتا ہوں، بے شک ظالموں کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

دردناک عذاب ہے۔[19] اور ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو ان باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

نہریں بہتی ہیں وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کی آداب بجا آوری سلام کہنا ہوگا[20]

روزِ قیامت شیطان کی اپنے پیروکاروں سے شرمناک بے وفائی

[19] یعنی شیطان کہے گا کہ اے کافرو! اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا مثلاً کہا تھا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے عظیم کامیابی پالی۔'' (احزاب:۷۱) اور کہا تھا: لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ ''شیطان کی پیروی مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (بقرہ:۱۶۸) اور میں نے تم سے جھوٹے وعدے کیے تھے کہ عیش کرو کوئی قیامت نہیں آنے والی اور اگر آئے گی تو تمہارے (جھوٹے) معبود تمہیں چھڑا لیں گے، لیکن میرا تم پر کوئی کنٹرول نہ تھا کہ میں تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگا لیتا، بس میں نے تمہیں دعوت دی جو تم نے اپنی خوشی سے قبول کرلی۔ اب مجھے ملامت کرنے کی بجائے خود کو ملامت کرو۔ اب میں بھی تمہارے ساتھ جہنم میں جلوں گا، نہ تم مجھے بچا سکتے ہو نہ میں تمہیں اور تم نے جو مجھے اللہ کے ساتھ شریک کیا تھا یعنی

میرے حکم کو اللہ کے حکم کے برابر جانا بلکہ اس سے بھی اہم تر۔ یہ تم نے غلط کیا اور خود پہ ظلم کیا۔ اب ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے۔ شیطان کی یہ تقریر سن کر کفار کے منہ پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے۔

روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کی مومنوں کے لیے شفاعت اور شیطان کی کفار سے بدعہدی

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کر کے ان کے مابین فیصلہ کر دے گا تو مومنین کہیں گے ہمارے رب نے ہمارے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے اب ہماری شفاعت کون کرے گا وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ (وہ شفاعت کی حامی نہ بھریں گے)۔ پھر وہ نوح، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے پاس آئیں گے مگر کہیں بات نہ بنے گی۔ آخر میں انہیں عیسیٰ علیہ السلام نبی امی محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق رہنمائی کریں گے۔ آپ نے فرمایا تب اہلِ ایمان میرے پاس آئیں گے، اللہ تعالیٰ مجھے اذنِ شفاعت دے گا۔ جب میں اپنی مجلس سے اٹھوں گا تو وہاں سے اس قدر خوشبو آئے گی جس سے بہتر خوشبو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہوگی۔ تب میں بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونگا اللہ تعالیٰ میرے سارے جسم کو نورانی بنا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور اللہ میری شفاعت قبول کرے گا۔ یہ دیکھ کر کفار کہیں گے۔ مومنوں کو تو ان کا شفیع مل گیا۔ اب ہماری شفاعت کون کرے گا۔ وہ شیطان کے سوا کون ہوسکتا ہے کہ اسی کے کہنے پر ہم نے کفر کیا۔ وہ شیطان کے پاس جا کر طلب شفاعت کریں گے۔ وہ اپنی مجلس سے اٹھے گا تو ایسی بدبو پھیلے گی کہ اس سے غلیظ بدبو کسی نے نہ سونگھی ہوگی۔ تب شیطان کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۴۳۴)

معلوم ہوا شیطان سخت دھوکہ باز ہے اس کی بات ماننا نرا خسارہ ہے۔ یاد رہے شیطان خود سامنے آ کر کسی کو دعوت گناہ نہیں دیتا وہ صرف وسوسہ پیدا کرتا ہے تو جب دل میں شیطانی وسوسہ آئے فوراً استغفار کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دھوکہ بازی شیطان کا کام ہے نہ کہ مسلمان کا۔

کیا انسان پہ جنات کا سایہ نہیں ہوسکتا؟

اس آیت میں وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ (اور مجھے تم پر کوئی اختیار نہ تھا) سے امام رزی نے اور ان کی اتباع میں معاصر مفسر اور مشہور محقق شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ شیطان کا کسی انسان پہ کنٹرول نہیں ہوتا، لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں شخص پہ جنات کا سایہ ہے اور اس وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، غلط ہے کیونکہ اس آیت کے مطابق شیاطین کا انسانوں پہ کوئی اختیار نہیں ہے۔

مگر یہ استدلال درست نہیں ہے۔ علامہ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس استدلال کا مفصل رد کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ کا معنی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان کسی سے زبردستی

گناہ نہیں کرواسکتا نہ کفر کرواسکتا ہے، کیونکہ اس آیت میں اس سے قبل یہی بات بیان ہو رہی ہے کہ شیطان بروز قیامت کہے گا کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جھوٹا وعدہ۔ تو تم نے اللہ کا وعدہ چھوڑ کر میرا وعدہ اپنا لیا اور میرا تم پہ کوئی قبضہ نہ تھا۔ صاف معلوم ہوا کہ یہاں سُلْطٰنٍ سے مراد زبردستی گناہ یا کفر کروانا ہے۔

رہا شیاطین کا انسانوں پہ اثر کرنا اور انہیں جسمانی طور پر اذیت پہنچانا تو یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ''سود خور لوگ قیامت میں ایسے ہی کھڑے ہونگے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہو۔'' (بقرہ، ۲۷۵)

یعنی جس پر شیاطین (یعنی کافر جنات) نے سایہ ڈال رکھا ہو وہ سیدھا نہیں چلتا بلکہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا ہے۔ یہ تو قرآن کا بیان ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

و اعوذ بك ان يتخبطني الشيطان عند الموت۔ ''اور اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان مجھے موت کے وقت مخبوط الحواس کر دے۔'' (نسائی کتاب الاستعاذہ باب ۶۱، ابوداود کتاب الوتر باب ۳۲)

ایسے ہی بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''ہر نومولود بچے کو شیطان مس کرتا ہے جس سے وہ روتا ہے سوا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ مریم کے۔''

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ۴۴۔ مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۴۶)

معلوم ہوا کہ شیاطین انسانوں کو چھو کر یعنی ان پہ سایہ ڈال کر انہیں مخبوط الحواس بنا دیتے ہیں، یا ان پہ دیگر اثرات ڈالتے ہیں۔

اور ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شدید استحاضہ (بیماری کا خون) آتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا:

انما هي ركضة من الشيطان۔ یہ شیطان کی طرف سے حرکت دینا ہے۔ (ترمذی کتاب الطہارۃ حدیث ۱۲۸)

معلوم ہوا شیطان حرکت دے کر انسانوں کو جسمانی تکلیف دے سکتا ہے۔

رہا علامہ سعیدی مدظلہ کا فرمانا کہ اگر ایسا ممکن ہو تو کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کرنے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، مجھ پہ اس وقت کسی جن کا اثر تھا، اس نے مجھ سے یہ قتل کروا دیا، تو ان کی یہ دلیل کمزور ہے۔ جب ایک شخص کسی کو قتل یا زخمی کرے گا تو وہی قصاص کا ذمہ دار ہوگا، خواہ اس سے وہ حرکت کسی شیطان کے چھونے سے صادر ہوئی ہو۔

اس پہ یہ حدیث دال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لایشیر احدکم علی اخیه بالسلاح فانه لایدری لعل الشیطان ینزع فی یدہ فیقع فی حفرۃ من النار۔ ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی پہ اسلحہ نہ اٹھائے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کب شیطان اس کے ہاتھ کو ہلا دے (اور اس سے کوئی شخص قتل یا زخمی ہو جائے) اور یوں وہ جہنم میں جا پڑے۔“

(بخاری کتاب الفتن باب ۷ حدیث ۷۰۷۲)

تو جو شیطان انسان کے ہاتھ پہ تصرف کر سکتا ہے وہ اس کے سارے جسم پہ بھی تصرف کر سکتا ہے مگر حدیث کے مطابق ایسی صورت میں انسان ہی ذمہ دار ہوگا۔ گویا یہ حدیث بھی ہمارے موقف کی دلیل ہے۔

[20] یعنی اہل جنت ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کے لیے سلام کہیں گے اور فرشتے بھی انہیں برائے تعظیم سلام کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے یہ کہتے ہوئے حاضر ہوا کریں گے، تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا۔ (رعد: ۲۳)

معلوم ہوا ایک دوسرے کو سلام کہنا اہل جنت کا طریقہ ہے آج کل مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمان سلام کا طریقہ بھولتے جا رہے ہیں۔ وہ سلام کی بجائے گڈ مورننگ، ہیلو، گڈ بائی اور سی یو بولنا پسند کرتے ہیں۔ ان الفاظ کے بولنے میں کوئی حرج نہیں مگر پہلے سلام کہا جائے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کس طرح مثال بیان کرتا ہے کہ پاک کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) عمدہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ

ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا

قائم ہے اور اسکی شاخیں آسمان کو اٹھتی ہیں وہ اپنے رب کے حکم سے ہر موسم میں اپنا پھل لاتا ہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ

اور اللہ لوگوں کو مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں اور برے کلمہ (کفر) کی مثال

خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

برے درخت کی طرح ہے جو زمین کے اوپر اکھڑا پڑا ہے اسے کچھ قرار نہیں۔ [21]

[21] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گچھا لایا گیا جس پر کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے یہی آیت پڑھی: مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً۔ الخ۔ یعنی کلمہ طیبہ کی مثال اس شجرہ طیبہ کی طرح ہے جس کی جڑ قائم ہے اور

شاخ آسمان میں بلند ہے اور وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ومثل كلمة خبيثة الخ یعنی کلمہ خبیثہ (کفر) کی مثال برے درخت کی طرح ہے جو زمین پر اکھڑا پڑا ہے اسے کچھ قرار نہیں۔ یہ اندرائن کا درخت ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ ابراہیم باب احدیث ۳۱۱۹)

کلمۂ اسلام کو درخت کھجور سے تشبیہ دینے کی حکمتیں

کلمہ طیبہ کی درخت خرما (کھجور کے درخت) سے تشبیہ کے بعض اسرار یہ ہیں کہ جیسے نخل خرما میں چار چیزیں ہیں، جڑ، تنا، پتے اور پھل۔ یونہی کلمہ طیبہ کی جڑ تصدیق قلبی ہے، اس کا تنا اقرار لسانی ہے، اس کے پتے فرائض دینیہ وارکانِ اسلام اور اس کا پھل ثواب آخرت ہے۔ درخت خرما کی جڑیں زمین میں بہت گہری ہوتی ہیں۔ یونہی کلمہ طیبہ بھی مومن کے دل میں بہت گہرا ہوتا ہے۔ درخت خرما سارا سال پھل دیتا ہے یونہی کلمہ طیبہ کی بہار ہر وقت ہے جب ذکر کیا، درود پڑھا یا کوئی نیکی کی اس کا پھل مل گیا۔ اور کفر کی مثال درخت اندرائن سے دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کی جڑ گویا اُکھڑی ہوتی ہے ایک جھٹکے سے اُکھڑا جاتا ہے، یونہی باطل نظریات اور غیر اسلامی عقائد بے بنیاد اوہام پر کھڑے ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا ایک جھٹکا برداشت نہیں کر سکتے گویا پہلے سے اُکھڑے پڑے ہیں۔

یہاں سے درخت کھجور کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ اس کے ساتھ کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی گئی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بتاؤ وہ درخت کونسا ہے جو مرد مسلم سے مشابہ ہے۔ اس کے پتے سردی یا گرمی میں کبھی نہیں گرتے اور اس کا پھل ہر موسم میں اترتا ہے۔ صحابہ خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا وہ کھجور ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ ابراہیم حدیث ۴۶۹۸)

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مومن کو کھجور کے درخت جیسا ہونا چاہیے، جیسے کھجور کا پھل سارا سال چلتا ہے مومن کا نفع بھی ہمیشہ جاری رہنا چاہیے اور کھجور کا پھل سب سے میٹھا ہے یونہی مومن کا اخلاق بھی ہر قوم سے ارفع ہوتا ہے اور وہ کھجور ہی کا تنا تھا جو ہجر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہچکیاں لے کر رویا تھا، مومن بھی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط قول کے ساتھ دنیوی زندگی اور آخرت میں جماؤ دیتا ہے

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۟ ع

اور اللہ ظالموں کو گمراہی دیتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔ [22]

[22] یعنی مومن کو اس کے مضبوط قول (اسی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کے ذریعے اللہ تعالیٰ

دنیا میں بھی کامیابی عطا فرماتا ہے کہ وہ کفر و شرک اور برائیوں سے بچتا ہے اور آخرت میں اسے اس کی برکت سے جنت حاصل ہوتی ہے اور اس آیت کے تحت ایسی احادیث بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ کی برکت سے مومن کو حساب قبر میں مدد دیتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مومن سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اور اسلام میرا دین ہے) اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ابراہیم حدیث ۴۶۹۹)

رسول اللہ ﷺ کا ہر قبر میں تشریف لانا اور مسئلہ حاضر و ناظر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ تک سنتا ہے۔ تب اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں:

ما كنت تقولُ في حقِ هذا الرجلِ محمدٍ ﷺ۔ تم اس شخصیت محمد ﷺ کے بارے میں (دنیا میں) کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ تو مومن کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ تمہارا جہنم میں ٹھکانا تھا اب اللہ نے اس کی جگہ تجھے جنت کا ٹھکانا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت وہ اپنے دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے، جبکہ کافر اور منافق کہتا ہے: میں کچھ نہیں جانتا، بس جو لوگ کہہ دیتے تھے میں بھی کہہ دیتا تھا۔"

(بخاری کتاب الجنائز باب المیت یسمع خفق نعالهم حدیث ۱۳۳۸، مسلم کتاب الجنۃ باب اثبات عذاب القبر حدیث ۲۸۷۰، ابوداؤد کتاب السنۃ فی القبر حدیث ۴۷۵۱)

یہ حدیث قابل غور ہے، اس میں ہے کہ فرشتے قبر میں آنے والے ہر انسان سے پوچھتے ہیں: ما كنت تقول في حق هذا الرجل۔ تم اس شخصیت کے بارہ میں جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے دنیا میں کیا کہتے تھے۔ اب ھذا اسم اشارہ برائے قریب ہے، اس کا صاف معنی یہ ہے کہ اس وقت میت کے سامنے رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے ہیں، تب ہی ان کے بارہ میں ھذا الرجل کہا جاتا ہے اور آپ کی طرف اشارہ کر کے آپ کے بارہ میں پوچھا جاتا ہے۔

اس حدیث کے تحت امام شہاب الدین احمد بن محمد شافعی قسطلانی رحمہ اللہ متوفی ۹۲۳ھ فرماتے ہیں:

قيل يُكشف للميت حتى يرى النبي ﷺ وهي بشرى عظيمة للمؤمن ان صح.

کہا گیا کہ اس وقت میت کے لیے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی ہے اور یہ مومن کے

لیے بڑی خوشخبری ہے اگر وہ صحیح مومن ہو۔ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الجنائز جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ مطبوعہ مصر)

اس حدیث کے تحت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا باحضار ذات شریف وے درعیانے بایں طریق کہ در قبر مثال وے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد، دریں جا بشارتے است عظیم مرمشتاقان غمزدہ را کہ امید ایں شادی جاں دہندہ وزندہ در گور روند جائے دارد۔

یا اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو قبر میں کھلے طور پر حاضر کیا جاتا ہے، اس طرح کہ آپ کی مثال حاضر کی جاتی ہے اور اس میں عاشقان غمزدہ کے لیے عظیم بشارت ہے کہ اگر امید پہ قبر میں آپ کا دیدار ہوگا جان دی دی جائے تو یہ اس کا موقع ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ لکھنؤ)

صاحب سیرت حلبیہ علامہ شیخ نور الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر مستقل رسالہ تحریر کیا ہے جس کا نام "تعریف اهل الاسلام بان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلو منه مکان ولا زمان" ہے،

علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ نے ''جواہر البحار'' میں یہ رسالہ مکمل نقل کیا ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں:

ان الملکین یقولان للمقبور ماتقول فی هذا الرجل واسم الاشارة لایُشار به الا للحاضر هذا هو الاصل فی حقیقة معناه واما قول العلماء انه یکون حاضرا هناذهنا فلا سبیل الیه۔ فرشتے قبر والے سے کہتے ہیں: ماتقول فی هذا الرجل،

اور ھذا اسم اشارہ ہے، جو حاضر ہی کے لیے بولا جاتا ہے اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے۔ رہا بعض علماء کا کہنا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہنی طور پر حاضر ہوتے ہیں تو یہ کسی طرح درست نہیں۔ (جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ)

یاد رہے کہ روح کا تصرف بہت وسیع ہے، وہ ایک آن میں اجسامِ مثالیہ کے ساتھ ہزاروں لاکھوں مقامات پہ نظر آسکتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آن واحد میں لاکھوں اہلِ قبور کی قبروں میں نظر آئے تو اس میں کوئی مشکل نہیں، ملک الموت آن واحد میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی جانیں قبض کرتے اور وہاں موجود ہوتے ہیں، تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بیک وقت لاکھوں جگہ موجود ہونے میں کیا اعتراض ہے۔

مجددِ وقت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پہ مستقل رسالہ لکھا ہے: "المنجلی فی تطوّر الولی" یہ رسالہ الحاوی للفتاوی جلد اول کتاب الطلاق مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ میں صفحہ ۲۰۸ سے ۲۱۳ میں مرقوم ہے۔ امام سیوطی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اولیاء کاملین ایک وقت میں کثیر مقامات پر اجسامِ مثالیہ کے ساتھ حاضر ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ حاضر و ناظر میں بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہے کہ شائد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ جسمانی طور پہ حاضر و ناظر جانتے ہیں، حالانکہ یہ قطعی غلط فہمی ہے۔ ایک شخص اپنے گھر کے احاطہ میں ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ سارے گھر میں جسمانی طور پہ موجود ہے، جسمانی طور پہ تو وہ کسی خاص کونے میں بیٹھا ہے، مگر سارا

گھر اس کے تصرف میں ہے جہاں چاہے جائے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ جسمانی طور پر مدینہ طیبہ میں اپنی قبر مبارک میں ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار عطا فرمایا ہے کہ کائنات ارضی وسماوی میں جہاں چاہیں تشریف لے جائیں، سارا جہان آپ کے تصرف واختیار میں ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ سارے جہان میں حاضر وناظر ہیں۔

اسی لیے آپ کو لقب شاہد عطا فرمایا گیا۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں ارشاد ربانی اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کے تحت اس کی وضاحت آئے گی، ان شاء اللہ العزیز۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾
کیا تم نے وہ لوگ نہ دیکھے جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر اتارا جو جہنم ہے
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ
وہ اس میں داخل ہونگے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔[23] انہوں نے اللہ کے لئے شریک بنائے تا کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے
سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ
بھٹکائیں، آپ فرمائیں تم عیش کرلو آخر تم نے جہنم کی طرف لوٹنا ہے[24] اے پیارے رسول! آپ میرے ایمان والے بندوں سے
اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ
فرما دیں کہ وہ نماز قائم کریں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے خفیہ و علانیہ خرچ کریں۔ اس سے قبل کہ وہ دن
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾
آجائے جس میں نہ کوئی تجارت ہے نہ دوستی[25]

انسان کی اللہ سے دشمنی اور اللہ کے اس پر انعامات

[23] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا کے تحت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هم قريش والنعمة محمد ﷺ یہ آیت قریش کے بارے میں اتری اور نعمت سے مراد محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۴۴، خازن جلد ۳ صفحہ ۴۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ میں عظیم نعمت اتاری کہ ان میں اپنے محبوب کریم سید العالمین ﷺ کو پیدا فرمایا مگر انہوں نے اس نعمتِ کبریٰ سے انکار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت گاہ یعنی جہنم میں لا اتارا۔ جہاں وہ ہمیشہ کے

لیے داخل ہونگے اور وہ نہایت خوفناک جگہ ہے۔

معلوم ہوا حضور ﷺ اللہ کی نعمتِ کبریٰ ہیں۔ کائنات میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے مگر ایمان پہلی قوموں کے مومنین کو بھی حاصل تھا۔ امتِ محمدیہ کے لیے ایمان سے بھی بڑی نعمت دامنِ مصطفیٰ ﷺ کا حاصل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں ہر سال ربیع الاول میں محافل میلاد النبی اسی نعمتِ کبریٰ کے ملنے پر اظہار تشکر کے لیے منعقد کی جاتی ہیں۔

[24] تمام جہان کے بت پرستوں اور مشرکین سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئے اور اپنی نسلوں کو راہ حق سے روکنا ترک نہ کیا تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

[25] کفار کو متنبہ کرنے کے بعد اب مومنین کی طرف روئے سخن موڑا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ میرے مومن بندوں سے فرما دیں کہ وہ نماز قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے سے ہماری راہ میں خفیہ و علانیہ خرچ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دنیا سے نیکیوں سے تہی دست جائیں اور روز قیامت نہ کوئی تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی یعنی کوئی شخص کسی کو اپنی نیکی نہ بیچے گا نہ دوستی میں دے گا۔

ایمان کا سب سے پہلا تقاضا نماز قائم کرنا ہے

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ سے معلوم ہوا کہ ایمان کا سب سے پہلا تقاضا نماز کا قائم کرنا ہے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت سب سے اول بندے سے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگر اس کا حساب درست ہو گیا تو اللہ باقی سوالوں میں نرمی فرما دے گا۔ اگر نماز کا حساب درست نہ ہوا تو باقی سوالات بھی سخت کر دیئے جائیں گے۔'' (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۸۸) یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی حسنِ عاقبت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور آسمان سے

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ

پانی اتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتیاں

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ

زیرِ فرمان کر دیں تا کہ اللہ کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لئے نہریں چلا دیں۔[26] اور تمہارے لئے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا

شمس وقمر کو (مستقل رفتار پر) گھما دیا اور تمہارے لئے رات اور دن کو زیرِ فرمان کر دیا۔[27] اور تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے

نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

اس سے مانگا۔[28] اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہ کر سکو بے شک انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔[29]

ع ۵

[26] اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نعمتیں یاد دلا رہا ہے کہ اللہ نے ارض و سما کی تخلیق فرمائی۔ پھر آسمان سے یعنی بادلوں سے بارش برسا کر انسانوں کے لیے ہر طرح کے پھل پیدا کیے۔ اب چونکہ بارش سے مختلف ممالک میں مختلف پھل اور اناج زیادہ ہوتے ہیں کہیں گندم زیادہ ہوتی ہے تو کہیں چاول، کہیں کھجور زیادہ ہوتی ہے تو کہیں انگور اور انسان کو مختلف اجناس کے حصول کے لیے سمندروں کو عبور کرنا پڑتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں کشتیاں چلا دیں جو حکم الٰہی سے پانی پر تیرتی ہیں اور بارش سے اللہ نے نہریں بہا دیں تا کہ زمین کو سیراب کریں اور ہر انسان و حیوان کے لیے آب و دانہ کا انتظام ہو سکے۔

[27] زمینی نعمتوں کے بعد آسمانی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لیے شمس و قمر کو تابع نظام کر دیا تا کہ انسانوں کو روشنی، گرمی، توانائی اور دیگر فوائد حاصل ہوں اور اللہ نے انسانوں کے لیے سلسلہ شب و روز کو ایک نظام کے تابع کر دیا۔ ایسا نظام جس میں آج تک کوئی خلل نہیں آیا۔ ان آیات سے معلوم ہوا انسان مقصود کائنات ہے۔ اسی کے لیے بارشیں برسائی جاتی، کشتیاں چلائی جاتی۔ شمس و قمر کو گھمایا جاتا اور شب و روز کو آگے پیچھے لایا جاتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز انسان کے لیے بنائی اور انسان کو کس کے لیے بنایا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ (ذاریات، ۵۶)

[28] بندہ اللہ سے جو مانگے اللہ دیتا ہے اگر دنیا میں نہ دے تو آخرت میں اس کا عوض ضرور دیتا ہے۔

[29] انسان اللہ کی نعمتیں شمار نہیں کرسکتا۔ اس کے ہر سانس کا اندر جانا بھی نعمت ہے۔ باہر آنا بھی نعمت ہے۔ پلکوں کا ہر بار جھپکنا نعمت ہے۔ ہر قطرہ آب کا اس کے حلق سے اترنا اور لقمے کا نگلنا نعمت ہے۔ ہاتھوں کی ہر حرکت اور قدموں کا ہر بار چلنا نعمت ہے اور دل کی ہر دھڑکن نعمت ہے۔ الغرض ہر عضو کی ہر حرکت نعمت ہے۔ اب ہر عضو دن میں کتنی بار حرکت کرتا ہے۔ اس کا اندازہ کسی حساب و کتاب سے باہر ہے۔ پھر انسان کے لیے کھانے پینے پہننے سفر کرنے اور دیگر مقاصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس قدر نعمتیں تیار کردی ہیں جنہیں کسی شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس کے باوجود انسان اللہ کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ دشمنی برتتا ہے۔ واقعی وہ بہت ظالم و ناشکرا ہے۔ قربان جائیں انسان ظلوم و کفار ہے اور اللہ کی یہ صفت بتائی گئی کہ وہ حلیم وغفار ہے وہ انسان کے ظلم کا بدلہ حلم سے اور معصیت کا بدلہ مغفرت سے دیتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ

اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے۔[30] اور مجھے اور میری اولاد کو

نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ

بت پرستی سے محفوظ رکھ۔ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے[31] تو جس نے میری پیروی کی

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ

وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔[32] اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کا

ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کچھ حصہ کھیتی باڑی سے خالی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے، اے میرے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں

فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

تو تو لوگوں کے دل ایسے بنا دے کہ ان کی طرف مائل ہو جائیں اور انہیں پھلوں کا رزق دے

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾

تاکہ وہ شکر بجالائیں۔[33]

وہ دعائیں جو ابراہیم علیہ السلام نے عمر کے آخری حصہ میں کیں

[30] قریش مکہ بت پرست ہونے کے ساتھ اپنے اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہونے پر فخر بھی کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے بت پرستی کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعائیں ذکر فرمائیں جو آپ نے زندگی کے آخر حصہ میں کیں۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی اے اللہ! اس شہر مکہ کو امن والا شہر بنا دے۔

شہر مکہ کے جائے امن ہونے کا معنیٰ

یہاں شہر مکہ سے تمام حدودِ حرم مراد ہیں جو مکہ مکرمہ کے آس پاس چند میلوں تک پھیلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے اس علاقۂ حرم کو جائے امن بنا دیا۔ اس طرح کہ یہاں کفار سے لڑائی کا شروع کرنا حرام قرار دیا، البتہ اگر کفار یہاں گھس آئیں تو انہیں نکالنے کے لیے لڑائی لازم ہے۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صاحب لولاک

ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: مکہ شہر حرم ہے یہاں کسی کا خون بہانا یا یہاں کا (خودرو) درخت کاٹنا جائز نہیں۔ اللہ نے اپنے رسول کو یہاں تھوڑی دیر کے لیے لڑائی کی اجازت دی تھی۔ اب اس کی حرمت پھر لوٹ آئی جیسے پہلے تھی۔
(بخاری کتاب العلم باب ۳۷)

علاوہ ازیں حدودِ حرم میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں اور اگر کوئی شخص قابل حد وقصاص جرم کر کے برائے پناہ حدود حرم میں آ جائے تو اسے گرفتار نہ کیا جائے گا البتہ فقہ حنفی کے مطابق اسے کھانا نہ دیا جائے تا کہ وہ باہر نکلے تو اس پر حدو قصاص کا اجراء ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ''جو اس شہر میں آ گیا اسے امن مل گیا۔'' (آل عمران: ۹۷) تو ان معانی سے حرم مکہ جائے امن ہے اور یہ دعا ابراہیم علیہ السلام کا نتیجہ ہے۔

اور یہ علاقہ اس لحاظ سے بھی جائے امن ہے کہ جو قوم مکہ و اہل مکہ کو تباہ کرنے کی نیت سے نکلے اللہ اسے راستہ ہی میں پکڑ لیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے لشکر ابرہہ کو واقعۃ الفیل میں راستہ ہی میں ابابیل کے ذریعہ تباہ کر دیا اور حدیث کے مطابق قرب قیامت میں دجال کو مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ رہا یزید پلید کے لشکر کا کعبۃ اللہ کے پردوں کو آگ لگانا، حجاج بن یوسف کا کعبۃ اللہ پہ پتھر برسانا اور ماضی قریب میں وہابی تحریک کے بانی محمد بن عبدالوھاب کا مسجد حرام پہ حملہ کر کے وہاں لوٹ مار مچانا وغیرہ واقعات، تو ان لوگوں کا مقصد مکہ و اہل مکہ کو تباہ کرنا نہ تھا۔ ان کے سیاسی مقاصد تھے، اگر وہ انہیں لڑے بغیر مل جاتے تو یہ لوگ وہاں کوئی فساد نہ کرتے اور اگر وہ حرمتِ کعبہ کی پامالی ہی کے لیے آئے ہوتے تو ان کا حشر بھی لشکر ابرہہ سے مختلف نہ ہوتا۔

[31] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ فرما کیونکہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، یعنی بتوں کی وجہ سے بہت سے انسان گمراہ ہو گئے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے نوح علیہ السلام نے بتوں کے بارے میں فرمایا: وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ یعنی ''بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔'' (نوح، ۲۴)

یہاں اعتراض ہے کہ دعاء ابراہیمی اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا، کے باوجود آپ کی اولاد میں بت پرستی کیوں آئی اور قریش بت پرست کیوں ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دعاء ابراہیمی کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تمنا کی کہ آپ کی ساری اولاد بت پرست نہ بن جائے۔ ای لایکونوا کلھم عابدی الاصنام۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور کبھی ایسا زمانہ نہ آیا کہ ساری ذریت ابراہیمی کفر و شرک پر جمع ہو گئی ہو بلکہ بعثتِ محمدیہ سے قبل انتہائی تاریک دور میں بھی عرب کے چند لوگ توحید خالص پر قائم رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ۔ کہ ''اللہ نے توحید کو ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنایا۔'' (زخرف: ۲۸) اس لیے اگر قریش مکہ نے راہِ کفر اختیار کیا تو اس سے دعاء ابراہیمی پہ کوئی اعتراض نہیں آتا۔

چونکہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے بتانے سے جانتے تھے کہ آپ کی اولاد میں بت پرست مشرکین بھی آئیں گے جو بتوں کے آگے سر جھکائیں گے اور یہ تقدیرِ مبرم ہے جو نہیں ٹلے گی، اس لیے آپ نے دعاء فرمائی کہ میری ساری اولاد بت

پرست نہ ہوجائے اور اسی لیے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے کعبہ بنا کر یہ دعاء بھی فرمائی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ''اے اللہ! ہمیں اپنے آگے جھکنے والے بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک گروہ بنا جو تیرے حضور جھکنے والا ہو۔'' (بقرہ، ۱۲۸) یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ساری اولاد کے لیے دعاء نہیں فرمائی، ہاں یہ دعاء فرمائی کہ ساری اولاد بت پرست نہ ہوجائے۔

[32] معلوم ہوا کسی بزرگ کی اولاد تب ہی قابلِ احترام ہے کہ وہ ان کے راستہ پر قائم رہے۔ اس میں دورِ حاضر کے بدعمل سجادہ نشینوں اور مسند فروشوں کے لیے درس عبرت ہے۔

[33] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! میں نے اپنی آئندہ نسل کا ایک حصہ تیرے گھر کعبۃ اللہ کے قریب کھیتی باڑی سے خالی وادی مکہ میں لاکر ٹھہرایا ہے، یہاں مِنْ ذُرِّيَّتِيْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی نسل کا کچھ حصہ، جس سے اولاد اسماعیل علیہ السلام مراد ہے (اولاد اسحاق علیہ السلام کو نکال دیا گیا)۔ ابراہیم علیہ السلام نے وادی مکہ کو بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ اس لیے فرمایا کہ اس وقت اس علاقہ میں زراعت کا کچھ تصور نہ تھا اور آج بھی ارضِ حرم میں کھیتی باڑی برائے نام ہے کیونکہ پانی کی شدید قلت ہے بارشیں بھی کم ہوتی ہیں اور زمزم کے سوا کوئی چشمہ نہیں۔ آگے ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میری نسل کو کعبۃ اللہ سے قریب رہتے ہوئے نماز کا پابند بنا۔ (اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی) اور اے اللہ! لوگوں کے دل ان کی طرف کھینچ دے تاکہ وہ تیرے گھر کی زیارت اور طواف کے لیے یہاں آتے رہیں اور میری ذریت کو یہاں پھلوں کا رزق عطا فرما۔ آپ نے روٹی کی بجائے پھل مانگے کیونکہ روٹی تو سبھی کھاتے ہیں جبکہ پھلوں کا ملنا خوشحال زندگی کی علامت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ ساری دنیا سے لوگوں کے دل کعبۃ اللہ کی طرف کھنچتے ہیں اور وہاں کی رونق ہزاروں لاکھوں سے بڑھ کر اب ملینز (Millions) میں چلی گئی ہے اور ساری دنیا کے پھل وہاں دستیاب ہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ط وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي

اے ہمارے رب! تو جانتا ہے ہم جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ

زمین میں نہ آسمان میں، اللہ کے لئے حمد ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ

(جیسے بیٹے) دیئے بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔[34] اے میرے رب مجھے پابند نماز رکھ

الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ق رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ

اور کچھ میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔[35] اے ہمارے رب میری اور میرے والدین

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

اور سب مومنین کی بخشش فرما جس دن حساب قائم ہو [36]

ع ۶ ۱۸

[34] یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اپنی عمر کے آخری حصہ میں بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ولادتِ اسماعیل علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ برس تھی اور ولادتِ اسحاق علیہ السلام کے وقت ایک سو بارہ برس تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعائیں عمر کے اس آخری حصہ میں کیں، بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ اپنے بچے اور بیوی کو اس جگہ چھوڑ کر آؤ جہاں آج کعبۃ اللہ آباد ہے تو یہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا امتحان تھا، کیا کوئی دوسرا انسان ایسا کرسکتا ہے کہ اپنے معصوم شیرخوار بچے کو اور اپنی ناتواں بیوی کو ایسی جگہ چھوڑے جہاں کوئی آب ودانہ اور کوئی انسان نہ ہو؟ ہاں اللہ کا خلیل ایسا کرسکتا ہے، جس کو اس کے رب نے بڑے بڑے امتحانات میں سے گزارا اور اس نے ہر امتحان کو سوفی صد پورا کر دکھایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور بچے کو وادی بے آب وگیاہ میں چھوڑنا

یہاں وہ طویل واقعہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی حضرت بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر فلسطین سے یہاں آئے جہاں آج کعبۃ اللہ موجود ہے اور انہیں چھوڑ کر واپس فلسطین چلے گئے۔ جب حضرت ہاجرہ کے پاس موجود پانی ختم ہوگیا تو پانی کی تلاش میں صفا ومروہ کے درمیان انہوں نے سات چکر لگائے، تو

اللہ تعالیٰ نے صفا ومروہ کے درمیان دوڑنے کو حج وعمرہ میں شامل کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا جس نے زمین پہ اپنا پر مارا تو زمزم کا چشمہ جاری ہوگیا۔ پھر قبیلہ بنی جرہم یہاں آ کر آباد ہوا، پھر جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو اسی قبیلہ کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے۔ اس دوران حضرت ہاجرہ فوت ہوگئی تھیں۔ تب ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے مل کر کعبۃ اللہ تعمیر کیا اور تعمیر کے بعد یہ دعائیں کیں جو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ پورا واقعہ بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۳۳۶۴ میں مذکور ہے۔

اس واقعہ کا یہ حصہ بہت ایمان افروز ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی ھاجرہ کو یہاں لا کر چھوڑا جہاں آج کعبہ ہے تو اس وقت یہاں کوئی انسان نہ تھا اور نہ یہاں کوئی پانی تھا۔ آپ نے ان دونوں کو یہاں لا کر بٹھایا اور کھجوروں کا ایک تھیلہ ساتھ رکھ دیا اور پانی کا ایک مشکیزہ دیدیا اور وہیں سے واپس چل پڑے۔ حضرت اسماعیل کی والدہ (سیدہ ھاجرہ) آپ کے پیچھے گئیں اور کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں جہاں کوئی انسان نہیں نہ کوئی اور چیز ہے؟ یہ انہوں نے چند بار کہا، مگر ابراہیم علیہ السلام واپس مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے، تو انہوں نے کہا: آللهُ أمركَ بهذا؟، کیا آپ کو اللہ نے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نعم، ہاں اللہ نے حکم فرمایا ہے۔ سیدہ ھاجرہ نے کہا: اذن لا يُضيّعُنا، تب اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا، تو وہ واپس آ گئیں۔ ابراہیم علیہ السلام چل دیے، جب وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں ان کو بیوی بچہ نظر نہیں آ رہے تھے تو انہوں نے دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر کہا: رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ الخ، یعنی "اے اللہ! میں اپنی اولاد کو ایسی وادی میں چھوڑ رہا ہوں جہاں زراعت کا کوئی سبب نہیں ہے (کوئی آب ودانہ نہیں ہے) میں انہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس چھوڑ رہا ہوں۔ تاکہ میری اولاد نماز قائم کرے، تو اے اللہ! تو لوگوں کے دلوں کو یوں بنا دے کہ ان کی طرف کھنچیں اور انہیں پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ شکر کریں۔"

حضرت ہاجرہ اپنے بچے کو دودھ پلانے لگیں اور وہ پانی پیتی رہیں، جب پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں اور پیاس سے ماں بیٹا دونوں بے حال ہو گئے تو ماں سے بچے کی بیقراری دیکھی نہ گئی، وہ قریبی ٹیلے صفا پہ چڑھیں۔ مگر وہاں انہیں وادی میں کوئی انسان نظر نہ آیا، تو وہ نیچے وادی میں اتر آئیں اور دامن اٹھا کر تیزی سے دوڑیں پھر وہ مروہ پہ چڑھیں، وہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ یوں انہوں نے سات بار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فذلك سعيُ الناس بينهما، یعنی اسی سبب سے لوگ یہاں صفا ومروہ کے مابین سعی کرتے ہیں۔ جب وہ (آخری بار) مروہ پہ چڑھیں تو انہوں نے آواز سنی۔ انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز آئی، وہ کہنے لگیں اے آواز دینے والے! میں تیری آواز سن رہی ہوں اگر تم کوئی مدد کر سکتے ہو تو کرو، تو انہوں نے اس جگہ فرشتہ دیکھا جہاں زمزم ہے۔ فرشتے نے اپنی ایڑی یا پر سے زمین کو کریدا تو پانی نکل آیا۔ فرشتے نے کہا: اب تم نہ گھبراؤ، اس جگہ یہ بچہ اور اسکا باپ دونوں اللہ کا گھر تعمیر

کریں گے اور بیت اللہ کی جگہ اس وقت زمین کا ایک ابھرا ہوا حصہ تھا۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۳۳۶۴)

اس واقعہ سے ایک تو ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی نظر آتی ہے کہ انہوں نے حکم ربی پہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس جگہ لا کر چھوڑا جہاں کوئی نشان زندگی نہ تھا۔ آپ نے یہ سبق دیدیا کہ اللہ کا جو حکم ہو بندے کو اس پہ عمل کرنا چاہیے خواہ وہ بظاہر کس قدر مشکل ہو، دوسرا یہاں سے سیدہ ھاجرہ رضی اللہ عنہا کا بے مثال جذبۂ اطاعت وفرمانبرداری معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی ایسی اطاعت کی کہ دنیا بھر کی عورتوں کو مثال دکھادی اور بتادیا کہ بیوی کو اس طرح اپنے شوہر کی اطاعت کرنی چاہیے۔

[35] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پابندی نماز کی دعا کی۔ اس سے اقامتِ صلوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ ہر مومن کو اللہ سے دعاء کرنی چاہیے کہ اس کی اولاد ہمیشہ نماز کی پابند رہے، مگر افسوس آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اس بات کا کچھ فکر نہیں ہے، کیونکہ وہ خود نمازی نہیں ہیں۔

[36] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخر میں اپنی، اپنے والدین کی اور سب مومنوں کی بخشش کے لیے دعا فرمائی۔ معلوم ہوا آدمی کو پہلے اپنے لیے دعا کرنی چاہیے پھر قریبی رشتہ داروں کے لیے پھر تمام مسلمانوں کے لیے۔

نسبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی کافر ومشرک نہیں ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے ورنہ آپ ان کی بخشش کے لیے دعا نہ فرماتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آزر آپ کا والد نہ تھا چچا تھا اور جو قرآن میں لِاَبِیْهِ اٰزَرَ۔ (انعام:۷۴) کہا گیا وہاں اب بمعنی چچا ہے، کیونکہ قرآن میں ہے جب آزر کفر پر مر گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعاء بخشش چھوڑ دی۔ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ (توبہ:۱۱۴) اور یہ اس دور کی بات ہے جب ابراہیم علیہ السلام اپنے دور جوانی میں عراق میں ہوتے تھے۔ اسی دور میں آزر مر گیا، پھر آپ وہاں سے ہجرت کر کے مصر گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں اسماعیل علیہ السلام دیے اور بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت آپ کی عمر ۹۹ برس تھی پھر جب آپ کی عمر ایک سو بارہ برس ہوئی تو اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آخری عمر میں ابراہیم علیہ السلام کا رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ فرمانا صاف بتاتا ہے کہ آزر آپ کا والد نہ تھا اور روایات کے مطابق آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ یہ سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے نسب میں حضرت آدم وحوا تک کوئی شخص کافر نہیں گزرا۔ اسی لیے فرمایا گیا:

وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

اور تم اللہ کو ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر مت سمجھو۔ اللہ تو انہیں اس دن تک ڈھیل دیتا ہے جس میں آنکھیں پتھرا جائیں گی

تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ

وہ سر اٹھائے دوڑتے جائیں گے پلک تک نہ جھپکیں گے اور ان کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے [37] اے پیارے رسول!

طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ

آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت دیدے،

فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ

ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی اتباع کریں گے (انہیں کہا جائے گا) کیا تم اس سے قبل

وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

باہم قسمیں نہ اٹھاتے تھے کہ تمہیں (دنیا سے) کہیں نہیں جانا۔ [38]

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

اور تم ان لوگوں کی بستیوں میں ٹھہرے جنہوں نے خود پر ظلم کیا اور تم پر واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان سے کیا حشر کیا تھا۔

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ ؕ وَعِنْدَ اللّٰهِ

اور ہم نے تمہیں مثالیں بیان کیں [39] تو کفار نے اپنا داؤ کیا اور اللہ ہی کے ہاں ان کے

مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ

داؤ (کا توڑ) ہے اور ان کے داؤ سے تو پہاڑ بھی سرک سکتے ہیں۔ تو تم اللہ کو اپنے رسولوں سے

مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھو بے شک اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ہے۔ [40]

روزِ قیامت مجرموں کا کیا حال ہوگا، اس کا بیان

[37] جو لوگ اسلام دشمنی اور خلقِ خدا کی ایذاء میں سب حدیں توڑتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے

قرآن سننے والے انسان! تجھے یہ گمان نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ ان کے جرائم سے بے خبر ہے اللہ انہیں پکڑے گا اور سخت پکڑے گا۔روز قیامت جہنم کا منظر دیکھ کر خوف و دہشت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی وہ پلک جھپکنا بھول جائیں گے۔خوف سے ان کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔

[38] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روز قیامت ظلم کرنے والے کہیں گے (اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان:۱۳) اے اللہ! ہمیں کچھ مہلت دیدے کہ ہم واپس دنیا میں جائیں ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے یعنی ان پر ایمان لائیں گے اور ان کا ہر حکم مانیں گے۔ان کے جواب میں کہا جائے گا کیا تم ہی وہ لوگ نہیں ہو جو دنیا میں باہم قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ عیش کر و تم کو اس دنیا سے زوال نہیں یعنی یہ جہان چھوڑ کر تم نے کسی نئے جہان میں نہیں جانا۔جیسے قرآن میں ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ "وہ اللہ کی مضبوط قسمیں اٹھاتے ہیں کہ جو شخص مر جائے اللہ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا" (نحل:۳۸) یعنی اب بتاؤ کہاں گئیں وہ تمہاری قسمیں اب قیامت تمہارے سامنے ہے لہٰذا اپنی قسموں کا مزا چکھو۔مطلب یہ کہ اب تمہیں واپس دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔

اہلِ تشیع کی خانہ ساز امامت منصوصہ کا رد

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سے صرف رسولانِ گرامی ہی وہ مقدس ہستیاں ہیں کہ جنکا منکر کافر ہے۔اسی لیے کفار جہنم میں پہنچ کر یہی کہیں گے کہ یا اللہ! اگر تو ہمیں ایک مہلت اور دیدے تو ہم تیرے رسولوں کی ضرور پیروی کریں گے۔

معلوم ہوا کہ رسولانِ گرامی ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انسانوں کی راہنمائی کے لیے مقرر فرماتا ہے، مگر افسوس ہے کہ اہلِ تشیع رسولوں کے بعد بارہ اماموں کے لیے بھی یہی منصب مانتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے منصوص ہیں ان کا منکر بھی کافر ہے اور روز قیامت ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

لیکن ہم اہلِ تشیع سے پوچھتے ہیں کہ کیا سارے قرآن میں کوئی ایسی آیت بھی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ روز قیامت اماموں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا اور یہ کہ آیا اہل جہنم کہیں یہ بھی کہیں گے کہ یا اللہ! اگر تو ہمیں ایک مہلت اور دیدے تو ہم اماموں کی پیروی کریں گے؟ اگر ایسا کہیں نہیں تو پھر اہلِ تشیع قرآن پہ زیادتی کرتے ہوئے خدا کا خوف کیوں محسوس نہیں کرتے؟

[39] اللہ تعالیٰ منکرین سے یہ بھی فرمائے گا کہ تم ان لوگوں کی جگہوں میں رہے جو تم سے پہلے کفر و شرک اور اسلام دشمنی کر کے اپنے اوپر ظلم ڈھاتے تھے اور تم نے دیکھ لیا کہ تم سے پہلے ظالموں سے ہم نے کیا حشر کیا پھر بھی تم نے عبرت نہ پکڑی اور انہی کے راستہ پر چلتے رہے اور ہم نے تمہیں مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ دیکھو تم سے قبل فلاں فلاں قوم پر کیا عذابات آئے۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی کہ خطہ عرب میں عاد و ثمود جیسی منکر قوموں کے تباہ شدہ کھنڈرات موجود تھے اور زمانہ نبوی میں کفار عرب اپنے تجارتی اسفار میں انہیں دیکھتے تھے اللہ نے انہیں ان اقوام کی اسلام دشمنی کی داستانیں سنائیں اور ان کے انجامِ بد سے آگاہ کیا مگر کفار عرب نے عبرت نہ پکڑی۔اور دور حاضر کی اسلام دشمن قوتوں کو بھی معلوم ہے کہ تاریخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی

دشمن قوموں کا کیا حشر ہوا مگر وہ اس سے عبرت لینے کو تیار نہیں ہیں، تو روز حشر وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گی۔

[40] یعنی دشمنانِ اسلام نے ایسے خوفناک عقائد اپنائے جن کی دہشت سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں۔ اس دہشت سے کہ وہ خدائے رحمان کے لیے اولاد مانتے ہیں۔“ (مریم: ۹۰، ۹۱) یعنی یہ اللہ کا حلم ہے کہ وہ کفار کے اسلام دشمن نظریات اور جرائم کے باوجود انہیں تباہ نہیں کرتا۔

آگے فرمایا گیا: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ط الخ یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے وعدہ فرمایا کہ ان کا دین غالب آئے گا اور ان کے دشمن ہلاک ہوں گے تو اللہ اپنا وعدہ پورا فرمانے والا ہے۔ وہ دشمنانِ دین سے انتقام لیتا ہے۔ چنانچہ کفار مکہ کو یوم بدر میں اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا پھر چند ہی برسوں میں اسلام کا جھنڈا عہدِ نبوی ہی میں پورے جزیرۃ العرب پر لہرا اٹھا پھر عہد خلافتِ راشدہ میں دنیا کا بڑا رقبہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا اس کے بعد جب بھی اسلام کے خلاف کوئی طاغوتی قوت اٹھی اللہ تعالیٰ نے اسے جلد یا بدیر پکڑ لیا۔ اس لیے ملتِ اسلامیہ کو کسمپرسی کے موجودہ دور سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ اپنے رسولوں سے کیا ہوا یہ وعدہ پورا فرمانے والا ہے۔ وہ فرماتا ہے: لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾ ”ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ قوت والا غالب ہے۔“ (مجادلہ، ۲۱)

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

وہ دن یاد کرو جب زمین اور آسمان کو بدل کر نئی صورت دیدی جائے گی اور کفار اللہ واحد وقہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔ [41]

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ

اور تم اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے دیکھو گے۔ ان کے لباس تارکول کے ہونگے،

قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

ان کے چہروں پہ آگ لپٹی ہو گی تاکہ اللہ ہر جان کو اس کے عمل کی جزا دے بے شک

كَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ

اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ [42] یہ تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے، تاکہ انہیں اس کے ذریعے ڈرایا جائے

وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع

اور وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔ [43]

ع ۷ / ۱۱ / ۱۹

[41] اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کی ہولناکی سے مجرموں کو ڈرا رہا ہے۔ مجرموں میں اسلام دشمن اور انسان دشمن سبھی لوگ

داخل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا روز قیامت زمین وآسمان کوئی شکل میں بدل دیا جائے گا جیسے اللہ فرماتا ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم مانے گا اور زمین پھیلا دی جائے گی اور وہ اپنے رب کا حکم مانے گی۔'' (انشقاق: ۱۔۵) اور سب لوگ اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔

[42] جہنم میں مجرموں کا لباس تارکول کا ہوگا۔تارکول گندھک سے بنایا جانے والا سخت گرم اور بدبودار مائع ہے۔ آج کل اس سے سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔اسے آگ لپک کر لیتی ہے اور جہنمیوں کو یہ لباس اس لیے پہنایا جائے گا تاکہ ان کی طرف آگ تیزی سے لپکے۔یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر جان کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔یعنی موت قریب ہے اور مرتے ہی مجرموں کا حساب شروع ہو جاتا ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رونے پیٹنے والی عورت اگر مرنے سے قبل توبہ نہ کرے تو روز قیامت وہ (جہنم میں) یوں کھڑی ہوگی کہ اس پر تارکول کا لباس ہوگا اور ہلاکت کی اوڑھنی۔'' (مسلم کتاب الجنائز، حدیث ۲۹، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۴۳) اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرمائے۔

[43] یعنی قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہدایت ہے تاکہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے ڈریں۔اس کی وحدانیت پر ایمان لائیں اور اہلِ عقل وبصیرت نصیحت پکڑیں۔معلوم ہوا صاحب قرآن رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تمام نسل انسانی کے لیے تاقیامت رسول ہیں۔اسی لیے آپ کے بعد کسی نبی ورسول کی ضرورت نہیں۔

الحمدللہ آج ۲۴ شعبان 1428ھ مطابق 8 ستمبر 2007ء بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل سورہ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ علی حبیبہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

سورۃ الحجر

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی ٦١ ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے پندرہویں سورت، یہ مکی سورت ہے۔اسے سورہ حجر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حجر قوم صالح علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔اس سورت میں اس بستی کی تباہی کا ذکر ہے۔چنانچہ فرمایا گیا: وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ؀ ''بلاشبہ بستی حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' (حجر:٨٠) یہ بستی کہاں تھی اس کی تفصیل اسی آیت کے تحت آرہی ہے، چونکہ یہ بیان اسی صورت میں ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔سورہ حجر میں چھ رکوعات، ننانویں آیات۔ چھ سو چون کلمات اور دو ہزار سات سو ساٹھ حروف ہیں۔

مضامین

سورہ حجر کے پہلے رکوع میں کفار کو عذابِ جہنم سے ڈرایا گیا ہے اور قرآن کی حقانیت و محفوظیت بتانے کے بعد اس کے مقابلہ میں کفار کی ہٹ دھرمی واضح کی گئی ہے۔دوسرے رکوع میں آسمانی بروج کی تخلیق، حفاظتِ سماوات اور تسخیرِ ہوا جیسی قدرت ہائے خداوندی بتائی گئی ہیں۔تیسرے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، فرشتوں کو سجودِ آدم کا حکم، ابلیس کا انکار اور اس کا جنت سے نکالا جانا بیان کیا گیا۔پھر چوتھے پانچویں اور چھٹے رکوعات میں بالترتیب ابراہیم، لوط اور صالح علیہم السلام کا ذکر مبارک اور ان انبیاء کی تبلیغی مساعی بیان کی گئی ہیں۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ ابراہیم ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت الی الحق پہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ جب ان کے منکرین نے ضد کا راستہ اپنایا تو وہ دارین کی سزا کے مستحق ہوئے، جیسا کہ اس کا دوسرا اور تیسرا رکوع اسی مضمون پہ مشتمل ہے اور سورہ حجر میں بھی ابراہیم علیہ السلام لوط علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کا ذکرِ خیر اسی انداز میں کیا گیا ہے۔سورہ ابراہیم میں صرف ابراہیم علیہ السلام کا تفصیلی ذکر ہے اور سورہ حجر میں ذکر انبیاء کا آغاز جناب ابراہیم علیہ السلام کے ذکرِ خیر سے کیا گیا ہے۔پھر سورہ ابراہیم میں آسمانی و زمینی قدرتیں مذکور ہوئیں اور یہی مضمون سورہ حجر میں بھی ہے جیسا کہ اس کا دوسرا رکوع بتا رہا ہے۔گویا دونوں سورتیں کافی یکسانیت رکھتی ہیں۔

بہرحال سورتوں کی ترتیب میں ربطِ مضامین کا لحاظ ہے، جس میں سے کچھ ہمیں معلوم ہے اور کچھ ہم سے مخفی ہے اور ہر کسی کو اس میں سے بقدر نصیب معلوم ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۹۹ ۱۵ سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۴ رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف، لام، راء، یہ کتاب الٰہی یعنی روشن قرآن کی آیات ہیں۔[1]

کفار کی نارِ جہنم سے ترہیب اور عظمتِ قرآن کا بیان

[1] یہاں الکتاب وقرآن مبین میں عطف تفسیر ہے یعنی الکتاب سے قرآن مبین ہی مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ یہ سورۂ حجر کتابِ الٰہی جو روشن قرآن ہے، کی آیات ہیں۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا

بہت دفعہ کفر والے تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔[2] انہیں چھوڑو کھائیں (پئیں) اور موج اڑائیں۔ اور امید دنیا

وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا

انہیں غافل رکھے تو عنقریب وہ جان لیں گے۔[3] اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لئے ایک

كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

مقرر تحریر تھی۔ کوئی (منکر) قوم اپنی مہلت سے آگے نہیں جا سکتی نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔[4]

[2] طبرانی نے اوسط میں سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جب تک اللہ چاہے گا عذاب پائیں گے۔ اہل شرک انہیں عار دلاتے ہوئے کہیں گے: ہم نہیں سمجھتے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کچھ نفع دیا ہے (کیونکہ تم بھی ہم کافروں کے ساتھ جہنم میں ہو)۔ تب اللہ تعالیٰ کسی موحد (توحید پر ایمان رکھنے والے مومن) کو جہنم میں نہیں رہنے دے گا (اور انہیں شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دے گا۔ جیسا کہ دیگر احادیثِ صحیحہ کثیرہ میں مذکور ہے) اس

وقت کفار بار بار تمنا کریں گے اے کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝۲'' (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۹۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) معلوم ہوا ایمان اللہ کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ کہ کوئی مومن ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ رہے گا ہمیشہ کے لیے وہاں صرف کفار ہی رہیں گے۔

[3] نبی اکرم ﷺ کفار کی سرکشی سے کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا۔ آپ انہیں کھانے پینے اور موج اڑانے دیں اور دنیا کی امیدیں انہیں غافل رکھیں، عنقریب یہ اپنا انجام جان لیں گے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنے علمِ ازلی سے جانتا تھا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں جیسے ابوجہل، ابولہب، عتبہ، عتیبہ، شیبہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اور واقعتاً یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ جہنم رسید ہو گئے۔

دنیا میں لمبی امیدیں اور خواہشات رکھنے کی مذمت

وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ میں یہ درسِ عبرت ہے کہ لمبی خواہشات میں ڈوب کر آخرت سے غافل ہو جانا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرتا ہے اور اپنے آپ کو یہاں ایک مسافر سمجھتا ہے اور اس کا دل اپنے حقیقی گھر جنت میں اٹکا ہوتا ہے، وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اس کی آخرت خراب ہو۔ اس بارہ میں چند احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''کن فی الدنیا کأنك غریب او عابرُ سبیلٍ۔ تم دنیا میں ایسے رہو جیسے غریب الوطن ہو یا مسافر ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جب تم شام کرو تو صبح کی امید نہ رکھو اور جب صبح کرو تو شام کی امید نہ رکھو۔''

(بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۱۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یکبُر ابن آدم ویکبر معه اثنان حب المال وطول العمر۔ ابن آدم بڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں بھی بڑی ہو جاتی ہیں، مال کی محبت اور لمبی زندگی کی محبت۔'' (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۲۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لو کان لابن آدم وادیا من مال لابتغیٰ ثالثا، اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کا طلب گار رہتا ہے۔ ولا یملأ بطن آدم الا التراب، اور ابن آدم کے بطن کو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔'' (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۳۶) یعنی انسان مال اندوزی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے موت آ جاتی ہے۔ وہ ایک مکان یا دوکان بنا لے تو دوسرے کے پیچھے پڑ جاتا ہے، پھر تیسرے کے پیچھے اور یونہی بھاگتے بھاگتے اسے موت آ جاتی ہے۔

اسی چیز کو قرآنِ مجید نے یوں بیان کیا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۝۲ تمہیں (اسبابِ دنیا میں)

ایک دوسرے سے بڑھنے کی دوڑ نے غافل کر دیا حتی کہ تم نے قبریں دیکھ لیں (قبروں میں جا پڑے) (تکاثر،۱)

دنیا کی بے مائیگی اور فکر آخرت پہ مشتمل مفسر کی لکھی ہوئی ایک نظم

نہ ہو غافل اجل تیری اے انساں آنے والی ہے
شب تارلحد بھی جلد تم پر چھانے والی ہے

تیرا یہ جسم جس کی تو حفاظت خوب کرتا ہے
تنِ نازک کو تیرے جلد مٹی کھانے والی ہے

یہ کاریں کوٹھیاں تیری یہ مال ودولتِ دنیا
نہ کوئی چیز تیرے ساتھ بھائی جانے والی ہے

نہ تیری قبر میں جائے کوئی بیٹا نہ ماں تیری
اکیلا تو ہی جائے گا فقط اللہ والی ہے

تجھے وحشت ہے تنگی سے تجھے دہشت اندھیرے سے
تو سن لے قبر تنگی اور اندھیرا لانے والی ہے

خدا کو یاد کر لے باز آجا سب گناہوں سے
تیری نیکی ہی تیری قبر کو چمکانے والی ہے

یہ غیبت جھوٹ دھوکہ اور لوگوں کی دل آزاری
یہی غفلت تیری تجھ کو وہاں تڑپانے والی ہے

تو کر لے سچی توبہ گڑ گڑا کر رب کو راضی کر
وہ بخشنہار ہے دربار اس کا بہت عالی ہے

اے طیبؔ ہوش کر غافل نہ بن، کر یاد مرنے کو
میری یہ نظم تجھ کو بس یہی سمجھانے والی ہے

[4] یعنی گزشتہ قوموں سے جو قوم بھی اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے ہلاک کی گئی، اللہ نے اس کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر تحریر لوحِ محفوظ پر ثبت کر رکھی تھی کہ وہ قوم فلاں موقع پر تباہ کی جائے گی۔ اور جب کسی قوم کی تباہی کا وقت آ جائے تو وہ لوگ ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ کہ اگر کفار عرب اسلام دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو ان کی تباہی کا بھی وقت مقرر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدر میں پکڑ لیا اور کوئی اسلام دشمن قوت اللہ کی پکڑ سے بچی نہیں، موجودہ دین دشمن مغربی استعمار کا یوم حساب بھی قریب ہے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا

انہوں نے کہا اے وہ شخص! جس پر ذکر اتارا گیا تم بلاشبہ مجنون ہو۔[5] تم ہمارے پاس

بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ

فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر تم سچوں میں سے ہو۔ ہم فرشتوں کو برحق ہی اتارتے ہیں

وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝

اور تب منکروں کو مہلت نہیں دی جاتی۔

[5] کفار حضور ﷺ کو ذہنی تکلیف دینے کیلئے کہتے تھے۔ اے وہ شخص! جو سمجھتا ہے کہ اس پر ذکر اتارا جاتا ہے تم

مجنون ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے کفار کی اس ایذاء پر صبر فرمایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنے رب کی نعمت کے صدقے مجنون نہیں ہیں۔ یعنی چونکہ آپ نبی ہیں لہٰذا آپ مجنون کیسے ہو سکتے ہیں (القلم:۲) نبی تو وہ ہوتا ہے جس پہ اللہ علم وحکمت کے خزانے کھول دیتا ہے اور وہ امت کو تاریکی جہالت سے نکال کر علم کا نور عطا فرماتا ہے۔ اور اسی طرح ہر نبی کو کفار نے مجنون کہہ کر اسے ایذاء دی، جیسے قرآنِ مجید میں ہے: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ۝ ''اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر یا مجنون ہے۔'' (ذاریات، ۵۲)

معلوم ہوا کسی نبی کو جنون نہیں ہو سکتا۔ البتہ جھوٹے مدعیانِ نبوت اکثر مجنون ہی ہوتے ہیں اور جنون ہی میں دعویٰ نبوت کرتے ہیں، جیسا کہ مرزا قادیانی نے خود اعتراف کیا کہ اسے مراق ہے۔ (ریویو قادیان صفحہ ۱۱ بابت اگست ۱۹۴۶ء) اور مراق جنون ہی کی ایک کیفیت ہے۔ پیچھے اعراف آیت ۶۷ میں ہم اس کی تفصیل لکھ آئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوتِ حق کے جواب میں ایذا رسانی برداشت کرنا سنتِ مصطفیٰ ﷺ بلکہ سنت جملہ انبیاء ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور یقیناً ہم ہی بلاشبہ اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ [6]

[6] کفار نے کہا تھا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ذکر یعنی قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن کو رہتی دنیا تک کیلئے رہنما بنا کر اتارا ہے۔ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں اتاری جائے گی۔ لہٰذا اس کا تا قیامت محفوظ رہنا ضروری ہے اور اس کی حفاظت کی یہ ذمہ داری ہم اٹھا رہے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم اسے کسی مجنون پر اتاریں؟

یاد رہے کہ پہلی کتابوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر نہ لی تھی، بلکہ جن لوگوں کے لیے کتابیں اتاری گئیں انہی کے علماء ومشائخ کے ذمہ ان کی حفاظت بھی رکھی گئی۔ چنانچہ فرمایا گیا:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ''ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت نور ہے، اس کے مطابق اللہ کے حضور سر جھکانے والے انبیاء یہود کے لیے فیصلے کرتے تھے اور اسی کے مطابق ان کے مشائخ اور علماء فیصلے کرتے تھے، کیونکہ ان کے ذمہ کتاب اللہ کی حفاظت رکھی گئی۔'' (مائدہ، ۴۴)

گویا تورات کی حفاظت یہود کے مشائخ وعلماء کے ذمہ لگائی گئی، تو انہوں نے کتاب اللہ کی حفاظت کی بجائے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کو اپنے ذمۂ کرم پر لیا۔ اگر قرآن کی حفاظت بھی لوگوں کے سپرد کی جاتی

تو شائد اس کا حال بھی پہلی کتابوں جیسا ہو جاتا، مگر چونکہ قرآن آخری کتاب اللہ ہے، جس نے تا قیامت جاری رہنا ہے تو اس کی حفاظت مخلوق پہ نہ چھوڑی گئی، بلکہ خالقِ کائنات نے اپنے ذمہ لے لی۔

حفاظتِ قرآن کے چار اسباب

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی حفاظت کے چار اسباب مہیا فرمائے ہیں جن کے ذریعے قرآن کو ہر طرح کے تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ کر دیا گیا۔ جبکہ پہلی آسمانی کتابوں میں انسانوں نے بہت زیادہ تغیر کر دیا تھا۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے کام اسباب سے وابستہ کر دیئے ہیں۔ اللہ ہی ہر جاندار کا خالق و رازق ہے مگر اس نے ہر جاندار کی تخلیق اور رزق کے لیے اسباب بنا دیے ہیں، یونہی اللہ تعالیٰ ہی قرآن کا محافظ ہے مگر اس نے یہ کام اسباب سے لیا اور وہ اسباب یہ ہیں۔

اول۔ (قرآن کا صرف عربی زبان میں ہونا)

قرآن کی زبان صرف ایک رکھی گئی یعنی عربی۔ اسی لیے فرمایا گیا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا ''ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر اتارا ہے۔'' (یوسف:۲) اور فرمایا گیا: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ''یہ کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، یہ عربی قرآن ہے۔'' (حم سجدہ، ۳) گویا قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے، غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہو سکتا ہے، مگر وہ قرآن نہیں ہے۔ اور یہ اس لیے کہا گیا کہ تورات و انجیل و دیگر پہلی آسمانی کتابوں کی زبان ایک نہ رکھی گئی تو لوگوں نے ان کے ترجمہ در ترجمہ کرنے میں ان کے حقیقی مفہوم کو بگاڑ کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

تورات کو عبرانی میں اتارا گیا۔ وہاں سے وہ رومن میں گئی وہاں سے انگلش میں آئی پھر انگلش سے فارسی اور اردو وغیرہ میں اتری اور ہر بار مترجمین نے اس کے مفہوم میں اپنے مفادات و احساسات کے تحت اس میں وہ تغیر کیا اور اس کا حلیہ یوں بگاڑا کہ آج اس کے ایک لفظ کے بارہ میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اسے کس مفہوم میں اتارا گیا تھا مگر قرآن عربی زبان میں اترا اور تا قیامت عربی زبان ہی میں رہے گا۔ اسی لیے چودہ صدیوں سے زیادہ وقت گزر گیا مگر قرآن کے ایک لفظ اور حرف میں تبدیلی نہیں آسکی۔

دوم۔ (حفظِ قرآن کا آسان ہونا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ''ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔'' (القمر:۲۲) چنانچہ رسول اللہ ﷺ پہ جب کوئی آیت اترتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پہ رکھ لو تو صحابہ کرام اسے فوراً اسی ترتیب کے مطابق زبانی یاد کر لیتے (ترمذی کتاب التفسیر سورہ توبہ) گویا جب قرآن مکمل ہوا تو ہزاروں کی تعداد میں اس کے حفاظ پیدا ہو چکے تھے، وجہ یہی ہے کہ قرآن کا یاد کرنا آسان ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دس دس سال کے بچے قرآن کریم کے پختہ حافظ بن جاتے ہیں۔ آج ہر سو مسلمانوں میں سے کم از کم ایک یا دو مسلمان

ضرور حافظ قرآن ہیں اور آج مسلمانوں کی تعداد دنیا میں قریباً دو ارب ہے۔ اگر ایک فی صد مسلمان بھی حافظ قرآن ہو تو اس وقت دنیا میں دو کروڑ حفاظِ قرآن موجود ہیں مگر یہ کم از کم کی بات ہے حقیقی تعداد اس سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ حفاظ کی اتنی بڑی تعداد کی موجودگی میں کوئی دشمنِ اسلام قرآن کے ایک حرف میں بھی تبدیلی کی جرات نہیں کرسکتا۔ یہ بھی معجزۂ قرآن ہے کہ سارا قرآن چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں سما جاتا ہے۔

ع ایں نہ گنجد در زمین در سما گنجد ایں در سینۂ اطفال ما

امام قرطبی نے یہاں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہارون رشید بادشاہ کے پاس ایک یہودی نوجوان آیا جو بہت خوبصورت تھا بادشاہ نے کہا اتنی پیاری صورت کے ساتھ اگر تم جہنم میں جاؤ تو یہ کس قدر افسوس ناک ہے، تم اسلام لے آؤ۔ اس نے برا منایا، مگر ایک سال بعد وہی نوجوان مسلمان ہو کر آیا تو بادشاہ حیران ہوا اس نے سبب پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میں نے تحقیق کی کون سا مذہب سچا ہے۔ میں نے یہود کی تورات میں تبدیلی کی، اسے آگے پیچھے لکھا اور اسے انکے عبادت خانہ میں برائے فروخت لے گیا۔ انہوں نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور خرید لیا پھر میں نے انجیل کے مضامین کو آگے پیچھے کیا اور اسے عیسائیوں کے عبادت خانہ میں فروخت کے لیے لے گیا انہوں نے بھی اسے چند ایک مقامات سے آگے پیچھے سے دیکھا اور خرید لیا پھر میں نے قرآن میں بھی تبدیلی کی اور اسے مسلمانوں کی مسجد میں لے گیا انہوں نے اسے دیکھا تو مجھے پکڑ لیا کہ یہ اس طرح کیوں لکھا ہوا ہے کس نے لکھا ہے؟ میں نے جان لیا کہ قرآن میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تو یہی سچا مذہب ہے، تب میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سوم۔ (کتابتِ قرآن و کردارِ خلفاء راشدین)

قرآنِ مجید کی محفوظیت میں اس بات کا بڑا دخل ہے کہ جیسے ہی کوئی آیت اترتی رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے کہ اسے لکھ لو، تو اسے لکھ لیا جاتا۔ اس طرح سارا قرآن رسول اللہ ﷺ نے اپنے سامنے لکھوایا اور جو آیت اترتی صحابہ کرام اسے فوراً حفظ کر لیتے۔ تاہم دورِ نبوی میں قرآن کریم کو ایک جگہ نہ لکھا گیا، وہ مختلف چیزوں پہ لکھا ہوا متفرق طور پر صحابہ کرام کے پاس موجود تھا۔ تب زمانہ ابوبکر صدیق میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پر ان تمام قرآنی تحریرات کو جو حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں، ایک جگہ جمع کر کے ایک تھیلے میں ڈال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ قرآن ہے۔

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں وہ تھیلا منگوایا جو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ پڑا تھا اور ان تحریرات کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کو کتابی شکل میں لکھ دیا پھر اس کی سات نقلیں تیار کیں اور انہیں اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں بھیج دیا، ایک نسخہ مکہ بھیجا، ایک کوفہ بھیجا، ایک بصرہ بھیجا ایک مصر بھیجا، ایک شام بھیجا اور ایک یمن بھیجا اور لوگوں کو حکم دیا کہ آگے ان کی نقلیں تیار کریں۔ تو لوگوں نے ان کی مزید نقلیں تیار کر لیں، ان سے مزید نقلیں بنائی گئیں اور یوں قرآن ساری دنیا میں پھیل گیا۔ پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں زبریں زیریں پیشیں شدیں

مدیں وغیرہ لگوائیں اور عجمی لوگوں کے لیے بھی قرآن کا پڑھنا آسان ہو گیا۔

الغرض حفاظت قرآن میں خلفاء راشدین کا عظیم کردار ہے اور اس بات کا بھی بڑا کردار ہے کہ سارا قرآن رسول اللہ ﷺ نے اپنے سامنے خود لکھوایا، جس کو بعد میں صحابہ نے کتابی شکل دیدی۔ جبکہ انجیل کو عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے ڈیڑھ صدی بعد لکھا گیا، جیسا کہ رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''بائبل سے قرآن تک'' میں تحقیق کی گئی ہے۔ یہی حال تورات کا ہے۔ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے کافی عرصہ بعد مرتب کی گئی، اس لیے مرتبین نے اس میں جو چاہا بدل دیا، اور آج تک بدل رہے ہیں۔

چہارم۔ (نمازِ تراویح باجماعت کا اجراء)

حفاظتِ قرآن میں نماز تراویح باجماعت کے اجراء اور اس میں پورے قرآن کریم کے زبانی پڑھے جانے کا بھی عظیم دخل ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے چند ایک بار کچھ لوگوں کے ساتھ نماز تراویح باجماعت پڑھی تھی، مگر اس پہ ہمیشگی نہ فرمائی۔ (سنن ابی داود کتاب الصلوۃ حدیث ۱۳۷۳)

چنانچہ لوگ تراویح کو الگ الگ ہی پڑھتے رہے۔ پھر دورِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا اور دورِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ابتداء میں بھی یہی طریقہ تھا، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو جمع کر کے حکم فرمایا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے تراویح پڑھو۔ (بخاری کتاب صلوۃ التراویح حدیث ۲۰۱۰)

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح میں پہلی بار سارا قرآن کریم سنایا۔ جو اس قدر مقبول ہوا کہ سارے جہان میں پھیل گیا اور آج اسی کی برکت سے اہلِ اسلام میں حفظ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔ لوگ اس لیے بھی قرآن کریم حفظ کرتے ہیں تاکہ نمازِ تراویح میں قرآن سنا سکیں اور جو سناتے ہیں ان کا قرآن کریم پختہ رہتا ہے، جو چھوڑ دیتے ہیں ان کو اکثر بھول جاتا ہے۔ چنانچہ حفاظتِ قرآن میں سلسلۂ تراویح باجماعت کا عظیم دخل ہے، جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ اہل تشیع نماز تراویح کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ بدعت سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) یہی سبب ہے کہ اہل تشیع میں کوئی حافظ نظر نہیں آتا۔ گویا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بے ادبی و گستاخی کی سزا ہے۔

نمازِ تراویح سنتِ رسول ﷺ ہے بدعتِ عمر نہیں

اہلِ تشیع نمازِ تراویح کو بدعت عمر سمجھ کر نہیں پڑھتے حالانکہ نمازِ تراویح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے تراویح باجماعت کا اہتمام فرمایا اور اس کی سنیت ثابت کی۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ نمازِ تراویح کے بارہ میں فرماتی ہیں:

''ان رسول اللہ ﷺ خرج لیلۃ فی جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلوتہ. یعنی رسول اللہ ﷺ رات کے درمیان میں ایک بار تشریف لائے آپ نے مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ بھی کچھ لوگوں

نے نماز پڑھی، صبح لوگوں نے ایک دوسرے کو بتایا۔ چنانچہ پہلے سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے، فصلی فصلوا معه، تو آپ نے نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی پڑھی۔ اگلی رات مزید بہت سے لوگ جمع ہو گئے، تو اس سے اگلی رات رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائے۔" (بخاری کتاب صلوۃ التراویح حدیث ۲۰۱۲)

سنن ابی داوٗد میں یہ حدیث اس طرح ہے:

"ان النبی ﷺ صلی فی المسجد فصلی بصلوته ناس، یعنی رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ بھی کچھ لوگوں نے نماز پڑھی۔ مزید فرمایا کہ اگلی رات زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور تیسری رات مزید لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف نہ لائے اور صبح آپ نے فرمایا: میں نے تمہارا مسجد میں جمع ہونا دیکھا ہے، مگر میں صرف اس لیے تمہارے پاس نہ آیا کہ مجھے ڈر تھا کہیں یہ نماز تم پہ فرض نہ کر دی جائے اور یہ رمضان کی بات ہے۔" (ابوداود کتاب شہر رمضان حدیث ۱۳۷۳)

اسی طرح سنن ابی داود میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہتے ہیں: قام بنا رسول الله ﷺ حتی ذهب شطر اللیل، "رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا، حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر تیسری رات آپ تشریف نہ لائے۔" (ابوداوٗد کتاب شهر رمضان حدیث ۱۳۷۵)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رات لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور قیام اللیل فرمایا، پھر تیسری رات آپ تشریف نہ لائے۔ پھر عہد صحابہ میں اسی قیام اللیل کو تراویح کا نام دیا گیا، تو یہ عملِ رسول اللہ ﷺ کا جاری کردہ ہے۔ مگر آپ نے اس پہ اس لیے مداومت نہ فرمائی کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے بعد میں مستقل اپنا لیا۔

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ۔

"تم پہ میری سنت لازم ہے اور خلفاء راشدین مہدیین کی اطاعت لازم ہے، اسے تھام لو اور اس پہ اپنے دانت دبا لو۔"
(ابوداود کتاب السنة حدیث ۴۶۰۳، ترمذی کتاب العلم باب ۱۶، ابن ماجہ مقدمہ باب ۶)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ بھی نماز تراویح باجماعت پڑھاتے تھے۔ چنانچہ شتیر بن شکل کہتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا: انه کان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث۔ یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین وتر بھی۔
(سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ کتاب الصلوۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ابوعبدالرحمان سلمی کہتے ہیں:

ان علیا رضی اللہ عنہ دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء قرآن کو بلایا، پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم فرمایا کہ

لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علی لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔ (سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶) (یہاں ضمناً معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین بیس تراویح پڑھتے تھے، آٹھ نہیں)

جب مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تراویح پڑھاتے اور پڑھواتے تھے تو پتہ نہیں اہل تشیع کو اس سے کیوں اختلاف ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری شیعہ نے ایک جھوٹی روایت میں لکھا ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کوفہ میں نماز تراویح سے منع کیا اور بدعت عمر سے روکا تو لوگوں نے واعمراہ پکارنا شروع کر دیا۔ حضرت علی نے مصلحتِ وقت کے تحت نماز تراویح کو اسی طرح بحال کر دیا۔ (مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۵۴ در ذکر فدک مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

اس سے قبل ملا شوستری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر کے حسنِ سیرت پہ لوگ ہر طرف یوں گرویدہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی ان کی جاری کردہ کسی بات کو اور ان کے کسی فیصلہ کو بدل نہ سکے، نہ ہی باغِ فدک کو واپس لے سکے، وغیرہ۔ یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اہل تشیع اپنے غلط عقائد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ تقیہ کا الزام رکھ کر درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ سیدھی طرح مان کیوں نہیں لیتے کہ حضرت علی شیر خدا تقیہ نہیں کر سکتے، بلکہ خود ان کے اپنے عقائد غلط ہیں۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ سے معلوم ہوا اہلِ تشیع کا یہ کہنا کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے قرآن میں سے فضلیت و امامتِ اہلِ بیتِ رسول والی آیات نکال دیں سخت جھوٹا پراپیگنڈا ہے۔ جس کتاب کا محافظ اللہ ہے اس میں سے کون کچھ نکال سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۰ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ
بالتحقیق ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں کے اندر بھی رسول بھیجے، اور ان کے پاس جو بھی رسول آتا
اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۲ لَا
وہ اس سے مذاق ہی کرتے تھے۔اسی طرح ہم یہ ہنسی مجرموں کے دلوں میں چلا دیتے ہیں۔ وہ اس پر
یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۳ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ
ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔[7] اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول دیتے اور وہ اس میں
السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ
چڑھنے لگتے تو ضرور کہتے کہ ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا گیا ہے
قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ ع
بلکہ ہم جادوزدہ لوگ ہیں۔[8]

[7] یعنی اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پہلی قوموں میں بھی ہم نے آپ سے قبل رسول بھیجے اور ہر قوم نے اپنے رسول سے مذاق کیا اور یہ مذاق ہم اسی طرح منکرین کے دلوں میں چلا دیتے ہیں یعنی وہ اسے اچھا جاننے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ کبھی ایمان نہیں لائیں گے یہ دراصل ان کی اسلام دشمنی ورسول دشمنی کی سزا ہے۔ یہی طریقہ پہلے لوگوں میں چلتا رہا۔

[8] اگر منکرینِ قرآن کے لیے آسمان میں دروازہ کھول دیا جائے وہ آسمان میں چڑھیں اور اپنی آنکھوں کے ساتھ وہاں سے قرآن کو زمین کی طرف اترتا دیکھیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے بلکہ کہیں گے ہماری آنکھیں چندھیا گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ گویا ہدایت توفیقِ الٰہی کے ساتھ ہی آ سکتی ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ

اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے مزین کیا۔[9] اور ہم نے آسمان کو

كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸

ہر مردود شیطان سے محفوظ کیا سوا اس کے جو کچھ چوری سننا چاہے تو ایک روشن شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے۔[10]

انسان کیلئے بنائی جانے والی آسمانی وزمینی نعمتوں کا بیان

[9] اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ بروج سے ستارے مراد ہیں کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک خوبصورت و دلربا منظر پیدا کرتے ہیں اور انہیں بروج اس لیے کہا گیا کہ بروج برج کی جمع ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے۔جیسے: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (احزاب:۳۳) میں تبرج بمعنی ظاہر ہونا ہے اور چونکہ ستارے آسمان پہ ظاہر ہو کر خوبصورتی بناتے ہیں اس لیے بروج کہلائے۔دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے وہ مشہور بارہ آسمانی بروج مراد ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوز، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ دراصل ہر مہینے آسمان پر چمکنے والے ستاروں کا جھرمٹ ایک مخصوص شکل سی بناتا ہے اور دیکھنے والوں کو کبھی اسد (شیر) سا نظر آتا ہے، کبھی سنبلہ (خوشہ) کبھی میزان (ترازو) کبھی عقرب (بچھو) اور کبھی قوس (کمان) وغیرہ تو جس مہینے ستاروں کے جھرمٹ کی جو شکل نظر آئے وہی اس مہینے کا برج ہوتا ہے۔تو گویا دونوں تفسیروں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے اور خلاصہ یہی ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں۔تو ہر مہینے کا برج کیا ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

ہر مہینے کا برج کیا ہوتا ہے اس کی تفصیل

دلو ۲۰ جنوری سے ۱۸ فروری تک۔حوت ۱۹ فروری سے ۲۰ مارچ تک۔حمل ۲۱ مارچ سے ۲۰ اپریل تک۔ثور ۲۱ اپریل سے ۲۰ مئی تک، جوز ۲۱ مئی سے ۲۰ جون تک۔سرطان ۲۱ جون سے ۲۰ جولائی تک۔اسد ۲۱ جولائی سے ۲۱ اگست تک۔سنبلہ ۲۲ اگست سے ۲۲ ستمبر تک۔میزان ۲۳ ستمبر سے ۲۳ اکتوبر تک۔عقرب ۲۴ اکتوبر سے ۲۲ نومبر تک۔قوس ۲۳ نومبر سے ۲۰ دسمبر تک۔اور جدی ۲۱ دسمبر سے ۱۹ جنوری تک۔

ستاروں کا انسان کی قسمت سے کوئی تعلق نہیں ہے

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶ سے صاف معلوم ہوا کہ ان بروج کی حقیقت قرآن کے الفاظ میں صرف یہ ہے کہ انہیں آسمان میں بطورِ زینت بنایا گیا ہے تا کہ دیکھنے والوں کو آسمان میں ایک خوبصورت

منظر نظر آئے اور وہ اسے دیکھ کر اللہ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف کریں۔ لہٰذا اس سے زائد یہ سمجھنا کہ ان بروج کا انسان کی زندگی سے کوئی تعلق ہے اور جس برج میں یعنی جس برج سے تعلق رکھنے والے مہینہ میں کوئی انسان پیدا ہوا اس انسان کی زندگی میں اس برج کی کوئی تاثیر ہوتی ہے یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں۔

آج جگہ جگہ نجومی بیٹھے ہوئے ہیں جب کوئی انسان ان سے اپنی قسمت کا حال پوچھنے جاتا ہے تو وہ اس سے اس کی تاریخ پیدائش پوچھتے ہیں، پھر جس مہینے میں اس کی پیدائش ہو وہ اس مہینے کے برج کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ تمہاری قسمت یہ ہے اور اس برج والے لوگ ایسے ہوتے ہیں اور ویسے ہوتے ہیں، یہ سب فضول باتیں ہیں۔ ان پہ کسی مسلمان کو یقین نہیں رکھنا چاہیے، نہ ہی نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے اور جو شخص نجومیوں کی بات پہ قطعی یقین رکھتا ہے وہ گویا ستاروں اور بروج کو اپنی زندگی میں موثرِ حقیقی مانتا ہے اور یہ شرک ہے

چنانچہ ایک حدیثِ قدسی ہے:

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے کچھ بندے صبح ایمان کے ساتھ اٹھتے ہیں اور کچھ کفر کرتے ہوئے اٹھتے ہیں، تو جس نے یہ کہا کہ آج اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا ہے اس نے ستارے سے انکار کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ آج رات فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے اس نے مجھ سے انکار کیا اور وہ ستارے پر ایمان لایا۔

(بخاری کتاب الایمان حدیث ۸۴۶، مسلم کتاب الایمان حدیث ۷۱)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **من اتی حائضا او کاھنا فقد کفر بما جاء بہ محمد** صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی جو شخص حالتِ حیض میں عورت کے پاس جائے (اس سے مباشرت کرے) یا کسی نجومی کے پاس جائے اس نے اس دین سے انکار کر دیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے کر اللہ نے بھیجا ہے۔

(ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۱۰۲)

[10] شیاطین آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جان سکیں کہ اہل زمین کے بارہ میں کیا فیصلے کیے جا رہے ہیں۔ اگر وہ فرشتوں کی کوئی بات سن لیں تو ان پر آگ کا ایک شعلہ مارا جاتا ہے جس سے وہ شیطان جل اٹھتا ہے اور زمین والوں کو یوں نظر آتا ہے جیسے آسمان سے کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا ہو۔ اسی کو ''شہاب ثاقب'' کہا جاتا ہے۔ یعنی سوراخ کر دینے والا شعلہ۔ نزولِ قرآن سے قبل بھی یہ سلسلہ جاری تھا اور نزول کے بعد یہ سلسلہ شدید تر ہو گیا۔ چنانچہ جب جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان لائے تو انہوں نے یہ بات بتلائی اور قرآنِ مجید نے اسے یوں بیان کیا کہ جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ یعنی ''ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے سخت حفاظت اور آتشیں

شعلوں سے بھرا پایا اور اس سے قبل (نزولِ قرآن سے قبل) ہم (آسمان سے قریب) سننے کے لیے اپنی نشست گاہوں میں بیٹھتے تھے، مگر اب جو وہاں کچھ سننے کی کوشش کرے تو وہ اپنے لیے ایک شعلہ منتظر پاتا ہے۔'' (سورہ جن، ۸) شہاب ثاقب کی مزید تفصیل سورہ صافات رکوع اول اور سورہ جن کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ ڈالے اور اس میں ہر چیز مقرر اندازے سے
مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ وَاِنْ
اگائی۔ [11] اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں اسباب زندگی پیدا کیے اور وہ (جانور) پیدا کئے جنہیں تم رزق نہیں دیتے
مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱
(ہم دیتے ہیں)۔ [12] اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم اسے ایک مقرر اندازے کے سوا نہیں اتارتے۔ [13]

[11] اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا یعنی اتنی بڑی وسعت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ پھر اس پر پہاڑ کھڑے کیے تاکہ وہ جمی رہے حرکت نہ کرے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سمندروں کا مدوجزر زمین کو توڑ پھوڑ دیتا۔ یاد رہے کہ ہر قمری مہینے کے وسط اور آخر میں یہ مدوجزر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہر چیز اندازے سے پیدا فرمائی۔ مثلاً ہر پھل اور اناج کے لیے موسم مقرر کیے، کئی چیزیں گرمیوں میں پیدا ہوتی ہیں کئی سردیوں میں اور ہر چیز اسی قدر پیدا کی جاتی ہے جس قدر انسانوں کو ضرورت ہو۔ درختوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک عمر مقرر کر رکھی ہے جیسے انسان کی عمر ہے۔ اپنی عمر ختم ہونے پر درخت سوکھ کر ختم ہوجاتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ سب درخت شروع سے کھڑے چلے آتے تو آج انسان کے لیے زمین پر چلنے پھرنے کی جگہ بھی نہ رہتی۔ یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ کائنات خود نہیں چل رہی، چلانے والا چلا رہا ہے اور وہ رب العالمین ہے۔

[12] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسانو! ہم نے تمہاری زندگی کے اسباب بھی پیدا فرمائے اور ان جانوروں کی زندگی کے اسباب بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے بلکہ اللہ رزق دیتا ہے۔ اس میں یہ سبق ہے کہ جو رب جانوروں کو بھوکا نہیں مرنے دیتا وہ انسان کو کیسے بھوکا مرنے دے گا تو انسان کو اللہ کے دیئے ہوئے رزقِ حلال پر صبر کرنا چاہیے۔

[13] یعنی ہر چیز کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ اللہ رب العزت ہر چیز کے خزانوں میں سے جس قدر چاہے ایک اندازے کے ساتھ زمین پر نازل فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ تمام دھاتوں (لوہا، تانبا، سونا چاندی وغیرہ) کے خزانے اور جانوروں کی تخلیق کے اسباب بھی آسمانوں سے اترتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ''اور ہم نے لوہا اتارا۔'' (حدید:۲۵) وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ''اور اللہ نے

تمہارے لیے جانوروں کے آٹھ جوڑے اتارے۔'' (زمر،٦) یعنی ہر چیز اسی اندازے سے اتاری جاتی ہے جس قدر انسانوں کو ضرورت ہو۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ ۚ وَمَآ
اور ہم نے (بادلوں کو) اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں پھر آسمان سے پانی اتار کر تمہیں پلایا اور تم
اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ
پانی کا خزانہ نہیں رکھ سکتے۔[14] اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔اور ہم
عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
جانتے ہیں جو تم میں سے آگے بڑھنے والے ہیں اور جانتے ہیں جو پیچھے رہتے ہیں۔ اور تمہارا رب
هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾
انہیں جمع کرے گا بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔[15]

ع ۲

[14] ہوائیں بادلوں کو حکمِ الٰہی سے اٹھالاتی ہیں پھر اللہ ان سے بارش برسا کر انسانوں کو پانی مہیا فرماتا ہے، جسے وہ بڑے بڑے تالابوں اور ڈیموں میں جمع کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تم جمع نہیں کرتے ہم کرتے ہیں۔ ہمارے حکم کے بغیر تم کیا کر سکتے ہو۔ جب بارشیں نہ ہوں تو ہر منکرِ خدا بھی حسرت و یاس بھری نگاہ سے آسمان ہی کی طرف دیکھتا اور زبان حال سے اللہ سے پانی کی فریاد کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے ربِّ قدیر کو چھوڑ کر جھوٹے خداوؤں سے التجائیں کرنا سراسر حماقت ہے۔

[15] یعنی جو لوگ پہلے دنیا سے چلے گئے اور جو بعد میں آئیں گے سب کو اللہ جانتا ہے اور اللہ سب کو روز قیامت جمع کرے گا، یہ معنی بھی ہے کہ اللہ جانتا ہے کون گناہ سے بچ کر آگے گزر جاتا ہے اور کون اس میں ملوث ہونے کے لیے پیچھے رہ جاتا ہے اور اللہ سب کو جمع کرے گا۔ یہ معنی شانِ نزول سے مطابقت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک عورت جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آ کر نماز پڑھتی تھی کئی لوگ اگلی صفوں میں چلے جاتے تھے تا کہ ان کی نظر اس پر نہ پڑے اور کئی پچھلی صفوں میں رہتے تھے تا کہ اسے ایک نظر دیکھ سکیں۔ تب یہ آیتِ مبارکہ اتری: وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ حجر)

ممکن ہے وہ پیچھے رہنے والے منافقین ہوں یا بعض نئے اسلام لانے والے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں اگلی صف میں کھڑا ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ نماز میں بندے کی کثرت رغبت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو پہلی صف کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہ اس میں شمولیت کے لیے قرعہ ڈالا کریں۔'' (بخاری کتاب الاذان باب ۳۲)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ

اور ہم نے انسان کو گندھے ہوئے گارے کی کھڑکھڑاتی مٹی سے پیدا کیا اور اس سے قبل ہم نے جنات کو

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

دھواں دار آگ سے پیدا کیا۔[16]

قصہ تخلیق آدم علیہ السلام اور شیطان کا جنت سے اخراج

[16] گزشتہ رکوع میں تخلیق ارض وسماء اور تزئینِ بروج وکواکب کا بیان ہوا۔ جب آسمان وزمین بن گئے اور شمس و قمر جگمگانے لگے تو اس کے بعد انسان کو زمین پر پیدا کیا گیا۔ اللہ کے حکم سے فرشتوں نے زمین سے کچھ مٹی لی اسے پانی میں گوندھا تو وہ سیاہ گارا بن گیا۔ پھر اس گارے سے انسان کا پتلا بنایا گیا جو اندر سے خالی تھا اور اس کے سوراخوں یعنی منہ ناک اور کان وغیرہ سے ہوا اس کے اندر داخل ہوتی اور نکلتی تھی تو وہ کھڑکھڑاتا یعنی آواز دیتا تھا پھر اس میں روح ڈالی گئی۔ جبکہ انسان کی تخلیق سے قبل اللہ نے زمین پر جنات کو نارِ سموم (بے دھوں آگ) سے بنایا۔ بے دھواں آگ سخت جلانے والی خوفناک آگ ہوتی ہے، بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نارِ سموم جہنم کی آگ کا سترہواں حصہ ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خلقت الملائکۃ من نور وخلقت الجان من نار السموم وخلق الانسان الطین۔ ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے، جنات شعلہ مارنے والی آگ سے بنائے گئے اور انسان مٹی سے تخلیق کیا گیا۔''

(مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۰)

ڈارون کے نظریہ ارتقاء (Evolution) کی تردید

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے انسان کو مٹی سے بنایا گیا۔ لہٰذا نظریہ ارتقاء قرآن کے خلاف ایک ملحدانہ کافرانہ نظریہ ہے، کوئی مسلمان اس پہ ایمان نہیں رکھ سکتا۔ اس کا موجد مسٹر چارلز ڈارون ہے،

یہ برطانیہ کا ایک ماہر طبعیات (Naturalist) تھا۔اس نے ۱۸۵۰ء میں نظریہ ارتقاء پیش کیا۔اس نے کہا کہ پانی سے حشرات پیدا ہوئے، ان سے مختلف جانور بنے، انہی میں سے بندر بھی ہیں اور بندروں سے بدل کر انسان بنے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بندروں کی عادات واطوار انسانوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔

مگر یہ دلیل قطعی بے بنیاد ہے۔سائنس دانوں کے نزدیک خنزیر کی جلد، اس کے سارے جسم کی رگیں اور اسکا دل انسان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے۔اس کا گردہ، معدہ، پھیپھڑے وغیرہ بھی سب انسان کے ساتھ مشابہ ہیں، حتی کہ اس کی جلد انسان کے آپریشن میں استعمال کی جاتی ہے۔ایک برطانوی فلمی ایکٹر جان وین (John Wayne) کا سن ۱۹۷۷ء میں دل کا اپریشن ہوا، اس کے دل کی رگوں کی جگہ خنزیر کی رگیں ڈالی گئیں اور آپریشن مکمل کامیاب رہا، اس کے بعد وہ کافی عرصہ زندہ رہا۔ بندر کی صرف عادات انسان سے ملتی ہیں، جبکہ خنزیر کا تمام اندرونی و بیرونی نظام انسان سے ملتا ہے اور یہ معلومات بائیولوجی (Biology) کی کسی کتاب یا اس کے پروفیسر سے مل سکتی ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ خنزیر کو چھوڑ کر بندر کو انسان کا اصل کیوں بنایا گیا ہے؟ حقیقت میں یہ نظریہ ہی ایک جھوٹا مفروضہ ہے، جو تذلیلِ انسانیت پہ مشتمل ہے۔مگر اس کے موجدین اسے اپنی بڑی دانائی تصور کرتے ہیں۔

پھر دیکھنا چاہیے کہ ہر مخلوق ہمیشہ سے ایک ہی ماہیت و کیفیت پہ چلی آرہی ہے اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بندر آج بھی بندر ہی ہیں، وہ کیوں نہیں بدلے؟ گھوڑے، بکریاں، اونٹ، گدھے وغیرہ سب ایک ہی صورت پہ ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں، آخر ان میں تبدیلی کیوں نہیں ہوئی؟ صرف ایک ہی مخلوق میں اس قدر تبدیلی کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟ الغرض یہ نظریہ ایک حماقت وجہالت ہے۔

اس کے سوا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص سے اس کی اولاد پھیلتی ہے اور آگے ان سے کئی قبیلے جنم لے لیتے ہیں۔اس طرح اگر ہم سوچتے سوچتے پیچھے جائیں تو ماننا پڑے گا کہ بہت پیچھے جا کر سب انسان ایک ہی باپ اور ماں سے شروع ہوئے ہیں، اب وہ مرد وعورت کہاں سے آئے جن سے ساری نسلِ انسانی پھیلی تو قرآنِ مجید نے اس کا جواب یہ دیا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کی بیوی بنائی اور ان دونوں سے کثیر مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔'' (سورہ نساء، ۱)

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کے پہلو سے ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور ان دونوں سے تمام نسلِ انسانی کو پھیلایا۔اب اگر ڈارون کا نظریہ ارتقاء مانا جائے تو کہنا پڑے گا کہ ایک بندر اور بندری بگڑ کر انسان بن گئے۔تو سوال یہ ہے کہ باقی بندروں میں ایسی کوئی تبدیلی کیوں نہ ہوئی، پھر ایک بندر کی شکل کے بدلنے سے اس میں اتنا عظیم عقل و شعور کہاں آگیا؟ اس کا جواب (Evolution) کے ماننے والوں کے پاس کوئی نہیں

ہے۔مگر عقل کی بات سمجھنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔

الغرض انسان کو بندروں کی اولاد کہنا انسانیت کی تذلیل ہے۔اس نظریہ کے حاملین کو اگر بندروں کی اولاد کہا جائے تو خود ان کو بھی برداشت نہ ہوگا، پھر وہ ساری نسلِ انسانی کی تذلیل کیوں کرتے ہیں؟ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ اس پہ اللہ کا انعام ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا میں گندھے ہوئے گارے کی کھڑکھڑاتی مٹی سے انسان بنانے والا ہوں

مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

جب میں اسے برابر کر دوں اور اس میں اپنی (پیدا کردہ) روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر جانا۔[17]

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ

تو سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا سوا ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے

السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ

انکار کر دیا، اللہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا عذر ہے کہ تم سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہو؟ اس نے کہا

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

میں اس انسان کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے تو نے گندھے ہوئے گارے کی کھڑکھڑاتی مٹی سے پیدا کیا۔[18]

[17] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پہلے ہی فرما دیا کہ میں مٹی کو پانی میں گوندھ کر اس کا گارا بناؤں گا اس سے انسان کا پتلا تیار کروں گا۔ پھر اسے ہوا اور دھوپ سے خشک کروں گا تو وہ کھڑکھڑانے لگے گا۔(اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان میں عناصرِ اربعہ جمع ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ مٹی اور پانی کو باہم گوندھ کر گارے سے بنایا جائے گا پھر اسے ہوا اور دھوپ میں خشک کیا جائے گا اور دھوپ سورج سے آتی ہے جو کرۂ ناریہ ہے۔ یوں انسان میں مٹی، پانی، ہوا اور آگ چاروں عناصر جمع ہو جائیں گے)۔تو اے فرشتو! جب میں اسے بنا دوں اور اس میں اپنی پیدا کردہ روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ اللہ تعالیٰ کا یہاں مِنْ رُّوْحِىْ فرمانا روح کی عظمت بتانے کیلئے ہے کہ وہ اللہ کی عجیب و غریب مخلوق ہے جسے انسان سمجھ نہیں سکتا۔

اس جگہ مِنْ رُّوْحِىْ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کی کوئی روح ہے جس کا کچھ حصہ اللہ نے انسان میں ڈالا بلکہ یہ اسی طرح ہے

جیسے کعبہ شریف کی عظمت بتانے کیلئے اسے اللہ تعالیٰ نے بَیْتِیَ (میرا گھر) فرمایا۔ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (بقرہ:۱۲۵) اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کعبہ میں رہتا ہے جیسے ہم اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو نَاقَةُ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اونٹنی قرار دیا گیا۔(اعراف، ۷۳) یہ اضافت بھی صرف تشریفی وتکریمی ہے، ورنہ یہ معنی تو نہیں ہوسکتا کہ اللہ اونٹنی پہ سواری کرتا ہے۔

[18] جب آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح ڈالی گئی اور وہ زندہ انسان بنے اور اللہ رب العزت نے انہیں علمِ اسماء دیا جس کے سامنے فرشتے عاجز رہے تو سب فرشتے حکمِ الٰہی سے ان کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔ابلیس فرشتہ تو نہ تھا ایک جن تھا مگر کثرتِ عبادت کے سبب اس کی حالت فرشتوں جیسی تھی اور وہ انہی میں رہتا تھا تو وہ بھی حکم سجدہ میں شامل تھا۔ چنانچہ سب فرشتے آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے سجدے میں گر گئے، مگر ابلیس نے کہا مٹی کے گارے سے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ ایک جگہ قرآنِ مجید میں ہے کہ اس نے کہا: خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝ ''اے اللہ! مجھے تو نے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے۔'' (ص:۷۶) یعنی میں آدم سے بہتر ہوں۔لہٰذا میں اسے سجدہ نہیں کرسکتا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) مذمّتِ تکبر۔

کائنات میں سب سے پہلا تکبر کرنے والا شیطان ہے اور اللہ تعالیٰ متکبروں کو رسوا کر دیتا ہے۔جس کے پاس جو نعمت ہے وہ عطاءِ الٰہی سے ہے، تو بندے کو عطاءِ الٰہی کے ملنے پر عاجز وشاکر ہونا چاہیے نہ کہ فاخر ومتکبر۔

(۲) فضیلتِ عجز۔

شیطان نے آدم علیہ السلام کے مٹی سے بنائے جانے کو ان کے لیے وجہ نقص قرار دیا حالانکہ یہ ان کے لیے وجہ فضیلت ہے کیونکہ مٹی میں عجز ہے مٹی کو اوپر رکھو تو نیچے گرتی ہے اسی عجز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''سب لوگ اولادِ آدم ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔'' (سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۴۹ مطبوعہ حلب شام)

(۳) توہین انبیاء موجب لعنت ہے۔

شیطان نے آدم علیہ السلام کی توہین کرتے ہوئے خود کو ان سے بہتر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی۔معلوم ہوا کسی غیر نبی کا خود کو کسی نبی سے افضل کہنا اس کے لیے باعثِ لعنت ہے۔جیسا کہ مرزا قادیانی نے خود کو سب انبیاء سے افضل قرار دیتے ہوئے کہا: زندہ شد ہر نبی ب آمدنم۔ ہر رسولے نہاں بپیرہنم۔یعنی میرے آنے سے ہر نبی زندہ ہو گیا اور ہر رسول میرے لباس میں چھپا ہوا ہے۔(نزول المسیح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ لندن) پھر اس نے کہا: اس جگہ اکثر گزشتہ انبیاء کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیش گوئیاں موجود ہیں، بلکہ بعض گزشتہ انبیاء کے معجزات اور پیش

گوئیوں کو ان معجزات اور پیش گوئیوں سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے (نزول المسیح صفحہ ۴۶۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸) مرزا قادیانی نے یوسف علیہ السلام کے بارہ میں کہا: پس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا قادیانی) اسرائیلی یوسف (یوسف بن یعقوب علیہ السلام) سے بڑھ کر ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۶ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۱ مطبوعہ لندن)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾

اللہ نے فرمایا تم جنت سے نکل جاؤ تم مردود ہو اور تم پر روز انصاف تک لعنت ہے۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾

اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دیدے جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے اللہ نے فرمایا تجھے

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي

مقررہ وقت والے دن تک مہلت دی جاتی ہے۔ [19] اس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا تو میں انسانوں کے لئے

الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾

زمین میں (برائیاں) آراستہ کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے برگزیدہ بندوں کے،

قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

اللہ نے فرمایا اسی سیدھے راہ کی ہدایت میرے ذمے ہے بیشک میرے (خاص) بندوں پر تیرا کوئی اختیار نہیں۔ [20]

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَهَا

سوا ان کے جو چند گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے اور بلاشبہ ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے جس کے

سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

سات دروازے ہیں۔ ان میں سے ہر دروازے کیلئے ایک مقرر حصہ ہے۔ [21]

ع ۳

[19] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شیطان! جنت سے نکل جاؤ اور تم پر تا قیامت لعنت برستی رہے گی۔ چنانچہ جب بھی کوئی مومن قرآن پڑھتا ہے تو پہلے کہتا ہے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، تب شیطان نے کہا: اے اللہ! مجھے روز حشر تک زندگی دیدے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے ایک مقرر وقت تک مہلت دی جاتی ہے، یعنی اسوقت تک جب

پہلی بار صور پھونکا جائے گا۔ یاد رہے کہ پہلی بار صور کے پھونکے جانے پر ہر ذی روح پہ موت آجائے گی، پھر دوبارہ صور کے پھونکے جانے پر ہر ذی روح کو اٹھایا جائے گا اور قیامت بپا ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قیامت تک زندگی کیوں دی؟

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیطان کو اتنی لمبی مہلت نہ دیتا تا کہ وہ انسانوں کو گمراہ نہ کر سکے۔ مگر اللہ کی حکمت بالغہ کا یہی تقاضا تھا کہ شیطان کو اتنی لمبی مہلت دی جائے، تا کہ انسان کا امتحان کیا جائے۔ وہ امتحان یہ ہے کہ ایک طرف انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور انبیاء کے نائبین علماء ربانیین اور بزرگانِ دین کے ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی طرف بلاتا ہے، دوسری طرف شیطان اسے اپنے وسوسوں کے ذریعہ کفر اور برائی کی طرف بلاتا ہے۔ اب انسان کا امتحان ہے کہ وہ رحمان کی طرف آتا ہے یا شیطان کی طرف جاتا ہے۔ اگر رحمان کی طرف آئے گا تو وہ اسے جنت کا حقدار بنائے گا اور اگر شیطان کی طرف جائے گا تو شیطان اسے اپنے ساتھ جہنم میں جا گرائے گا اور اسی امتحان کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اب اگر شیطان کو اتنی لمبی مہلت ہی نہ دی جاتی تو انسان کا امتحان کیسے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فکر و شعور عطا فرمایا ہے اور اسے نیکی اور بدی دونوں کے بجالانے کا اختیار دیا ہے، ایسے میں جب شیطان اسے برائی کا وسوسہ دیتا ہے تو اسے عقل و شعور سے کام لے کر اس کے وسوسے کو دبانا اور حکم خدا اور رسول کو اپنانا چاہیے۔ یہی وہ امتحان ہے جس کے لیے انسان بنایا گیا ہے، شیطان کو اتنی لمبی زندگی دینے پہ اعتراض کا یہ معنی ہے کہ انسان کو بنایا کیوں گیا ہے۔

[20] شیطان نے کہا اے اللہ! مجھے تو نے گمراہ کیا۔ (حالانکہ وہ اپنے دلی حسد اور تکبر کی وجہ سے گمراہ ہوا تھا) اور آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکالا، تو میں اولادِ آدم کو جنت سے دور رکھنے کے لیے انہیں گمراہ کروں گا ان کے لیے برائیاں آراستہ کروں گا۔ مگر میں تیرے مخلصین (چنے ہوئے) بندوں کو گمراہ نہ کرسکوں گا۔ اس سے انبیاء مراد ہیں کیونکہ وہ براہ راست اللہ کے چنے ہوئے اور مبعوث کردہ ہیں۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا: اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴿۲۴﴾ ''وہ میرے چنے ہوئے بندوں میں سے ہیں۔'' (یوسف، ۲۴) یعنی یوسف علیہ السلام انبیاء میں سے ہونے کی وجہ سے اللہ کے چنے ہوئے بندوں سے ہیں۔

انبیاء اغوا شیطان اور گناہ سے معصوم ہیں

معلوم ہوا کہ جب انبیاء اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اور ان پہ شیطان کا کوئی اختیار ہی نہیں تو ان سے کوئی گناہ کیسے صادر ہوسکتا ہے؟ رہا قرآن کا فرمانا فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا (بقرہ:۳۶) کہ شیطان نے آدم وحوا کو جنت سے پھسلا دیا، تو یہ نسبت مجازی ہے۔ ان کو جنت سے نکالنے والا اللہ ہے البتہ شیطان اس کا سبب بنا۔ وہ اس طرح کہ شیطان نے ان سے کہا کہ اگر آپ یہ چیز کھالیں تو آپ ہمیشہ جنت میں رہنے والے بن جائیں گے، یا فرشتے ہو جائیں گے۔ تو

حضرت آدم کے دل میں اس چیز کی طرف رغبت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ آپ نے اسے اسوقت تو نہ کھایا مگر بعد میں آپ کسی وقت بھول گئے اور اسے کھالیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ”آدم (علیہ السلام) بھول گئے اور ہم نے اس کا ارادہ نہ پایا۔“ (طٰہٰ، ۱۱۵) تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان! میرے خاص بندوں یعنی انبیاء اور ان کے سچے پیروکاروں پر تیرا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ تیرا اختیار صرف ان لوگوں پہ ہوگا جو انبیاء کو چھوڑ کر تیری پیروی کریں گے۔

[21] آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان! تیری پیروی کرنے والوں کے لیے جہنم ہے جس کے سات دروازے یعنی سات طبقات ہیں، ہر طبقے کا الگ دروازہ ہے اور ہر طبقے کے لیے مجرمین کا مخصوص حصہ مقرر ہے، یعنی جہنم کے کسی طبقے میں مشرکین، کسی میں اہلِ کتاب کفار، کسی میں منافقین، کسی میں زندیقین اور کسی میں ظالمین وغیرہ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جہنم کے سات طبقات اوپر نیچے ہیں۔ آپ نے اپنے ہاتھوں کو اوپر نیچے رکھ کر بتایا (تفسیر ابن جریر طبری) اسی لیے منافقین کے بارہ میں فرمایا گیا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ یعنی ”منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔“ (نساء، ۱۴۵)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا

بے شک پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہونگے (ان سے کہا جائے گا) جنت میں سلامتی و امن کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔ [22]

مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰي سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ

ہم ان کے سینوں سے سب کینہ کھینچ لیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تخت نشین ہونگے۔ [23] نہ وہاں انہیں

فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ

کوئی بیماری آئے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ [24] آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں بہت بخشنے والا

الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔ [25]

جنتی نعمتوں اور بہاروں کا تذکرہ

[22] جنت میں سلامتی یہ ہے کہ وہاں کوئی غم، مرض، تھکاوٹ اور پریشانی نہ ہوگی اور امن یہ ہے کہ کسی جنتی کو جنت سے نکالا نہ جائے گا اور نہ ہی کسی جنتی کے دل میں دوسرے جنتی کے لیے کوئی بغض حسد یا عداوت ہوگی۔

[23] حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اہل جنت پل صراط عبور کرلیں گے تو انہیں وہاں روک لیا جائے گا اور دنیا میں ان کے مابین جو رنجشیں اور حق تلفیاں تھیں ان کی معافی تلافی کی جائے گی پھر وہ جنت میں یوں داخل ہوں گے کہ کسی کے دل میں کسی دوسرے کے لیے کوئی کھوٹ یا رنجش نہ ہوگی۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۲۶۷ حدیث ۱۲۴۰۲ مطبوعہ مکہ) یہی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنداً بھی روایت کی ہے۔ (درمنثور بروایت ابن جریر وابن ابی حاتم جلد ۵ صفحہ ۸۴)

جنگ جمل وصفین والے تمام صحابہ جنتی ہیں

ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے فرمایا مجھے امید ہے میں اور تمہارا باپ اس آیت کا مصداق ہیں۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۵۲۰ مطبوعہ مکہ، مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۳۸۵، حدیث ۳۳۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یعنی حضرت علی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین جنگ جمل میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی تلافی کرے گا اور ان کی باہمی رنجشیں ختم ہوجائیں گی اور وہ جنت میں سگے بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جنگ جمل وصفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تنازعات پر حرف گیری نہیں کرنی چاہیے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کرام کے لیے وعدۂ جنت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط ''اللہ نے سب صحابہ سے حسنیٰ (جنت) کا وعدہ فرمالیا۔'' (حدید، ۱۰) اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى لا اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ''بیشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ کا وعدہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔'' (انبیاء، ۱۰۱) تو اہلِ جنت کو برا کہنے والا خود محروم جنت ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من سب اصحابی فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين. ''جس نے میرے صحابہ کو برا کہا اس پہ اللہ کی لعنت اور سب فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔'' (طبرانی کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۱ حدیث ۱۲۷۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الله الله فی اصحابی الله الله فی اصحابی، لاتتخذوهم غرضا بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذى الله ومن آذى الله يوشك ان يأخذه. ''میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، جو ان سے محبت کرے گا اسے میری محبت ملے گی، جو ان سے بغض رکھے گا اس کو میرا غضب ملے گا، جس نے ان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی، جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی اور جو اللہ کو ایذاء دے عنقریب اسے اللہ پکڑ لے گا۔''

(ترمذی کتاب المناقب باب من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۸۶۲)

اہل جمل وصفین کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نیک خواہشات کتب شیعہ سے

اسی طرح جنگ صفین میں اپنے مخالفین کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حدود مملکت میں تمام شہروں میں شاہی فرمان بھیجا، جس کے الفاظ یہ تھے:

والظاهرُ ان ربّنا واحدٌ ونبيُنا واحدٌ ودعوتُنا في الاسلام واحدةٌ لانستزيدُهم في الايمان بالله والتصديق برسوله صلی اللہ علیہ وسلم ولايستزيدوننا. الامرُ واحدٌ الاما اختلفنا فيه من دم عثمانَ ونحنُ منه بُرآءُ۔

ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور ہماری دعوت اسلام ایک ہے، نہ ہم ان سے زیادہ ایمان کا دعوی رکھتے ہیں نہ وہ ہم سے، البتہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ہمارا اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری ہیں۔
(نہج البلاغہ خط ۵۸ صفحہ ۶۳۴ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واضح ارشاد کے باوجود جو شیعہ شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر یا منافق کہے اور ان پہ لعن طعن کرے اسے خود اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد گرامی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت امام باقر نے) فرمایا: ان عليا علیہ السلام لم يكن ينسب احدا من اهل حربه الى الشرك ولا الى النفاق لكنه كان يقول هم اخواننا بغوا علينا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں (اہل جمل وصفین) میں سے کسی کو نہ کفر کی طرف منسوب کرتے تھے نہ نفاق کی طرف، بلکہ فرماتے تھے: وہ ہمارے بھائی ہیں، بس وہ ہمارے خلاف ہو گئے۔ (قرب الاسناد صفحہ ۹۴ مطبوعہ موسسۃ اہل البیت بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو تنازعات ہوئے وہ کسی بغض وعناد کی بنیاد پہ نہیں بلکہ غلط فہمیوں اور خطائے اجتہادی کی بنیاد پہ تھے اور روز قیامت ان سب کو باہم راضی کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔

[24] حضرت ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل جنت کو کوئی پکارنے والا پکارے گا۔ اب تم ہمیشہ صحت مند رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے ہمیشہ زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہ آئے گی۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور ہمیشہ خوش رہو گے کبھی مغموم نہ ہو گے۔'' (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۲۲)

[25] اللہ رب العزت ستار وغفار بھی ہے اور جبار وقہار بھی۔ اس سے امید مغفرت بھی رکھنی چاہیے اور خوفِ عذاب بھی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں کہ اہل ایمان کو بشارتِ رحمت سناتے ہیں اور نذیر بھی ہیں کہ عذابِ الٰہی سے ڈراتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو يعلم الكافر بكل الذى عند الله من الرحمة لم ييئس من الجنة۔ اگر کافر اللہ کی ساری رحمت سے واقف ہو جائے تو کبھی اس کی رحمت سے

مایوس نہ ہو۔ ولو یعلم المؤمن بکل الذی عند اللہ من العذاب لم یأمن من النار۔
(بخاری کتاب الرقاق باب ۱۹ حدیث ۶۴۶۹)

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ط قَالَ إِنَّا

اور آپ انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کی خبر سنائیں جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہنے لگے سلام ہو، آپ نے فرمایا ہم

مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ

تم سے خوفزدہ ہیں۔ وہ کہنے لگے آپ نہ ڈریں ، ہم آپ کو صاحب علم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔[26] آپ نے فرمایا

أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ

کیا تم مجھے اس حال پر بشارت دیتے ہو جبکہ مجھے بڑھاپے نے آ لیا تو اب کیا بشارت دیتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم آپ کو

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقٰنِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ إِلَّا

سچی بشارت دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں آپ نے فرمایا گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون

الضَّآلُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى

مایوس ہوتا ہے۔[27] (پھر) فرمایا: اے (اللہ کے) فرستادہ فرشتو تمہارا (اصل) مقصد کیا ہے؟ کہنے لگے: ہم مجرم قوم کی طرف

قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ ط إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهٗ

(عذاب دے کر) بھیجے گئے ہیں، سوا آل لوط کے ان سب کو ہم نجات دے دیں گے، سوا لوط علیہ السلام کی بیوی کے، ہم نے

قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿٦٠﴾

فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں سے ہے۔[28]

[26] یہاں سے وہ واقعہ بیان کیا جارہا ہے جب حضرت جبریل ومیکائیل علیہما السلام اجنبی مہمانوں کی صورت میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ معلوم ہوا باہم ملاقات پر سلام کہنا مومنین کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے۔ آج کئی فیشن ایبل مسلمان باہم ملاقات پر سلام کی بجائے Morning، آداب اور دیگر الفاظ کہتے ہیں یہ غیر اسلامی طریقہ ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اجنبی مہمانوں کے لیے فوراً کھانا تیار کر کے پیش کیا جب انہوں نے نہ کھایا تو آپ گھبرائے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ فرشتوں نے کہا آپ نہ گھبرائیں ہم آپ کو علمِ نبوت کے حامل بیٹے (اسحاق علیہ السلام) کی

بشارت دیتے ہیں۔

[27] آپ نے فرمایا اس بڑھاپے (ایک سو بارہ برس کی عمر) میں مجھ سے اولاد کیسے ہوسکتی ہے، فرشتوں نے کہا یہ سچی بشارت ہے۔آپ مایوس نہ ہوں آپ نے فرمایا میں مایوسی کی بات نہیں کرتا صرف تعجب کر رہا ہوں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا تو گمراہ لوگوں کا کام ہے۔معلوم ہوا اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہے اور ہر کام کا ایک وقت ہے۔

[28] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا تمہاری آمد کا اصل مقصد کیا ہے۔کیا مجھے بیٹے کی بشارت ہی دینے آئے ہو یا اصل مقصد کوئی اور ہے۔انہوں نے کہا ہم قوم لوط علیہ السلام پر عذاب لے کر آئے ہیں البتہ ہم ان کی بیوی کے سوا ان کے گھر والوں کو بچالیں گے اور انہیں عذاب سے قبل بستی سے نکال لیا جائے گا۔ان کی بیوی کے بارہ میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے وہیں قوم میں رہے گی اور مبتلائے عذاب ہوگی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ

پھر جب آل لوط (علیہ السلام) کے پاس فرستادہ فرشتے آئے تو آپ نے کہا تم انجانے لوگ ہو۔[29] وہ کہنے لگے، بلکہ ہم

جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾

آپ کے پاس وہ (عذاب) لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس سچائی لائے ہیں

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ

اور ہم بلاشبہ سچے ہیں، آپ رات کے کسی پہر اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیں اور ان کے پیچھے چلیں اور تم میں سے کوئی

اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ

پلٹ کر نہ دیکھے اور جدھر کا تمہیں حکم دیا جائے ادھر چلے جاؤ۔[30] اور ہم نے لوط کو فیصلہ دیدیا کہ صبح ہوتے ہی

هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۶﴾

ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔[31]

قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کا لرزہ خیز واقعہ

[29] پیچھے آیت ۵۸ اور ۵۹ میں بیان ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جبریل و میکائیل علیہما السلام نے حاضر ہوکر جہاں انہیں

بیٹے کی بشارت دی وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب لے کر آئے ہیں۔ چنانچہ دونوں فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر لوط علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کنعان (فلسطین) میں تھے اور لوط علیہ السلام بستی سدوم میں جو وہاں سے چند ہی میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ (آج کل بستی سدوم والی جگہ اُردن میں شامل ہے)۔ دونوں فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس خوبرو نوجوان لڑکوں کی صورت میں گئے۔ انہیں دیکھ کر لوط علیہ السلام گھبرا گئے اور کہا تم انجان لوگ ہو یعنی مجھے حیرت ہے کہ تم اس شیطان صفت بے حیا قوم میں کہاں سے آ گئے۔ یہ لوگ تو اجنبی نوخیز لڑکوں کو دیکھتے ہی بدکاری کے لیے ان پر پل پڑتے ہیں۔

[30] جبریل و میکائیل علیہما السلام نے حضرت لوط کو بتایا کہ ہم فرشتے ہیں اور اس قوم پر وہ عذاب لائے ہیں جس میں انہیں شک تھا اور وہ کہتے تھے کہ ان پر کوئی عذاب نہیں آ سکتا۔ اب وہ عذاب ہم لے آئے ہیں اور ہم یہ عذاب برحق لائے ہیں کیونکہ ہم سچے ہیں یعنی ہم کسی قوم پر ناحق عذاب نہیں اتارتے۔ تو اے لوط علیہ السلام! آپ آج رات کسی پہرا اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور آپ اپنے گھر والوں کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے اور آپ کے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ کیونکہ جب پیچھے قوم پر عذاب آئے گا تو سخت خوفناک آوازیں آئیں گی۔ ایسے میں جو پیچھے مڑ کر دیکھے گا وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور ایک روایت کے مطابق اسی نے قوم کو جا کر بتایا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر نوخیز خوبرو لڑکے آئے ہیں، تو اس نے واپس مڑ کر دیکھا اور وہ مبتلاء عذاب ہوگئی اور اسے مبتلائے عذاب ہونا ہی تھا کیونکہ وہ اسی قوم کفار میں سے تھی اور کافرہ تھی جبکہ لوط علیہ السلام باہر سے آئے تھے۔

[31] قوم لوط پر عذاب کے لیے صبح کا وقت رکھا گیا تاکہ لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں اور مومن ساتھیوں کو لے کر رات کے کسی پہر وہاں سے نکل سکیں، آپ کو بستی سے اس لیے نکالا گیا کہ کسی نبی کی موجودگی میں اس کی قوم پر عذاب نہیں اتارا جاتا کیونکہ نبی کا وجود باعثِ رحمت ہے اور رحمت کی موجودگی میں زحمت نہیں آ سکتی۔

یہاں سے عظمتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معلوم ہوئی۔ آج ساری دنیا کے کفار پہلی منکر قوموں والے عذابات سے محفوظ ہیں کیونکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ رحمت اور ردائے رسالت نے تمام عالمین کو گھیر رکھا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط ''اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کفار کو عذاب نہیں دینے والا جب کہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔'' (انفال، ۳۳)

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا
اور اہل شہر (خانۂ حضرت لوط کی طرف) باہم مبارک دیتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا: یہ (فرشتے) میرے مہمان ہیں تو مجھے
تَفۡضَحُوۡنِ۝ۙ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ۝ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ
رسوا نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور میری عزت پامال نہ کرو، کہنے لگے: کیا ہم نے تجھے تمام جہانوں کی ٹھیکیداری سے
الۡعٰلَمِيۡنَ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ۝ؕ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ
روکا نہیں؟۔[32] آپ نے فرمایا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم نے کچھ کرنا ہے۔[33] اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی زندگی کی قسم
سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ۝
وہ لوگ اپنی مدہوشی میں بھٹک رہے تھے۔[34]

[32] ادھر فرشتے حضرت لوط علیہ السلام سے یہ گفتگو کر رہے تھے۔ ادھر اہلِ سدوم کو آپ کے گھر نوخیز لڑکوں کے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ وہ لوگ تمام تر شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہوئے آپ کے گھر کی طرف لپک پڑے اور آپ سے تقاضا کرنے لگے کہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔ آپ نے انہیں نہ بتایا کہ یہ لڑکے نہیں اللہ کے فرشتے ہیں اور عذاب لے کر آئے ہیں۔ آپ نے قوم پر رحم کرتے ہوئے انہیں عذاب سے بچانے کی آخری کوشش کی اور فرمایا یہ میرے مہمان ہیں مجھے میرے مہمانوں کے بارہ میں رسوا نہ کرو اور واپس چلے جاؤ۔ غیرت سے عاری قوم کہنے لگی: اے لوط! ہم نے تجھ سے کہا نہیں کہ تمام جہانوں کی خیر خواہی کا ٹھیکہ نہ لو؟۔ دراصل بستی سدوم والے اپنی قوم کے نوخیز لڑکوں سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ (تاکہ باہمی خانہ جنگی نہ ہو) بلکہ باہر سے آنے والے مہمانوں کو بدکاری کا نشانہ بناتے تھے۔ لوط علیہ السلام انہیں اس سے روکتے تھے اور اجنبی مہمانوں کو اپنے گھر میں پناہ دیتے تھے، تاکہ وہ قوم کی بدکرداری و بدکاری سے محفوظ رہیں۔ اس لیے قوم نے کہا اے لوط! ہم نے تجھے کہہ دیا ہے کہ دوسری قوموں کے طرف دار نہ بنا کرو۔

[33] حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے بچانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے مزید فرمایا: هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ۝ؕ اس کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ یہ میری بیٹیاں ہیں، ان سے نکاح کر لو، مگر میرے مہمانوں سے تعرض نہ کرو۔ مگر یہ تفسیر بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ ان بے حیا لوگوں کو عورتوں سے دل چسپی ہی نہ تھی، تو ان سے لوط علیہ السلام کا کہنا کہ میری بیٹیوں سے شادی کر لو، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ویسے بھی ایسے بے حیا لوگوں سے اپنی بیٹیوں کا رشتہ کرنا اسے کوئی ذی ہوش انسان برداشت نہیں کر سکتا، تو ایک نبی ایسا کیوں کرے گا؟۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا یہ

تمہاری بیویاں میری بیٹیاں ہیں کیونکہ نبی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔(اس لیے فرمایا گیا: وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ ''نبی (ﷺ) کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔'' (احزاب،٦) لہٰذا تم نے جو کچھ کرنا ہے اپنی بیویوں سے کرو، یعنی بیویوں کے ہوتے ہوئے مردوں کے پیچھے کیوں پڑتے ہو، اور یہی تفسیر اس جگہ صحیح ہے۔

بیوی سے لواطت کی حلت پہ اہلِ تشیع کا غلط استدلال اور اس کا رَدْ

قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ﴿۷۱﴾ سے اہلِ تشیع استدلال کرتے ہیں کہ بیوی سے لواطت حلال ہے۔ ایک شیعہ راوی موسیٰ بن عبد الملک کہتا ہے کہ ایک شخص نے امام رضا سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی بیوی کے پچھلے راستہ کو استعمال کرسکتا ہے؟ انہوں نے کہا اس چیز کو تو قرآن نے حلال کیا ہے۔ لوط علیہ السلام نے کہا تھا هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ۔ جب کہ لوط علیہ السلام کو خبر تھی کہ وہ لوگ عورت کے اگلے حصہ کے طلب گار نہیں ہیں۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۳ کتاب النکاح مطبوعہ تہران)

یعنی بقول شیعہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ میری بیٹیوں سے شادی کرلو اور ان سے لواطت کا شوق پورا کرلو اور میرے مہمانوں کی طرف نہ دیکھو۔ مگر یہ قرآن کی انتہائی غلط تفسیر ہے اور ایک حرام فعل کو حلال قرار دینے کے لیے قرآن کے مفہوم کو بگاڑنے کی کوشش ہے اور اسے امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا بھی ان پر اتہام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ملعونٌ من اتی امرأته فی دُبرِھا۔ ''وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے۔''

(ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۵، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۴۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو روزِ قیامت نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا جو کسی عورت یا مرد کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے۔'' (ترمذی کتاب الرضاء باب ۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص عورت سے حالتِ حیض میں یا اس کے پچھلے راستہ میں جماع کرے یا کسی کاہن کے پاس جائے اس نے اس دین سے انکار کیا جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے۔'' (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۱۰۲) امام سیوطی علیہ الرحمہ نے عورت سے لواطت کی حرمت پہ سورہ بقرہ آیت ۲۲۳ کے تحت ۳۳ احادیثِ نبویہ جمع کی ہیں۔ فللہ درّہٗ۔

[34] لفظ عُمر (بمعنی زندگی) جب قسم کے لیے استعمال ہو تو عین کو مفتوح (زبر کے ساتھ) پڑھا جاتا ہے جیسے لعمری اور لَعَمْرُكَ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب ﷺ کی زندگی یعنی آپ کی جان کی قسم اٹھائی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی شانِ محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس جگہ فرماتے ہیں: ما خلق اللہ نفساً اکرم علیہ من محمد ﷺ وما سمعت اللہ اقسم بحیاۃ احدٍ غیرہ اللہ نے کوئی ایسی جان نہیں پیدا

کی جو محمد مصطفی ﷺ سے بڑھ کر اسے عزیز ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ نے آپ کے سوا کسی کی جان کی قسم اٹھائی ہو۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۵۲۷ مطبوعہ مکہ)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ ہے مرتبہ تجھ کو خدا نے دیا — نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا — تیرے شہر وکلام و بقا کی قسم

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی قسم کیوں اٹھائی گئی

یاد رہے اللہ تعالی کا رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھانا آپ کی عظیم فضیلت ہے، کسی اور نبی کی زندگی کی قسم نہ اٹھائی گئی۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

اول: آپ کی زندگی سارے عالم انسانیت میں بے مثل و بے مثال ہے۔ بعض انبیاء نے کئی صدیوں پر محیط زندگی پائی مگر ان پہ معدودے چند لوگ اسلام لائے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی اور صرف اسی (80) افراد نے اسلام قبول کیا۔ لوط علیہ السلام نے طویل عرصہ قوم میں گزارا اور صرف آپ کی دو بیٹیاں اسلام لائیں اور بعض روایات کے مطابق چند افراد مزید بھی اسلام میں آئے۔ عیسی علیہ السلام پر صرف بارہ حواری ایمان لائے، مگر رسول اللہ ﷺ کی صرف تئیس سالہ تبلیغی زندگی میں ایک لاکھ چوبیس یا پچیس ہزار افراد کے قلوب نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔ اس لیے آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی گئی۔

دوم: آپ کی زندگی تمام انسانیت کے لیے کامل نمونہ عمل ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ''تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی خوبصورت نمونہ ہے۔'' (احزاب، ۲۱) ایسی کامل واکمل زندگی ہمیں کسی نبی ورسول کے لیے بھی نظر نہیں آتی۔ بعض انبیاء کی زندگیوں میں کفار کو دعوتِ اسلام دینا شامل نہیں ہے جیسے وہ انبیاء جو نوح علیہ السلام سے پہلے تھے، کیونکہ اسوقت کفار دنیا میں تھے ہی نہیں۔ اور كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اسی دور کے متعلق ہے۔ بعض انبیاء کی زندگیوں میں کفار سے جہاد نہیں ہے جیسے نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام وغیرہ۔ اور بعض کی زندگیوں میں حکومت وفرماں روائی نہیں ہے جیسے اکثر انبیاء ہیں سوا داؤد وسلیمان ویوسف علیہم السلام کے۔ اور بعض انبیاء نے شادی نہیں کی، جیسے عیسیٰ علیہ السلام۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پہ کامل نمونہ عمل ملتا ہے، اس لیے بھی آپکی زندگی کی قسم اٹھائی گئی۔

سوم: جس طرح آپ کی زندگی محفوظ ہے کسی اور نبی کی محفوظ نہیں ہے۔ آج گزشتہ انبیاء کی زندگیوں کی تفاصیل کا کچھ پتہ نہیں، جتنا قرآن کریم نے کسی نبی کے بارہ میں بتایا ہے وہی معلوم ہے۔ جبکہ بائبل میں متعدد انبیاء کے بارہ میں جادوگری، زناکاری اور دھوکہ بازی، بلکہ کفر وشرک بھی منسوب کر دیا گیا ہے۔ گویا انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات یا تو غیر معلوم

ہیں، یا مسخ شدہ ہیں۔مگر رسول اللہ ﷺ کی ولادت، بچپن، لڑکپن، جوانی، شادی، بچے، آغازِ وحی، دعوت الی الحق، ہجرت، غزوات، فتوحات، آپ کی عادات مبارکہ، معجزات، فضائل، خصائص اور وصال سب کچھ کتب حدیث وتفسیر میں محفوظ ہے بلکہ آپ کی ازواج، خدام، عمال اور خلفاء ودیگر تمام متعلقین کے احوال بھی محفوظ ہیں، ضروری ہے کہ ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان کو اپنایا جائے۔اس لیے بھی آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی گئی۔اسکی دیگر وجوہ بھی ہیں جن کے ذکر سے بات لمبی ہو جائے گی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

تو صبح پھوٹتے ہی انہیں ایک چیخ نے آ لیا، تب ہم نے وہ بستی اوپر سے نیچے الٹ دی اور ان پر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا

نوکیلے پتھروں کی برسات کر دی۔ بے شک اس میں فراست والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور وہ بستی

لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ

عام گزرگاہ پر واقع ہے۔[35] بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے اور بلاشبہ بستی ایکہ

الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

والے (بھی) ظالم تھے تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلے راستہ پر واقع ہیں۔[36]

ع ۵ (۱۹) ۵

[35] جب لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں اور متبعین کو لے کر شہر سے نکل گئے تو قوم پر صبح ہوتے ہی تین عذابات آئے۔اول انہیں ایک چیخ نے آلیا جس سے سارا شہر لرز اٹھا۔وہ جبرائیل علیہ السلام کی چیخ تھی۔دوم: حضرت جبرائیل نے پوری بستی کو اپنے پر کے اوپر اٹھالیا اور آسمان کی طرف لے گئے وہاں سے بستی کو نیچے الٹ دیا اور یوں بستی میں کوئی ذی روح زندہ نہ بچا۔ سوم: جو لوگ اس وقت بستی سے باہر تھے وہ جہاں تھے ان میں سے ہر ایک پر ایک پتھر آ گرا اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بستی یعنی اس کی جگہ عام گزرگاہ پر واقع ہے اور مومنین اس کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔آج کل یہ جگہ سمندر کے نیچے چلی گئی ہے اسے البحر المیت (مردہ سمندر) کہا جاتا ہے۔

یہاں سے لواطت کی حرمت بلکہ خباثت ونجاست کا پتہ چلتا ہے۔آج برطانیہ سمیت یورپین ممالک نے لواطت کو جائز قرار دیا ہے اور لوطیوں کی حفاظت وحوصلہ افزائی کی جاتی ہے بخدا اگر کائنات پر رداءِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا سایہ نہ ہوتو یورپ پہ قومِ لوط جیسا عذاب آ جائے۔

[36] حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بستی ایکہ (اور بستی مدین دونوں) میں رہتی تھی وہ کفر وشرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے اللہ نے اس بستی کو بھی زلزلے سے تباہ کر دیا۔ بستی ایکہ (اسے ایلہ بھی کہتے ہیں) بحرِ احمر کی مشرقی شاخ کے آخری سرے پر لب ساحل واقع ہے یوں سدوم اور ایکہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر واقع ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ انہیں دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا
اور بلاشبہ بستی حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔[37] اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں مگر وہ ان سے
مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ
منہ پھیرتے تھے۔[38] اور وہ پہاڑوں کو کرید کر گھر بناتے تھے اور (عذاب سے) بے خوف تھے۔[39] تو انہیں
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
صبح کے وقت ایک چیخ نے آ پکڑا پھر جو (مال) وہ کماتے تھے وہ انہیں بچا نہ سکا۔[40]

بستی حجر پر آنے والے عذاب کا بیان

[37] حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا یہ لوگ بستی حجر کے باشندے تھے جو حدود شام میں آباد تھی۔ طوفانِ نوح کے بعد علاقہ عرب میں آباد ہونے والی یہ پہلی قوم تھی۔ اس لیے قرآن میں کئی جگہ قوم نوح کے بعد قوم ثمود ہی کا ذکر لایا گیا ہے جیسے سورہ اعراف رکوع ۹، سورہ ہود رکوع ۵، سورہ شعراء رکوع ۷ وغیرہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ھ میں غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے تو بستی حجر کے کھنڈرات سے گزرے۔ آپ نے اس وقت صحابہ سے فرمایا تم ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں مت جاؤ جنہوں نے خود پر ظلم کیا۔ اِلّا یہ کہ تم پر گریہ طاری ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر ڈھانپ کر وہاں سے تیزی سے گزر گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ حجر باب ۲) ایک روایت کے مطابق آپ نے اس چشمہ سے پانی بھی لیا جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیتی تھی۔ (درمنثور بروایت ابن مردویہ) سعودی عرب کے شمال میں یہ علاقہ مدائنِ صالح کے نام سے مشہور ہے اور اس چشمہ کے آثار بھی موجود ہیں۔

[38] ان لوگوں کو پہاڑ سے اونٹنی پیدا کر کے دی گئی جو ایک دن میں پوری قوم کے برابر پانی پیتی اور پوری قوم کے جانوروں کے برابر دودھ دیتی تھی۔ مگر یہ نشانیاں دیکھ کر بھی اس قوم نے دینِ حق سے منہ پھیرا۔

[39] قومِ ثمود طویل عمر والے لوگ تھے۔ ایک آدمی کئی سو برس جیتا۔ ان کے مکان طولِ زمانہ کے باعث گر جاتے

تھے اور انہیں نئے مکانات بنانا پڑتے۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑوں کو کرید کر ان میں رہنا شروع کیا۔ آج بھی مدائن صالح میں پہاڑوں میں قوم ثمود کے تراشیدہ مکانات موجود ہیں اور سعودی گورنمنٹ نے اس طرح ان کی حفاظت اور آرائش کی ہے کہ لگتا ہے قوم ثمود ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ معلوم ہوا صدیوں کی زندگی کے بعد بھی آخر ایک دن موت ہے۔

[40] قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ظلماً ذبح کر دی، غضب الٰہی کو جوش آیا۔ ایک فرشتے نے ان پر چیخ کی آواز لگائی جس کی دہشت سے سب کے کلیجے پھٹ گئے اور صبح کے وقت ساری قوم اپنے گھروں میں اوندھے منہ گری پائی گئی سب مر چکے تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے مابین جو کچھ ہے اسے بیکار نہیں پیدا کیا۔[41] اور بے شک قیامت

لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

آنے والی ہے تو آپ بھلے طریقہ پر درگزر فرمائیں، بے شک آپ کا رب ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا علم والا ہے۔[42]

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ

اور بلا شبہ ہم نے آپ کو کثرت سے دہرائی جانے والی سات (آیات) دی ہیں اور قرآن عظیم دیا ہے۔[43] آپ اس (مال دنیا) کی

عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ

طرف نگاہیں نہ اٹھائیں جو ہم نے (کفار کے) مختلف گروہوں کو دیا ہے اور ان کا غم نہ کریں، اور مومنوں کے لئے

جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اپنے بازو بچھا دیں۔[44]

[41] کائناتِ ارض و سماوی کی کوئی چیز بیکار نہیں بنائی گئی، ہر چیز کا ایک مقصد ہے حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے بھی کوئی مقصدِ تخلیق رکھتے ہیں۔

[42] قیامت آنے والی ہے۔ لہٰذا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کفار کو دعوتِ حق دیں تا کہ روز قیامت ان کے پاس عذر نہ رہے اور اگر وہ دعوتِ حق کے جواب میں مذاق و تمسخر کریں تو آپ بہتر طریقہ سے درگزر فرمائیں۔ آپ کا رب سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کون ایمان لائے گا کون نہیں۔

[43] السبع الثاني کی مختلف تفاسیر ہیں۔ بعض نے سات لمبی سورتیں مراد لی ہیں، بعض نے قراءاتِ سبعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر ان میں سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ اس سے سورہ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں، ان آیات کو مثانی کہا گیا جو مثناۃ کی جمع ہے یعنی بار بار دہرائی جانے والی بات۔ سورہ فاتحہ کی سات آیات کو سبعِ مثانی اس لیے کہا گیا کہ یہ آیات ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ هي السبع المثاني والقرآن العظيم، یعنی ''سورہ فاتحہ ہی سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ فاتحہ باب ۱) اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! سورہ فاتحہ جیسی سورت نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں، یہی سبعِ مثانی ہے۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال)

[44] اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کو قرآنِ کریم خصوصاً اس کی سورہ فاتحہ دیدی گئی تو اس دولت لازوال کے ہوتے ہوئے آپ کفار کے مختلف گروہوں کے پاس پائی جانے والی دولت دنیا کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور نہ ہی کفار کی اسلام دشمنی پر غمزدہ ہوں۔ اس کی بجائے آپ اپنی رحمت کا رخ مومنین کی طرف پھیر دیں۔ معلوم ہوا مال دنیا ایسی چیز نہیں جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جائے نہ ہی اس کے چلے جانے یا ہاتھ نہ آنے پر افسوس کرنا چاہیے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اللہ کے ہاں دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔'' (ترمذی کتاب الزھد حدیث ۲۳۲۰)

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و ترکِ دنیا کی طرف اشارہ ملتا ہے اور بلاشبہ آپ نے اپنے گھر میں دنیا کو داخل نہ ہونے دیا۔ ازواجِ مطہرات نے ایک بار زیورات کا مطالبہ کیا تو انہیں سختی سے روک دیا گیا۔ آپ کئی بار ننگی چٹائی پر سو جاتے اور جسم نازنیں پر چٹائی کے نشانات پڑ جاتے۔ آپ کے گھر میں کئی بار تین تین دن تک چولہا نہیں جلتا تھا اور آپ کا یہ فقر اختیاری تھا، اضطراری نہیں۔

اور وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر رحمت و شفقت کا پتہ چلتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ ''بلاشبہ تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول آ گیا کہ تمہارا مشقت میں پڑنا اسے گوارا نہیں، وہ تمہاری بہتری کے لیے بہت حرص رکھنے والا اور مومنوں پہ بے حد شفقت و رحمت کرنے والا ہے۔'' (توبہ: ۱۲۸) اور مومنوں کے لیے آپ کی رحمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ آج بھی آپ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کی بحکمِ الٰہی شفاعت فرماتے ہیں اور آپ ہی کے ہاتھوں روز قیامت درِ شفاعت کھولا جائے گا۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ

اور آپ فرما دیں کہ میں ہی کھلا ڈرانے والا ہوں۔[45] جیسے ہم نے (قرآن میں) تقسیم کرنے والوں پر عذاب اتارا جنہوں نے

جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا

قرآن کے کئی حصے کر دیئے۔تو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے جو وہ کرتے تھے۔[46] تو آپ کو جو

یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَیْنٰكَ

حکم دیا جاتا ہے اسے برملا کہہ دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں۔بیشک ہم ان تمسخر بازوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد کے لئے

الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا مانتے ہیں، عنقریب وہ (اپنا حشر) جان لیں گے۔[47]

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور ہم بلاشبہ جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو آپ اپنے رب کی حمد سے اس کی پاکی بولیں

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ﴿۹۹﴾

اور سجدہ ریز رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں تا آنکہ آپ کا وقت وصال آ جائے۔[48]

[45] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ تا قیامت آنے والے سب انسانوں سے فرما دیں کہ اب میں ہی کھلا ڈرانے والا ہوں۔مطلب یہ کہ اب ہدایت میرے ہی دامن سے وابستہ ہے۔

حضور ﷺ کا آخری رسول ہونا

اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ میں ضمیر مجرور متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل سے لائی گئی ہے جو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ میں ہی ڈرانے والا یعنی نبی ہوں یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا گیا: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ''میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (طٰہٰ:۱۴) اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ ''بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔'' (زمر،۵۳) اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ ''بیشک تو ہی وھاب (سب سے زیادہ عطا کرنے والا) ہے۔'' (آل عمران،۸)

تو جیسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، یونہی قرآن کے مخاطبین کے لیے حضور سید عالم ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں خواہ وہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی ظلی ہو یا بروزی، بہر حال اب کسی معنی میں کوئی نبی متصور نہیں۔ اسی لیے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا۔ (احزاب، ۴۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انه سيكون من بعدى ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبی وانا خاتم النبيين لانبی بعدی۔ ''قیامت نہیں آئے گی جب تک تیس بڑے جھوٹے لوگ ظاہر نہ ہوں، جبکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (ابوداؤد کتاب الفتن باب ۱ حدیث ۴۲۵۲)

ختمِ نبوت کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورہ احزاب ہی کے تحت آئے گا۔

قرآن اور صاحبِ قرآن رسول کے دشمنوں پہ اللہ کی پکڑ

[46] یہ آیت بعض مشرکین مکہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو قرآن کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت ناک موت سے دوچار کیا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ انہوں نے اس معنی میں قرآن کے کئی حصے کیے کہ قرآن کے مختلف نام رکھے کسی نے کہا یہ جادو منتر ہے۔ کسی نے کہا یہ کہانت ہے کسی نے اسے شاعری قرار دیا اور کسی نے اسے پہلے لوگوں کی کہانیاں کہہ کر اس کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب! ہمیں آپ کے رب کی قسم! یعنی ہمیں اپنی قسم اس لحاظ سے کہ ہم آپ کے رب ہیں، ہم قرآن کا مذاق اڑانے والوں کی عنقریب خوب خبر لیں گے۔ یعنی آپ ان کی بے ادبیوں گستاخیوں سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

حضور ﷺ کا شاہکارِ قدرت ہونا

اس جگہ فَوَرَبِّكَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنی ربوبیت کا شاہکار قرار دیا ہے۔ یوں تو اللہ ساری کائنات کا رب ہے مگر وہ اس بات کی قسم اٹھاتا ہے کہ وہ آپ کا رب ہے، قرآن میں کہیں نہیں فرمایا گیا کہ میں رب کائنات ہونے کی قسم اٹھاتا ہوں، میں ربِ ارض و سماء ہونے کی قسم اٹھاتا ہوں، وغیرہ۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے ربِ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی قسم یاد فرمائی۔ کیونکہ اس کے کارخانہ ربوبیت میں آپ سے بڑھ کر کوئی شاہکارِ ربوبیت نہیں۔ ہر شاعر اپنی سب سے بہتر شاعری کا حوالہ دیتا ہے۔ ہر مصنف اپنی سب سے بہتر تصنیف کا حوالہ دیتا ہے۔ ہر معمار اپنی سب سے بہتر تعمیر کا حوالہ دیتا ہے اور اللہ رب العزت اپنی ربوبیت بتانے کے لیے اپنے حبیب کا حوالہ دیتا ہے۔

اسی لیے بعض بزرگوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کو یوں پہچانتے ہیں کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب ہے، یعنی اللہ کی

معرفت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اپنا تعارف اپنے محبوب کریم ﷺ کے ذریعہ کرواتا ہے۔ جیسے اس نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پہ غالب کردے۔'' (سورہ فتح، ۲۸)

[47] طبرانی نے اوسط میں اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے پانچ آدمی مراد ہیں۔ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث، اسود بن المطلب، حارث بن عبطل اور عاص بن وائل۔ یہ لوگ قرآن کا مذاق اڑانے میں پیش پیش تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے ان کی زبان درازی کی شکایت کی۔ جبرائیل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی رگ اکحل کی طرف، اسود بن مطلب کی آنکھوں کی طرف، اسود بن یغوث کے سر کی طرف اور حارث بن عبطل کے پیٹ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تو چند ہی دنوں میں ولید بن مغیرہ کی رگ اکحل میں کسی کا تیر غلطی سے آلگا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ اسود بن مطلب کی آنکھوں میں کیکر کے کانٹے چبھ گئے۔ اس کی آنکھیں بہہ گئیں اور وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ حارث کو اس قدر قئے آنے لگی کہ اس کی آنتیں منہ کے راستے نکل آئیں اور عاص بن وائل گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۰۱)

مقصد یہ ہے کہ قرآن اور قرآن والے رسول کے گستاخوں کو اللہ خود پکڑ لیتا ہے۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے گستاخانِ رسول ﷺ پر اللہ کی پکڑ دنیا ہی میں آتی ہے کعب بن اشرف یہودی سے لے کر ''رنگیلا رسول'' کتاب کے ہندو مصنف تک ہر کوئی خدائی پکڑ میں آیا۔ سلمان رشدی بھی موت سے بدتر زندگی گزار رہا ہے اور جلد کیفرِ کردار کو پہنچے گا، نہیں تو عذابِ آخرت تیار ہے۔

[48] یعنی کفار کے قرآن کا مذاق اڑانے سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے۔ آپ ان کی باتیں سن کر اپنے رب کی حمد و ثنا کہیں اور عبادت میں لگے رہیں اور وقت وصال تک اسی پر استقامت دکھائیں کہ یہ استقامت آپ کے لیے فتح و نصرت کے دروازے کھول دے گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ رسول اللہ ﷺ پوری استقامت کے ساتھ عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ خداوندی میں مصروف رہے، آخر آپ کا دین غالب آگیا۔

الحمدللہ آج بروز منگل بتاریخ ۶ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۲۰۰۷ء نماز عصر سے قبل سورہ حجر کی تفسیر مکمل ہوئی۔
و صلی اللہ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد و الہ و صحبہ اجمعین۔

سورۃ النحل

ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی سولہویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ۶۹ ویں سورت۔ اس میں سولہ رکوعات ایک سو اٹھائیس آیات دو ہزار آٹھ سو چالیس کلمات اور سات ہزار سات سو سات حروف ہیں۔ اس کو سورۃ النحل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں نحل (شہد کی مکھی) کا ذکر ہے کہ وہ شہد کیسے بناتی ہے یہ ذکر کسی دوسری سورت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ. (نحل:۶۸)

اس سورت کی اکثر آیات مکی ہیں لہٰذا اسے مکی سورت ہی شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کی بعض آیات کے مدنی ہونے کے اقوال ہیں۔ جیسے وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (نحل:۴۱) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً (نحل:۱۱۲) اور ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ (نحل:۱۱۰)

سورہ نحل کے موضوعات وہی ہیں جو عموماً مکی سورتوں میں زیر بحث رہتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، انسان پر اللہ کے انعامات واحسانات، حقانیتِ قرآن کے دلائل، قیامِ قیامت کی حقانیت وغیرہ۔ علاوہ ازیں سورہ نحل میں کفار کے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ماننے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔

مضامین

اس سورت کا آغاز اللہ رب العزت کی نعمتوں کے ذکر سے ہوا۔ پہلے جانوروں کی تخلیق بیان کی گئی، پھر سمندری نعمتیں بیان کی گئیں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اے انسانو! اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا بیان فرمایا ہے۔ پھر منکروں کی موت اور اللہ کے نیک بندوں کی موت میں فرق بتایا گیا ہے (رکوع ۴) پھر توحید کی گفتگو شروع ہوئی ہے اور وہ مختلف زاویوں سے ساری سورت میں جاری ہے۔ چھٹے رکوع میں اس کے ساتھ ہجرت کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ ساتویں رکوع میں بتایا گیا ہے اہل عرب میں بیٹی کے پیدا ہونے پر اہل خانہ کس قدر پریشان ہوتے تھے۔ نویں رکوع میں اللہ کی یہ قدرت بیان کی گئی ہے کہ وہ مادہ جانور کے پیٹ میں خون اور گوبر کے درمیان سے شیریں دودھ کی نہر چلاتا ہے، پھر وہ ایک کیڑے کے پیٹ سے شہد جیسا میٹھا مائع پیدا کرتا ہے۔ پھر دسویں رکوع میں انسان کو یاد دلایا گیا کہ اللہ نے اس کے لیے رشتے بنائے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے، اچھے غلام اور نکمے غلام کی مثال دے کر اطاعتِ خداوندی کی اہمیت بتائی گئی۔ اسی طرح سورت کے آخر تک ہر کوع میں درسِ توحید کے ساتھ انسان کو عقیدہ وعمل کا کوئی درس بھی دیا گیا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ حجر ہے۔ اس میں بھی اللہ کی نعمتوں کا بیان تھا۔ جیسا کہ اس کے پہلے اور دوسرے رکوع کا مضمون ہے اور یہی مضمون ساری سورہ نحل پہ چھایا ہوا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۱۲۸ ۷۰ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ

اللہ کا حکم آ ہی گیا ہے تو اس کی جلدی نہ چاہو۔[1] اللہ مشرکین کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔ وہ فرشتوں

الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ

کو یہ وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اتارتا ہے کہ (لوگوں کو یہ کہہ کر) ڈراؤ کہ میرے

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا

سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔[2] اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا وہ مشرکوں کے شرک

يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

سے بلند ہے۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، تو اب وہ کھلا جھگڑالو بن گیا ہے۔[3]

عقیدہ قیامت ورسالت اور اللہ کی نعمتیں

[1] یعنی قیامت اللہ کا ایک حکم ہے اور اس کا آنا برحق ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں اور وہ اس قدر قریب ہے کہ سمجھو کہ وہ آ گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ ''قیامت قریب آ گئی ہے۔'' (قمر:۱) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ ''لوگوں کا حساب قریب آ گیا ہے۔'' (انبیاء:۱) دراصل جب کفار سے کہا گیا کہ قیامت قریب آ گئی ہے تو وہ ڈرے کہ شائد ابھی قیامت قائم ہو جائے، مگر جب ایک عرصہ گزر گیا اور قیامت نہ آئی تو وہ قیامت کا مذاق اڑانے لگے کہ کہاں ہے قیامت؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا امر آ ہی چکا ہے یعنی آیا ہی چاہتا ہے، تو تم اس کی جلدی نہ مچاؤ۔

اگر سوال یہ اٹھے کہ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ کو نازل ہوئے چودہ صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر گیا ہے اور ابھی تک قیامت نہیں

آئی تو اسے قریب کیسے کہہ دیا گیا؟۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے قبل جو زمانہ گزر چکا تھا اس کے مقابلہ میں اس کے بعد قیامت تک آنے والا زمانہ بہت مختصر ہے خواہ وہ اپنی ذات میں کئی صدیوں پر محیط ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارا دن وعظ فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈوبنے کے قریب آ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا دنیا کا جو وقت اب تک گذر گیا وہ اس قدر ہے جتنا صبح سے اب تک ہے اور دنیا کا جو وقت رہ گیا ہے وہ اس قدر ہے جتنا اب سے غروب تک۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۹)

گویا گزشتہ زمانہ کے حساب سے قیامت اس طرح قریب ہے جیسے صبح سے عصر ہو جائے اور غروب کا وقت قریب آجائے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب وقت عصر ہی میں چودہ صدیاں گزر گئی ہیں اور ابھی نہ جانے کتنی گزریں گی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے قبل کا زمانہ نہ جانے کس قدر طویل ہے۔

قربِ قیامت اور ختمِ نبوت

یہ آیت ختمِ نبوت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ قیامت کا قریب تر آ جانا اس معنی میں ہے کہ آخری نبی مبعوث ہو چکا ہے۔ اب اس کے بعد قیامت ہی آنے والی ہے، کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی دونوں کے اشارے سے فرمایا:

بُعثتُ انا والساعةُ کھاتین۔ ''میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے بھیجے گئے ہیں۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۹۳، مسلم کتاب الجمعہ حدیث ۴۳) یعنی جیسے ان دونوں انگلیوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

وقتِ قیامِ قیامت کے بارہ میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا کشف

البتہ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا ایک کشف نقل کیا ہے کہ امام مہدی کا ظہور ہجری ۱۹۰۰ھ کے قریب ہوگا اور امام احمد رضا بریلوی نے امام ابن عربی کے بعض الفاظ کو علم جفر کے حساب وکتاب کی روشنی میں دیکھا تو اس کا جواب بھی اسی کے قریب آیا، یعنی ۱۸۳۷ھ۔

(ملفوظات امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ حصہ اول صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ دعوت اسلامی کراچی)

اور امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کچھ قبل ظاہر ہونگے اور دونوں مل کر دجال کو قتل کریں گے، پھر اس کے ساتھ ہی یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا اور حدیث میں ہے کہ نزولِ عیسیٰ، ظہورِ دجال، خروجِ یاجوج وماجوج، خروجِ دابۃ الارض اور طلوع شمس من المشرق یہ علامات قیامت لگا تار ایک دوسری کیساتھ آگے پیچھے ظاہر ہونگی، جیسے تسبیح ٹوٹ جائے تو اس کے دانے لگا تار گرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ قیامت بھی اس کے بعد جلد ہی ہوگا۔

اور ولی کا کشف یا علم جفر کا حساب یہ سب ظنی باتیں ہیں، ان میں سے کوئی قطعی نہیں۔ اس لیے قیامِ قیامت کا وقت اصل میں اللہ ہی جانتا ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اس دن کے حساب کے لیے خود کو تیار کریں۔

[2] کفار عرب کہتے تھے کہ اللہ نے اپنی وحی کے لیے ہم میں سے کسی بڑے سرمایہ دار کو کیوں منتخب نہیں کیا۔ اس شخص (حضور ﷺ) کو کیوں منتخب کیا گیا ہے وہ کہتے تھے: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ ''یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے شخص پہ کیوں نازل نہیں کیا گیا۔'' (زخرف: ۳۱) ادھر یہود کو یہ حسد تھا کہ بنی اسرائیل سے باہر وحی کیوں اترنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے جواب میں فرمایا کہ اللہ اپنے فرشتوں کو وحی دے کر اپنے جس بندے پر چاہے اتار دیتا ہے، اسے اس سلسلہ میں کسی سے اجازت یا مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبوت وہبی صفت ہے کسبی نہیں۔ اللہ جس پر چاہے وحی اتارتا ہے۔ یہ منصب اپنی کوشش سے نہیں حاصل ہوسکتا۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے کہا کہ اس نے خود کو اطاعتِ رسول میں فنا کر کے منصبِ نبوت پالیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲) مرزا قادیانی کا یہ گمراہ کن، ملحدانہ اور کافرانہ دعوی ہے۔ نبوت صرف اللہ کی عطا ہے اور اس کا سلسلہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ یاد رہے! يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ میں اللہ نے اپنی شان تنزیل ملائکہ بتائی ہے۔ اس کا اجراء نبوت سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ مرزائیوں نے غلط استدلال کیا۔

[3] تخلیقِ ارض وسماء کے بعد انسان کی تخلیق کی گئی اور اس کی نسل یوں چلائی گئی ہے کہ بے جان نطفہ سے جیتا جاگتا بھاگتا دوڑتا انسان پیدا کر دیا جاتا ہے یہ اللہ کی عظیم الشان قدرت ہے۔ مگر افسوس! انسان اپنے خالق سے ہی جھگڑنے لگتا ہے اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیتا ہے۔ اس میں انسان کے لیے درسِ عجز ہے کہ وہ نطفہ کے چند قطروں سے پیدا ہوا ہے پھر وہ کس بنیاد پر تکبر کرتا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝٥ وَلَكُمْ

اس نے تمہارے لئے جانور پیدا کئے جن میں تمہارے لئے اون ہے اور دیگر فوائد اور انہی سے تم غذا لیتے ہو۔[4] اور تمہارے

فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝٦ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى

لئے ان میں ایک زیبائی ہے جب تم انہیں شام کو چرا کر لاتے اور جب صبح لیجاتے ہو۔[5] وہ ان شہروں تک تمہارے بوجھ اٹھا

بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٧

لے جاتے ہیں جن تک تم جان ماری کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، بے شک تمہارا رب مہربان رحمت والا ہے۔[6]

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨

اور اللہ نے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت پکڑو اور ابھی وہ کچھ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔[7]

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ ع

اور اللہ کے ذمہ سیدھی راہ دکھانا ہے اور کچھ راستے ٹیڑھے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔[8]

[4] اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جانور پیدا کیے جن میں سے بعض کے جسم سے اون (Wool) حاصل ہوتی ہے جس سے اونی کپڑے بنتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں لوگ اون کی کتائی بنائی اور خرید وفروخت سے روزی کماتے ہیں اور گرم اونی کپڑے پہن کر انسان خود کو سردی سے بچاتا ہے۔

یونہی جانوروں سے انسانوں کو مزید کئی فوائد ملتے ہیں جیسے دودھ، پھر دودھ سے دہی، لسی، مکھن، ملائی، کھیر، مٹھائیاں اور بیسیوں دیگر اشیاء خورونوش۔ پھر جانوروں کی کھالوں سے جوتے، موزے، جیکٹس، ٹوپیاں، سوٹ کیس، دستانے، مشکیزے اور دیگر سینکڑوں چیزیں بنائی جاتی ہیں اور بعض جانوروں کا گوشت انسان کھاتا ہے جیسے دنبہ، بکری، بھیڑ، گائے، بھینس، اونٹ، ہرن وغیرہ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اگر اللہ رب العزت جانوروں کو انسان کے تابع نہ کرتا تو اسے یہ نعمتیں کیسے مل سکتیں۔ پھر جاہل انسان ان جانوروں کو سجدے کرنے لگتا ہے جو اس کی غذا اور خدمت کے لیے بنائے گئے ہیں۔

لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ (تمہیں جانوروں کی اون ملتی ہے) سے معلوم ہوا کہ چمڑے اور اون کے کپڑے پہننا جائز ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا دُبغ الاھاب فقد طھر، ''جب چمڑے کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔'' (مسلم کتاب الحیض حدیث ٣٦٦)

[5] جب تم صبح کے وقت بیسیوں سینکڑوں جانوروں کو چرانے کیلئے جنگل کی طرف لے چلتے اور شام کو انہیں واپس لاتے ہو تو لوگ پوچھتے ہیں یہ اتنا بڑا مال کس کا ہے؟ جب بتایا جاتا ہے کہ فلاں کا ہے تو لوگوں کے دلوں میں تمہارا رعب بیٹھ جاتا ہے۔

[6] جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر دور دراز کا سفر طے کرتے ہیں۔ اگر تم وہ سامان اپنے سروں پر اٹھا کر لے جاتے تو خود کو ہلاکت میں ڈال لیتے مگر اللہ نے تم سے کئی گنا طاقتور جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا۔ ان کی زبان سے قوت گویائی سلب کر لی اور ان کے دلوں میں جذبہ اطاعت وصبر وتحمل ڈال دیا۔ یہ بھی تم پر اللہ کا عظیم احسان ہے۔

جانوروں کے ساتھ رحم کرنے کا حکم

اس میں یہ درس ہے کہ جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے جو بوجھ تم خود نہ اٹھا سکتے تھے۔ لَمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ وہ تم نے جانوروں پر ڈالا تو بہر حال وہ ان کی طاقت سے زیادہ تو نہ ڈالو۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک جانور پہ سوار ہوئیں جانور میں کچھ صعوبت تھی (آسانی سے نہیں چلتا تھا) وہ اسے دائیں بائیں کھینچنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عليكِ بالرفق۔ جانور پہ نرمی کرو۔ (مسلم کتاب البر حدیث ۲۵۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایای ان تتخذوا ظهور دوابکم منابر فان الله انما سخرها لکم لتبلّغکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس وجعل لکم الارض فعلیها فاقضوا حاجاتکم

''اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بنالو (کہ ان پر بیٹھ کر یونہی باتیں کرتے رہو اور انہیں چلاؤ نہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے، تاکہ تم کو ان شہروں تک پہنچائیں جن تک تم پہنچ نہیں سکتے تھے، سوا اس کے کہ خود کو مشقت میں ڈالو اور اللہ نے تمہارے لیے زمین بنائی ہے، تو زمین پہ اپنی حاجات پوری کرو، (جانور پہ بے مقصد نہ بیٹھو)''

(ابوداؤد کتاب الجھاد حدیث ۲۵۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا سافرتم فی الخصب افاعطوا الابل حقها واذا سافرتم فی الجدب فاسرعوا السير فاذا اردتم التعريس فتنكبوا عن الطريق

''جب تم سرسبز علاقہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو ان کا حق دو (ان کو چرنے کا موقع دو) اور جب تم خشک علاقہ میں سفر کرو تو جلدی سفر طے کرو (تاکہ جانور زیادہ دیر بھوکے نہ رہیں)'' (ابوداؤد کتاب الجھاد حدیث ۲۵۶۹)

[7] اس سے قبل حلال جانوروں کی بات ہو رہی تھی۔ اب ان حرام جانوروں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو بار برداری کے

کام آتے ہیں، یعنی گھوڑے، خچر اور گدھے۔

گھوڑا حرام جانور ہے

اللہ تعالیٰ نے اس کا مقصد صرف سواری اور زینت بتایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ کہ تم گھوڑوں پہ سوار ہوتے ہو اور تمہارے لیے زینت ہیں، اس میں کھانے کا ذکر نہیں کیا۔ پھر گھوڑے کو خچر اور گدھے کے ساتھ ذکر کر کے اللہ نے بتا دیا کہ اس کا حکم بھی انہی والا ہے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے خچر اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی کتاب الصید باب ۳۰، ابوداود کتاب الاطعمہ باب ۲۵، ابن ماجہ کتاب الذبائح باب ۱۴)

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے گھوڑے کو حرام قرار دیا ہے۔ امام مالک نے اسے مکروہ کہا ہے جبکہ احمد وشافعی کے اقوال اس بارہ میں مختلف ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧ کہ انسان کی سواری کے لیے ابھی اللہ وہ کچھ پیدا کرے گا جو اے انسانو! تم نہیں جانتے، چنانچہ دورِ نزولِ قرآن کے لوگ کیسے جان سکتے تھے کہ آئندہ زمانہ میں سواری کے لیے موٹر سائیکل، کاریں، بسیں اور ہوائی جہاز تیار ہو جائیں گے۔

[8] اللہ کے ذمے راہِ حق دکھانا ہے وہ اس نے انبیاء کے ذریعے دکھا دیا۔ اب انسان کو چاہیے کہ وہ ٹیڑھے راستوں سے بچ کر اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو زبردستی راہِ حق پر چلا دیتا مگر یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ نے انسان کو اختیار (Choice) دیا ہے کہ وہ نیکی کا راستہ اپنائے یا بدی کا۔ اگر یہ اختیار نہ دیا جاتا تو پھر اس کی نیکی کی کوئی قدر و قیمت نہ رہتی اور تخلیقِ انسان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا جس سے تم پیتے ہو اور اسی سے درختوں کی زندگی ہے جن سے تم جانور

تُسِیْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ

چراتے ہو۔[9] اللہ ہی تمہارے لئے پانی سے کھیت، زیتون کھجور کے درخت، انگور اور ہر طرح

وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَکُمُ

کے پھل اگاتا ہے بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے عظیم نشانی ہے۔[10] اور اللہ نے تمہارے لئے

الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ

دن، رات، سورج، چاند کو مسخر کیا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں، بیشک اس میں

ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

عقل کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔[11] اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے زمین پر مختلف رنگوں میں

اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

پیدا کیا۔ بے شک اس میں نصیحت پکڑنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔[12]

اللہ کی نعمتوں کا بیان اور ردِ شرک

[9] اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا جس سے انسان خود بھی پیتا ہے اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتا ہے اور ہر ذی روح اس سے سیراب ہوتا ہے بلکہ اسی پانی سے ان درختوں کی زندگی ہے جن سے ہم اپنے جانوروں کو چراتے ہیں اگر بارش نہ ہو تو سبزہ کہاں سے آئے اور جانوروں کا پیٹ کیسے بھرے اور اگر جانور بھوکے رہیں تو انسانوں کو دودھ اور گوشت کہاں سے ملے اور چمڑے کی مصنوعات کیسے دستیاب ہوں۔

نہر، چشمے، کنوئیں اور بڑے تالاب میں نجاست کے پڑنے کا حکم

یہاں لَکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ (تم آسمان سے برسنے والا پانی پیتے ہو) سے معلوم ہوا کہ انسان بہر حال بارشی پانی ہی پیتا ہے خواہ وہ نلکے سے پیے یا چشمے اور کنوئیں سے کیونکہ بارش نہ ہو تو زمین کے نیچے پانی کا خزانہ سوکھ جائے اور چشمے اور

کنوئیں خشک ہو جائیں۔ گویا انسان جو پانی پیتا ہے وہ بہر حال آسمان ہی سے بارش کی صورت میں اترا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہروں،، دریاؤں، چشموں، کنوؤں اور بڑے تالابوں کا پانی پاک ہے، کیونکہ آسمان سے اترا ہے۔ جب تک اس میں نجاست گر کر اپنا اثر ظاہر نہ کر دے، جب اس میں نجاست گر جائے تو پانی کا اتنا حصہ ہی ناپاک ہے جس میں نجاست کا کوئی اثر نظر آئے، جیسے رنگ بو وغیرہ، اس کے سوا آس پاس کا سب پانی پاک ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان الماء لاینجّسه شيء الا ما غلب علی ریحه وطعمه ولونه. یعنی پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، مگر وہ جو پانی کی بو، اس کے ذائقہ اور رنگ کو بدل دے۔ (ابن ماجہ کتاب الحیاض حدیث ۱۲۵)

[10] پھر آسمان سے برسنے والے پانی سے کھیتیاں اور زیتون و کھجور اور انگوروں کے باغات لہلہاتے ہیں اور ہر طرح کا پھل اُگتا ہے اور بارش اللہ کے حکم سے ہی برستی ہے۔ سائنس دان اپنی تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود بارش نہ ہونے پر آسمان کی طرف نگاہِ حسرت سے دیکھتے ہیں۔ پھر ایسے جبار و قدیر خدا کی نعمتیں کھا کر اگر انسان اس کے وجود سے نفی کرے یا اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہیے کہ اللہ کی ان تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے بعد اس کی عبادت میں کوتاہی نہ لائے۔

[11] زمینی نعمتوں کے بعد آسمانی نعمتیں گنوائی جارہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ شب و روز بنایا اور شمس و قمر کو مسخر کیا۔ یعنی انہیں ایسے مربوط نظام کے تابع کیا کہ ہزاروں صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک اس میں ایک لمحے کا فرق نہیں آیا۔ اسی طرح ستارے اللہ کے حکم سے مسخر ہیں تا کہ انسانوں کو روشنی و رہنمائی ملے۔ یہ اللہ کی عظیم الشان قدرت، تدبیر اور گہرے علم کی نشانیاں ہیں۔ معلوم ہوا ستاروں کو انسانی تقدیر میں موثر ماننا صریح گمراہی ہے۔ ستارے کیا تاثیر کریں گے وہ خود ایک نظام کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ پتھروں کی طرح ہیں نہ ان میں حرکت ہے نہ ارادہ۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ ہے کہ ''جو شخص حالِ قسمت معلوم کرنے کیلئے نجومی کے پاس گیا اس نے اس دین سے انکار کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے۔'' (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۱۰۲، ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۱۲۲)

[12] اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی غذا، صحت، معیشت اور دیگر منافع کے لیے زمین سے رنگارنگ جانور، درخت اور پتھر وغیرہ پیدا کیے اور انہیں انسانوں کے لیے مسخر کر دیا۔ یہ بھی انسان کی ہدایت کے لیے عظیم نشانی ہے۔ ایک ہی پھل کئی ذائقوں، رنگوں اور شکلوں میں پیدا ہوتا ہے، کھجوروں کی بیسیوں اقسام ہیں، سنگتروں کی کئی شکلیں اور مختلف ذائقے ہیں۔ یہ تنوع کس نے بنایا وہ اللہ کے سوا کون ہے۔ اگر یہ فطرت کا تقاضا ہوتا تو فطرت کا ایک ہی تقاضا ہونا چاہیے تھا، اس میں یہ اختلاف کہاں سے آگیا۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم اس سے ترو تازہ گوشت (مچھلی) کھاؤ اور اس سے

حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

زیور نکالو جو تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ سمندر میں کشتیاں (پانی کا سینہ) چیرتی جاتی ہیں اور تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور تا کہ تم شکر کرو۔[13] اور اللہ نے زمین میں میخیں ڈالیں تا کہ تمہیں لے کر نہ ڈولے اور (زمین میں) نہریں

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿١٦﴾

اور راستے بنائے تا کہ تم راہ پاؤ۔[14] اور علامات بنائیں اور ستاروں سے لوگ راہنمائی لیتے ہیں۔[15]

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تو جو خدا سب کچھ بناتا ہے کیا اس جیسا ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتا تو تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے اور اگر تم اللہ کی نعمتیں

لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾

گننا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو۔[16]

[13] اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ایک خاص فطرت وطبع کے ساتھ پیدا کیا اور انسان کو اس قدر عقل وشعور بخشا کہ وہ سمندروں میں غوطہ زن ہو کر تازہ گوشت یعنی مچھلی حاصل کرے۔یعنی یہ ایسا تازہ وتیار گوشت ہے جس کے لیے ذبح کرنے، کھال اتارنے، چربی الگ کرنے اور ہڈیاں جدا کرنے کی ضرورت نہیں۔بس بھونو اور کھاؤ۔اور انسان سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس کی تہہ میں سے خوبصورت ہیرے موتی اور جواہرات نکالتا ہے اور انہیں بطور زیور پہنتا ہے اور دیو قامت کشتیاں اور جہاز لے کر سمندر کی پیٹھ پر سوار ہوتا ہے اور سمندر اور ہوا کا سینہ چیرتے ہوئے مشرق سے مغرب تک جا پہنچتا ہے اور لاکھوں من وزنی سامان دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک منتقل کر دیتا اور کروڑوں اربوں کی تجارت کے منافع کماتا ہے۔انسان سوچے کہ کس طاقت نے سمندر کو انسان کے لیے یوں مسخر کیا ہے، وہ اللہ کے سوا کون ہے۔پھر وہ اس کی لاکھوں نعمتوں سے مالا مال ہو کر اس کی نافرمانی کیوں کرتا ہے؟

[14] کچھ پہاڑ خشک زمین پر کھڑے کیے گئے ہیں اور کچھ سمندر کے اندر، اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو سمندری مدوجزر

کی وجہ سے زمین کانپتی اور لرزتی رہتی اور سمندروں کا پانی زمین کو ہر وقت جھٹکے دیتا رہتا۔ پھر اللہ نے زمین میں نہریں اور راستے بنائے تا کہ انسان اپنے مقاصد کے لیے دور و دراز کے اسفار کر کے اپنی منزل کی طرف راہ پا سکے۔ دراصل اللہ کی دی ہوئی عقل سے انسان نے زمین پر نہروں اور راستوں کے جال بچھائے ہیں اور اس کے لیے اسے اسباب بھی اللہ نے عطا فرمائے ہیں۔

[15] اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے زمین پر علامات بنائی ہیں اور آسمان میں ستارے، علامات سے مراد پہاڑ، درخت ٹیلے وغیرہ ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنے راستے متعین کرتے اور منزل تک پہنچتے ہیں اور ستاروں کے ذریعے رات کے وقت سمندروں میں انسان کو مشرق و مغرب جنوب و شمال اور اپنی منزل کی سمت کا پتہ چلتا ہے، اگر یہ نہ ہوتے تو سمندروں میں سفر کرنے والے بھٹک کر مر جاتے۔

معلوم ہوا سائنسی علوم جیسے علمِ فلکیات، علمِ نباتات اور علمِ احجار و معدنیات کا حاصل کرنا قرآنی ترغیب میں شامل ہے تا کہ انسان کائناتِ خداوندی میں غور و فکر کر کے جہاں اللہ کی قدرتوں سے واقف ہو وہاں خلقِ خدا کے لیے راحت و سکون کے اسباب پیدا کر سکے۔

[16] تو اللہ جیسے خالق و صانع رب کو چھوڑ کر بتوں، ستاروں اور جانوروں کی پرستش کرنا، جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے کس قدر جہالت ہے اور اللہ نے انسان کے لیے اس قدر نعمتیں پیدا کر دی ہیں جن کا شکر ادا کرنا تو ایک طرف رہا وہ انہیں گن بھی نہیں سکتا۔ دیکھیے ہر سانس کا اندر جانا بھی نعمت ہے اور باہر آنا بھی۔ انسان کی ہزاروں رگوں میں دوڑنے والے خون کی ہر گردش ایک نعمت ہے۔ ہر عضو کی ہر حرکت نعمت ہے اگر ان میں سے کوئی چیز رک جائے تو انسان کی زندگی عذاب بن جائے یا ختم ہو جائے۔ پھر بتایئے اللہ کی نعمتوں کو کون گن سکتا ہے شکر بجالانا تو بعد کی بات ہے۔ لہٰذا جو شخص ایک گناہ بھی نہ کرے اور زندگی بھر عبادت میں لگا رہے اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ہی سے جنت عطا فرمائے گا، اللہ پر کسی کا کوئی دعویٰ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾

اور جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود انہیں پیدا کیا گیا ہے

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

وہ بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ [17] تمہارا خدا معبودِ

وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

واحد ہے تو جو لوگ آخرت پہ یقین نہیں رکھتے ان کے دل انکار کے خوگر ہیں اور تکبر کرنے والے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ

پسند نہیں رکھتا۔ [18] اور جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ

کہانیاں ہیں، تاکہ وہ روز قیامت اپنے بوجھ بھی مکمل اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں

يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان کی لاعلمی کے باعث تو سن لو وہ کیا ہی بُرا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ [19]

[17] اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جن بتوں کو مشرکین اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں پیدا کیا گیا یعنی گھڑا گیا ہے، وہ بے جان مردے ہیں اور انہیں معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور لوگوں کو کب اٹھایا جائے گا؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یُبْعَثُوْنَ سے مراد بت ہی ہوں، کیونکہ روزِ قیامت بتوں کو بھی اٹھایا جائے گا اور وہ بھی جہنم میں بت پرستوں کو جلانے کے لیے ڈالے جائیں گے۔

مودودی صاحب کا بتوں سے متعلق آیت کو انبیاء و اولیاء پہ چسپاں کرنا

بعض لوگ اس آیت کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہوئے یا رسول اللہ کہنے اور الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ جیسا درود شریف پڑھنے اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ کو شرک و کفر قرار دیتے ہیں مگر یہ سراسر باطل استدلال اور انتہا پسندی ہے اور بتوں کے حق میں اترنے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا ان کی بارگاہ میں بے ادبی و گستاخی ہے۔ چنانچہ ابوالاعلیٰ سید مودودی نے اس آیت کے تحت کہا: بلکہ اس سے اصحابِ قبور مراد ہیں، اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پہ اموات غیر احیاء کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اب لامحالہ اس آیت میں: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد انبیاء، اولیاء، شہداء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں، جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

(تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۳۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامی دہلی)

مگر مودودی صاحب کی یہ تفسیر قطعی غلط ہے۔ اس بارہ میں چند امور ملحوظ ہوں:

(۱) امام فخر الدین رازی، امام ابن کثیر، امام قرطبی، امام بغوی، امام خازن اور دیگر تمام اجلہ مفسرین بلکہ حبرِ امت، عمزادۂ رسول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جلیل القدر تابعی حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ جن بتوں کو مشرکین پوجتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں مشرکین نے خود اپنے ہاتھ سے گھڑا ہے، وہ بے جان مردہ ہیں۔ ان میں کچھ زندگی نہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی؟

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تبعث الاصنام وتركب فيها الارواح ومعها شياطينها فيتبرءون من عبدتها ثم تؤمر بالشياطين والمشركين الى النار۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اصنام کو بھی اٹھائے گا ان کے ساتھ ان کی روحیں ہونگی اور ان کے ساتھی شیاطین ہونگے، پھر یہ اصنام کفار کی عبادت سے انکار کر دیں گے چنانچہ شیاطین اور بت پرستوں کو دوزخ میں گرائے جانے کا حکم ہوگا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

هذه الاوثان التى تعبد من دون الله اموات لا ارواح فيها۔ یعنی یہ بت جنہیں اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے مردے ہیں جن میں کوئی روح نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۲۷۰ مطبوعہ مکہ)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

ان الاصنام الذین یدعونہا من دون اللہ اموات غیر احیاء ای جمادات۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۸۶)

امام قرطبی نے کہا

یعنی الصنام لا ارواح فیہا ولا تسمع ولا تبصر۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۹۴ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

ان ھذا الکلام مع الکفار الذین یعبدون الاصنام۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۹۵ مطبوعہ دار الحدیث ملتان)

ان تمام تصریحات کے باوجود مودودی صاحب اور دیگر نجدی فکر کے علماء کا کہنا کہ اس آیت کا بتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے کس قدر سینہ زوری ہے؟ کیا مودودی صاحب کا فہم قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھا ہوا ہے؟ جب وہ اس آیت کو بتوں کے لیے نازل کردہ فرمار ہے ہیں اور اجلہ مفسرین اسے بیان کررہے ہیں تو مودودی صاحب اس پہ کیوں چیں بجبیں ہیں اور اس کا رد کیوں کررہے ہیں؟ الغرض بتوں کے حق میں اترنے والی اس آیت کو انبیاء واولیاء پہ چسپاں کرنا اور ان سے توسل کرنے والے مسلمانوں کو کافر ومشرک قرار دینا کس قدر زیادتی اور انتہاء پسندی ہے، حیرت ہے وہ دوسروں کو طعنۂ غلو دیتے ہیں مگر خود اس قدر غلو میں مبتلا ہیں کہ انہیں بتوں اور انبیاء واولیاء میں اور مشرکوں اور مسلمانوں میں فرق دکھائی نہیں دیتا۔

(۲) پھر مودودی صاحب کا کہنا کہ لکڑی اور پتھر کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے، ان کی قرآن سے کس قدر بے خبری ہے؟ کیا وہ ان آیات کو بھول گئے۔

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَھَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ کَانَ ھٰۤؤُلَآءِ اٰلِھَۃً مَّا وَرَدُوْھَا ؕ ''تم اور جن خداؤں کی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم نے اس جہنم میں ضرور وارد ہونا ہے، اگر وہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔'' (انبیاء، ۹۸) یہ آیت بتا رہی ہے کہ جن بتوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے اور کفار کے ساتھ جہنم میں گرائے جائیں گے، مگر لکڑی اور پتھر کے بتوں کا جہنم میں جانا عذاب سہنے کے لیے نہیں ہوگا بلکہ بت پرستوں کو آگ میں مزید جلانے کے لیے ہوگا۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ ''تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' (بقرہ، ۲۴)

وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآؤُکُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَھُمْ وَقَالَ شُرَکَآؤُھُمْ مَّا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًۢا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ ''اور کس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے جھوٹے

معبود یہیں ٹھہرو اور ان کے جھوٹے معبود کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، تو اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' (یونس، ۲۸)

(۳) قرآن کی جن آیات میں غیر اللہ سے دعاء سے منع کیا گیا ہے ان میں اکثر اس کے بعد لفظ الٰہ مذکور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارنے سے روکا گیا ہے، جو کہ عبادت کا مفہوم ہے، گویا ان آیات میں دعاء بمعنی عبادت ہے۔ جیسے:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ''اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔'' (شعراء، ۲۱۳)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''اور اللہ کے سوا کسی دوسرے خدا کو مت پوجو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہی نہیں۔ (قصص، ۸۸)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ''اور جو شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے خدا کو پوجے، حالانکہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے، ایسے کافر لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے۔'' (مؤمنون، ۱۱۷)

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ''تو ان کے جھوٹے خدا انہیں کچھ نہ بچا سکے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔'' (ہود، ۱۰۱)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ''اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے خدا کو نہیں پوجتے۔'' (فرقان، ۶۸)

تو ان تمام آیات کی روشنی میں اس آیت میں وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے جھوٹے خداؤں کو پوجتے ہیں الخ۔ القرآن یفسر بعض القرآن کے مطابق جب ان کثیر آیات نے يَدْعُوْنَ کا معنی يَعْبُدُوْنَ متعین کر دیا تو تفسیر قرآن بزبان قرآن کو چھوڑ کر من مانی تفسیر کرنا ہی دین میں الحاد کے دروازے کھولتا ہے۔ آج قادیانی، پرویزی، رافضی و دیگر ملحدین اسی مرض میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں کہ قرآن کی وہ تفسیر ماننے کو تیار نہیں ہیں جو خود قرآن نے بیان کی ہے اور جسے صحابہ و تابعین نے اپنایا ہے۔

(۴) پھر دیکھیے کہ یہاں بتوں کو اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (وہ بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں) فرمایا گیا، جبکہ شہداء کے بارہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ''جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور تمہیں انکی زندگی کا شعور نہیں ہے۔'' (بقرہ ۱۵۴) اور انبیاء و اولیاء کا حال اس بارہ میں شہداء سے بھی قوی تر ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ابواب الجنائز) اس کے باوجود غلط بحث کرتے ہوئے بتوں سے متعلقہ آیات کو انبیاء و اولیاء پر لاگو کرنا قرآن کے ساتھ اور اہل

ایمان کے ساتھ زیادتی ہے۔اس موضوع پہ ہم پیچھے سورہ انعام آیت ۱۴۱ اور اعراف آیت ۱۹۴ کے تحت بھی روشنی ڈال چکے ہیں، وہاں بھی دیکھ لیں۔

توحید باری تعالیٰ اور نبوتِ محمدیہ کی حقانیت

[18] گزشتہ آیات میں بتوں کی بے بسی اور عدمِ الوہیت پر روشنی ڈالی گئی۔اب اللہ تعالیٰ کی توحید پر زور دیا جارہا ہے تو فرمایا گیا کہ تمہارا خدا، خدائے واحد ہے یعنی وہی لائقِ عبادت ہے۔ وہی اس بات کا حقدار ہے کہ اسے پوجا جائے اور قبلۂ حاجات تصور کیا جائے۔مگر جو لوگ قیامت سے منکر ہیں وہ اس کی توحید پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں کیونکہ محاسبہ آخرت کا خوف ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے جب آخرت پر ایمان نہ ہو تو انسان جو چاہے کرے اور اللہ جانتا ہے کہ منکرین اپنے دلوں میں کیا چھپاتے اور کیا ظاہر کرتے ہیں یعنی وہ جانتا ہے کہ ان کے دل بتوں کی بے بسی اور اللہ ہی کے قادرِ مطلق ہونے کے معترف ہیں مگر اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید انہیں صرف حق زبان پہ لانے نہیں دیتی اور اللہ کو ایسے متکبرین ہرگز ناپسند ہیں۔معلوم ہوا کہ تکبر کبھی کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

[19] قرطبی، بغوی، خازن و دیگر مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئی وہ کہتا تھا قرآن بس قصے کہانیوں کی کتاب ہے، میں قرآن سے اچھے قصے سنا سکتا ہوں۔ وہ شام و ایران جاتا تھا وہاں سے وہ شاہان قیصر و کسریٰ کی داستانوں کی کتابیں لاتا اور قریش کو یہ داستانیں سنا کر کہتا بتاؤ محمد (ﷺ) اچھی کہانیاں سناتا ہے یا میں۔مروی ہے کہ یہ نضر بن حارث بدر میں گرفتار ہوا اور حضور ﷺ کے حکم سے اس کا سر قلم کر دیا گیا۔جبکہ باقی قیدی چھوڑ دیئے گئے۔ اس کے متعلق یہ آیت اتری: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ روز قیامت اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی کو گمراہ کیا وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائے گا اور جس کو اس نے گمراہ کیا اس کا بوجھ بھی اٹھائے گا اور خود اس کے بوجھ میں بھی کمی نہ آئے گی۔'' (مسلم کتاب الذکر والدعاء حدیث ۲۶۷۴)

اور جہاں قرآنِ مجید میں ہے کہ ''کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔'' (انعام: ۱۶۴) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ یوں نہ اٹھائے گی کہ اس کے گناہ اپنے سر لے کر اسے عذاب سے آزاد کر دے جیسے عیسائی سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے گناہ اپنے سر اٹھا کر انہیں بخشوا دیا ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

ان سے پہلے لوگ بھی اپنا داؤ آزما چکے ہیں تو اللہ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور ان کی چھت خود ان پر آ گری اور انہیں وہاں سے عذاب آ گیا، جہاں انہیں شعور بھی نہ تھا۔[20]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ

پھر روز قیامت وہ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارہ میں

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

تم جھگڑتے تھے، تب علم والے کہیں گے بیشک آج ذلت اور عذاب کافروں پر مسلط ہے۔[21]

[20] یعنی پہلے انبیاء کرام کے مخالفین نے دینِ حق کے خلاف سازشیں تیار کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بنائی ہوئی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا اور ان کی چھت انہی پہ آ گری اور ان پہ اچانک یوں عذاب آیا کہ انہیں شعور تک نہ تھا۔ اس میں اہلِ اسلام کے لیے تسلی ہے کہ وہ کفار کی اسلام دشمنی سے پریشان نہ ہوں، ان کی سازشیں انہی کے اوپر گریں گی۔

نمرود مردود کی گمراہی اور اس کا انجام

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت کا اشارہ نمرود بن کنعان کی طرف ہے (یعنی وہ بھی ان دشمنانِ اسلام میں سے تھا جنہوں نے دین اسلام کے خلاف سازش کی تو ان کی سازش انہی پہ پڑی)

اس نے ایک بلندترین عمارت (Tower) بنائی تھی تاکہ وہ آسمان تک پہنچ سکے اور دیکھ سکے کہ اللہ کدھر ہے۔

حضرت وہب کے نزدیک اس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ (قریباً اڑھائی ہزار میٹر) تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تیز آندھی چلائی اور اس کا بالائی حصہ سمندر میں گر گیا اور باقی حصہ خشکی پر گرا جس کے نیچے دب کر ہزاروں انسان مر گئے۔

حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نمرود کو یہ سزا دی کہ بحکم الٰہی اس کے ناک میں ایک مچھر داخل ہو گیا۔ جب وہ اندر خارش کرتا تو نمرود کے سر پر ایک جوتا مارا جاتا جو شخص زیادہ طاقت سے جوتا مارتا وہ اس کا زیادہ محسن ہوتا (کہتے ہیں آخر ایک دن کسی نے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماردی جس سے اس کا دماغ پھٹ گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی)۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۶۵)

تاہم یہ آیت اپنے عموم کے ساتھ ان تمام اسلام دشمن قوموں کو شامل ہے جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی

اور بالآخر انہیں عذابِ الٰہی نے آلیا۔

اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کو یہی پیغام ہے کہ وہ اپنے دماغ سے اسلام کے مٹانے یا اہل اسلام کو ہمیشہ اپنا غلام رکھنے کا خناس نکال دیں، اس سے پہلے جن اقوام کے دماغ میں یہ خناس آیا ان کا حشر بہت بُرا ہوا۔

[21] یعنی دینِ اسلام کے خلاف داؤ کرنے والوں پر دنیا میں جو ذلت آتی تھی اس کے علاوہ اللہ انہیں روزِ قیامت بھی رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ بتاؤ تم اپنے جن جھوٹے خداؤں کے بارہ میں اہلِ ایمان سے جھگڑتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آرہے؟ اس وقت اہلِ علم (ممکن ہے وہ انبیاء یا ملائکہ ہوں) کہیں گے آج ذلت وخواری کفار کا مقدر کر دی گئی ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا

جنہیں فرشتے اس حالت میں موت دیتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پہ ظالم ہوتے ہیں، تب وہ دستِ صلح بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا

ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے، ہاں کیوں نہیں اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے، اب تم جہنم کے

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹

طبقات میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ۔ تو تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ کیا ہی برا ہے۔[22]

[22] اسلام دشمنی کرنے والوں کی دنیوی واخروی ذلت کے علاوہ ان کی موت بھی دردناک ہوتی ہے، موت کے وقت وہ عذاب دیکھ کر جھوٹ بولنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو کوئی برائی (کفر وشرک اور اسلام دشمنی) نہیں کی، مگر فرشتے انہیں ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے اب تم جہنم کے طبقات میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ یہ تمہارے تکبر کی سزا ہے۔ معلوم ہوا موت کے وقت (فرعون کی طرح) ہر کافر ایمان لاتا ہے مگر اس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا

اور اللہ سے ڈرنے والوں سے پوچھا گیا تمہارے رب نے کیا اتارا ہے تو انہوں نے کہا بھلائی (اتاری ہے) ایسے محسنین کیلئے

فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر اس سے بھی بہتر ہے اور پرہیزگاروں کے گھر کا کیا کہنا۔[23]

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا

وہ ہمیشگی کے باغات ہیں جہاں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کے لئے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ

يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

چاہیں گے اللہ پرہیزگاروں کو ایسے ہی جزا دیتا ہے۔[24] جنہیں فرشتے موت دیتے ہیں تو وہ شادمان ہوتے ہیں فرشتے کہتے ہیں

طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

تم پر سلام ہو، تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔[25]

[23] یعنی دشمنانِ اسلام نے تو قرآن کو محض قصے کہانیاں قرار دیا مگر جب متقین سے قرآن کے بارہ میں پوچھا جائے تو وہ کہتے ہیں اللہ نے بھلائی ہی بھلائی اتاری ہے۔ایسے محسنین کے لیے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر ان کے لیے دنیا کے گھر سے بھی بہتر ہے۔

[24] متقین جنت میں جو مانگیں گے انہیں دیا جائے گا۔حدیثِ مبارکہ میں ہے۔"متقین جنت میں کسی جگہ بیٹھے جنتی شراب طہور سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔اتنے میں ان پر ایک بادل سایہ کرے گا۔تو ان میں سے جو شخص جو تمنا کرے گا وہی چیز اس پر برس پڑے گی حتیٰ کہ اگر وہ چاہے گا کہ اس پر خوبصورت کنواری لڑکی اتاری جائے تو اتار دی جائے گی۔" (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۸۹)

[25] بتایا جا رہا ہے کہ متقین کے لیے موت کتنی فرحت بخش ہوتی ہے۔وہ اس وقت بے حد مسرور ہوتے ہیں۔(اسی لیے صالحین کا چہرہ موت کے وقت پھولوں کی طرح مسکراتا دمکتا ہوتا ہے) فرشتے جب ان کی جان لینے آتے ہیں تو انہیں اللہ کی طرف سے سلام پہنچاتے اور جنت کی بشارت دیتے ہیں۔صوفیاء کہتے ہیں کہ جب انسان دنیا میں آتا ہے تو روتا ہے اور لوگ مسکراتے ہیں اور مومن کو چاہیے کہ دنیا سے یوں جائے کہ لوگ روئیں اور وہ مسکرائے۔

نشان مرد مومن باتو گویم   چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

کفار کس چیز کے منتظر ہیں سوا اس کے کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آ جائیں یا تمہارے رب کا فیصلہ آ جائے۔

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے کہا اور ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔[26]

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

تو انہیں اپنے اعمال کی برائیاں آ پہنچیں اور اسی چیز نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔[27]

بت پرستی اور انکار قیامت کا رد اور درس توحید

[26] یعنی جب کفار پر حق واضح ہو چکا ہے تو پھر وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوا اس کے کہ موت کے فرشتے آ کر ان کا گلہ دبالیں اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے یا ان پر عذابِ الٰہی کی صورت میں رب کا فیصلہ آ جائے جیسے پہلی قوموں پر اللہ کا فیصلہ آ گیا تھا اور وہ عذاب میں پکڑ لیے گئے تھے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ اس آیت میں ہر دور کی اسلام دشمن قوتوں کے لیے وارننگ ہے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو اللہ کی پکڑ کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔

[27] یعنی جب پہلی قوموں کے کفار عذاب کے آنے کا مذاق اڑاتے تھے تو پہلے انہیں مختلف برائیاں پہنچائی گئیں جیسے قحط سالی، رزق کی تنگی اور بیماریاں وغیرہ۔ جب وہ متنبہ نہ ہوئے تو انہیں اسی عذاب نے آ لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ معلوم ہوا انسان کو مصائب کے آنے پر اپنے کردار پر نظرِ ثانی کرنا اور برائیوں سے باز آنا چاہیے۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ

اور مشرکوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت کرتے نہ ہمارے باپ دادا

وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ

اور نہ ہم اس سے ہٹ کر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ان سے پہلے لوگوں نے بھی

قَبۡلِهِمۡ‌ ۚ فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝٣٥ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ

ایسے ہی کیا تو رسولوں کے ذمے کھلی تبلیغ کے سوا کیا ہے۔[28] اور بے شک ہم نے ہر امت میں

اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى

رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے دور رہو تو ان میں سے کچھ کو تو اللہ نے ہدایت دی

اللّٰهُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلٰلَةُ‌ ؕ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا

اور ان میں سے کسی پر گمراہی مسلط ہو گئی، تو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٣٦ اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰٮهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ

کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔[29] اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں تو اللہ جسے گمراہ کر دے

لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ‌ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝٣٧

اسے پھر ہدایت نہیں دے سکتا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔[30]

[28] مشرکین نے اپنے شرک کے جواز پر یہ بہانہ تراشا کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کیسے شرک کرتے اور کیسے اللہ کے سوا کوئی چیز پوجتے۔ اگر اللہ کو ہمارا شرک کرنا ناپسند ہوتا تو وہ ہمیں اس سے روک دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان سے پہلے کفار بھی ایسی ہی بیکار حجت بازی کرتے تھے اور رسول ﷺ کے ذمہ یہ ہے کہ پیغامِ توحید کا کھلے طور پر پہنچا دینا مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ کسی کو کفر و شرک سے زبردستی نہیں روکتا بلکہ اس نے اپنے رسول کو بھیج کر تمہیں پیغامِ توحید دیا اور شرک سے روکا ہے، یہی اللہ کا روکنا ہے۔ کسی کو گناہوں سے زبردستی روکنا اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔
معلوم ہوا اللہ کی رضا اور ہے مشیت اور ہے۔ ہر چیز بلکہ کفار کا کفر و شرک بھی اللہ کی مشیت سے ہے مگر ہر چیز میں اللہ کی

رضا نہیں ہے اس کی رضا صرف اچھے کاموں میں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی ڈھیل کو اپنے گناہ کے لیے سند جواز سمجھنا کفار کا طریقہ ہے۔

[29] کفار کا یہ بہانہ کہ اگر اللہ ہمارے شرک کو ناپسند رکھتا ہوتا تو ہمیں اس سے روک دیتا، کا رد کرتے ہوئے اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا اور اس کے ذریعے اس امت کو یہ حکم فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے کہنے میں مت آؤ یعنی اس کے کہنے پر اللہ کی عبادت میں کسی اور کو مت شریک کرو۔ تو یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ شرک سے نہیں روکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ تو انبیاء کی اس تعلیم پر عمل کر کے ہدایت پا گئے اور بعض نے انبیاء سے دشمنی کی تب ان پر گمراہی مسلط ہوگئی اور بالآخر ان پر عذاب آ گیا تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ایسے گمراہ لوگوں کا کیا انجام ہوا۔

معلوم ہوا ہر امت میں رسول بھیجا گیا۔ (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا) یہ الگ بات ہے کہ ہر نبی کا نام اور کام معلوم نہیں۔ قرآن و حدیث میں اکثر انہی انبیاء کا ذکر کیا گیا کہ کفارِ عرب جن کی بستیوں سے واقف تھے۔ یعنی ان انبیاء کا ذکر خیر کیا گیا جو خطۂ عرب یا اس کے آس پاس آئے تھے۔

[30] حضور ﷺ کفار کی اسلام دشمنی سے کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! جب کسی شخص کی مسلسل ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کے دل پر اللہ گمراہی کی مہر لگا دے تو اسے پھر ہدایت نہیں مل سکتی اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کر سکتا ہے، تو ایسے شخص کی بدبختی پر کبیدہ خاطر رہنے کی ضرورت نہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا

اور انہوں نے نام خدا پر مضبوط قسمیں اٹھائیں کہ جو مر جائے اللہ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں یہ اللہ کے ذمے

عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ

سچا وعدہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے یہ اس لئے ہے تاکہ اللہ وہ چیز واضح کر دے جس پر

يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا

کفار اختلاف کرتے ہیں اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ [31] ہمارا تو کسی چیز کو

لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

یہی کہنا ہوتا ہے جب ہم اسے بنانا چاہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ [32]

[31] کفار قسمیں اٹھاتے تھے کہ اللہ دوبارہ کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں اللہ تعالیٰ دوبارہ نہیں

اٹھائے گا؟ بلکہ اللہ نے اپنے ذمہ پر یہ عہد لے رکھا ہے کہ وہ ایسا ضرور کرے گا تا کہ اللہ لوگوں کو بتائے کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ان میں حق کیا تھا۔

عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ قیامت ضرور آنی چاہیے

یعنی تقاضائے عقل ہے کہ ایک دن ایسا آنا چاہیے جب معلوم ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ آج کچھ لوگ اللہ رب العزت کی ہستی ماننے کو تیار نہیں ہیں، کچھ اللہ کے لیے اولاد مانتے ہیں، کچھ اللہ کے لیے کئی شرکاء تسلیم کرتے ہیں، کچھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے یا ختمِ نبوت سے منکر ہیں، کچھ صحابہ کرام کو گالیاں بکتے اور امہات المؤمنین کو لعن طعن کرتے ہیں اور ان کا گمان ہے کہ وہ ثواب کما رہے ہیں، تو ایک دن آنا چاہیے جب ہر کسی کو معلوم ہو کہ دنیا میں کون حق پہ تھا کون باطل پہ۔ پھر کچھ لوگ دنیا میں ظلم سہتے سہتے چل بستے ہیں اور کچھ ان پہ ظلم کرتے کرتے اٹھ جاتے ہیں۔ اب ایک دن آنا چاہیے جب مظلوم کو مظلومیت کا بدلہ اور ظالم کو ظلم کی سزا ملے، اگر ایسا دن نہ آئے تو معنی یہ ہوا کہ ظالم اور مظلوم دونوں کا انجام ایک ہی جیسا ہو گیا اور یہ سمجھنا بھی مظلوم کے ساتھ ناانصافی اور ظلم ہے۔

[32] یعنی اللہ قیامت کیوں بپا نہیں کرسکتا۔ اس کی طاقت تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہے تو اسے صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا
اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد ازاں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم انہیں دنیا میں بہتر ٹھکانہ
حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى
دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر لوگ علم یقین لائیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾
رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔[33]

وقف لازم

فضیلتِ ہجرت، تعریفِ رسالت اور عظمتِ الوہیت

[33] مکی زندگی میں جب صحابہ کفار کے مظالم سہتے سہتے تنگ آ گئے تو انہیں ہجرت کا مژدہ سنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ راہِ خدا میں ہجرت کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں بہترین ٹھکانا دیں گے اور اگر لوگ یقین لائیں تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر اور بڑا ہے اور یہ یقین وہی لوگ لاتے ہیں جو صبر اور اپنے رب پر توکل کرنے والے ہوں۔ کیونکہ راہِ خدا

میں اپنا وطن، جائیداد، مکانات اور سب رشتہ داریاں ترک کر کے غریب الوطن ہو جانا بہت بڑے صبر اور توکل کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بہترین ٹھکانے اور آخرت میں اجرِ اکبر کا صلہ عطا فرمایا اور ان کے صبر اور توکل علی اللہ ہونے کی گواہی دی۔ اس فضیلت میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں بلکہ وہ ان میں سب سے افضل ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ڈنکے کی چوٹ پر کفار کو للکارتے ہوئے ہجرت کی، اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ صاحب الہجرتین ہیں۔ لہٰذا شیعہ فرقہ ان نفوسِ قدسیہ پر لعن طعن کر کے اپنی عاقبت کو خراب نہ کرے۔ انہی مہاجرین کے لیے فرمایا گیا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ ”ان نادار مہاجرین کے لیے (مالِ غنیمت ہے) جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں۔“ (حشر: ۸)

اللہ کی راہ میں ہجرت کی دنیوی و اُخروی برکات

اس آیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کے لیے تیار کیا اور وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں جا بسے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ پورا فرمایا اور انہیں مدینہ طیبہ میں بہترین ٹھکانہ عطا فرمایا۔ انصارِ مدینہ نے ان کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں پہلے سے زیادہ برکت ڈال دی۔ اس آیت میں راہِ حق میں وطن کی قربانی دینے والوں کے لیے عظیم مژدہ ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ ”اور جو شخص راہِ خدا میں ہجرت کرے وہ زمین میں بڑی آسائشیں اور فراخی پائے گا اور جو آدمی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اسے راستہ ہی میں موت آ گئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے آ گیا۔“ (نساء: ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ مہاجرین مکہ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں پہلے سے بہت بہتر ٹھکانہ عطا فرما دیا۔ اسی طرح ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والوں کے احوال پہلے سے بہت

اچھے ہو گئے حتیٰ کہ ہجرت نہ کرنے والے ان کے رشتہ داران پر رشک کرنے لگے، کیونکہ انہوں نے کفار کے ملک میں رہنے کی بجائے ایک اسلامی ملک میں رہنے کو ترجیح دی، اس لیے ان کی ہجرت اللہ کی راہ میں تھی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا دنیا ہی میں صلہ عطا فرما دیا اور آخرت کا صلہ الگ ہے۔

عظمتِ مدینہ منورہ

اس آیت سے شانِ مدینہ طیبہ بھی معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مومنینِ مکہ کو مژدہ سنایا کہ اللہ نے انہیں مکہ سے بہتر ٹھکانہ دے گا: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ اسی لیے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ﷺ روایت فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دعا فرماتے تھے: اللهم حبب الينا المدينة كما حببت الينا مكة او اشد حبا۔ ''اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ منورہ کو ایسے ہی محبوب بنا دے جیسے تو نے ہمیں مکہ سے محبت عطا فرمائی بلکہ اس سے کہیں زیادہ محبت عطا فرما دے۔'' (بخاری کتاب فضائل المدینہ حدیث ۱۸۸۹، مسلم کتاب الحج حدیث ۳۸۰) اس دعائے رسول ﷺ کی قبولیت واضح ہے۔ اہلِ اسلام مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی نسبت بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور جتنی شاعری اور نعت گوئی مدینہ طیبہ پر ہوئی مکہ مکرمہ پر نہیں ہوئی۔

حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ ارض حرم ہے، اس کا درخت نہ کاٹا جائے، اور جو شخص مدینہ طیبہ میں الحاد پھیلانا چاہے اس پہ اللہ کی اور سب فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔''
(بخاری کتاب فضائل المدینہ ۱۸۶۷)

حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس آتے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی دیواریں نظر آتیں تو آپ اپنی اونٹنی کی رفتار تیز فرما دیتے اور اگر آپ کسی اور جانور پہ ہوتے تو اسے حرکت دیتے کہ تیز چلے، یہ مدینہ طیبہ سے آپ کی محبت کے سبب تھا۔ (بخاری کتاب فضائل المدینہ حدیث ۱۸۸۶)

عظمتِ مدینہ طیبہ کے بارہ میں مفسر کی لکھی ہوئی ایک نعت شریف

یہ نعت میں نے کچھ عرصہ پہلے لکھی تھی۔ اب یہ کئی محافل میں پڑھی جاتی ہے اور اہل محبت اسے سن کر جھومتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اسے اس جگہ نقل کر دوں۔ کیونکہ یہاں عظمتِ مدینہ کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے، تو میں نے عرض کیا ہے:

میں کرتا ہوں ہر دم دعائے مدینہ — کہ مولا مجھے بھی دکھائے مدینہ
نبی کے پسینے کی خوشبو سے یارو — معطر ہے اب تک ہوائے مدینہ
ضیائے رخِ شاہِ دنیا و دیں سے — منور منور فضائے مدینہ
شفا ہو نہ جس کو کسی بھی دواء سے — ذرہ لے وہ خاکِ شفائے مدینہ

چمک تجھ کو بھاتی ہے پیرس کی ناداں
ہمیں بس ہے بھاتی ضیائے مدینہ

تجھے شوق ہے جاؤں لندن یا پیرس
میں دیتا ہوں تجھ کو دعائے مدینہ

کہاں تم کو موت آئے گر مجھ سے پوچھو
کہوں گا نہ کچھ بھی سوائے مدینہ

یہ ہر اہل ایماں کی حسرت ہے اس کو
مدینے کا والی بلائے مدینہ

دعاء ہے یہ طیبؔ کی اے مولا دے دے
پئے قبر دو گز ہی جائے مدینہ

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ

اور آپ سے قبل ہم نے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے تو تم اہل ذکر سے پوچھو

اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾ بِالۡبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ

اگر تم نہیں جانتے واضح نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ [34] اور ہم نے آپ کی طرف ذکر اتارا تا کہ آپ لوگوں کو بتائیں

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تا کہ وہ فکر کریں۔[35]

[34] نزولِ قرآن کے وقت کفارِ مکہ کہتے تھے ایک انسان کو دوسرے انسانوں کے لیے نبی بنانے کا کیا معنی ہے کسی فرشتہ کو رسول بنایا جانا چاہیے تھا، اس کے جواب میں متعدد جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ سے قبل مردوں (انسانوں) ہی کو رسول بنا کر اور معجزات اور کتابیں دے بھیجا۔ اے منکرو! اگر تمہیں معلوم نہیں تو علم والوں سے (اہلِ کتاب سے) پوچھ لو۔

عورت کے امام یا حاکم بننے کی حرمت

یہاں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا سے معلوم ہوا عورت نبی، امام یا حاکم نہیں بن سکتی، نبوت منصبِ جلیل ہے مگر عورت کو نہ دیا گیا کیونکہ اس میں عورت کو مردوں کی نگاہوں کا مرکز بننا پڑتا ہے اور یہ اللہ کو ناپسند ہے۔ اسی لیے عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی نہ حاکم بن سکتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لن یُفلِحَ قومٌ ولّوا امرھُم امرأةً۔ "وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی جنہوں نے اپنی امارت کسی عورت کے سپرد کر دی۔" (بخاری کتاب الفتن باب ۸۱)

فقہی شخصی تقلید کا جواز

اس جگہ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ سے فقہی تقلید کا جواز معلوم ہوا۔ کیونکہ ہر مسلمان میں

یہ صلاحیت نہیں بلکہ ہر عالم دین میں بھی یہ صلاحیت نہیں کہ براہِ راست قرآن وحدیث سے مسائل فقہیہ جان سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ بتلایا: فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۴۳﴾ کہ "جس شخص میں قرآن وحدیث کا براہِ راست مطالعہ کر کے مسائلِ شرعیہ کے استنباط کی صلاحیت نہیں وہ کسی فقیہ و مجتہد سے پوچھ لے۔ یہی تقلید کا مفہوم ہے۔ قرآن وحدیث اور تعاملِ صحابہ میں اس پہ کثیر دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرماتا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾ "ایسا کیوں نہیں ہے کہ ہر قوم میں سے ایک گروہ دین سیکھنے کے لیے نکلے اور جب وہ (دین سیکھ کر) واپس آئیں تو اپنی قوم کو (اللہ ورسول کی نافرمانی سے) ڈرائیں تا کہ وہ (برائیوں سے) بچیں۔" (توبہ، ۱۲۲) اب جو لوگ دین سیکھ کر آئیں گے اگر قوم ان کی کہی ہوئی باتوں کی تقلید نہیں کرے گی تو وہ اپنی قوم کو کیسے ڈرائیں گے۔ یونہی اللہ فرماتا ہے:

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ "اگر وہ لوگ اس بات کو رسول اللہ (ﷺ) کی طرف اور مسلمانوں میں سے جو لوگ اہل علم ہیں ان کی طرف لوٹاتے تو ان میں سے جو لوگ بات کی تحقیق کر سکتے ہیں وہ اس کی حقیقت کو جان جاتے۔" (النساء، ۸۳) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے کہ جو عام مسلمان اللہ ورسول کے ہر حکم کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے، وہ ان اہلِ علم کی تقلید کریں جو ہر بات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی چند مجتہد صحابہ کی تقلید کرتے تھے

پھر رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں میں صحابہ کرام بھیجے تا کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں۔

آپ نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو آپ نے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو دین سکھانے کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اب جس علاقہ میں کوئی صحابی بھیجا جاتا تھا اس علاقہ کے لوگ ہر معاملہ میں اسی صحابیِ رسول کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کے ہر فتویٰ کی تقلید کرتے تھے۔

اس کے بعد دورِ صحابہ میں بھی تقلید کا وجود تھا۔ صحابہ کرام میں فقہی مسائل پہ اختلاف ہوا، اب کچھ لوگ ایک صحابی کی بات مانتے تھے دوسرے لوگ دوسرے صحابی کی بات کو ترجیح دیتے تھے۔ صحابہ کرام بھی اپنے میں سے چند مجتہد افراد کی تقلید کرتے تھے۔

اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے مسئلہ بتایا، اہلِ مدینہ نے کہا:

لا نأخذ بقولك وندع قول زيد۔ ہم آپ کی وجہ سے زید بن ثابت کا قول نہیں چھوڑ سکتے۔

(بخاری کتاب الحج، باب ۱۴۵ حدیث ۱۷۵۸)

گویا اہلِ مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے حبرِ امت اور مفسرِ قرآن کا قول ماننے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ ہمیں بتایا جائے کہ تقلیدِ شخصی اور کس چیز کا نام ہے ،اگر یہ شرک یا گمراہی ہے جیسے بعض غیر مقلدین کہتے ہیں تو کیا یہ فتویٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہ بھی لگایا جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر ایسے فتوے دے کر مسلمانوں میں انتشار کیوں ڈالا جا رہا ہے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک فتوی دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے مختلف فتوی دیا جسے سن کر حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ اشعری کہنے لگے: لا تسئلونی مادام فیکم ھذا الحبرُ۔ جب تک تم میں یہ تبحر عالم موجود ہے مجھ سے فتوی نہ لیا کرو۔ (بخاری کتاب الفرائض باب ۸، موطاً امام مالک کتاب الرضاع باب ۱۵، مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۴۶۴)

یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصی تقلید کی تاکید کی۔

یہاں ان انتہاپسند غیر مقلدین کے لیے درسِ عبرت ہے جو تقلیدِ شخصی کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور یوں وہ تمام حنفی شافعی حنبلی اور مالکی اہلِ اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ صحابہ کرام بھی شخصی تقلید کرتے تھے جیسا کہ ہم نے ابھی ثابت کیا تو کیا وہ صحابہ کرام کو بھی مشرک کہیں گے؟ ایسی انتہاپسندی اور غلو سے اللہ محفوظ رکھے۔

پھر دور صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں لوگوں تک مختلف روایات سے احادیث پہنچیں۔ ان میں بعض احادیث منسوخ تھیں بعض ناسخ، کچھ صحیح سند کے ساتھ پہنچیں کچھ ضعیف سند کے ساتھ، اب آگے چل کر اس بناء پر فقہاء و مجتہدین میں ہزارہا اختلافات ہوئے اور سینکڑوں مسالک معرضِ وجود میں آ گئے۔ جن میں سے بعض سراسر الحاد پہ مبنی تھے، حتی کہ بعض نے شراب کو مطلقاً حلال قرار دیا۔

اس لیے قریباً تیسری صدی ہجری میں امت میں اس پر اتفاق ہوا کہ چار مکاتب فقہ حنفی مالکی شافعی اور حنبلی کے سوا کسی فقہی مکتب کی پیروی نہ کی جائے اور جس مسئلہ پر چاروں مکاتب متفق ہوں اس سے انحراف صریح گمراہی ہے جیسے ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں، عورت کی دیت اور شہادت مرد کی دیت اور شہادت سے نصف ہے، میت کے بیٹوں کی موجودگی میں اس کے یتیم پوتے کے لیے میراث نہیں ہے، بالغہ عورت پر اجنبی مردوں کے سامنے سر کا چھپانا واجب ہے، ان مسائل پر چاروں مکاتب متفق ہیں ان سے بعض لوگوں کا انحراف گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

حیرت ہے کہ اہلِ حدیث فرقہ کے لوگ تقلیدِ شخصی کو شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پیشوا علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: جب کوئی انسان معرفتِ احکام شریعت سے عاجز ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ کسی خاص شخص کی اس کے خاص مسلک کے حوالہ سے تقلید کر لے، کیونکہ ہر شخص پہ واجب نہیں ہے کہ احکامِ شرع کی معرفت تامہ حاصل کرے۔
(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ دار الجبل ریاض سعودیہ)

[35] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس کا مفہوم سمجھائیں۔

کیونکہ آپ کے سمجھائے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا اور لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام میں غور وفکر کریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ

تو کیا (دین کے خلاف) برے داؤ کرنے والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۟ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

وہاں سے عذاب لے آئے کہ انہیں گمان بھی نہ ہو یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے تو وہ اللہ کو عاجز

بِمُعْجِزِيْنَ ۟ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۟

نہ کر سکیں یا انہیں خوفزدگی میں پکڑ لے تو تمہارا رب بے شک بڑا مہربان بڑا رحم والا ہے۔[36]

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ

کیا کفار نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کے سائے دائیں بائیں

وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۟

اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں وہ عاجز ہیں۔[37]

[36] اللہ رب العزت دشمنانِ اسلام کو جو دین حق کے خلاف داؤ کرتے رہتے ہیں وارننگ دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے یا ان پر اچانک عذاب لے آئے۔ یا انہیں کسی سمندری یا بری سفر میں آتے جاتے لقمہ عذاب بنا دے مثلاً ان کا جہاز پانی میں ڈبو دے یا ان کا قافلہ صحراء میں بھٹکا دے۔ (یا آج کل کے مطابق ان کا ہوائی جہاز فضا میں تباہ کر دے) یا انہیں کسی بیماری میں پکڑ لے۔ مگر اللہ مہربان ہے وہ عذاب میں جلدی نہیں فرماتا۔ ان آیات میں بندۂ مومن کے لیے بھی درسِ عبرت ہے کہ اسے اللہ کی پکڑ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے اور کبھی اس کے احکام سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے، ورنہ کسی وقت بھی اللہ کی پکڑ آسکتی ہے۔

[37] ہر چیز کا سایہ دوپہر سے پہلے مغرب کی طرف اور دوپہر کے بعد مشرق کی طرف دائیں بائیں جھک کر سجدہ کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۟ ''چیزوں کے سائے صبح وشام اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔'' (رعد:۱۵)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں چلنے والی چیز ہے اور فرشتے سجدہ کرتے ہیں اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾

تکبر نہیں کرتے، وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔[38]

ع ٦ ١٢ السجدۃ ٣

[38] تمام آسمانی مخلوق جیسے جنت کی حور وغلمان اور ارواحِ مومنین اور تمام زمینی مخلوق یعنی سب جن وانس اور تمام فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے اس کے کسی حکم سے عدول نہیں کرتے۔ دراصل ہر چیز کا سجدہ اس کے حسبِ حال ہے۔ درختوں کا سجدہ یہ ہے کہ ان کے سائے دائیں بائیں جھکتے ہیں جیسا کہ گزشتہ آیت میں گزرا، پرندوں کا سجدہ یہ ہے کہ جب وہ فضا میں اللہ کی دی ہوئی طاقت سے بلند ہوتے ہیں تو یہ ان کا قیام ہے اور جب زمین کی طرف آتے ہیں تو یہ ان کا سجدہ ہے۔ جانور جب روزی کھانے کے لے اپنا منہ زمین پہ رکھتے ہیں تو گویا وہ اللہ کے حضور اپنا سر جھکاتے ہیں، یہ ان کا سجدہ ہے۔ شمس وقمر اور دیگر سیارے جب طلوع ہوتے ہیں تو یہ ان کا قیام ہے اور جب غروب ہوتے ہیں تو یہ ان کا سجدہ ہے۔ پھر ہر چیز حکمِ الٰہی کے آگے عاجز ہے یہ عجز بھی ایک سجدہ ہے۔

فرشتوں کا معصوم ہونا

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ سے معلوم ہوا کہ فرشتے معصوم ہیں، یعنی وہ حکم ربی سے سرتابی نہیں کرتے، کیونکہ ان میں سرتابی کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا۔ اسی لیے دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا گیا

وھم بامرہ یعملون۔ ''فرشتے اللہ کے حکم پہ عمل کرتے ہیں۔'' (انبیاء،٢٧) مزید فرمایا گیا۔

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ ''اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دے وہ اس کی مخالفت نہیں کرتے اور جو انہیں حکم دیا جائے وہی کرتے ہیں۔'' (سورہ تحریم۔٦)

لہٰذا ہاروت وماروت کے قصہ میں جو روایات بتاتی ہیں کہ ان فرشتوں سے بدکاری، ظلم اور قتل جیسے گناہ سرزد ہوئے وہ سب قرآن سے متصادم اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اس کی مکمل تحقیق ہم سورہ بقرہ رکوع ١٢ میں قصۂ ہاروت وماروت کے تحت کر آئے ہیں، وہاں دیکھا جائے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ
اور اللہ فرماتا ہے کہ دو معبود مت مانو، معبود تو صرف ایک ہی ہے تو مجھ ہی سے
فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ
ڈرو اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور ہمیشہ اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ تو کیا تم اللہ کے سوا (دوسروں سے)
اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
ڈرتے ہو؟[39] اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے
فَاِلَيْهِ تَجْـَٔــرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
تو تم اسی کی بارگاہ میں چیختے ہو پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دے تو تم ہی سے کچھ لوگ شرک کرنے
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾
لگتے ہیں۔ تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں تو تم مزے اڑالو، عنقریب تم جان لو گے[40] اور جن (بتوں)
وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا
کو کچھ شعور نہیں ان کے لئے وہ ہمارے دیئے ہوئے سے ایک حصہ مقرر کرتے ہیں بخدا تمہاری افتراء پردازی پر تم
كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾
سے ضرور پوچھ ہوگی[41]

ضرورت توحید اور رد شرک کا بیان

[39] کفارِ عرب نے حرمِ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت سجار کھے تھے جن سے وہ مرادیں مانگتے تھے اور انہیں خوف ہوتا تھا کہ اگر وہ ان بتوں کی عبادت نہ کریں گے تو وہ ان کا نقصان کر دیں گے۔ ان کا رزق گھٹا دیں گے یا انہیں کوئی بیماری لگا دیں گے، جیسا کہ آج ہندوؤں اور بدھ متوں کے اپنے اوتاروں اور بھگوانوں کے بارہ میں نظریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام شرکیہ اوہام کی تردید میں فرمایا کہ صرف اللہ ہی لائق عبادت ہے وہی اکیلا معبود ہے اور دو معبود ماننا بھی کفر ہے چہ

جائے کہ سینکڑوں معبود مانے جائیں اور اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔کائنات کی کسی چیز میں اللہ کے حکم کے بغیر ازخود کوئی نفع یا نقصان دینے کی طاقت نہیں ہے۔
ارض وسماء کی ہر چیز اسی کی ملک میں ہے لہٰذا اسی کی اطاعت لازم ہے اور اسی کا خوف رکھنا چاہیے کہ اگر اس کی عبادت واطاعت نہ کی جائے تو وہ ناراض ہو کر ہمارا رزق گھٹا سکتا یا بیماری وغیرہ میں مبتلا کر سکتا ہے کسی دوسرے کے بارہ میں ایسا تصور رکھنا جائز نہیں بلکہ شرک ہے۔اس آیت میں یہ درس بھی ہے کہ مومن کو اللہ پہ بھروسہ رکھنا چاہیے اور اسی کا خوف دل میں ہونا چاہیے۔

[40] اللہ تعالیٰ توحید کا نقطہ سمجھاتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اے انسانو! تمہارے پاس موجود ہر نعمت اللہ کی دی ہوئی ہے اس کے باوجود تم اپنے جھوٹے خداؤں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو، لیکن جب تم پر مصیبت آجائے تو انہیں بھول کر صرف اللہ کی بارگاہ میں آہ وفریاد کرتے ہو اور جب وہ تم سے مصیبت دور کر دے تو تم پھر انہی جھوٹے خداؤں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہو یہ کس قدر گمراہی وبے انصافی ہے۔تو چند دن مزے اڑالو۔عنقریب تمہیں اس ناانصافی وناشکری کا انجام معلوم ہوگا۔اس میں مسلمانوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے، وہ یہ کہ پریشانی میں اللہ کو پکارنا اور پریشانی ختم ہو جانے پہ اللہ کو بھول جانا کفار ومشرکین کا طریقہ بتایا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔خواہ خوشی ہو یا غم، رحمت ہو یا زحمت، نعمت ہو یا نقمت ہو۔

درس شکرانہ نعمت

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ میں مومن کے لیے عظیم درسِ شکر ہے، یعنی مومن کو چاہیے کہ ہر نعمت پہ اپنے رب کا شکر بجالائے اور کبھی نہ سمجھے کہ یہ نعمت اس کو اس کی قوت بازو سے حاصل ہوئی ہے، قوت بازو کا اس میں تعلق ضرور ہے، مگر نعمت دینے والا اللہ ہے۔کیونکہ کئی وہ لوگ ہیں جو اسی طرح قوت بازو استعمال کرتے ہیں مگر انہیں وہ نعمت نہیں ملتی جو بعض کو مل جاتی ہے، تو جنہیں مل گئی وہ اللہ کا شکر بجالائیں۔

[41] مشرکینِ عرب شعور سے محروم اپنے بتوں کے لیے اپنے اموال کا ایک حصہ مقرر کر دیتے تھے یعنی اسے ان کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے تھے مثلاً بتوں کے آگے جانور ذبح کرتے اور اپنی زمینی پیداوار کا کچھ حصہ ان کے نام وقف کرتے تھے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ

یعنی ''اللہ کی پیدا کردہ کھیتی اور جانوروں میں سے انہوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ مقرر کیا اور اپنے زعم میں کہا کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے دوسرے خداؤں کا۔'' (انعام:۶:۱۳۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مشرکو! تمہیں اس افتراء پردازی کا حساب دینا ہوگا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں جبکہ وہ اس سے پاک ہے اور (وہ) اپنے لئے من پسند چیز (بیٹے) چاہتے ہیں [42] اور جب ان
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ
میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمزدہ ہو جاتا ہے اپنی قوم سے چھپتا پھرتا ہے
سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ
اس عار سے جو اسے بشارت دی گئی کہ آیا اسے ذلت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں دبا دے، خبردار! وہ کیا ہی برا
مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ
فیصلہ کرتے ہیں۔[43] جو لوگ آخرت پہ ایمان نہیں لاتے ان کے لئے بری مثال ہے اور اللہ کے لئے
الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
اعلیٰ مثال اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔[44]

[42] کفارِ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے جس طرح قرآن میں ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ ''انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں تصور کرلیا۔'' (زخرف:١٩) ایک اور جگہ پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ ''کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟'' (نجم:٢١)

[43] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار اللہ کے لیے بیٹیاں مانتے ہیں مگر خود بیٹیوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ جب انہیں خوشخبری دی جائے کہ ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے تو ان کا چہرہ غصہ سے سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ سخت غمزدہ ہو جاتے ہیں بلکہ اس خوشخبری کی عار سے بچنے کے لیے وہ اپنی قوم سے چھپتے پھرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اب کیا کیا جائے۔ آیا اس بیٹی کو ذلیل بن کر رکھ لیا جائے یا مٹی میں زندہ دبا دیا جائے۔ جب خود انہیں بیٹی سے اس قدر نفرت ہے تو اللہ کے لیے بیٹیاں کیسے مانتے ہیں کیا ان کی قدر و منزلت، اللہ سے بھی زیادہ ہے؟ تو وہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ امام بغوی و خازن نے روایت کیا ہے کہ بنو نضر، بنو خزاعہ اور بنو تمیم اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے تاکہ غیر کفو کے لوگ ان سے رشتہ نہ مانگیں اور کوئی ان کی عزت کا مالک نہ بنے۔

بیٹی کی پیدائش سے مغموم و پریشان ہونا کفار کا طریقہ ہے

ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۚ‏ سے معلوم ہوا کہ بیٹی کی پیدائش پہ غمزدہ ہونا کفار کا طریقہ تھا، مگر افسوس آج کئی جاہل مسلمان بھی بیٹی کی پیدائش پہ گھر میں طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حدیثِ طیبہ میں بیٹی کو اللہ کی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو لوگ بیٹی کی پیدائش پہ پریشان نہ ہوں اللہ ان پہ رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ابتلی بالبنات فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار۔ ''جس شخص کو بیٹیاں دی گئیں (بیٹا نہ ملا) اور اس نے ان کی بہتر تربیت کی وہ اس کے لیے جہنم سے ڈھال بن جائیں گی۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۲۶۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو وضم اصابعہ۔ ''جس شخص نے دو بچیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ بالغہ ہوگئیں تو روزِ قیامت میں اور وہ دونوں یوں اکھٹے آئیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر دکھایا۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۲۶۳۱)

اسلام میں عورت کا مقام

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو ذلت سے بچا کر عزت سے نوازا ہے۔ اگر اسلام نہ آتا تو عورت ہمیشہ زندہ درگور کی جاتی رہتی۔ خود یورپ میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک عورت کو ایک منحوس وجود جانا جاتا تھا، عورت کے لیے کوئی حقِ وراثت نہ تھا۔ انقلابِ فرانس کے بعد عورت کو حقِ وراثت دیا گیا۔ جبکہ اسلام نے آج سے چودہ صدیاں پہلے عورت کو اس کا جائز مقام دلایا، اس کے باوجود مغرب کے متعصب لوگ اسلام پہ الزام رکھتے ہیں کہ اس نے عورت کے حقوق چھینے ہیں اور اس کی آزادی سلب کر لی ہے تو یہ ان کا تعصب ہے، ہاں انہوں نے عورت کو بیجا آزادی دے کر عورت پہ ظلم کیا ہے، عورت کو گھر کی محفوظ چار دیواری سے نکال کر مردوں کے جھرمٹ میں لا بٹھایا ہے اور اس کی عفت وحیاء کو کچل کر رکھ دیا ہے۔

[44] یعنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے والوں کی مثال (ان کا کردار) بہت خوفناک ہے اور اللہ تعالیٰ کی مثال (اس کا عمل) کس قدر اعلیٰ ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں سے درگزر فرماتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ سے گناہ کا صدور محال ہے، اللہ کسی گناہ پہ قادر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیے صرف مثلِ اعلیٰ ہے، اس کے لیے کوئی مثلِ ادنیٰ نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اللہ رب العزت کے لیے جھوٹ بولنے کا امکان بتایا تھا، مگر یہ سراسر گمراہی والحاد ہے۔

ہدایت وارشاد کی بعض گہری رموز کا بیان

[45] اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، صحیح تر قول یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہوں کے سبب خواہ وہ کفر ہو یا عام گناہ، ان پر جلد پکڑ فرماتا ہوتا تو زمین پر چلنے والی کوئی چیز زندہ باقی نہ رہتی کیونکہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بدکاروں کے ساتھ نیکوکار بھی عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے زلزلوں، طوفانوں وغیرہ میں بدکاروں کے ساتھ نیکوکار بھی مار دیئے جاتے ہیں اور انسانوں کی نحوست جانوروں کو بھی لے ڈوبتی ہے تاہم نیکوکاروں کا عذاب میں مارا جانا ان کے لیے درجۂ شہادت کا سبب بن جاتا ہے۔ مگر اللہ جلد پکڑ نہیں فرماتا۔ وہ مدت مقررہ تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے جس سے موت یا قیامت یا اللہ کی پکڑ کا وقت مراد ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کبھی صالحین کی وجہ سے بدکاروں سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور کبھی بدکاروں کی وجہ سے صالحین لقمۂ عذاب بن جاتے ہیں۔

اس آیت سے حلم کی فضیلت معلوم ہوئی۔ جب اللہ جبار و قدیر ہو کر نافرمانوں پر پکڑ کرنے میں جلدی سے کام نہیں لیتا تو ہمیں بھی اپنے مخالفین و حاسدین سے حلم برتنا چاہیے۔

[46] کفارِ عرب اللہ کے لیے بیٹیاں مانتے تھے اور اپنے لیے بیٹیاں ناپسند رکھتے تھے پھر اس نامنصفانہ عقیدہ کے باوجود سمجھتے تھے کہ اگر قیامت بپا ہوئی تو ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ وہ یاد رکھیں ان کے لیے صرف آگ ہے اور وہ اس کی طرف ہانکے جائیں گے۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننے والا کافر و جہنمی ہے۔

اللہ کے لیے اولاد ماننے والا کافر جہنمی ہے

یہ مقام افسوس ہے کہ عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ اسے وحی آئی کہ اللہ نے کہا: انت منی بمنزلۃ ولدی۔ اے مرزا قادیانی! تم میرے لیے میرے بیٹے کی طرح ہو۔ (حقیقۃ الوحی باب ۴ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۸۹ مطبوعہ لندن) یہ کس قدر ملحدانہ بدبودار الفاظ ہیں۔

[47] اللہ رب العزت اپنی قسم یاد فرماتا ہے اور یہ اسی کی شان ہے کیونکہ تکبر صرف اسی کا حق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے آپ سے قبل پہلی امتوں میں رسولانِ گرامی مبعوث فرمائے تو شیطان نے ان لوگوں کو رسولوں کی مخالفت پر اکسایا اور اس عمل کو ان کے لیے خوشنما بنایا اور آج وہی شیطان کفار کا مددگار ہے اور انہیں آپ کی مخالفت پر اکسا رہا ہے لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں یہ عمل شروع سے ایسے ہی آ رہا ہے۔

[48] پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری تاکہ آپ حق سے اختلاف کرنے والوں کو راہِ حق دکھائیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے یعنی اس کی ہدایت اپنانے سے وہ دارین کی رحمتیں

حاصل کر سکتے ہیں۔

[49] منکرین قیامت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو اللہ آسمان سے بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے تو کیا وہ مردہ ہڈیوں کو دوبارہ گوشت کا لباس پہنا کر انہیں زندہ نہیں کر سکتا؟ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دوسری بار صور پھونکے جانے سے قبل زمین پر چالیس دن تک ایک گاڑھے پانی کی مسلسل بارش ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا تو ہر مردہ زندہ ہو کر زمین سے باہر نکل آئے گا۔'' (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۴۱۔ نسائی کتاب المساجد باب ۳) یعنی قیامت آنے پر ایک بارش ہوگی اور بارش ہی سے مردے زندہ کیے جائیں گے۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ

اور تمہارے لئے جانوروں میں بڑی عبرت ہے، ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں موجود گوبر

وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ

اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔[50] اور درخت کھجور کے پھل

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور انگور سے تم نشہ اور بہترین رزق حاصل کرتے ہو۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔[51]

[50] یعنی ایک مادہ جانور چارہ کھاتا ہے جو اس کے پیٹ میں جا کر ایک ملغوبے کی شکل اختیار کرتا ہے پھر اس ملغوبے کے بعض اجزاء خون بن کر اس کی رگوں میں چلے جاتے ہیں، کچھ اجزاء دودھ بن کر اس کے تھنوں میں پہنچ جاتے ہیں اور کچھ گوبر بن کر اس کی مقعد کے راستے خارج ہو جاتے ہیں اب کون سی طاقت ہے جس نے یہ اجزاء اس طرح الگ الگ کیے کہ دودھ میں خون کا کوئی قطرہ نہیں اور خون میں دودھ کا کوئی ذرہ نہیں۔ نہ ہی ان میں گوبر والی کوئی بدبو یا غلاظت نظر آتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ فطرت کا عمل ہے تو اس ملغوبے کے تمام اجزاء ایک ہی جیسے تھے اور ان کی ایک ہی فطرت تھی اور ان کی فطرت کا ایک ہی جیسا تقاضا ہونا چاہیے تھا۔ پھر یہ کیوں ہوا کہ بعض اجزاء خون بننے کی طرف مائل ہو گئے بعض نے دودھ کی شکل اپنالی اور بعض نے گوبر کی۔ آخر کوئی طاقت ہے جو یہ سب کچھ کر رہی ہے اور وہ اللہ ہے۔ کیونکہ جو رب یہ نظام چلا رہا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہو، کوئی اسکے ارادہ پہ غالب نہ ہو، اس کا ارادہ سب پہ غالب ہو اور یہ صرف اللہ جل مجدہ کی شان ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دودھ کی افزائش صرف مادہ جانور کی غذا میں سے ہوتی ہے، حالانکہ نر جانور نے بھی وہی غذا کھائی ہوتی ہے، یہ بھی اللہ رب العزت کی ایک عظیم قدرت ہے۔

دودھ کی افادیت

یہاں لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ؀ کہہ کر دودھ کی افادیت بتائی گئی۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دودھ کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دے۔''
(ابوداؤد کتاب الاشربہ باب ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور ہر حیوان کی ابتدائی غذا دودھ ہی رکھی ہے۔ گویا انسانی وحیوانی حیات کی نشوونما میں جس قدر حصہ دودھ کا ہے کسی اور چیز کا نہیں اور دودھ کی ضرورت انسان کو زندگی بھر رہتی ہے، کیونکہ ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے دودھ کا پینا بے حد ضروری ہے، جو بچے دودھ کم پیتے ہیں ان کی ہڈیاں کمزور رہ جاتی ہیں۔

پھر حدیثِ مبارکہ میں دودھ کو فطرتِ اسلام کی علامت بتایا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے سدرہ کی طرف اٹھایا گیا وہاں چار نہریں تھیں، دو ظاہری دو باطنی۔ ظاہری نہریں نیل وفرات تھیں اور باطنی جنت کی دو نہریں تھیں۔ پھر مجھے تین پیالے پیش کیے گئے، دودھ کا پیالہ، شہد کا پیالہ اور شراب کا پیالہ، میں نے دودھ والا پیالہ لے لیا اور اس سے پیا، تو مجھے کہا گیا۔

اصبتَ الفطرۃ انت وامتُك۔ ''آپ اور آپ کی امت نے فطرت کو پالیا ہے۔''
(بخاری کتاب الاشربۃ حدیث ۵٦۱۰، مسلم کتاب الاشربۃ حدیث ۲۰۱۰)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم عن الذنب ہیں۔ آپ شراب کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتے، مگر خصوصاً شبِ معراج آپ کا شراب کو چھوڑ کر دودھ کو پکڑنا اس لیے تھا تاکہ اس کی برکت سے آپ کی امت حرام سے بچ کر حلال کی طرف متوجہ رہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں نے شبِ معراج شراب کی بجائے دودھ کو پکڑا تو مجھے کہا گیا:

لو اخذتَ الخمرَ غوتْ امتُك۔ ''اگر آپ شراب کو پکڑ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔''
(مسلم کتاب الاشربہ حدیث ۲۰۰۹)

[51] کھجوروں اور انگوروں سے انسان نشہ آور مشروب بھی بناتا ہے اور انہیں بہترین رزق کے طور پر کھاتا بھی ہے چنانچہ کھجوروں سے چھوارے بنتے ہیں اور انگوروں سے کشمش اور منقع جیسی چیزیں، اس میں بھی عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ ایک ہی چیز نشہ آور بن کر نقصان دہ اور حرام بن گئی اور وہی چیز نشہ سے دور رہ کر مفید اور حلال ٹھہری۔ یہاں سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ کہہ کر بتایا گیا کہ نشہ آور چیز رزقِ حَسن نہیں بلکہ رزقِ قبیح ہے یہ ہر نشہ آور چیز کی حرمت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کل مسکر حرام۔ یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (بخاری ادب ۸۰ مسلم اشربہ ۷۳، ترمذی الاشربہ ۳ وغیرہ)

جس مشروب کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام اور نجس ہے

یاد رہے کہ انگور کا رس اگر خود جوش مار کر نشہ آور ہوجائے یا اسے پکا کر نشہ آور بنایا جائے وہی حقیقی خمر ہے جس کو قرآن

نے حرام قرار دیا ہے، جیسے قرآنِ مجید میں ہے: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۹۰﴾ ''بیشک شراب، جوا، بت اور تیروں کی فال یہ سب گندہ شیطانی عمل ہے، اس سے باز آجاؤ تاکہ تم کامیابی پاؤ۔'' (مائدہ، ۹۰) اور اس کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے، خواہ اس میں نشہ آئے یا نہ آئے اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے اور ایک قطرہ پینے پر بھی حد لازم ہے، اس پہ ساری امت متفق ہے۔

مگر انگور کے علاوہ دوسری چیزوں سے بنائی جانے والے مشروبات اگر اس طرح ہوں کہ ان کا زیادہ پینا نشہ لاتا ہو تو ائمہ ثلاثہ امام احمد، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کے نزدیک ان کا حکم بھی خمر والا ہے، یعنی ان کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے اور اس پہ حد لازم ہے۔ احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک جس مشروب کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا غیر نشہ آور حد تک پینا حلال ہے اور اس پہ حد لازم نہیں۔ اس بارہ میں ائمہ احناف متاخرین نے قول امام محمد ہی پہ فتویٰ دیا ہے، کیونکہ شرابی لوگ شیخین کے فتویٰ کو آڑ بنا کر شراب نوشی کا بازار گرم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم غیر نشہ آور حد تک پیتے ہیں۔ گویا قولِ شیخین پہ فتویٰ دینا دورِ حاضر میں شراب نوشی کا دروازہ مکمل کھول دینے کے مترادف ہے۔

مگر یہ ناخوش گوار صورت حال ہے کہ معاصر محقق و مفسر علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے اس آیت میں تتخذون منہ سکراً کے تحت قولِ شیخین کی ترجیح پہ بہت زور دیا ہے، وہ ساری بحث کا خلاصہ یہ نکالتے ہیں کہ کہا:

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے بشرطیکہ وہ مشروبِ غیر خمر ہو (غیر انگوری ہو)۔
(تبیان القرآن جلد ۶ صفحہ ۷۰)

مجھے ڈر ہے کہ حکمت سے خالی یہ طرزِ تحریر و تحقیق معاشرہ میں اخلاقی بے راہ روی کا سبب بن سکتا ہے، اور شراب نوشی کے اڈے مزید پختہ ہو جائیں گے، بلکہ نئے اڈے قائم ہونگے۔ حالانکہ ہمیشہ فقہاء احناف قول امام محمد ہی پہ فتویٰ دیتے آئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اس کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے، خواہ وہ انگوری شراب ہو یا غیر انگوری۔

چنانچہ علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں:

وحرمها محمد اى الاشربة المتخذة من العسل والتين وغيرهما قال المصنف مطلقا قليلها و كثيرها وبه يفتى ذكره الزيلعي وغيره واختاره الوهبانيه وذكر انه مروى عن الكل۔

یعنی امام محمد رحمہ اللہ نے ان تمام نشہ آور مشروبات کو جو شہد اور انجیر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں، مطلقاً حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں اور اسی پہ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اسی کو شارح وہبانیہ نے اختیار کیا ہے اور اس نے ذکر کیا ہے کہ یہی فتویٰ تمام فقہاء سے مروی ہے۔

آگے انہوں نے ایک شعر ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام نشہ آور مشروبات پہ حد لگائی جائے گی اور ان کے نشہ میں طلاق واقع ہوگی اور سب فقہاء سے یہی مروی ہے اور امام محمد نے ان کی قلیل مقدار کی بھی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور یہی فتویٰ لکھا جاتا ہے۔ (درمختار جلد ٦ صفحہ ۴۸۲ مطبوعہ شرکتہ المصطفیٰ البابی مصر)

اور علامہ سید محمد ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں:

وبه يفتي، اي بقول محمد وهو قول الائمة الثلاثة لقوله عليه الصلوة والسلام كل مسكر خمر وكل مسكر حرام رواه مسلم وقوله عليه الصلوة والسلام ما اسكر كثيره فقليله حرام رواه احمد وابن ماجه والدار قطني وصححه كصاحب الملتقى والمواهب والكفاية والنهاية والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقهستاني والعيني، حيث قالوا الفتوىٰ في زماننا بقول محمد لغلبة الفساد۔

یعنی امام محمد کے قول ہی پہ فتویٰ دیا جاتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے (خمر کے حکم میں ہے) اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔'' اسے احمد، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا اور اسے حدیثِ صحیح قرار دیا ہے اور اسی پہ الملتقیٰ، المواہب، النھایہ، المعراج، شرح المجمع، شرح درر البحار، قھستانی اور عینی میں فتویٰ دیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ہمارے زمانہ میں قولِ محمد رحمہ اللہ پہ فتویٰ ہے، کیونکہ فساد غالب آ گیا ہے۔
(ردالمحتار شرح درمختار جلد ٦ صفحہ ۴۸۲)

اسی طرح امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

''ہمارے بعض مشائخ سے پوچھا گیا کہ سادات علماء کرام فقاع کے بارہ میں کیا کہتے ہیں جو چھوارے سے بنایا جاتا ہے اور جب اس کا منہ کھولا جائے تو اُڑ جاتا اور منتشر ہو جاتا ہے، انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ آگے فرمایا:

واما اذا صار بحيث انه يسكر من شدته فيحرم حينئذ قليلا كان او كثيرا۔ مگر جب وہ اس طرح ہوا کہ اپنی شدت کی وجہ سے نشہ لائے تو وہ حرام ہے، خواہ وہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ میں۔
(عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۰ کتاب الاشربہ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

معلوم ہوا کہ امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ کے نزدیک جو مشروب بھی نشہ آور ہو وہ حرام ہے خواہ اسے کم پیا جائے یا زیادہ۔

شیخ عبدالرحمان بن محمد جزیری متوفی ۱۳۶۰ھ فرماتے ہیں:

نبیذ تمر جب پکایا جائے اور گاڑھا ہو جائے اور اس کا زیادہ پینا نشہ دے اور کم پینا نشہ نہ دے تو اس قسم کے تمام مشروبات حرام ہیں خواہ کم مقدار میں ہوں یا زیادہ اور خواہ ایک قطرہ۔ بعض بیرہ نوش شرابی کہتے ہیں کہ احناف کے

نزدیک اس کا قلیل مقدار میں پینا حلال ہے۔

والواقع ان قلیلها و کثیرها حرام فی مذهب الحنفیة علی الصحیح المفتی به

یعنی واقعہ یہ ہے کہ صحیح مفتیٰ بہ حنفی مذہب میں وہ مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک ان نشہ آور مشروبات کا کثیر حرام ہے قلیل حرام نہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک ان کا قلیل وکثیر سب حرام ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے: وقول محمد هو الصحیح المفتیٰ به فی المذهب، فمذهب الحنفیة هو مذهب محمد حینئذ۔ اور امام محمد کا قول ہی مذہب حنفی میں صحیح ومفتی بہ ہے، تو احناف کا مذہب وہی ہے جو امام محمد کا مذہب ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ صفحہ ۴۱۵ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ دار ابن حزم شام)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وفی روایة عنه ان قلیله و کثیره حرام ولکن لایجب الحد ما لم یسکر کذافی محیط السرخسی والفتویٰ فی زماننا بقول محمد رحمه الله۔ یعنی تمر وزبیب کے نبیذ میں جب وہ حدِ سکر سے کم ہو۔ امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا قلیل وکثیر حرام ہے، لیکن جب تک عملاً نشہ نہ آئے حد نہیں لگے گی، ایسے ہی محیط سرخسی میں ہے، اور ہمارے زمانہ میں امام محمد ہی کے قول پہ فتویٰ ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۴۱۲ کتاب الاشربہ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قولِ منصور ومختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ مثل شراب حرام ونا روا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے، یہی مذہب معتمد اور اسی پہ فتویٰ ہے۔ تنویر الابصار میں ہے: حرمها محمد مطلقا وبه یفتی۔ (امام محمد نے ان مشروبات کو مطلقاً حرام رکھا ہے اور اسی پہ فتویٰ ہے) درمختار میں ہے: وذکره الزیلعی وغیره واختاره شارح الوهبانیة۔ (اسی کو زیلعی نے ذکر کیا اور شارح وہبانیہ نے پسند کیا)

ردالمحتار میں ہے:

قوله غیره کصاحب الملتقیٰ والمواهب والکفایة والنهایة والمعراج وشارح المجمع وشرح درر البحار والقهستانی والعینی حیث قال الفتویٰ فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد۔ (اس کے علاوہ سے مراد یہ ہے کہ ملتقی، مواہب، کفایہ، نہایہ، معراج، شرح المجمع، شرح درر البحار کے مصنفین اور قہستانی اور عینی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، عینی نے کہا: غلبۂ فساد کی وجہ سے ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے)

طحاوی علی الدرر میں ہے:

قال الحموی واعلم ان الاصح المختار فی زماننا ان کل ما اسکر من الاشربة المذکورة بعمومها کثیرہ وقلیله حرام وھو قول محمد لحدیث کل مسکر حرام۔ (حموی نے کہا: جان لو کہ صحیح تر اور پسندیدہ فتویٰ ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ مذکورہ نشہ آور مشروبات اپنے عموم کے ساتھ حرام ہیں، خواہ قلیل مقدار میں ہوں یا کثیر میں، یہی قولِ امام محمد ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے)

وجیز کرزی میں ہے:

قال محمد رحمه الله قلیله و کثیرہ حرام قالوا بقول محمد نأخذ ومذھب محمد انه نجس حرام۔ (امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا قلیل وکثیر حرام ہے، فقہاء احناف کہتے ہیں کہ ہم قولِ امام محمد کو لیتے ہیں جن کے مطابق یہ سب حرام اور نجس ہیں)۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۵ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

ان تمام فتاویٰ کے باوجود اس آیت میں تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا۔ الخ کے تحت فاضل محقق اور معاصر مفسر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے اس بات پہ زور دیا ہے کہ غیرِ خمر مشروبات کی کثیر مقدار اگر نشہ آور ہو تو ان کو قلیل مقدار میں پینا جائز ہے۔ ویالیته لم یکتب ذلك

ہم بصد ادب واحترام عرض کرتے ہیں کہ ایسے فتوے سے احتراز کرنا چاہیے، جب مذکورہ بالا تمام فقہاء احناف فساد زمانہ کی وجہ سے امام محمد ہی کے قول پہ فتویٰ دے رہے ہیں جن میں صاحب درمختار امام حصکفی، صاحب رد المحتار علامہ شامی، صاحب الملتقی، شارح وہبانیہ، صاحب کفایہ امام جلال الدین خوارزمی، علامہ قہستانی، امام بدر الدین عینی، ودیگر کثیر فقہاء احناف شامل ہیں اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا گیا ہے تو اس سے ہٹ کر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے ہی فتوؤں کا سہارا لیکر شرابی لوگ دھڑلے سے شراب نوشی کرتے ہیں۔ آج وطنِ عزیز پاکستان میں شراب عام ہو رہی ہے، سرمایہ داروں، جاگیرداروں، فوج کے اعلیٰ افسروں اور افسر شاہی میں شراب بکثرت پی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے نازک وقت میں احتیاط اور حکمت سے کام لیا جائے، ایسا نہ ہو کہ شرابی لوگ اس طرح کے فتوؤں کو دلیل بنا کر دھڑلے سے شراب نوشی کی محفلیں سجائیں، کیونکہ عموماً جو شرابیں پی جاتی ہیں وہ غیرِ خمر نشہ آور مشروبات ہی ہیں، تو ہر شرابی آدمی کو ایک بہانہ ہاتھ لگ جائے گا کہ میں تو تھوڑی سی پیتا ہوں، نشے کی حد تک نہیں پیتا، یعنی اس طرح کا فتویٰ دینا شراب نوشی کو مکمل تحفظ مہیا کرنا ہے، اگرچہ فتویٰ دینے والے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔

احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں نشہ آور مشروب کا قلیل بھی حرام ہے

اور جن روایات میں ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک نبیذ پیتے تھے۔ جب ان کو اس میں کچھ تلخی محسوس ہوتی تو وہ اس میں پانی ملا لیتے تھے۔ ایسی روایات ضعیفہ قابلِ استناد نہیں ہیں۔ خود علامہ سعیدی صاحب ان کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"ان احادیث کی سندیں ہر چند کہ ضعیف ہیں لیکن تعددِ اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائقِ استدلال

ہیں۔'' (تبیان القرآن جلد ۶ صفحہ ۱۹۴)

ہم عرض کرتے ہیں کہ بقول علامہ سعیدی یہ روایات تو تعددِ اسانید کی وجہ سے حسن لغیرہ ہیں مگر اپنی ذات میں ضعیفہ ہیں، جبکہ ان کے مقابلہ میں کثیر احادیثِ نبویہ صحیحہ مرفوعہ موجود ہیں جو صراحت کر رہی ہیں کہ جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ چنانچہ:

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما اَسکرَ کثیرُہ فقلیلُہ حرامٌ۔ ''جس چیز کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الاشربہ حدیث ۱۸۸۳، ترمذی کتاب الاشربہ حدیث ۱۸۶۵)

اس حدیث کی سند یوں ہے:

حدثنا قتيبة عن اسماعيل بن جعفر عن داود بن بكر بن ابی الفرات عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبدالله

اس کا (پہلا راوی) قتیبہ ہے جس کا پورا نام قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبد اللہ ثقفی ہے، فرہیانی نے کہا قتیبہ صدوق ہے۔ میں نے عراق کے رواۃ کبار میں سے کوئی نہیں دیکھا جو اس سے روایت نہ لیتا ہو، حاکم نے کہا: قتیبہ ثقہ مامون ہے۔ (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۶۴۴)

(دوسرا راوی) اسماعیل بن جعفر ہے۔ امام نسائی، امام ابوزرعہ، امام احمد، ابن معین، ابن سعد اور ابن خراش سب نے اسے صدوق کہا کوئی اسے ضعیف کہنے والا نہیں۔ (تہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

(تیسرا راوی) داؤد بن بکر بن ابی فرات ہے۔ ابن معین ابو حاتم، ابن حبان اور دارقطنی سب اسے ثقہ قرار دیتے ہیں، کسی نے اس کی تضعیف نہیں کی۔ (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۸)

(چوتھا راوی) محمد بن منکدر ہے۔ وہ اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ پندرہ سے زائد صحابہ کی صحبت اور روایت حاصل ہے، جن میں جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عباس، ابو امامہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اور اس پہ عمل ضروری ہے۔

(۲) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

كل مسكر حرام وما اسكر منه الفرق فملاء الكف منه حرام۔ ''ہر نشہ آور مشروب حرام ہے اور جس چیز کا ڈول بھر پینا نشہ لائے اس میں سے ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔''

(ابوداؤد کتاب الاشربہ حدیث ۳۶۸۷، ترمذی کتاب الاشربہ حدیث ۱۸۶۶)

اس حدیث کی سند یوں ہے:

مسدد عن مهدی بن ميمون عن ابی عثمان عمرو بن سلم عن القاسم عن عائشة۔

اس کا (پہلا راوی) مسدد ہے۔ جس کا پورا نام مسدد بن مسرہد بن مسربل بصری ہے، اس کو ابوزرعہ، احمد بن حنبل، ابن معین، نسائی، عجلی، ابن حبان ابن قانع و دیگر ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے، کوئی اس کی تضعیف کرنے والا نہیں۔

(تہذیب جلد ۵ صفحہ ۴۱۵)

(دوسرا راوی) مہدی بن میمون ہے۔ اسے شعبہ، احمد بن حنبل، ابن معین، نسائی، ابن خراش، ابن حبان عجلی و دیگر نے ثقہ کہا ہے، کسی نے اسے ضعیف نہیں کہا۔ (تہذیب جلد ۵ صفحہ ۵۵۲)

(تیسرا راوی) ابوعثمان عمرو بن سلم انصاری ہے۔ اس کو ابن حبان، آجری، نسائی اور بخاری وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، کوئی اسے ضعیف نہیں کہتا۔ (تہذیب جلد ۶ صفحہ ۴۲۶) اور

(چوتھا راوی) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ہے۔ یہ جلیل القدر تابعی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پوتا اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا ہے، قریباً چودہ صحابہ کرام سے صحبت اور روایت رکھتا ہے، جن میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ، عبادلہ ثلاثہ وغیرہم شامل ہیں۔ الغرض یہ بھی حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ ''جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

(ابن ماجہ کتاب الاشربہ حدیث ۳۳۹۴)

اس حدیث کی سند یوں ہے:

عن عبد الرحمان بن ابراهيم عن انس بن عياض عن عبيد الله بن عمر عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده.

اس کا (پہلا راوی) عبدالرحمان بن ابراہیم ہے، یعنی عبدالرحمان بن ابراہیم بن عمرو بن میمون قرشی اموی دمشقی، تمام محدثین اس کی توثیق وتثبیت میں رطب اللسان ہیں عجلی، نسائی، ابوداؤد، ابوحاتم، فریابی، ابن حبان، مسلم، خلیلی و دیگر سب نے اسے ثقہ اور امام قرار دیا ہے۔ (تہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۴۴)

(دوسرا راوی) انس بن عیاض ہے۔ ابن سعد، ابوزرعہ، نسائی ابن معین، دوری، ابن شاہین و دیگر نے اسے ثقہ کہا ہے، کسی نے اسے ضعیف نہیں کہا۔ (تہذیب جلد ۱ صفحہ ۸۳۲)

(تیسرا راوی) عبیداللہ بن عمر ہے۔ اس کی ثقاہت پہ سب ائمہ متفق ہیں جیسے ابوحاتم، احمد بن حنبل، ابن معین، نسائی وغیرہم۔ (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۸) اور

(چوتھا راوی) عمرو بن شعیب ہے جو شعیب کے باپ محمد سے روایت کرتا ہے اور وہ اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے، اس عمرو بن شعیب اور اس کے باپ محمد کی ثقاہت بھی سب ائمہ رجال کے ہاں مسلم ہے، جیسے دارمی، دارقطنی، نقاش، ابن شاہین وغیرہم۔ (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۳۵۰) الغرض اس حدیث کی صحت میں بھی کوئی

کلام نہیں۔

الغرض ان تمام احادیثِ صحیحہ صریحہ قولیہ نافیہ کے مقابلہ میں چند ضعیف فعلیہ مثبتہ روایات کی کیا حیثیت ہے کہ ان کی بنیاد پہ نشہ آور اشربہ کی قلیل مقدار کو جائز کہا جائے اور نتیجہ میں شراب نوشی کا دروازہ کھلے، یہ بھی ضابطہ ہے کہ جب احادیث میں تعارض ہو تو احادیثِ نافیہ کو مثبتہ پہ ترجیح ہوتی ہے، اسی طرح قولیہ کو فعلیہ پہ ترجیح ہوتی ہے اور مذکورہ بالا احادیث قولیہ اور نافیہ ہیں جو نشہ آور مشروب کے قلیل و کثیر سب کو حرام کہہ رہی ہیں۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ
اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے
وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ
چھتوں میں گھر بناؤ پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس نگلو پھر اپنے رب کے مسخر کردہ راستوں
ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
پر چلو، ان مکھیوں کے پیٹ سے ایک مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۛ
بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔[52] اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا
وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ
اور تم میں سے بعض کو کمزور عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے' بے شک
اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ ع
اللہ علم والا قدرت والا ہے۔[53]

ع ۹ ۱۵

تخلیق شہد اور دیگر نعمتوں کے ذریعے قدرت خداوندی پر دلالت

[52] اس سے قبل دودھ کھجور اور انگور کی افزائش سے قدرتِ ربانی واضح کی گئی۔ اب شہد کی تخلیق کو بطورِ دلیل قدرتِ خداوندی پیش کیا جارہا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ تمہارا رب شہد کی مکھی کی طرف وحی کرتا یعنی اس کے دل میں القاء کرتا ہے کہ وہ

پہاڑوں، درختوں اور خصوصاً افزائش شہد کے لیے انسانوں کے بنائے ہوئے مخصوص چھتوں میں اپنے گھر یعنی اپنے چھتے بنائے پھر اللہ کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر جائے اور مختلف پھلوں کا رس اپنے پیٹ میں بھر کر لائے اور اپنے چھتوں میں اسے اپنے پیٹ سے نکالے۔ یوں وہ رنگا رنگ شہد تیار ہوتا ہے جس میں اللہ نے انسانوں کے لیے شفاء رکھی ہے۔ اس میں فکر کرنے والوں کے لیے قدرتِ خداوندی کی عظیم نشانیاں ہیں مثلاً یہ کہ ہر طرح کی مکھیاں، تتلیاں اور کیڑے مکوڑے بھی پھلوں، پھولوں پتوں وغیرہ کا رس کھاتے ہیں مگر ان کے پیٹ سے غلاظت کے سوا کچھ نہیں نکلتا جبکہ شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والے فضلے کو اس قدر لذیذ اور صحت بخش کس نے بنا دیا وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

وحی کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

اس جگہ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ کے تحت واضح رہنا چاہیے کہ لفظ وحی کا لغوی معنیٰ کسی کو خفیہ پیغام دینا ہے، خواہ اشارے کی صورت میں ہو یا دل میں بات ڈالنے کی صورت میں۔ اب دل میں بات کا ڈالا جانا کبھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے کبھی شیطان کی طرف سے اور ان سب کو لغوی معنیٰ میں وحی کہا گیا ہے جیسے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى۔ ''ہم نے والدۂ موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی۔'' یعنی ان کے دل میں بات ڈالی۔ (قصص، ۷) وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ۔ ''شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں، یعنی ان کے دل میں بات ڈالتے ہیں۔'' (انعام، ۱۲۱) جبکہ اصطلاحی معنی میں اللہ کا کسی نبی یا رسول سے فرشتہ یا القاء قلبی کے ذریعے یا براہِ راست گفتگو کرنا وحی کہلاتا ہے چونکہ حضور ﷺ پر رسالت و نبوت ختم ہوگئی ہے اس لیے کوئی شخص اپنے لیے لفظ وحی کو لغوی معنی میں بھی استعمال نہیں کر سکتا تا کہ دعویٰ نبوت کا وہم نہ ہو۔

شہد کے شفا بخش ہونے پہ احادیث

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط میں شہد کا باعثِ شفا ہونا بتایا گیا اور شہد کے شفا بخش ہونے پر کثیر احادیث وارد ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عليكم بالشفائين العسل والقرآن۔ ''لوگو خود پر دو شفائیں لازم کرلو شہد اور قرآن۔'' (ابن ماجہ کتاب الطب باب ۷ حدیث ۳۴۵۲) یعنی جسمانی امراض کے لیے شہد ہے اور روحانی امراض کے لیے قرآن۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی کو پیچش لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے شہد کھلاؤ۔ وہ دوبارہ حاضر ہو کر کہنے لگا اس کے پیچش بڑھ گئے ہیں فرمایا۔ مزید شہد پلاؤ۔ وہ پھر حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ اس کے پیچش اور بڑھ گئے ہیں فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹ کہتا ہے۔ اسے شہد پلاؤ، اس نے مزید شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ (بخاری کتاب الطب باب ۴)

امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں بعض پیچش وہ ہوتے ہیں جنہیں بند کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ تقاضا حکمت یہ ہوتا ہے کہ انہیں جاری رکھا جائے تا کہ معدے سے تمام گندی غذا خارج ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۷)

یعنی نبی اکرم ﷺ نے اسی حکمت کے تحت اس حدیث کے مطابق اسہال والے شخص کو بار بار شہد پلایا، تا کہ شہد کے ذریعہ اس کے معدے سے تمام غلاظت نکل جائے، جب وہ نکل گئی تو اسے شفا ہو گئی۔ بلاشبہ آپ امام الحکماء بھی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزوں میں شفا ہے، شہد اور حجامت۔'' (بخاری کتاب الطب حدیث ۵۶۸۰)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یعجبہ الحلواء والعسل۔ ''رسول اللہ ﷺ کو حلوا اور شہد پسند تھا۔''
(بخاری کتاب الطب حدیث ۵۶۸۲)

یاد رکھنا چاہیے کہ شہد ہر مرض کے لیے شفا ضرور ہے مگر اس کے لیے حکیم حاذق کی حکمت درکار ہے۔ شہد کو مختلف چیزوں کے ساتھ ملا کر مختلف طریقوں سے استعمال کرنا ہر قسم کی بیماری کو ختم کر سکتا ہے اور اسی کا نام حکمت ہے۔ شہد کی بوتل کو سیدھا منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی جانا حکمت نہیں جہالت ہے، نہ ہی اس طرح شفا مل سکتی ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) فضیلتِ علم۔

شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم دیا تو وہ سب مکھیوں سے ممتاز ہو گئی۔ اگر علم سے مکھی کو فضیلت ملتی ہے تو انسان کو علم سے کتنی فضیلت مل سکتی ہے۔ شہد کی مکھی جو چھتا بناتی ہے اس کے خانے مسدس ہوتے ہیں، یعنی ہر خانے کی چھ اطراف ہوتی ہیں، اس میں گہری حکمت اور علم کارفرما ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو جو خانے بنیں گے ان کے مابین خلا رہے گا اور چھتا مضبوط نہیں بنے گا۔ اگر چہ مربع اور مثلث شکل کے خانوں میں بھی خلا نہیں ہوتا مگر ان میں مکھی آسانی سے گھوم نہیں سکتی، وہ مسدس میں آسانی سے گھوم سکتی ہے، یہ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

(۲) درسِ تواضع۔

انسان ایک مکھی کا فضلہ کھاتا ہے پھر کس بنیاد پر تکبر کرتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: انسان کا سب سے اچھا لباس ریشم ہے جو ایک کیڑے کا لعاب ہے اور سب سے اچھا مشروب شہد ہے جو ایک کیڑے کا فضلہ ہے۔ پھر وہ تکبر کیوں کرتا ہے۔

[53] یعنی موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کر کے اسے جلدی موت دے دیتا ہے اور وہ زندگی کی چند بہاریں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اور بعض کو اللہ اتنی طویل عمر دیتا ہے کہ ان کی عقل جواب دے دیتی ہے اور وہ

سب کچھ جاننے کے باوجود نادانوں کی سی باتیں کرتے ہیں تو جس کے قبضہ میں موت و حیات ہے وہی لائق عبادت ہے۔ آخر سارے انسان ایک ہی عمر میں کیوں نہیں مرتے، ان کی موت کے وقت میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے اور کس کے حکم سے ہے، اور وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

بڑھاپے کی امراض سے پناہ مانگنے کی دعا

معلوم ہوا بڑھاپے کی امراض سے پناہ مانگنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اَرْذَلِ الْعُمُرِ کہا ہے اور حضور ﷺ نے بڑھاپے کی امراض سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ سے دعاء کرتے تھے:

اعوذ بك من البخل والكسل وارزل العمر وعذاب القبر وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات۔ ''اے اللہ! میں بخل، سستی، کمزور ترین عمر، عذاب قبر، فتنۂ دجال اور فتنۂ موت و حیات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ نحل باب ۱)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا
اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے تو جنہیں فضیلت دی گئی، وہ اپنے زیردستوں (غلاموں) کو
بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ
اپنا رزق یوں نہیں دینے والے کہ وہ اس میں برابر کے شریک ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ کی
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝
نعمت سے انکار کرلیں گے۔ [54]

[54] مشرکین عرب اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ کی خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عقیدہ کی برائی سمجھانے کے لیے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے بعض انسانوں کو بعض پر مال میں فضیلت دی ہے مثلاً ایک شخص آقا ہے دوسرا اس کا غلام۔ آقا کے پاس کثیر مال ہے اور غلام کے پاس کچھ بھی نہیں، تو کیا کوئی آقا ایسے کرسکتا ہے کہ وہ اپنے غلام کو اپنے مال میں یوں شریک کرلے کہ دونوں کا حق اس مال میں برابر ہو جائے؟ حالانکہ وہ آقا اپنے غلام کا خالق نہیں ہے تو جس رب قدیر نے کائنات کی ہر چیز تخلیق کی تم اس کی مخلوق کو اس کے ساتھ اس کی قدرت و اختیار اور علم میں شریک کیوں کرتے ہو؟

یہاں سے دوفوائد حاصل ہوئے:

(۱) شرک اور توسل میں فرق۔

یعنی اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس شرک کے رد میں قرآن اترا ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی قدرت واختیار میں یوں شریک کرلیا جائے کہ دونوں میں فرق نہ رہے اور کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ اہلِ اسلام انبیاء واولیاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور توسل کرتے ہیں اس پر بعض نجدی فکر کے لوگ شرک کا فتوی لگاتے ہیں۔ اب اس توسل کا مشرکین کے مذکورہ شرک سے کیا تعلق ہے، جو مومن اللہ سے مانگتے ہوئے انبیاء واولیاء کے ساتھ توسل کرتا ہے کیا وہ ان کو اللہ کی قدرت اور اس کے اختیار میں شریک کرتا ہے؟ مَا لَكُمْ ۔ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○

(۲) انسانوں کے رزق میں کمی بیشی اللہ کی نعمت ہے۔

(وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ) رزق ہر وہ نعمت ہے جو اللہ بندوں کو عطا فرمائے، اب اللہ نے کسی کو مال زیادہ دیا ہے کسی کو کم، کسی کو علم زیادہ دیا ہے کسی کو کم، کسی کو اختیار زیادہ دیا ہے کسی کو کم، تا کہ لوگ ایک دوسرے سے اپنی حاجات پوری کریں۔ اگر سب ایک جیسے مالدار ہوتے تو کون کسی کی نوکری کرتا، کون مکانوں کی تعمیر کے لیے مزدوری کرتا، کون گلیوں بازاروں اور گٹروں کی صفائی کرتا، کون حجامت کا پیشہ اپناتا اور انسانوں کی دیگر حاجات کیسے پوری ہوتیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ ''اگر اللہ اپنے بندوں پہ رزق کو کھول دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرتے، مگر اللہ اندازے کے ساتھ جو چاہے نازل فرماتا ہے۔'' (شوریٰ، ۲۷) تو جن کو اللہ نے زیادہ مال دیا ہے وہ اللہ کا شکر ادا کریں، متکبر نہ بنیں اور اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کریں۔ اور جن کو تھوڑا مال دیا گیا ہے، وہ صبر سے کام لیں راضی برضا رہیں اس صبر کے عوض انہیں آخرت میں اتنا دیا جائے گا کہ مال والے ان پہ رشک کریں گے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیوی سے تمہارے لئے بیٹے اور دیگر رشتہ دار بنائے

بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ‌ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ

اور تمہیں پاک چیزوں کا رزق دیا تو کیا تم باطل پہ ایمان لاتے اور اللہ کی نعمت سے

وَبِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۙ‏ ﴿۵۵﴾ وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ

انکار کرتے ہو۔ [55] اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں آسمانوں

لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ شَيۡـًٔا وَّلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ‌ۚ‏ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضۡرِبُوۡا

اور زمین سے کچھ رزق نہیں دے سکتے اور نہ وہ کوئی اور طاقت رکھتے ہیں۔ تو تم اللہ کے لئے

لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۷۴﴾

مثالیں نہ دو، بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [56]

خدائی نعمتوں کا بیان اور کفر و شرک کا رد

[55] اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی ایک اور نعمت بتا رہا ہے تاکہ وہ جھوٹے خداؤں کی بجائے صرف اسی کی عبادت کریں، تو فرمایا کہ اللہ نے انسانوں کے لیے انہی کی جنس سے ان کی بیویاں بنائیں اور بیویوں کے ذریعے انہیں بیٹے عطا کیے تاکہ ان سے نسل چلے اور بیویوں کے ذریعے دیگر رشتہ دار بھی عطا کیے جیسے ساس سسر سالہ سالی وغیرہ۔ یعنی شادی کے ذریعے انسان کے مراسم و تعلقات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے یہ بھی اللہ کی نعمت ہے پھر اللہ نے انسان کو پاک چیزوں کا رزق دیا یعنی جب وہ شادی کرتا ہے اور اس کے ہاں بیوی بچے آتے ہیں تو اللہ ان کا رزق بھی مہیا فرماتا ہے۔ تو اے انسانو! کیا اس کے باوجود تم باطل عقائد اختیار کرتے اور نعمتِ خداوندی سے انکار کرتے ہو یعنی اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے حصول کا جواز

وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر کسی مرد یا اس کی بیوی کے نظامِ تولید میں

کوئی خرابی ہے تو مصنوعی عملِ تولید کے ذریعہ اولاد حاصل کر لی جائے، جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کہا جاتا ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب مرد یا اس کی بیوی کے نظامِ تولید میں کوئی خرابی ہو اور کسی وجہ سے مرد کے جرثومات (Sperms) عورت کے نسوانی انڈوں (Qrum) میں داخل نہ ہوتے ہوں اور یوں ان کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو مرد اور اس کی بیوی دونوں کا مادہ منویہ لے کر اسے ایک ٹیوب میں رکھ دیتے ہیں اور جدید میڈیکل سائنس نے یہ ترقی کی ہے کہ اس ٹیوب میں نسوانی نالی (Fallopian tube) کی طرح عمل ہوتا ہے، مرد کا جرثومہ عورت کے نسوانی انڈوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں خلیات (Cells) بننے شروع ہو جاتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد ان خلیات کے مجموعہ کو عورت کے رحم میں ڈال دیا جاتا ہے اور بچے کی تولید کا عمل شروع ہو جاتا ہے یہ ایک طریقۂ علاج ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ اس طرح پیدا ہونے والا بچہ اپنے والدین کا شرعی وارث ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ کا مصداق ہے۔ہاں اگر غیر مرد کا مادہ لے کر عورت کے رحم میں ڈالا جائے جو اس عورت کا شوہر نہ ہو، یا میاں بیوی کے مادے لے کر انہیں کسی اور عورت کے رحم میں ڈالا جائے تو یہ ناجائز ہے ایسا ٹیسٹ ٹیوب بے بی ولد الحرام ہے جو مرد وعورت میں سے کسی کا بھی وارث نہیں بنے گا۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا جواز اس لیے ہے کہ فقہاء اسلام نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر شوہر کا مادہ کسی طریقہ سے بیوی کے رحم میں چلا جائے خواہ مباشرت کے بغیر ہو تو یہ جائز ہے اور اس سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہے۔

چنانچہ امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں:

وقد قيل ان المرأة تحمل من غير وطأ بان يدخل ماء الرجل في فرجها اما بفعلها او فعل غيرها۔ یعنی بالتحقیق یہ بات کہی گئی ہے کہ عورت کو مباشرت کے بغیر بھی حمل ہو سکتا ہے، بایں طور کہ اس کے فرج میں مرد کا پانی داخل کر دیا جائے خواہ عورت کے کسی فعل سے یا کسی اور کے فعل سے۔ (المغنی جلد اول صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں:

وما قيل لا يلزم من ثبوت النسب منه وطؤه لان الحبل قد يكون بادخال الماء الفرج دون الجماع فنادر۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ثبوتِ نسب کے لیے جماع ضروری نہیں، کیونکہ کبھی ایسے بھی حمل ہو جاتا ہے کہ عورت کے فرج میں کسی طرح سے پانی داخل کر دیا جائے، تو یہ بات نادر ہے (یعنی ایسا ہو تو سکتا ہے مگر عموماً نہیں ہوتا)
(فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۱۷۱ کتاب النکاح باب ثبوت النسب مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر مرد وعورت کی مباشرت کے علاوہ کسی اور طریقہ سے شوہر کا مادہ اس کی عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ صحیح النسب ہے اور یہی عمل ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں ہوتا ہے۔

اس جگہ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) نیک بیوی اللہ کی نعمت ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو یہاں انسان کے لیے ایک نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے اور بلاشبہ اطاعت گزار بیوی نعمتِ عظمیٰ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۔ نیک بیویاں اطاعت گزار رہتی ہیں اور جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم دیا اسی طرح پیٹھ پیچھے حفاظت کرتی ہیں۔ (نساء:۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے اچھی بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو وہ تمہیں خوش کرے، جب اسے حکم کرو تو تمہاری اطاعت کرے اور جب گھر سے غائب ہو تو تمہارے مال اور تمہاری عزت کی حفاظت کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ.'' الخ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۱۴)

(۲) انسان کی بیوی اس کی جنس ہی سے ہوسکتی ہے۔

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا سے معلوم ہوا انسان کی بیوی جنات میں سے نہیں ہوسکتی۔ بسا اوقات جنات مرد یا عورت بن کر انسانوں کے پاس آتے اور ان سے جنسی تعلقات بھی قائم کرتے ہیں مگر یہ حرام کاری کے سوا کچھ نہیں، نہ اس سے نسل چل سکتی ہے۔

اور وہ جو سیف الملوک نامی کہانی مشہور ہے کہ ایک شہزادہ کسی پری پر عاشق ہوگیا اور اس کی تلاش میں کوہ قاف تک جا پہنچا آخر اسے حاصل کر کے اس سے شادی کی۔ یہ سب ایک فرضی کہانی ہے، جس کے ذریعہ اس کے لکھنے والے نے تمثیلی انداز میں ایک پیغام دیا ہے، اسے حقیقت پہ محمول نہ سمجھا جائے کہ واقعتاً سیف الملوک نامی کوئی شہزادہ تھا جس نے کسی پری سے شادی کی تھی۔ کیونکہ ایسی شادی کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔

ہم تصور نہیں کرسکتے کہ رومی کشمیر حضرت میاں محمد بخش رحمہ اللہ جیسا بزرگ صوفی شاعر جو علومِ درسیہ بھی جانتا ہو، ایک انسان اور پری کے نکاح کے جواز کا فتویٰ دے۔

[56] یعنی مشرکین جن جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ انہیں آسمان یا زمین سے کچھ رزق دیتے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ تو کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے تو پھر مشرکین اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑیں وہ جہالت میں مبتلا ہیں انہیں چاہیے کہ خدائے دانا وخبیر کے اتارے ہوئے علم سے روشنی حاصل کریں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا

اللہ نے مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص کسی کی ملک میں غلام ہے جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے

رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ

بہتر رزق دیا تو وہ اس میں سے خفیہ و علانیہ خرچ کرتا ہے کیا وہ باہم برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ کے لئے ہے بلکہ

اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۞ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ

اکثر لوگ نہیں جانتے۔[57] اور اللہ نے دو آدمیوں کی مثال دی جن میں سے ایک گونگا ہے کسی کام کی

لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ

طاقت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے، وہ اسے جدھر بھیجے وہ کوئی خیر نہیں لاتا،

هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۞ ع

کیا یہ شخص اس آدمی سے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھی راہ پر ہے؟[58]

ع ۱۰ / ۱۶

[57] یعنی ایک غلام ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں اور ایک آزاد ہے جو اللہ کا دیا ہوا بہت سا رزق رکھتا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے سے اس کی راہ میں خفیہ وعلانیہ خرچ کرتا ہے کیا یہ غلام اور آزاد دونوں باہم برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح مشرکین کے جھوٹے خدا ایسے بے بس غلام کی طرح ہیں جو کسی کو کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ ہے ہی نہیں، جبکہ اللہ اس آزاد شخص کی طرح ہے جو اس غلام کا آقا ہے اور وہ جس کو جو چاہے دے سکتا ہے۔ جب ایک غلام اور اس کا آقا باہم برابر نہیں تو اللہ اور اس کی مخلوق باہم کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کی کسی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک کرنا اور اسے اللہ کی طرح مختار ماننا کس قدر ظلم ہے۔

عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ سے معلوم ہوا غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، کیونکہ جب اس کی ذات اس کے آقا کی ملک میں ہے تو جو چیز اس کے پاس ہوگی وہ بھی اس کے آقا کی ملک میں ہے۔ اسی لیے صاحب نصاب شخص کے غلام کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کیونکہ جو چیز اسے دی جائے وہ اس کے آقا کی ملک میں چلی جاتی ہے اور وہ صاحب نصاب ہے مستحق زکوٰۃ نہیں۔ فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ سے معلوم ہوا اگر اللہ مال دے تو اس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہیے۔

[58] یعنی دو غلام ہیں ایک گونگا بہرہ ہے اپنے آقا پر نرا بوجھ ہے اسے جدھر بھیجا جائے کوئی خیر نہیں لا سکتا۔ دوسرا غلام اس قدر دانا ہے کہ خود بھی خلافِ عدل کوئی کام نہیں کرتا اور دوسروں کو بھی عدل و انصاف کی تلقین کرتا ہے کیا یہ دونوں غلام برابر ہیں؟ کبھی نہیں، یہی حال کافر اور مسلم کا ہے۔ دونوں اللہ کے بندے ہیں مگر کافر گونگا بہرہ ہے نہ خود حق پر ہے نہ کسی کو حق پر لاتا ہے اور مومن دانا ہے خود بھی حق پر چلتا ہے اور دوسرے کو بھی تلقینِ حق کرتا ہے پھر وہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ معلوم ہوا مومن کی یہ شان ہے کہ وہ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ

اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے مخفی امور ہیں اور قیامت کا معاملہ تو آنکھ جھپکنے

هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ

ہی جیسا ہے بلکہ اس سے بھی جلد تر، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[59] اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پیٹوں سے نکالا (اس وقت) تم کچھ نہ جانتے تھے پھر اللہ نے تمہارے لئے کان، آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ

اور دل بنائے تا کہ تم شکر بجا لاؤ۔[60] کیا مشرکین نہیں دیکھتے کہ پرندے آسمانی فضا میں تابع فرمان ہیں

السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

انہیں اللہ کے سوا کسی نے (گرنے سے) نہیں روک رکھا بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں[61]

اللہ کی قدرتوں اور رنگارنگ نعمتوں کا بیان

[59] کفار مکہ نبی اکرم ﷺ سے بطورِ استہزاد پوچھتے تھے قیامت کب آئے گی جیسے قرآن میں ہے: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ''کفار آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کا ٹھہرنا کب ہے۔'' (اعراف:۱۸۷) اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اس کا جواب دیا کہ اللہ کے لیے قیامت کا بپا کرنا کچھ مشکل نہیں، قیامت کا معاملہ اللہ کے لیے آنکھ جھپکنے کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر ہے۔ یعنی اللہ پلک جھپکنے کی مدت سے بھی قبل قیامت بپا کرسکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے مگر آسمان و زمین کے مخفی امور اللہ ہی کے پاس ہیں اور قیامت بھی انہی میں سے ہے وہی جانتا ہے کہ اس نے قیامت

کو کب اٹھانا ہے۔ گویا کفار کے سوال کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وقت لوگوں پر ظاہر نہ کیا، ورنہ وہ اس کی ہولنا کی برداشت نہ کر سکتے اور اس سے قبل مرنے لگتے۔

[60] یعنی جب اللہ انسان کو اس کی ماں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے تو وہ کچھ نہیں جانتا ہوتا کہ وہ کون ہے کہاں ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ اس کے کانوں، آنکھوں اور دل میں اتنی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ کان سے سن کر آنکھ سے دیکھ کر اور دل سے جان کر ہر چیز کو پہچانے اور اللہ کا شکر بجالائے گویا جو شکر نہیں بجالاتے ان کے کان، آنکھیں اور دل بیکار ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ۔ (بقرہ:۱۸) آنکھوں، کانوں اور دل کی تخلیق اللہ کی عظیم قدرت ہے۔ بظاہر آنکھوں میں پانی کے چند قطرے ہیں، مگر ان میں اس قدر نور کس نے بھر دیا جس سے سارا جہان انسان پہ روشن ہو گیا۔ کانوں میں بظاہر ایک نازک سا پردہ ہے، مگر اس میں یہ طاقت کس نے ڈال دی کہ جہان بھر کی آوازیں سن لیتا ہے اور دل بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، مگر اس میں ارادوں اور تمناؤں کا سمندر کس نے موجزن کر دیا؟ ایسا سمندر جس کی گہرائی کوئی پا نہیں سکتا، وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

آنکھوں، کانوں اور دل کا شکر

سچی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان میں سے آنکھیں، کان اور دل تو اللہ کی عظیم ترین نعمتیں ہیں۔ آنکھوں کی قدر اندھوں سے اور کانوں کی قدر بہروں سے پوچھو اور دل کے بغیر تو زندگی ہی نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝۲۳ ''آپ فرما دیں کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے آنکھیں، کان اور دل بنایا، تو تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔'' (ملک، ۲۳) یاد رہے آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں اللہ کی معصیت والی چیزوں کے دیکھنے میں صرف نہ کیا جائے، بلکہ انہیں اللہ کی اطاعت میں لگایا جائے، ان سے تلاوتِ قرآن، زیارتِ والدین، زیارتِ حرمین، نگرانی اولاد اور ادائیگیٔ فرائض کا کام لیا جائے۔ کانوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں گانے، غیبت اور ناجائز آوازیں سننے کی بجائے ان سے سماعتِ قرآن، سماعتِ نعت و وعظ اور سماعتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام لیا جائے اور دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں یادِ الٰہی و حبِ رسول ﷺ کو آباد کیا جائے اور دل کو بری خواہشات کی آماجگاہ بنانے کی بجائے نیک ارادوں کا مرکز بنایا جائے۔

؎ دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

[61] پرندے ہوا میں اڑتے ہیں۔ انہیں صرف حکمِ خدا زمین پر گرنے سے روکتا ہے اگر حکمِ خدا نہ ہو تو ان کے پَر بیکار ہو جائیں اور وہ ایک لمحہ فضا میں نہ ٹھہر سکیں۔ کئی جانوروں کے پَر ہیں مگر وہ ایک لمحے سے زیادہ اڑ نہیں سکتے گر پڑتے ہیں جیسے مرغ، کیونکہ اصل میں اڑانے والا اللہ کا حکم ہے، وہ نہ ہو تو پَر بیکار ہیں۔ اس میں ایمان لانے والوں کے

لیے قدرتِ خداوندی کی نشانیاں ہیں اور اگر کوئی ایمان لانا ہی نہ چاہے تو اس کے لیے نشانیاں بیکار ہیں۔

ہوائی جہاز کا سفر اللہ کی یاد اور اس کے خوف میں گزارنا چاہیے

اس جگہ یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ جیسے پرندوں کو فضا میں اللہ کا حکم ٹھہراتا ہے یونہی ہوائی جہاز کو بھی اللہ کا حکم ہی فضا میں اڑاتا ہے بلکہ وہ بھی ایک مصنوعی پرندہ ہے اور پرندوں کی اڑان ہی سے اس کا تصور لیا گیا ہے۔ امریکہ کے ولبر وائٹ برادرز (Willbur Wight Brothers) نے پرندوں کو دیکھ دیکھ کر پہلا اڑنے والا کھلونا بنایا پھر اسی پر تحقیق ہوتی رہی اور بالآخر ۱۹۰۳ء میں پہلا جہاز اڑایا گیا اور مزید جہاز بنالیے گئے۔ اس لیے جہاز میں دورانِ پرواز اللہ کا خوف دل میں رکھ کر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے تاکہ وہ جہاز کو منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ افسوس ہے ان پر جو ہوائی جہاز میں بیٹھ کر فحش فلمیں دیکھتے ہیں۔ اپنے آئی فون سے گانے سنتے، حیا سوز فلمیں دیکھتے اور لہو لعب میں وقت گزارتے ہیں، یہ بڑی غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ آجکل خود جہاز کی ہر سیٹ کے ساتھ سکرین لگادی گئی ہے، جس میں دنیا جہان کی فلمیں ڈرامے وغیرہ موجود ہیں، ان سے کنارہ کشی لازم ہے۔ اس کی بجائے اسی سکرین میں تلاوتِ قرآن اور نعت وعظ کی سائٹ بھی مل جاتی ہے اس کو دیکھنا سننا چاہیے، تاکہ یہ سفر خیریت سے گزرے۔ ہر آئی فون میں بھی تلاوت نعت وعظ و دیگر دینی امور کی سائٹس موجود ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو مسکن بنایا اور اس نے جانوروں کے چمڑوں سے تمہارے لئے

بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا

کچھ گھر بنائے جنہیں (سفر میں) کوچ اور قیام کے دن ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہو۔[62] اور اس نے جانوروں کی اون، روئیں

وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ

اور بالوں سے گھریلو سامان اور کچھ مدت تک برتنے کی چیزیں بنائیں۔[63] اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ چیزوں

ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ

کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں۔[64] اور تمہارے لئے کچھ کرتے بنائے جو تمہیں

الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

گرمی سے بچاتے ہیں اور کچھ کرتے تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتے ہیں اس طرح وہ تم پر اپنی نعمت تمام کرتا ہے تاکہ تم اس کے حضور

تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

سر جھکاؤ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمے صرف کھلے طور پر پہنچا دینا ہے وہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں، پھر ان

اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر انکار ہی کرنے والے ہیں۔[65]

[62] انسانوں کے کچھ گھر وہ ہیں جن میں وہ مستقل طور پر رہتے ہیں یہ بھی اللہ نے بنائے یعنی اللہ نے ان کے لیے پتھر، ریت، لکڑی اور لوہا وغیرہ کو پیدا کیا اور اللہ نے انسان کو ان چیزوں سے خوشنما مکانات بنانے کا علم دیا اور انسانوں کے کچھ عارضی گھر ہوتے ہیں یعنی وہ خیمے جو جانوروں کے چمڑوں سے بنائے جاتے ہیں جنہیں دورانِ سفر قیام اور کوچ کے وقت آسانی سے بنایا اور اکھاڑا جا سکتا ہے اور انسان یہ سب اللہ کی دی ہوئی طاقت اور علم سے بناتا ہے تو پھر اسے اس کا شکر بجالانا چاہیے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

معلوم ہوا قیمتی اشیاء کا استعمال تقویٰ کے خلاف نہیں بشرطیکہ حلال ذرائع استعمال کیے جائیں اور تکبر مقصود نہ ہو

کیونکہ چمڑے کے خیمے بہت قیمتی ہوتے ہیں، اگر ان کا استعمال تقویٰ کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر نہ فرماتا۔

چمڑہ رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے

مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُيُوۡتًا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چمڑا رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ اگر وہ پاک نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ناپاک خیموں کے استعمال کی اجازت نہ دیتا۔ اور حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اذا دُبغ الاھاب فقد طھر۔ ''جب چمڑے کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔'' (مسلم کتاب الحیض حدیث ۳۶۶، ابوداود کتاب اللباس باب ۳۸، ترمذی کتاب اللباس باب ۷)

لہٰذا چمڑے سے بنے ہوئے لباس کو پہن کر یا اس کا مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے خواہ وہ مردار کا چمڑہ ہو یا حرام جانور کا چمڑہ، اس پہ یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے:

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ کی بکری مرگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الّا انتفعتم باھابھا، تم نے اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہ اٹھالیا۔ (مسلم کتاب الحیض حدیث ۳۶۴) معلوم ہوا کہ مردار کا چمڑہ بھی رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو بکری صدقہ میں دی گئی تو وہ مرگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ھلّا اخذتم اھابھا فدبغتموھا فانتفعتم بھا۔ تم نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتار لیا، تم اسے رنگ لیتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے؟ اہل خانہ نے عرض کیا: وہ تو مردار تھی، آپ نے فرمایا: انما حرام اکلھا۔ مردار کا صرف کھانا ہی حرام ہے۔

(مسلم کتاب الحیض حدیث ۳۶۳، ابوداود کتاب اللباس حدیث ۴۱۲۰، ابن ماجہ حدیث ۳۶۱۰)

البتہ یہاں اعتراض ہے کہ عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب آیا جس میں تھا: لا ینتفع باھاب المیتۃ وعصبھا۔ مردار کی چمڑی اور پٹھوں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

(ابن ماجہ کتاب اللباس حدیث ۳۵۱۱، ابوداود کتاب اللباس حدیث ۴۱۲۷)

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگنے سے قبل مردار کے چمڑے اور پٹھے سے فائدہ نہ لیا جائے، یہ تأویل ضروری ہے تاکہ احادیث میں تطابق ہوجائے اور تعارض نہ رہے۔ اس کی کچھ تفصیل میری عربی تصنیف ''اسعاف الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ'' میں مذکورہ احادیث کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔ تاہم اس سے خنزیر اور انسان کی جلد مستثنٰی ہے، کہ یہ دونوں جلدیں رنگنے سے پاک نہیں ہوسکتیں۔ خنزیر کی اس لیے کہ وہ نجسِ عین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ۔ ''یا خنزیر کا گوشت حرام ہے، کیونکہ خنزیر نجس عین ہے۔'' (انعام، ۱۴۵) جبکہ انسان کی جلد اس کی کرامت کے سبب ناقابلِ استعمال ہے خواہ اسے رنگ لیا جائے۔

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ مردار کی ہڈی اور بالوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یعنی اس کی ہڈیاں اور بال پاک ہیں۔اس کی قیاسی دلیل یہ ہے کہ مردار کی موت اس کی ہڈیوں اور بالوں کو متاثر نہیں کرتی، کیونکہ وہ پہلے ہی سے مردہ اور خشک ہیں اور حدیث سے دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حرام جانوروں کی ہڈیوں سے بنی ہوئی کنگھی استعمال فرماتے تھے اور ایسے برتنوں میں تیل رکھتے تھے۔(سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۲۶)

[63] انسان اللہ کی توفیق سے بھیڑوں کی اون اونٹوں کی روئیں اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو استعمال کی چیزیں بناتا ہے جیسے کپڑے، بستر، چادریں، کمبل پردے وغیرہ۔

[64] امام خازن فرماتے ہیں اہلِ عرب میں سے مالدار لوگ تو سفر میں چمڑے وغیرہ کے خیمے ساتھ رکھتے تھے تاکہ بوقتِ قیام ان میں سردی گرمی سے بچ کر سو سکیں اور غرباء سفر میں درختوں کے سایوں یا پہاڑوں کی غاروں میں ستا لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درختوں کے سائے اور پہاڑوں میں پناہ گاہیں بھی اللہ نے بنائی ہیں۔

[65] یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کو سردی گرمی سے بچانے کیلئے خیمے بنائے یونہی انہیں سردی گرمی سے بچانے کیلئے کرتے قمیصیں بنائیں۔(سرابیل سربالٌ بمعنی قمیص کی جمع ہے)۔اسی طرح اللہ نے میدانِ جنگ میں تیر و تلوار کی زد سے بچانے کیلئے بھی انسان کو کچھ قمیصیں دی ہیں چنانچہ جنگ میں اہلِ عرب ریشم پہنتے تھے کیونکہ اس پر تلوار پھسل جاتی ہے اور اسلام میں بھی حالتِ جنگ میں تلوار کی زد سے حفاظت کے لیے ریشم پہننا مردوں کے لیے جائز ہے۔یونہی باریک زنجیروں کی قمیص پہنی جاتی تھی تاکہ وہ تلوار کے وار سے بچائے۔اللہ نے انسان کو یہ نعمتیں اس لیے دی ہیں تاکہ وہ اس کے ہر حکم پر سرِ اطاعت خم کرے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! اگر اس کے باوجود کفار اللہ کی توحید اور اس کے دین سے منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام کا پہچانا ہے۔آگے ہدایت دینا اللہ کا کام ہے اور جن کے نصیب میں ہدایت نہیں وہ اللہ کی تمام نعمتیں پا کر بھی انکار ہی کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ

اور جس دن ہم ہرامت سے ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کفار کو اذن کلام نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی انہیں رب کو

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا

منانے دیا جائے گا۔[66] اور جب ظلم (کفروشرک) کرنے والے عذاب دیکھیں گے تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

انہیں مہلت دی جائے گی۔[67] اور جب شرک کرنے والے اپنے جھوٹے خداؤں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب

شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ

یہ ہیں ہمارے جھوٹے خدا جنہیں ہم تیرے سوا پوجتے تھے تو وہ مشرکین کی طرف بات پھینکیں گے کہ تم جھوٹ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ۚ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

کہتے ہو اور وہ اللہ کے حضور عاجزی لائیں گے اور جنہیں وہ جھوٹ سے خدا بناتے تھے وہ گم ہو جائیں گے۔[68]

روز قیامت کفار ومشرکین پر سختی کا بیان

[66] روز قیامت ہرامت کا نبی گواہی دے گا کہ اس نے اپنی امت کو پیغام حق پہنچایا۔ تب کفار کے خلاف فیصلہ دے دیا جائے گا اور انہیں مزید بولنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ انہیں یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اللہ کو منا سکیں۔ معلوم ہوا جب کسی قوم کا نبی ان کے خلاف گواہی دے دے تو پھر ان کی نجات کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

[67] سب سے بڑا ظلم کفروشرک ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ اور یہی ظلم یہاں مراد ہے کیونکہ گزشتہ اور آئندہ آیات میں کفروشرک ہی کا بیان ہے تو فرمایا گیا کہ شرک جیسا ظلم کرنے والوں کے عذابِ جہنم میں کبھی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ کبھی انہیں کچھ مہلت دی جائے گی بلکہ ان کا عذاب پوری شدت سے مسلسل جاری رہے گا۔

معلوم ہوا عذاب میں تخفیف اور مہلت کا نہ ہونا کفار سے خاص ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مومن شامتِ اعمال سے جہنم میں گیا تو اسے تخفیف ملے گی بلکہ کسی بھی مومن کو اس کے گناہوں کے برابر عذاب نہ ہوگا۔ اس سے قبل ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت آ ملے گی اور وہ جہنم سے نکالا جائے گا۔

[68] اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے مشرکین روز قیامت اپنے جھوٹے خداؤں کو دیکھ کر کہیں گے یا اللہ!

یہ ہیں ہمارے جھوٹے خدا یعنی ان کے کہنے پر ہم نے ان کی عبادت کی تھی۔ وہ کہیں گے تم جھوٹ کہتے ہو ہم نے تمہیں ہرگز اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ہم تو تمہاری عبادت سے قطعی بے خبر تھے۔ قرآنِ مجید میں ہے: وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ ''اور ان کے جھوٹے خدا کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' (یونس: ۲۹) معلوم ہوا یہاں کُنَّا نَدْعُوْا کا معنی کنا نعبدا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ

جنہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا ہم ان کے عذاب پر عذاب بڑھادیں گے کیونکہ وہ

بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ

فساد کرتے تھے۔[69] اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ انہی میں سے ان کے

اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

خلاف اٹھائیں گے اور اے پیارے رسول! آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔[70] اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

جو ہر چیز کا واضح بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور بشارت ہے۔[71]

ع ۱۲ / ۱۸

[69] یعنی جو لوگ خود بھی کافر ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان سے روکتے اور کفر کی راہ پر ڈالتے ہیں انہیں روز قیامت عذاب پر عذاب ہوگا۔ یعنی اپنا عذاب بھی اور ان لوگوں کا عذاب بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا۔ معلوم ہوا گمراہ کن لیڈر اپنے تمام پیروکاروں کی سزا بھی بھگتیں گے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں ہے ''جس نے اسلام میں بُرا طریقہ رائج کیا ہے اسے اپنا بوجھ بھی اُٹھانا ہوگا اور اپنے پیروکاروں کا بوجھ بھی۔'' (ترمذی کتاب العلم باب، ۱۵)

[70] روز قیامت ہر امت کا نبی گواہی دے گا کہ اس نے اپنی امت کو توحید و رسالت کا درس دیا تھا۔ پھر جب گزشتہ امتوں کے کفار کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی شخص توحید و رسالت کا درس دینے نہ آیا تھا تو اللہ فرماتا ہے اے پیارے رسول ﷺ! اس وقت ہم آپ کو تمام انبیاء کے حق میں گواہ بنا کر لائیں گے یعنی آپ گواہی دیں گے کہ انبیاء سچ کہتے ہیں انہوں نے اپنی امتوں کو درس توحید و رسالت دیا تھا۔ تب انبیاء کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا اور کفار کا منہ بند ہوجائے گا۔ اسی لیے ابھی پیچھے فرمایا گیا: ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ ''کہ پھر کفار کو

اذن کلام نہ دیا جائے گا اور نہ ہی انہیں اللہ کو منانے کی اجازت دی جائے گی۔'' (نحل، ۸۴)

قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ ''تو وہ کیسا مبارک وقت ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب (ﷺ) آپ کو ان سب گواہوں پر گواہ لائیں گے۔'' (نساء:۴۱)

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا آپ پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا میں دوسروں سے سننا چاہتا ہوں، میں نے سورہ نساء پڑھنا شروع کی، جب میں نے پڑھا: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ تو آپ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ نساء باب ۹)

یعنی آپ اپنی اس عظمت کا تصور کر کے جو اللہ تعالیٰ آپ کو روز حشر عطا فرمائے گا عجز و انکار کے سبب آپ کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سید الانبیاء ہیں

کیونکہ سب انبیاء آپ کے محتاج ٹھہرے اور آپ ان کے محتاج الیہ۔ گویا آپ سب انبیاء کرام کے لیے مشکل کشا ہیں، جب انبیاء کرام روز قیامت مشکل میں پھنسے ہونگے اور ان کی امتیں ان کی تبلیغی مساعی سے انکار کر دیں گی تب رسول اللہ ﷺ ان کے حق میں گواہی دے کر ان کی عظیم مشکل کو آسان کر دیں گے۔ اس لیے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ یہ آیت وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ پڑھتے تو آپ کی آنکھیں بہہ پڑتیں۔
(درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۵۶)

عرش حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی — دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی
لَا وَرَبِّ الْعَرْش جس کو جو ملا ان سے ملا — بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

[71] معلوم ہوا حضور ﷺ کو پورے قرآن کا واضح بیان دیا گیا۔ اسی لیے آپ کی حدیث کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں۔ کیونکہ قرآن کا واضح بیان آپ پر اترا گیا۔ آگے آپ امت کو بتانے والے ہیں۔

حجیتِ حدیث

یہاں سے حجیتِ حدیث بھی معلوم ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آپ کے لیے ہر چیز کا بیان بنایا ہے تاکہ آپ امت کو وہ بیان عطا فرمائیں۔ اسی لیے دوسری جگہ اسی سورت میں فرمایا گیا:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ''اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔'' (نحل، ۴۴)

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ

بے شک اللہ عدل، احسان اور رشتہ داروں کے حق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی برے کاموں

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا

اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ [72] اور اللہ کا

بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ

عہد پورا کروجب تم عہد کر لو اور اپنی قسموں کے مضبوط کرنے کے بعد انہیں مت توڑو

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾

جبکہ تم اللہ کو خود پر گواہ بنا چکے، بے شک اللہ تمہارے ہر فعل کو جانتا ہے۔[73]

باہمی مہر ومحبت برائیوں سے اجتناب اور ایفاء عہد کا حکم

[72] اس آیت میں پہلے عدل واحسان کا حکم دیا گیا جس کا تعلق معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ ہے اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کی حق ادائیگی کا حکم دیا گیا کیونکہ قریبی رشتہ داروں کے خصوصاً زیادہ حقوق ہوتے ہیں۔ مثلاً والدین کے حقوق اور غریب بہن بھائیوں کے حقوق وغیرہ۔ یاد رہے عدل اور احسان میں تین طرح سے فرق کیا گیا ہے۔

(۱) عدل یہ ہے کفر وشرک سے بچ کر صرف اللہ کی عبادت کرنا۔ یہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے اس کے بغیر ایمان نہیں اور احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت یوں یکسوئی وحضور قلب سے کی جائے جیسے بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم یہ سمجھا جائے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں فرمایا گیا۔

(۲) عدل یہ ہے کہ صاحب حق کو اس کا پورا حق دیا جائے اس میں کمی نہ کی جائے اور احسان یہ ہے کہ حق سے کچھ زیادہ دیا جائے خواہ حقوق اللہ کا معاملہ ہو یا حقوق العباد کا مثلاً پانچ نمازیں پڑھنا عدل ہے اور ساتھ تہجد و اشراق وغیرہ پڑھنا احسان ہے۔ مزدور کو اس کی پوری اجرت دینا عدل ہے اور کچھ زیادہ دے دینا احسان ہے۔

(۳) مجرم کو اس کے جرم کے مطابق سزا دینا عدل ہے اور اسے کم سزا دینا یا معاف کر دینا احسان ہے۔ گویا عدل و احسان کے دو لفظوں میں تمام حقوق اللہ وحقوق العباد آ گئے ہیں۔

آگے وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہہ کر اس آیت میں بے حیائی، برے کاموں اور سرکشی سے روکا گیا

ہے۔یادر ہے فَحْشَآءِ (بے حیائی) یہ ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق پامال کرنے سے حیا نہ رکھی جائے، مُنْکَرِ میں ہر گناہ شامل ہے یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کو ناپسند ہے اور بغی (سرکشی) کا مفہوم بھی عام ہے کسی بھی صاحبِ حق کا حق مارنا بغی ہے گویا ان تینوں الفاظ کا مفہوم ایک ہی جیسا ہے۔

یہ آیت اس قدر جامع و پُرمغز ہے کہ کفار بھی اسے سن کر اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے اور کئی ایمان لے آئے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ آیت سنی تو کہا: اس کلام میں عجیب حلاوت ہے۔اس کی تازگی قابلِ داد ہے۔اس کی جڑ بہت گہری اور شاخ پھل دار ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ (خازن جلد ۴ صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یہ آیت سن کر حضرت عثمان بن مظعون ایمان لے آئے، وہ کہتے ہیں یہ آیت سن کر اسلام میرے دل میں گھر کر گیا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگا۔ (مسند احمد جلد اول صفحہ ۸۱۳)

ایک اور صحابی اکثم بن صیفی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بھی یہی آیت بنی۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۹۵۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کوئی آیت اس سے بڑھ کر خیر و شر کی گھیرنے والی نہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۱)

گویا قرآن تمام بنیادی انسانی حقوق کی محافظ کتاب ہے اور اسلام انسانیت کا محافظ مذہب ہے۔

[73] یعنی اے مومنو! جب تم کسی قوم یا کسی فرد سے اللہ کے نام پر عہد کر لو اور اللہ کو اس پر گواہ بنالو اور اس پر اللہ کی مضبوط قسمیں اٹھالو تو پھر اپنے عہد اور قسم کو مت توڑو۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے اسلام لانے سے قبل جاہلیت میں کفار سے کچھ عہد بندیاں کر رکھی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے بارہ میں فرمایا کہ مومنو! اپنے وہ عہد پورے کرو تا کہ کفار مسلمانوں کو بدعہد قوم نہ کہیں۔ (خازن جلد ۴ صفحہ ۱۱۱)

بدعہدی کی مذمت

معلوم ہوا کافر سے بھی بدعہدی کرنا حرام ہے چہ جائے کہ مومن سے کی جائے۔اگر کوئی شخص عہد کر کے اسے نہ نبھاہ سکے تو اسے فریقِ ثانی کو آگاہ کر دینا چاہیے کہ وہ مجبور ہے لہٰذا معاہدہ ختم کرنا چاہتا ہے تا کہ فریقِ ثانی دھوکے میں نہ رہے۔اللہ فرماتا ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ ''اور وعدہ پورا کرو، بیشک وعدہ کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔'' (بنی اسرائیل، ۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الغادر يُنصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غُدرة فلان بن فلان. ''عہد شکن شخص کے لیے قیامت میں ایک جھنڈا گاڑا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے۔'' (بخاری کتاب الادب حدیث ۶۱۷۸)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ

اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی [74]

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ

کہ تم اپنی قسموں کو باہم دھوکہ دہی کا ذریعہ بنالو (اس لالچ میں) کہ ایک گروہ دوسرے سے زیادہ نفع رساں ہے اللہ تو تمہیں

اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

اس سے آزماتا ہے اور وہ روز قیامت تمہیں بتادے گا جس میں تم (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے۔[75]

[74] مکہ مکرمہ میں ایک پاگل عورت ریطہ بنت عمرو بن سعد بن کعب بن زید بن تیمم رہتی تھی۔ وہ صبح سے دوپہر تک دھاگہ کاتتی اور اپنی لونڈیوں سے کتواتی پھر دوپہر کے بعد لونڈیوں کو کاتے ہوئے دھاگے کے ٹکڑے کرنے کا حکم دے دیتی یوں صبح کا کاتا ہوا دھاگہ شام کو ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ (خازن، بغوی، مظہری، قرطبی وغیرہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پاگل عورت کی طرح نہ ہوجاؤ کہ پہلے کسی قوم سے مضبوط عہد کرو۔ بعد میں اسے اپنے ہاتھ سے توڑ دو۔ یہ پاگلوں اور جاہلوں کا طریقہ ہے۔

[75] یعنی اے مومنو! ایسا نہ کرو کہ پہلے ایک قوم سے معاہدہ کرو پھر دوسری قوم مل جائے جو تمہیں پہلی سے زیادہ نافع نظر آئے اور وہ پہلی قوم کی دشمن ہو تو اس سے معاہدہ کرلو اور پہلی قوم کے خلاف کارروائی کرنے لگو اور جاہلیت میں کفار عرب میں ایسی بدعہدیاں عام تھیں۔ اسلام نے آ کر مسلمانوں کو اس سے سختی سے منع کیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں ایک قوم کے بعد زیادہ نفع والی دوسری قوم دکھا کر تمہیں آزماتا ہے کہ کہیں تم لالچ میں آ کر بدعہدی میں تو نہیں پڑتے۔

ایک منگنی یا بیع پہ دوسری منگنی یا بیع جائز نہیں ہے

معلوم ہوا ایک شخص سے بیع یا منگنی کر کے دوسرے سے بیع یا منگنی کرنا حرام ہے۔ خواہ دوسرا شخص کتنا ہی نفع رساں ہو یعنی جب ایک شخص سے منگنی یا بیع پکی کر لی جائے تو کوئی دوسرا اس میں آ کر لات نہ مارے اور اس کو توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ الا یہ کہ شرعی عذر حائل ہو جائے اور سخت مجبوری آ جائے تو جس شخص سے پہلے بیع یا منگنی کی تھی اسے آگاہ کر دیا جائے کہ ہم بات ختم کر رہے ہیں۔ تب دوسرا قدم اٹھایا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا يبع بعضكم على بعض ولا يخطب بعضكم على خطبة بعض۔ ''تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پہ منگنی نہ کرے۔'' (مسلم کتاب النکاح حدیث ۱۴۱۲)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہے گمراہ رکھتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا جو تم کرتے ہو۔[76] اور اپنی قسموں کو باہمی دھوکہ دہی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ ورنہ تمہارے قدم جمنے کے بعد اکھڑ جائیں گے اور تم برائی چکھو گے کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکا۔ اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہے۔ اور اللہ کا وعدہ بیچ کر تھوڑی سے پونجی مت حاصل کرو۔ جو اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔[77]

[76] اگر اللہ چاہے تو سب انسانوں کو زبردستی مسلمان کردے مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کی بجائے وہ رجوع لانے والوں کو ایمان دیتا اور ضد وعناد اختیار کرنے والوں کو گمراہ رہنے دیتا ہے۔ اور اگر سب کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو ایسی بے اختیار عبادت کے لیے فرشتے کافی تھے۔

عملِ صالح اور فکرِ آخرت کی دعوت

[77] گزشتہ آیات میں ایفاء عہد پر زور دیا گیا۔ اسی بات کو پھر دوہرایا جارہا ہے کہ اے مومنو! اپنی قسموں کو باہمی دھوکہ دہی کا ذریعہ نہ بناؤ یعنی ایسا کرنا جائز نہیں کہ تم ایک شخص کو قسم اٹھا کر عہد دے دو کہ میں تم سے یہ چیز خریدوں گا یا تمہیں بیچوں گا۔ اس شخص نے تمہاری قسم پر بھروسہ کر کے وہ چیز کسی اور سے نہ خریدی یا نہ بیچی، بعد میں تم نے اسے مطلع کئے بغیر کسی اور سے وہ چیز خرید لی یا بیچ دی ایسی بدعہدی وقسم شکنی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا طریقہ اختیار کیا تو کفار کے مقابلہ میں تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے اور تم لوگوں کو اللہ کی راہ یعنی اس کے دین سے روکنے کا سبب بنو گے یعنی کفار تمہاری بدعہدی، بے زبانی وعدہ خلافی اور کذب بیانی دیکھ کر اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

معلوم ہوا آج ہمارے قدم کفار کے مقابلہ میں اس لیے اکھڑے ہوئے ہیں کہ ہم لوگ بدعہد ہو گئے ہیں۔ جب

تک ہمارے اخلاق اللہ و رسول کی اتباع میں تھے ہم کفار پر غالب تھے جب سے ہم ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے اور مفاد پرستی میں لگ گئے۔ ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ایسے اکھڑے کہ دوبارہ جم نہیں رہے اس کا علاج صرف اخلاقی اصلاح ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہے گا اور ہم صبر کرنے والوں کو

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

ان کے عمل کی بہترین جزا عطا فرمائیں گے۔[78] جو بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو

مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ضرور ہم اسے پاکیزہ زندگی دیں گے اور انہیں ان کے عمل کی بہترین جزا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

عطا فرمائیں گے۔[79] پھر جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لو۔[80]

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا

بے شک اس کو ان لوگوں پہ کوئی اختیار نہیں جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔اس کا اختیار

سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

تو انہی پر ہے جو اس سے محبت رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔[81]

ع ۱۳ / ۱۹

[78] یعنی دنیا کے چند ٹکوں کے لالچ میں کسی سے کیا ہوا وہ عہد مت توڑو جو تم نے اللہ کے نام پر کیا تھا یعنی اللہ کو گواہ بنایا تھا یا اس کے نام کی قسم اٹھائی تھی۔ یوں سمجھو کہ وہ عہد تم نے کسی انسان سے نہیں اللہ سے کیا تھا۔(اس لیے فرمایا گیا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ) اس کی بجائے وعدہ وفائی اور پاس عہد کی صورت میں اللہ تمہیں جو کچھ آخرت میں دے گا وہ تمہارے لیے دنیوی حقیر مال سے کہیں بہتر ہے اگر تم سمجھو، کیونکہ دنیا کا مال تو جلد ختم ہو جائے گا، دھوکہ دہی اور کذب بیانی سے تم آخر کتنا مال جمع کر لو گے؟ اس کی حیثیت اللہ کے ہاں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں کیا ہے؟۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں یعنی لالچ میں آ کر عہد نہیں توڑتے ہم انہیں ان کے اس عمل کی بہترین جزا عطا فرمائیں

گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا تو تم فنا ہونے والی چیز پہ باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو۔'' (تفسیر بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[79] یعنی جو شخص اچھے اعمال کرے مثلاً حقوق اللہ و حقوق العباد میں کوتاہی و حق تلفی سے کام نہ لے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی اور اس عمل کی بہترین جزا دیتے ہیں۔ پاکیزہ زندگی سے بعض مفسرین نے یہ مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھے اعمال کرنے والے مومن کی یہ دنیوی زندگی پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ یعنی اس کا رزق پاک کر دیتا ہے۔ اسے حلال پر قانع اور حرام سے مجتنب کر دیتا ہے۔

نیکوکاروں کو کونسی حیاتِ طیبہ دی جاتی ہے

جبکہ مشہور تابعی حضرت سدی رضی اللہ عنہ نے پاکیزہ زندگی سے برزخی حیات مراد لی ہے یعنی ایسے صالح مومن کو اللہ قبر میں بہترین زندگی عطا فرماتا ہے۔ (خازن جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اور بلا شبہ اولیاء اللہ کی برزخی زندگی شہداء سے بھی بہتر ہے، شہداء کے لیے کہا گیا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ ''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت جانو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔'' (آل عمران:۱۶۹) اور مشہور حدیث ہے کہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مأة شهيد ''جس نے میری ایک سنت کو پکڑ لیا جبکہ میری امت میں فساد آ گیا ہو۔ (یعنی وہ سنت مٹ رہی ہو) تو اس کے لیے سو شہیدوں کا درجہ ہے۔''

(الترغیب والترھیب جلد اول صفحہ ۸۰، کتاب الایمان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت بروایت طبرانی و بیہقی)

جب ایک شہید کی حیاتِ برزخی کا یہ عالم ہے تو سو شہیدوں کا درجہ رکھنے والے اولیاء کاملین کی برزخی زندگی کا کیا عالم ہوگا۔

اسی لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''بے شک شہداء و صلحاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ وہ دنیا میں جہاں چاہیں اپنے اجسامِ مثالیہ کے ساتھ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کی مدد اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔'' (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ کوئٹہ)

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اما المومنون فان ارواحهم فى برزخ من الارض تذهب حيث شاء ت ونفس الكافر فى سجين۔ ''مومنین کی ارواح تو زمین کے برزخ میں ہوتی ہیں جہاں چاہیں جائیں اور کافر کی روح سجین میں ہوتی ہے۔''

(کتاب الزہد لابن مبارک بحوالہ اتیان الارواح صفحہ ۲)

جبکہ قتادہ ومجاہد نے اس جگہ حیاۃ طیبۃ سے اخروی حیات مراد لی ہے یعنی مومن کو جنت میں پاکیزہ زندگی دی جاتی ہے۔

احقر راقم الحروف محمد طیب غفرلہ عرض کرتا ہے کہ حیاۃ طیبۃ میں عموم ہے یہ دنیوی، برزخی اور اخروی تینوں زندگیوں کو شامل ہے اللہ رب العزت اپنے دوستوں کی ہر حیات عمدہ واعلیٰ بنا دیتا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) ایمان کی عظمت

اس آیت سے معلوم ہوا ایمان کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں جیسا کہ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** سے ظاہر ہے۔

(۲) اسلام میں عورت کا مقام۔

اسی طرح **مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى** سے معلوم ہوا اسلام میں تقویٰ وحسن عاقبت کے لحاظ سے عورت کا مقام مرد سے کم تر نہیں ہے کسی نیکی کا جو اجر مرد کے لیے ہے وہی عورت کے لیے ہے۔ البتہ خانگی زندگی میں مرد کو سربراہ خانہ بنایا گیا ہے، کیونکہ نظام زندگی چلانے کے لئے ایک سربراہ کا ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے مرد ہی بہتر ہے کیونکہ اس کا حوصلہ بلند اور اعصاب مضبوط ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت اللہ کے ہاں کوئی گھٹیا مخلوق ہے، بلکہ اللہ کے ہاں حصولِ اجر وثواب میں عورت کا درجہ مرد کے برابر ہے، کبھی ایک عورت اپنی نیکی کی وجہ سے ہزار ہا مردوں پہ بھاری ہوتی ہے، جیسے سیدہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا۔

[80] یعنی اے سننے والے! جب تم قرآن پڑھنے لگو تو پہلے شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لو یعنی **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** پڑھ لو۔ اس کے پڑھنے کو استعاذہ یا تعوذ کہتے ہیں۔ اگر نماز کے علاوہ قرآن پڑھا جائے تو جمہور فقہاء کے نزدیک بہر حال استعاذہ کیا جانا چاہیے۔ خواہ جتنی بار تلاوت شروع کی جائے۔ البتہ نماز میں امام ابوحنیفہ امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک پہلی رکعت میں استعاذہ ہی کافی ہے۔ ہر رکعت کی قراءت کے لیے استعاذہ ضروری نہیں کیونکہ ساری نماز قراءت واحدہ کی طرح ہے، جبکہ دیگر ائمہ ہر رکعت کے لیے استعاذہ کا حکم دیتے ہیں۔ یاد رہے تلاوت قرآن کے علاوہ دیگر احوال میں بھی استعاذہ پڑھا جاسکتا ہے اور اس کے لیے **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** کے الفاظ ضروری نہیں ہیں بلکہ مطلقاً کسی بھی عبارت کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگی جاسکتی ہے مگر تلاوت قرآن کے وقت یہی الفاظ ضروری ہیں۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن ام معبد! **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** ہی پڑھو مجھے جبرائیل نے یونہی سکھایا ہے اور لوحِ محفوظ میں ایسے ہی لکھا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۸۷)

[81] یعنی شیطان مضبوط ایمان اور پختہ توکل والوں کے قریب بھی نہیں بھٹکتا ہے وہ صرف کمزور ایمان والوں یا

کافروں پر اپنا زور چلا سکتا ہے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اتارتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے اتارنا ہے تو کفار کہتے ہیں تم تو (قرآن)

مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ

از خود تراشتے ہو، نہیں بلکہ ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔[82] آپ فرما دیں اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور وہ اطاعت کرنے والوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔[83]

صداقتِ قرآن پر وارد بعض شبہات کا رد

[82] قرآن کریم میں کئی آیات ابتداء میں نازل کی گئیں پھر ان میں سے بعض کو منسوخ کر کے ان کی جگہ نئی آیات اتار دی گئیں جیسے بیوہ عورت کی عدت پہلے ایک سال بتائی گئی اور فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (بقرہ:۲۴۰)

پھر اس کی جگہ چار ماہ دس دن عدت مقرر کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (بقرہ:۲۳۴)

کفار نے یہ دیکھ کر کہا اے محمد (ﷺ)! تم یہ آیتیں اپنی طرف سے گھڑتے ہو کبھی کوئی آیت لے آتے ہو کبھی کوئی اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں یہ تبدیلی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت ہم نازل کرتے ہیں اور اے پیارے محبوب! کفار آپ پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ اس نے کیا نازل کرنا ہے یعنی کب اس میں سے کچھ واپس لے کر اس کی جگہ کچھ نیا کلام اتارنا ہے مگر چونکہ کفار ان باتوں سے بے علم ہیں وہ صرف اپنے سرداروں کی پیروی میں ایسی باتیں کہتے ہیں اس لیے آیات کی تبدیلی پر اعتراض کرتے ہیں۔

معلوم ہوا قرآن کریم میں نسخ ثابت ہے۔ آج قادیانی گروہ اسے تسلیم نہیں کرتا مگر یہ ان کا خیال قطعی غلط اور نصوص صریحہ قرآنیہ کے خلاف ہے۔ اصل میں قادیانی لوگ خود کو سچا مسلمان جتلانے اور دوسرے مسلمانوں کو قرآن کا مخالف ثابت کرنے کے لیے نسخ کا سہارا لیتے ہیں۔

[83] یعنی روح القدس جبرائیل امین علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے قرآن کو قلبِ رسول ﷺ پر حق کے ساتھ اتارا ہے

تا کہ مومنوں کے دل مضبوط کیے جائیں اور اس میں مومنوں کے لیے ہدایت و بشارت ہے۔ یاد رہے نزّلہ کا معنی آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ہے۔ یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا تا کہ مومنوں کے دل مضبوط ہوں۔ اگر سارا قرآن اکٹھا اتار دیا جاتا تو اس میں یہ تبدیلی نہ ہوسکتی کہ ایک آیت منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسری آیت اتاری جائے حالانکہ اس تبدیلی میں مومنوں کے لیے ثابت قدمی کا سامان ہے مثلاً پہلے ایک سخت حکم والی آیت اتاری گئی پھر اسے منسوخ کر کے نرم حکم والی آیت اتار دی گئی۔ (جیسے ابھی اوپر بیوہ کی عدت کے حوالے سے مثال دی گئی ہے) تا کہ تا قیامت مومنین شکر گزار رہیں کہ اللہ نے ان کے لیے آسانی فرمائی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

اور ہم جانتے ہیں کہ کفار کا کہنا ہے اسے تو ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف وہ یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ

عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان ہے۔[84] بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لانا چاہتے اللہ انہیں ہدایت

اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ

نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ تو وہ لوگ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۵

گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پہ ایمان نہیں رکھتے اور وہ ہیں ہی جھوٹے۔[85]

[84] حضرت سدی سے مروی ہے مکہ مکرمہ میں ایک عیسائی غلام ابو یسر نام سے رہتا تھا وہ تورات و انجیل بھی کسی قدر جانتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ ایک عجمی غلام بلعام تھا اس کی لوہے کی دکان تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے تھے کفار نے دیکھ کر کہا یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سکھاتا ہوگا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص کی طرف کفار یہ نسبت کرتے ہیں کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے وہ خود عربی نہیں عجمی ہے یعنی اس کی اپنی عربی بقدر کفایت ہے جبکہ قرآن اس قدر فصیح عربی زبان ہے کہ خود عرب کے تمام شعراء مل کر ایک آیت کی مثل نہ بنا سکے، ایسے کلام کو کسی عجمی کی طرف منسوب کرنا کس قدر جہالت ہے۔ دراصل کفار حیران و ششدر تھے کہ یکا یک آپ کی زبان پر ایسا محیر العقول معجزانہ کلام کیسے جاری ہوگیا ہے کس نے جاری کر دیا ہے تو

وہ کبھی آپ کو شاعر کبھی ساحر کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہنے لگتے اور کبھی کہتے کہ آپ کو کوئی سکھاتا ہے۔ اسی موقع پر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ مکہ میں رہنے والے بعض عجمی غلام جو کسی نہ کسی طرح مکہ میں لاکر فروخت کیے گئے تھے اور بدیسی زبانیں بولتے تھے آپ کو سکھاتے ہوں گے حالانکہ ان بے چارے ان پڑھ عجمی غلاموں کا ایسے فصیح وبلیغ کلام سے کیا واسطہ جس کے سامنے سارا عرب بے بس ہے۔

[85] یعنی قرآن کی آیات کے بارہ میں ایسے شبہات پیدا کرنے والوں کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے، انکا انجام بس دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ حضور ﷺ پر قرآن کے افتراء کا الزام رکھتے ہیں حالانکہ وہ خود افتراء پرداز ہیں وہ قرآن کی عظمت وجلالت کے دیکھ لینے اور حضور ﷺ کی صداقت وامانت کا اعتراف کرنے کے بعد قرآن اور آپ کے بارہ میں جھوٹے شبہات والزامات پیدا کرتے ہیں تو ان سے بڑا کذاب ومفتری کون ہے۔

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من ذکرہ۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ
جس نے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا۔ سوائے اُس کے کہ جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو،
بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ
لیکن جس نے کھلے دل سے کفر کیا۔ ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔[86]

[86] یہ آیت حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ ان کے بیٹے ابو عبیدہ روایت کرتے ہیں کہ کفار نے ان کے والد کو پکڑ کر سخت سزا دی حتی کہ ان کی زبان سے نبی اکرم ﷺ کے بارہ میں کوئی نازیبا بات کہلوالی پھر انہیں چھوڑ دیا۔ وہ روتے ہوئے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ماجرٰی سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارا دل ایمان پر مطمئن ہے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے آنسو پونچھے اور انہیں تسلی دی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔
(درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۷۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے۔ اللہ ورسول کے بارہ میں بدزبانی کرے اور کفر پہ اس کا سینہ کھلا ہو یعنی مطمئن ہو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔ غضب سے مراد دنیا میں سزائے قتل ہے

اور عذابِ عظیم سے مراد نارِ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ البتہ جو مجبور کیا جائے۔ یعنی اسے جان سے مار دینے یا بعض اعضاء کے تلف کرنے کی دھمکی دی جائے اور سخت مارا پیٹا جائے جیسے حضرت عمار سے کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو صرف اس کی زبان سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر بولنے کا حکم

یاد رہے اگر مومن کو کلمہ کفر بولنے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے انکار کیا حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا گیا تو اس نے شہادت کا اعلیٰ درجہ پالیا، اسے عزیمت کہتے ہیں یعنی دین پہ ڈٹ جانا۔ اور جس نے جان بچانے کے لیے ایسی صورت میں کلمہ کفر بول دیا اس نے رخصت پر عمل کیا اس پر گناہ نہیں۔ عزیمت کی مثال یہ ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو ایک جنگ میں کفار نے گرفتار کیا اور مکہ لے گئے۔ کفار نے انہیں سزائیں دیں پھر مکہ سے باہر مقام تنعیم پر سولی پر چڑھا کر ان سے کہا گیا اگر تم دین اسلام سے باز جاؤ تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اگر تمام روئے زمین کی نعمتیں بھی مجھے دی جائیں تو میں اپنے دین سے پھرنے والا نہیں ہوں، آخر انہیں سولی دیدی گئی۔ ان کا جسم مبارک ایک ماہ تک سولی پر لٹکا رہا مگر اس کی تازگی برقرار رہی، زخموں سے خون رستا رہا اور اس سے کستوری کی خوشبو آتی رہی۔ آخر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت مقداد اور زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ سے گئے اور چپکے سے ان کی لاش کو سولی سے اتار لائے۔
(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

اسی طرح مروی ہے کہ دو صحابی مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ اس نے ان میں سے ایک سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ) اللہ کا رسول ہوں، انہوں نے جان بچانے کے لیے کہہ دیا: ہاں، اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر اس نے دوسرے صحابی سے یہی بات پوچھی، انہوں نے کہا: مجھے سنائی نہیں دے رہا، اس نے ان کی گردن اڑا دی۔ پہلا صحابی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ہلاک ہو گیا، پھر انہوں نے سارا واقعہ سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ساتھی نے تم سے اعلیٰ راستہ اختیار کیا اور تم نے رخصت پہ عمل کیا۔ (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۹) اور رخصت کی مثال وہ بھی ہے جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کیا۔

تقیہ کے جواز پر غلط شیعی استدلال کا جواب

اس جگہ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ۔ (جس کو کفر کرنے پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پہ مطمئن ہو اس پہ کوئی گناہ نہیں) سے شیعہ لوگوں نے تقیہ کے جواز پہ استدلال کیا ہے۔ دراصل شیعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے ان سے ان کا حق چھین لیا۔ پھر جب شیعوں سے پوچھا جائے کہ اگر یہ بات ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھتے تھے، اسی طرح دیگر ائمہ اہل بیت خلفاء راشدین کے فضائل کیوں بیان کرتے تھے؟ تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ مجبور تھے، وہ تقیہ کرتے

تھے، یعنی جان بچانے کا حیلہ کرتے تھے، جیسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جان بچانے کے لیے کفر کر لیا تو اللہ نے انہیں معاف فرمایا، مگر شیعوں کا یہ استدلال قطعی غلط ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

اول:

اللہ تعالیٰ نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے کی یہاں صرف اجازت دی ہے۔ یہ ایک رخصت ہے، یہ واجب یا فرض نہیں بلکہ جو شخص کلمہ کفر نہ کہے اور قتل ہو جائے وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہے۔ خود قرآن ہی نے ایسے جانثارانِ اسلام کے واقعات بتائے ہیں جنہوں نے جان دیدی مگر کفر نہ کیا، جیسے وہ جادوگر جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہار گئے تو ایمان لے آئے، فرعون نے انہیں کہا میں تمہیں سولی دیدوں گا اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ انہوں نے کہا تم جو کر سکتے ہو کرلو ہم دین کو ہرگز نہ چھوڑیں گے تم ہماری جان لے سکتے ہو مگر ہمیں امید ہے کہ اللہ اس کے صدقے میں ہمیں بخش دے گا۔ (اعراف، ۱۲۴) پھر قرآن نے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہیں آگ میں پھینک دیا گیا اور اللہ نے ان پہ آگ کو ٹھنڈا کر دیا، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے سبق دیدیا کہ ایمان کے تحفظ کے لیے آگ میں بھی کودنا پڑے تو کود جاؤ۔ جبکہ شیعہ فرقہ کے نزدیک تقیہ فرض ہے، بلکہ دین میں سب سے افضل کام تقیہ ہی ہے اور جو تقیہ نہ کرے وہ شیعہ فرقہ کے نزدیک مومن ہی نہیں۔ تو شیعی تقیہ کا پیش نظر آیت (اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ) سے کوئی تعلق نہیں۔

فضیلتِ تقیہ میں اہلِ تشیع کی خود ساختہ روایات

شیعہ علماء نے تقیہ کی فضیلت میں جھوٹی روایات گھڑ کر ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

مثلاً بقولِ شیعہ امام باقر نے کہا:

التقية ديني ودين آبائي ولا ايمان لمن لا تقية له۔ یعنی تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں۔

(اصولِ کافی کتاب الایمان والکفر روایت ۲۲۵ ۳ صفحہ ۹۵۴ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف)

بقولِ شیعہ امام باقر نے کہا:

اتقوا على دينكم واحجبوه بالتقية فانه لا ايمان لمن لا تقية له۔ یعنی اپنے دین (شیعہ مذہب) کو بچاؤ اور اسے تقیہ کے ذریعہ چھپادو، کہ جسکے پاس تقیہ نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

(اصول کافی کتاب الکفر والایمان روایت ۲۲ ۴، ۶ صفحہ ۸۵۴)

اور بقولِ شیعہ امام باقر نے کہا:

ان تسعة اعشار الدين في التقية ولا دين لمن لا تقية له۔ دین کے دس حصوں میں سے نو تقیہ میں ہیں اور تقیہ کے بغیر کوئی دین نہیں۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان روایت ۲۲ ۴ ۳ صفحہ ۷۵۴)

دراصل شیعہ لوگ اپنی مجالس میں عام مسلمانوں سے چھپ کر صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور امہات المومنین ازواج رسول ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں، مگر لوگوں کے سامنے وہ صحابہ کرام کی تعریفیں بھی کر دیتے ہیں، اور اسی پہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر ائمہ اہل بیت کے عمل کو محمول کرتے ہیں جو وہ خلفاء راشدین کی بیعت واطاعت کرتے تھے، یہی ان کا تقیہ ہے۔ اب اس کا زیر بحث آیت سے کیا تعلق ہے۔ کیونکہ شیعی عقیدہ کے مطابق تقیہ نہ کرنے والے کا کوئی دین ہی نہیں، تو اس طرح ابراہیم علیہ السلام کا بھی کوئی دین نہ رہا، جادوگر ایمان لانے کے باوجود بے دین ہی رہے اور اصحاب کہف نے ظالم حاکم کے سامنے ڈٹ کر بے دینی کا کام کیا۔ اندازہ کیجئے اس فرقہ کی گمراہی کیا کیا گل کھلا رہی ہے۔ بلکہ ان کے مطابق سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا دین بھی ختم ہوگیا، کیونکہ انہوں نے تقیہ نہیں کیا بلکہ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جان دیدی، اگر تقیہ کے بغیر ایمان نہیں ہے تو امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایمان کدھر گیا۔

دوم:

اہل تشیع کے ہاں معروف ومعتبر محدث شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی لکھتا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تھی اور وہ ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے تھے جمعہ میں بھی نہیں آتے تھے اور حج میں بھی ان سے قبل عرفات سے نکل آتے تھے۔ (تلخیص الشافی جلد ۳ صفحہ ۷۶ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قم)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ دعویٰ کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پنجگانہ اور جمعہ نہ پڑھنا اپنی جگہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد شام چلے گئے تھے اور وہیں تین سال کے بعد ان کا وصال ہوا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تاہم اہل تشیع سے ہمارا سوال ہے کہ اگر تمہارے مطابق سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کیونکہ انہوں نے ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے تھے؟ کیا ان کے پاس سعد بن عبادہ جتنی بھی جرأت نہیں تھی؟ سچ یہ ہے کہ حضرت علی نے تقیہ نہیں کیا بلکہ وہ دل وجان سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ساتھ دیتے اور ان سے وفاداری کرتے تھے۔

سوم:

یہ کہنا کہ حضرت علی و دیگر ائمہ رضی اللہ عنہم تقیہ کرتے تھے اور حق کو چھپا کر جھوٹ ظاہر کرتے تھے، ان نفوس قدسیہ پہ سراسر بہتان ہے۔ مولا علی شیر خدا جیسا بہادر انسان تقیہ کرتا پھرے اور پچیس برس تک غاصبوں کے پیچھے نمازیں ادا کرتا رہے، اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ جس کے بیٹے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے کربلا میں سارا کنبہ قربان کر دیا مگر ظالم حاکم کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا اس کی اپنی شجاعت کا کیا عالم ہوگا۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) گستاخیِ رسول کا مرتکب کافر ہے

اور اس پہ اللہ کا غضب اور عذاب الیم ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا حضور ﷺ کی شان میں ادنیٰ گستاخی کفر اور باعث عذاب ہے۔ حضرت عمار سے آپ کی شان میں بے ادبی کے الفاظ کہلوائے گئے مگر وہ مجبور تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معافی دی گئی، مگر ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ جو شخص کھلے دل سے ایسا کہے وہ کافر ہے (مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ) اور اس پر اللہ کا غضب اور عذاب ہے۔ (فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾)

(۲) جس شخص سے جبراً گناہ کروایا جائے اس پہ گناہ نہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ قتل وغیرہ کے خوف میں کفر بھی معاف ہے چہ جائے کہ کوئی اور گناہ ہو۔ اس سے کئی دینی شرعی مسائل متفرع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی سے جبراً شراب نوشی کروائی گئی، یا کسی عورت سے جبراً زنا کیا گیا، یا کسی نے بھوک کی وجہ سے جان بچانے کے لیے لقمۂ حرام کھا لیا تو اس میں اس پہ کوئی گناہ نہیں۔

(۳) فضیلتِ حضرتِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

یہاں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان کی براءت اور تشفی کے لیے یہ آیت اتاری گئی اور حدیث میں ان کی بہت فضیلت وارد ہے وہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہیں۔ تمام غزوات نبویہ میں شامل ہوئے۔ ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا عمار کی ہڈیوں میں بھی ایمان بھر گیا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو عمار سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے اور جو اس سے نفرت رکھے اللہ اس سے نفرت رکھتا ہے۔'' (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ بیروت)

حضرت عمار کو اس باغی گروہ نے شہید کیا جو جنگ جمل و صفین میں لشکر علی رضی اللہ عنہ میں چھپے ہوئے تھے۔ انہی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، انہی نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا۔ پھر انہی نے جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کی لاش کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف اچھال دیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پہ ترجیح دی، اور اللہ ایسے منکروں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ

ہدایت نہیں دیتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے

وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۞ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

مہر لگا دی ہے اور یہی غافل ہیں، تو ضرور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے

الْخٰسِرُوْنَ ۞ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ

والے ہیں۔[87] پھر آپ کا رب ان لوگوں کیلئے جو ہجرت کریں بعد ازاں کہ انہیں ستایا جائے پھر وہ

جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

جہاد کریں اور صبر رکھیں (مہربان ہے) بےشک آپ کا رب ان اعمال کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔[88]

[87] یعنی جو لوگ ایمان لا کر پھر کسی لالچ کے باعث کافر ہو جائیں اور اللہ و رسول کو کھلے دل سے سب وشتم کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں پر ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے اور ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور وہ دائمی جہنم کی خوراک بن جاتے ہیں۔

[88] جب کفار مکہ کی سختیاں بڑھ گئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان آیات کے ذریعے ہجرت کی رغبت دلائی گئی۔ چنانچہ صحابہ کرام دین کے لیے وطن قربان کرنے پر تیار ہو گئے اور انہوں نے اس آیت پر عمل کا حق ادا کر دیا۔ پہلے انہوں نے ہجرت کی۔ پھر بدر واحد احزاب وحنین اور خیبر وتبوک میں راہِ حق میں جہاد کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ انہوں نے دین کے لیے ہر سختی سہی اور ہمیشہ حکم خدا اور رسول پر صابر رہے۔ تو اس آیت کے مطابق مہاجرین صحابہ کے لیے مغفرت و رحمت پر قرآن کی مہر ثبت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اور مہاجرین صحابہ میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں بلکہ وہ ان کے سردار ہیں۔ پھر روافض وخوارج کا ان پر سب وشتم خود انہی کے لیے وجہِ ضیاعِ ایمان ہے اور یہ آیت مہاجرین صحابہ کے نقشِ قدم پر چل کر ہجرت اور جہاد کرنیوالوں کے لیے تا قیامت مژدہ مغفرت و رحمت ہے۔

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

وہ دن یاد کرو جب ہر جان اپنے بچاؤ کا جھگڑا کرے گی اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً

اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔[89] اور اللہ ایک بستی (مکہ مکرمہ) کی مثال دیتا ہے جو بڑے امن و اطمینان والی تھی

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ

اس کا رزق اس میں ہر جگہ سے بے روک ٹوک آتا تھا اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ نے اسے بھوک

لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

اور خوف کا لباس پہنا دیا ان برائیوں کے سبب جو اہل بستی کرتے تھے بلاشبہ ان کے پاس انہی میں سے عظیم الشان رسول آیا

مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظلم کر رہے تھے۔[90]

احوال قیامت اور کفار مکہ پہ عذاب الٰہی کا نزول

[89] گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جو ایمان لانے کے بعد کفر کریں اور یہ کام ظاہر ہے کسی گہرے دوست یا عزیز کے ورغلانے ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس لیے اب فرمایا جارہا ہے کہ روز قیامت کوئی دوست یا عزیز کام نہ آئے گا بلکہ اس دن ہر جان صرف اپنے ہی لیے جھگڑے گی اور ہر جان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا یعنی کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جائے گی اور کسی کو اس کے گناہ سے زائد سزا نہ دی جائے گی اور نہ ہی کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اپنے سر لے گی۔ لہٰذا کسی دوست یا عزیز کے کہنے پر اپنا ایمان ضائع اور آخرت برباد کرنا عظیم ترین خسارہ ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ ''اس دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگے گا، ہر کسی کو ایسی پڑی ہوگی جو اسے سب سے بے پرواہ کردے گی۔'' (عبس، ۳۴)

حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''روز قیامت جسم اور روح کا باہم تنازع ہوگا روح کہے گی یا اللہ! صرف جسم کو سزا دی جائے مجھے نہیں، کیونکہ میرا کوئی ہاتھ یا پاؤں نہیں تھا مجھے جسم میں ڈالا گیا تو اس کے ہاتھوں، پاؤں،

آنکھوں اور کانوں نے گناہ کیے میں بے قصور ہوں، جسم کہے گا یا اللہ! میں بے جان تھا کوئی گناہ نہیں کر سکتا تھا۔ روح نے مجھ میں داخل ہو کر مجھ سے گناہ کروائے۔ لہٰذا صرف روح کو عذاب دیا جائے مجھے نہیں۔ اللہ فرمائے گا تم دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہو لہٰذا دونوں کو عذاب ہوگا۔'' (قرطبی بروایت ثعلبی جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۱)

یاد رہے روز قیامت ہر جان کا صرف اپنے لیے جھگڑنا اس سے حضور ﷺ مستثنیٰ ہیں کیونکہ بے شک قیامت کے دن ابتداء میں ایک وقت وہ آئے گا جب ہر نبی و رسول بھی نفسی نفسی پکارے گا مگر بخاری کی طویل حدیث شفاعت کے مطابق حضور ﷺ اس وقت بھی یہی فرمائیں گے انا لها کہ آج شفاعت کے لیے میں ہی ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۹۱) اس کی مزید تفصیل آگے عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل:۷۹) کے تحت آرہی ہے اور جب آپ کے دست مبارک سے باب شفاعت کھل جائے گا تو پھر انبیاء اولیاء شہداء حفاظ اور سن شعور سے قبل فوت ہونے والے بچے بھی شفاعت کریں گے۔ یعنی دوسروں کی طرف سے جھگڑیں گے۔

[90] یہ آیت مدنی ہے جیسا کہ ہم اس سورت کے تعارف میں بتا چکے، یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ جب کفار نے حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے جانے پر مجبور کر دیا تو بستی مکہ کے ظالم و کافر باشندوں پر اللہ کی پکڑ آگئی۔ وہ بستی جو دعاء ابراہیم علیہ السلام کی برکت سے امن و اطمینان کا گہوارہ ہے اور وہاں اطراف عالم سے ہر طرح کا پھل پہنچتا ہے۔ جب وہاں کے باشندوں کی اکثریت نے رسول معظم ﷺ کی تکذیب کی تو اللہ نے اپنے رسول کو مدینہ طیبہ بھیج کر بستی مکہ کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ بھوک یہ کہ ان پر قحط سالی مسلط کر دی گئی۔ ان کے حلال جانور مر گئے تو وہ کتے بلے کھانے پر مجبور ہو گئے اور خوف یہ کہ میدان بدر میں ان کے اکثر مرکزی لوگ مار دیے گئے یا قید کر لیے گئے اور حضور ﷺ کے بھیجے ہوئے سرایا نے اطراف مکہ میں آباد بستیوں میں کامیاب فوجی مہمات کر کے اہل مکہ کو شدید خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا۔ آخر ۸ھ میں فتح مکہ کی صورت میں وہاں کی طاغوتی قوت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن قوتوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئے تو وہ بھی اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ اللہ کے دین کے مٹانے کے لیے اٹھنے والی ہر تحریک کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ اور آئندہ بھی ایسے ہی ہوگا۔

یہاں سے شہر مکہ کی عظمت معلوم ہوئی

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بستی امن و اطمینان والی تھی، اس کا رزق اس کے پاس ہر جگہ سے آتا تھا اور یہ دعاء ابراہیم علیہ السلام کی برکات ہیں۔ آپ نے دعا فرمائی: فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ''اے اللہ! لوگوں کے دل یوں بنا دے کہ ان کی طرف کھنچیں اور انہیں پھلوں کا رزق دے تاکہ یہ شکر کریں۔'' (ابراہیم، ۳۷) چنانچہ جب فتح مکہ کے بعد اہلِ مکہ ایمان لے آئے تو اس شہر کی عظمتیں رونقیں پھر لوٹ

آئیں اور تا قیامت قائم رہیں گی۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

تو اللہ نے تمہیں جو حلال پاک روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

شکر ادا کرو اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔[91] اس نے تو تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

حرام کیا ہے جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ اس کی خواہش ہو نہ حد سے بڑھے تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا

مہربان ہے۔[92] اور تمہاری زبانوں کو جو جھوٹ کی عادت ہے اس کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ

حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

حرام ہے تا کہ اللہ پر جھوٹ گھڑو۔ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ دنیا

لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

متاع قلیل ہے اور ان کے دردناک عذاب ہے۔[93]

[91] جب کفارِ مکہ پر قحط کی سختی شدید ہوگئی تو ایک شخص نے حضور رحمتِ کائنات ﷺ سے ان کے حق میں دعائے خیر کی درخواست کی رحیم و کریم آقا نے ان کے حق میں دعاء فرمائی۔ ابھی دعاءِ رسول ختم نہ ہوئی تھی کہ مکہ مکرمہ پر بارش شروع ہوگئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی پاک حلال روزی کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

اللہ ہی جس چیز کو چاہے حلال یا حرام قرار دے سکتا ہے

[92] کفارِ عرب کئی جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے پھر سمجھتے کہ یہ حرام ہو گئے ہیں انہیں ذبح نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان پر سواری کی جا سکتی ہے، دوسری طرف وہ مردار کھا جاتے تھے۔ وہ کہتے یہ حلال ہے اسے اللہ نے ہمارے لیے مارا ہے، وہ جانور کے گوشت کے ساتھ اس کا خون بھی پکا کر کھا لیتے تھے۔ انہوں نے خنزیر کو بھی حلال قرار

دے رکھا تھا۔ اور وہ اپنے بتوں کے چرنوں میں ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کر کے اسے بعد میں کھا لیتے تھے۔ گویا وہ اپنی مرضی سے چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ اللہ نے تو مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر خدا کے نام پر ذبح کردہ ہر جانور حرام قرار دیا ہے یعنی اے منکرو! ان چیزوں کو تم نے حلال بنالیا ہے اور جو جانور حلال تھے انہیں تم نے بتوں کی طرف منسوب کر کے حرام ٹھہرالیا ہے۔ یہ کیسی الٹی چال ہے۔ ہاں اگر کوئی اس قدر مجبور ہو جائے کہ اسے مردار یا خنزیر یا غیر خدا کے نام پر ذبح کردہ جانور کے گوشت کے سوا کچھ کھانے کو میسر نہ ہوا اور اگر نہ کھائے تو اس کی موت واقع ہو جائے گی تو وہ جان بچانے کے لیے بامر مجبوری اسی قدر کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے نہ خواہش سے کھائے نہ ضرورت سے زائد کھائے۔

جان بچانے کے لیے حرام دوا استعمال کی جاسکتی ہے

اس جگہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے معلوم ہوا کہ جیسے جان بچانے کے لیے حرام غذا کا کھانا حلال کیا گیا ایسے ہی جان بچانے کے لیے حرام دوا کا کھانا بھی حلال ہے اور اس کی مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ عرینہ کو جنہیں شدید خارش نے آلیا تھا، اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا تھا۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۶۶) کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ حرام دوا کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ماہر ڈاکٹر کہے کہ اس کے سوا کوئی اور دوا فائدہ نہیں دے سکتی۔ اور جس حدیث میں آیا ہے کہ حرام میں شفا نہیں ہے تو اس سے وہ حرام مراد ہے جس کا نعم البدل موجود ہو اور جب نعم البدل موجود نہ ہو تو پھر انسان مجبور ہے۔

یاد رہے اگر کسی جگہ حلال گوشت میسر نہ ہو جیسے یہاں برطانیہ کے مسلمانوں کو آج سے قریباً ۴۰ برس قبل حرام طریقہ سے ذبح کردہ جانوروں یعنی مردار کا گوشت ہی ملتا تھا اور اب بھی دنیا کے بعض خطوں میں یہی کیفیت ہے، تو ایسے میں مردار گوشت کا کھانا جائز نہیں کیونکہ گوشت کی جگہ سبزی دال وغیرہ سے گزارا کیا جاسکتا ہے بلکہ اگر خالی روٹی اور پانی میسر ہو تو اسی سے پیٹ بھرنا چاہیے حرام گوشت کا کھانا حلال نہیں۔

کسی کی جان بچانے کے لیے اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے

جب مجبوری کی حالت میں حرام دوا کا استعمال جائز ٹھہرا تو ایسی ہی صورت میں اگر ماہر کوالیفائڈ ڈاکٹرز کہیں کہ مریض کو خون کی بوتل کا لگانا ضروری ہے یا اس کے دونوں گردے ناکارہ ہو گئے ہیں اور اگر اسے ایک نیا گردہ نہ دیا گیا تو اس کی زندگی خطرے میں ہے تو ایسے میں کوئی دوسرا انسان اسے اپنے خون کی بوتل یا اپنا گردہ دے سکتا ہے بلکہ زندگی بچانے کے لیے کوئی بھی عضو دیا جاسکتا ہے، مگر ایسی ضرورت عموماً گردوں ہی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ انسان اگر اپنا ایک

گردہ کسی مریض کو دیدے تو اس کی اپنی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور وہ ایک گردے پہ گزارا کرتا رہتا ہے۔

جبکہ دوسرے اعضاء کی یہ کیفیت نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی اپنا دل یا جگر یا پتہ کسی کو دیدے تو وہ خود زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کا خاتمہ کر کے کسی کی زندگی بچائے کیونکہ یہ خودکشی ہے جو حرام ہے۔ جبکہ ظاہری اعضاء جیسے ہاتھ پاؤں کی یہ کیفیت نہیں ہے کہ اگر کسی مریض کا بازو یا اس کی ٹانگ ناکارہ ہوجائے تو اس کی جگہ پہ کسی دوسرے انسان کا بازو یا اسکی ٹانگ کا لگانا ضروری ہو ورنہ وہ زندہ نہیں رہے گا، کیونکہ ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ پہ انسانی زندگی کا انحصار نہیں ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ بازوؤں اور ٹانگوں کے بغیر جئے جارہے ہیں۔ لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی کسی مریض کو اپنا بازو یا پاؤں دیدے، لہٰذا بات صرف گردے اور خون ہی پہ آ کر رکتی ہے۔

یہاں ایک اور بحث بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص قریب الموت ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ اسکا کوئی عزیز، دوست یا کوئی مسلمان بھائی مریض ہے اس کا دل، جگر، پتہ، گردے یا کوئی اور عضو ناکارہ ہوگیا ہے اور اگر اسکا وہ ناکارہ عضو تبدیل نہ کیا گیا تو اس کی موت واقع ہوجائے گی یا وہ زندہ رہ کر بھی مردوں جیسا رہے گا یا شدید اذیت وعذاب کی زندگی گزارے گا تو کیا وہ قریب الموت شخص یہ وصیت کرسکتا ہے کہ اسکی موت کے بعد اسکا دل یا جگر وغیرہ اس مریض کو دیدیا جائے تاکہ اس کی زندگی تو بچ جائے؟ تو استحسان کا تقاضا یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مجبور شخص کو اجازت دی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے خنزیر اور مردار کا گوشت کھاسکتا ہے اور خون پی سکتا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں محرمات قطعیہ ہیں، تو کسی مردہ کا کوئی عضو اس کی وصیت کے مطابق مجبوری میں جان بچانے کے لیے کسی مریض کو کیوں نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر زندہ انسان کا گردہ دے کر کسی مریض کی جان بچائی جاسکتی ہے تو اس کے جواز میں کیا شک ہے۔

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے تو یہاں بیمار پڑ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیو، انہوں نے ایسا کیا تو وہ صحت یاب ہوگئے۔ (بخاری کتاب الطب باب ۵)

اور فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب ماہر طبیب جانتا ہو کہ فلاں مریض کا علاج کسی حرام دواء ہی سے ہوسکتا ہے تو اس کے لیے وہ دواء حرام نہیں رہتی۔ (عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مصر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ریشم کے پہننے کی اجازت دی۔

(بخاری کتاب الجھاد باب ۱۲، مسلم کتاب اللباس حدیث ۳۹، ترمذی کتاب اللباس باب ۳)

اب ریشم کا پہننا مرد کے لیے حرام ہے مگر حالتِ مجبوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام سے علاج کرنے کی اجازت عطا فرمائی، تو مجبوری میں کسی مردہ کا عضو کسی مریض کی جان بچانے کے لیے استعمال کرنا کیوں جائز نہیں ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں:

حامل ماتت وولدها یضطرب شق بطنها من الایسر وی یخرج ولدها.. ولو بلع مال غیرہ ومات ہل یشق بطنها قولان والاولیٰ نعم۔ حاملہ عورت فوت ہوگئی اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے تو بائیں جانب سے اس کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکال لیا جائے اور اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کا مال نگل لیا اور مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے؟ اس میں دو قول ہیں بہتر قول یہی ہے کہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا۔
(درمختار جلد اول صفحہ ۸۴۰ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ استنبول)

یہی بات علامہ شیرازی شافعی متوفی ۵۵۴ھ یوں بیان کرتے ہیں:

و ان ماتت امرأة وفی جوفها جنین حی شق جوفها لانه استبقاء حی باتلاف جزء من المیت فاشبه اذا اضطرّ الی اکل جزء من المیت۔ اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو عورت کا پیٹ چاک کیا جائے گا کیونکہ اس میں کسی میت کا کچھ حصہ ضائع کر کے ایک زندہ کی جان بچانا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مجبوری میں میت کی کسی جزء کا کھانا جائز ہے۔ (المہذب جلد ۵ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی بارہ میں علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۳ھ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و یحتمل ان یشق بطن الام ان غلب علی الظن ان الجنین یحییٰ وهو مذهب الشافعی لانه اتلاف جزء من المیت لابقاء حی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ماں کا پیٹ چاک کیا جائے اگر گمان غالب یہ ہو کہ بچہ زندہ بچ جائے گا اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ یہ میت کے ایک جزء کو تلف کر کے ایک زندہ انسان کی زندگی بچانا ہے۔ (المغنی جلد ۲ صفحہ ۶۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یونہی امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے امام مالک سے بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ مذکورہ صورت میں عورت کا پیٹ چاک کیا جائے گا۔ (میزان الشریعہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ مصر)

الغرض چاروں مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ بچے کی جان بچانے کے لیے اس کی مردہ ماں کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اور امام حصکفی حنفی کے نزدیک اس شخص کا پیٹ بھی چاک کیا جائے گا جس نے کسی کا مال کھا لیا اور مر گیا۔ ہم کہتے ہیں جب موہوم زندگی والے غیر مولود بچے کی جان بچانے کے لیے اس کی مردہ ماں کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے تو ایک بھرپور زندہ انسان کی جان بچانے کے لیے کسی مردہ کا کوئی عضو حاصل کرنا کیوں جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جب کسی کے چند ٹکے مال کے لیے مردہ کی چیر پھاڑ جائز ہے تو ایک انسان کی جان بچانے کے لیے مردہ کا کوئی عضو لینا کیوں ناجائز ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کے لیے چند شرائط ہیں

(اول) جس زندہ یا مردہ شخص کا عضو پیوند کاری کے لیے لیا جائے اس کی اجازت اور رضامندی شامل ہو، یعنی اس

مردہ نے مرنے سے قبل اس کی اجازت دی ہو یا وصیت کی ہو۔آج کل ہسپتالوں میں مرنے والوں کے اعضاء بلا اجازت نکال لیے جاتے ہیں یہ حرام ہے (دوم) اگر پیوند کاری نہ کی گئی تو مریض کی جان کو شدید خطرہ ہے۔ ماہر ڈاکٹرز کہیں کہ اس کی جان بچانے کے لیے پیوند کاری کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کیفیت باطنی اعضاء دل، جگر اور گردوں وغیرہ ہی کی ہوسکتی ہے، ظاہری اعضاء ہاتھوں پیروں وغیرہ کی یہ کیفیت نہیں ہے (سوم) مریض کی جان بچانے کے لیے کسی زندہ انسان کا اس قدر خون یا ایسا عضو لینا جائز نہیں جس سے اس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے، یعنی ایک انسان کی زندگی بچانے کے لیے دوسرے کی جان لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس بارہ میں سب کی جان ایک جیسی ہے خواہ کوئی شاہ ہے یا گدا، امیر ہے یا فقیر، کبیر ہے یا صغیر، بلکہ خواہ مومن ہے یا کافر (چہارم) یہ عضو کا دینا محض جذبۂ ایثار کے ساتھ ہو کسی مادی یا مالی مفاد کے لیے نہ ہو، ورنہ یہ اعضاء کی خرید وفروخت بن جائیگی، جو حرام ہے۔

پیوند کاریِ اعضاء کی حلت پر چند شبہات کا ازالہ

(اول) کہا جاتا ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اسی لیے وہ اپنے آپ کو ہلاک نہیں کرسکتا یا اپنا کوئی عضو نہیں کاٹ سکتا، لہٰذا وہ اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد کسی کو اپنا کوئی عضو نہیں دے سکتا۔ ہمارا جسم ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے، ہم اس میں خیانت نہیں کرسکتے۔مگر یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا اس پہ قرآن وسنت کی کوئی نص ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے؟ اگر ہے تو پیش کی جائے ہمیں تو آج تک ایسی کوئی نص نہیں ملی، یہ بس آپ کا قیاس ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں کہ انسان اپنے مال کا بلاشبہ مالک ہے مگر کیا وہ اپنے سارے یا کچھ مال کو آگ لگا سکتا ہے؟ کیا اسے کنوئیں میں پھینک سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، تو کیا اس طرح وہ اپنے مال کا مالک بھی نہیں رہے گا؟ مالک تو وہ ہے مگر اپنی ملکیت میں انسان اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ انسان اپنی جان کا مالک ہے مگر وہ اس میں اللہ کی مرضی کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا تو یہ بات عین حق وصواب ہے اور کسی کی جان بچانا مرضئِ مولا کے خلاف نہیں، بلکہ یہ ایثار وقربانی ہے جو اللہ رب العزت کے ہاں محبوب تر ہے۔ دراصل ہماری ہر چیز اللہ کی دی ہوئی امانت ہے خواہ مال ہو یا جان یا اولاد۔

(دوم) پیوند کاری کے خلاف اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسرُ عظمِ المیّتِ ککسرہٖ حیاً ''میت کی ہڈی کا توڑنا زندہ کی ہڈی کے توڑنے کی مانند ہے۔'' (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۲۶، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۸۵، موطا امام مالک کتاب الجنائز باب ۵۴) لہٰذا کسی زندہ کی جان بچانے کے لیے کسی مردہ کا کوئی عضو نکالنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کثیر احادیث میں وارد ہے کہ مردہ جانتا ہے کہ اسے کون نہلا رہا ہے کون کفنا رہا ہے، وغیرہ۔ اس کا احساس مکمل ہے مگر وہ بات نہیں کرسکتا، بلکہ اصحابِ قبور سب کچھ سنتے جانتے ہیں۔

مگر یہ دلیل بھی موضوع سے غیر متعلق ہے۔ یہ احادیث حالتِ عدم اضطرار پہ محمول ہیں۔ جب کوئی مجبوری نہ ہو اور جب مجبوری ہو تو فقہاء اربعہ تمام نے زندہ بچے کو بچانے کے لیے اس کی مردہ ماں کا پیٹ چاک کرنے کو لازم قرار دیا ہے اور مال کھا کر مرجانے والے کا پیٹ چاک کر کے مال نکالنے کا جزئیہ بھی آپ نے ابھی پڑھ لیا ہے۔ پھر حالتِ اضطرار میں مردہ کی ہڈی تو ایک طرف رہی، زندوں کی ہڈیاں توڑنا جائز بلکہ لازم ہے۔ جیسے جہاد میں کفار کے ٹکڑے اڑائے جاتے ہیں، چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔ قاتلوں کو قتل کیا جاتا ہے ہاتھ کاٹنے والے کا ہاتھ اور پاؤں کاٹنے والے کا پاؤں کاٹا جاتا ہے اور ہڈی توڑنے والی کی ہڈی توڑی جاتی ہے تاکہ دوسرے لوگوں کی جانیں ضائع ہونے سے اور انکی ہڈیاں ٹوٹنے سے بچائی جائیں۔ جب اضطرار میں یہ سب کچھ جائز ہے تو جب مرنے والا وصیت کر رہا ہے کہ میرا کوئی عضو دے کر فلاں مریض کی جان بچالو تو کیوں نہ بچائی جائے؟

(سوم) پیوند کاری کے خلاف اس فقہی جزئیہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص بھوکا ہے، تو وہ جان بچانے کے لیے اپنا کوئی عضو نہیں کھا سکتا نہ ہی کوئی شخص اسے کہہ سکتا ہے کہ میرا ہاتھ یا پاؤں کھالو اور جان بچالو (عالمگیری وغیرہ) معلوم ہوا کہ اضطرار میں بھی کسی کا عضو استعمال کرنا جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو ان اعضاء میں ہے جن پہ انسانی زندگی کا انحصار ہے، جیسے دل، جگر، گردہ وغیرہ، یعنی اعضاء باطنہ۔ رہے اعضاء ظاہرہ جیسے ہاتھ پاؤں تو ان کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے ناکارہ ہوجانے سے انسان کی زندگی منقطع نہیں ہوتی، نہ ہی ان کا کسی بھوکے کو کھلانا جائز ہے، لہٰذا یہ جزئیہ بھی پیوند کاری کے جواز میں مخل نہیں ہے۔

(چہارم) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس شخص کا گردہ یا کوئی عضو ناکارہ ہے اور اس کی زندگی کے لیے کسی دوسرے کا گردہ مطلوب ہے تو اس کی مجبوری بجا ہے مگر جو گردہ دے رہا ہے اس کی کیا شرعی مجبوری ہے کہ وہ اپنا عضو کاٹے اور دوسرے کو دے؟ اس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہت سنگدلانہ بات ہے کہ آپ کا بھائی بیماری سے مر رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ یہ اس کی مجبوری ہے میری نہیں۔ نبی اکرم ﷺ تو فرماتے ہیں کہ ساری ملتِ اسلامیہ جسدِ واحد کی طرح ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تری المومنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضوا تداعىٰ له سائر جسده بالسهر والحمىٰ.

"تمام مومنین کو باہمی رحمت، محبت اور ہمدردی میں تم ایک جسم کی طرح جانو، کہ جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے آرامی و بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (بخاری کتاب الادب باب ۲۷ حدیث ۶۰۱۱، مسلم کتاب البر حدیث ۶۶)

انڈیا میں مجمع الفقه الاسلامی الهند کے تحت ۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء کو ہمدرد سیمینار سنٹر نیو دہلی میں ہندوستان کے ستر سے زائد ممتاز محقق علماء جمع ہوئے، جو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے تھے اور چند اہم فقہی امور پہ طویل بحث وتمحیص کے بعد متفقہ فیصلے کیے گئے، جن میں اعضاء کی پیوند کاری پہ جو فیصلہ کیا گیا اس کی بعض شقوق یہ ہیں:

۱۔ اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۲۔ اگر ایک مریض ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اسطرح بیکار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ دوسرا عضو اس کے جسم میں پیوند نہیں کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کو پورا نہیں کر سکتا اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظنِ غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضوِ انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لیے مباح ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر حال اس کی صحت پہ کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر بدلا نہ گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچائے۔

(جدید فقہی مباحث جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

[93] یعنی حلال و حرام کا تعین صرف اللہ اور اس کا رسول ہی کر سکتے ہیں تم کفار عرب کی طرح اپنی مرضی سے حلال و حرام کا تقرر نہ کرو۔ البتہ مسلم فقہاء کا یہ منصب ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات کی روشنی میں ان جدید مسائل میں حلت و حرمت کا تعین کریں جہاں قرآن و حدیث کا واضح ارشاد نہ ہو جیسے اللہ نے سود حرام کیا مگر کیا دورِ حاضر کا بیمہ، انشورنس اور لاٹری وغیرہ سود میں داخل ہیں یا نہیں اس کا تعین فقہاء اسلام نے کرنا ہے۔ تاہم ایسی نئی چیزوں میں فتویٰ حرمت صادر کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، بہت تحقیق کے بعد قدم اٹھانا چاہیے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا

اور یہودی کہلانے والوں پر ہم نے وہ کچھ حرام کیا جو ہم آپ کو اس سے قبل بتا چکے ہیں اور ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

ان پر ظلم نہ کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پہ خود ظلم کرتے تھے۔[94] پھر ان لوگوں کے لئے جو جہالت کے

عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

سبب برائی (کفر) کریں پھر اس کے بعد توبہ کر لیں اور خود کو سنوار لیں تو آپ کا رب

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

بعدازاں بخشنے والا مہربان ہے۔[95]

[94] یعنی چونکہ یہ ہمارا ہی حق ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیں تو ہم نے یہود پر بعض چیزیں حرام قرار دیں جو اس سے قبل سورہ انعام میں بتائی جا چکی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ ''اور ہم نے یہود پر ہر ناخن دار (پنجے والا) جانور حرام قرار دیا۔ (جیسے اونٹ مرغ وغیرہ) اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام قرار دی سوائے اس کے جو ان کی پشت پر لگی ہو یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو، یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی اور ہم سچے ہیں۔'' (انعام،۱۴۶)

دراصل جب بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کی تو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا تورات میں ان پر یہ چیزیں حرام قرار دیں اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہود اپنے آباء کی بچھڑا پرستی کو ہمیشہ چھپانے یا جائز بتانے کی کوشش کریں گے اس لیے ان پر ہمیشہ کیلئے یہ چیزیں حرام کی گئیں مگر یہ حرمت ان پر اس وقت تک تھی جب تک تورات کی شریعت کا نفاذ تھا، مگر جب اس کی جگہ قرآن کی شریعت آ گئی تو اب انہیں اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ معلوم ہوا یہ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ ایک چیز کو جب یا جس قوم کے لیے چاہے حرام قرار دے اور جب اور جس قوم کے لیے چاہے حلال ٹھہرائے۔

[95] یعنی جو آدمی کفر میں مبتلا رہے اور اپنی مرضی سے اللہ کے حلال و حرام میں اختلاط کرے، پھر سچی توبہ کر کے ایمان لے آئے اور خود کو سنوار لے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت اسے اپنی آغوشِ محبت میں چھپا لیتی ہے۔ معلوم ہوا سچی توبہ سے زندگی بھر کا کفر بھی معاف ہو جاتا ہے۔ تو کسی اور گناہ کا ماجریٰ ہی کیا ہے۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) خوبیوں کا مجموعہ، اللہ کے فرماں بردار اور ہر برائی سے بیزار تھے اور مشرکوں سے کوئی علاقہ نہ رکھتے تھے

شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيۡنٰهُ فِى

وہ اس کی نعمتوں کے شکرگزار تھے، اللہ نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ کی راہنمائی فرمائی۔[96] اور ہم نے انہیں

الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؕ﴿۱۲۲﴾

دنیا میں بھلائی دی اور وہ آخرت میں سزاواران عظمت میں سے ہوں گے۔[97]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمتیں

[96] دورِ نزولِ قرآن میں دو اسلام دشمن قومیں اہلِ ایمان کے لیے وجہ ایذا تھیں۔قریش مکہ اور یہود مدینہ، یہ دونوں قومیں بالترتیب حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے توسط سے اولاد ابراہیم علیہ السلام تھیں اور اس نسبت پر فخر رکھتی تھیں مگر دونوں دین ابراہیمی ترک کر کے کفر وشرک میں مبتلا ہو چکی تھیں۔قریش نے کعبۃ اللہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔اللہ تعالیٰ نے دونوں کو عبرت دلانے کے لیے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک امت تھے۔یعنی جو خوبیاں ایک پوری امت میں ہو سکتی ہیں وہ تنہا ان میں موجود تھیں۔

وہ اللہ کے حضور قانت یعنی سراپا عجز و نیاز تھے، کہ اللہ نے انہیں جو حکم دیا وہ انہوں نے پورا کر دکھایا۔مثلاً انہیں بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا انہوں نے اس کی تکمیل میں ذرا دیر نہ کی اور بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی، انہیں نارِ نمرود میں کود جانے کا حکم ہوا وہ فوراً کود گئے۔انہیں ترکِ وطن کا حکم ہوا انہوں نے وطن قربان کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام ہر باطل سے متنفر اور شرک کے ہر شائبہ سے پاک تھے۔پھر قریش اور یہود کو خود کو پیروانِ ابراہیم علیہ السلام قرار دیتے ہوئے حیا آنی چاہیے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نعمت ہائے خداوندی کا شکر بجا لانے والے تھے۔اور شکر کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں حاصل کر کے اس کے ہر حکم کی تکمیل کی جائے اور یہی کردارِ ابراہیمی ہے۔چنانچہ آپ کی انہی خوبیوں کے سبب اللہ نے آپ کو چن لیا یعنی اپنا خلیل بنا لیا اور سیدھی راہ عطا فرما دی یعنی اپنے قرب کی منزلیں عطا فرما دیں۔

[97] اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں یہ بھلائی دی کہ انہیں سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا جیسی وفادار جانثار بیوی دی جس نے آپ کے حکم پر ریگزارِ عرب کی وادی بے آب و گیاہ میں ڈیرہ لگا لیا، انہیں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام جیسے پیغمبر بیٹے دیئے، انہیں

مقامِ نبوت ورسالت وخلت عطا فرمایا۔ان کی ذریت میں نبوت رکھ دی اور ان کی شریعت کے بعض احکام تا قیامت جاری کر دیئے جیسے قربانی جانور، حج اور بدن کی صفائی کے احکام وغیرہ۔اور آخرت میں انہیں عظیم فضیلت کا حقدار ٹھہرایا جائے گا۔ چنانچہ حدیثِ طیبہ کے مطابق روزِ قیامت سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا ورنہ اس سے قبل قیامت میں سب برہنہ ہوں گے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کریں جو ہر برائی سے دور تھے

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور مشرکوں سے کچھ تعلق نہ رکھتے تھے۔[98] ہفتے کی پابندی انہی پہ ڈالی گئی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور آپ کا رب

لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

ان کے مابین ان باتوں میں فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔[99] آپ اپنے رب کی طرف

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ

حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیں اور کفار کے ساتھ اس طریقہ سے جھگڑا کریں جو بہتر ہے آپ کا رب

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اسے خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک جائے اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔[100]

[98] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دین ابراہیمی پر چل کر بتا دیں کہ خالص توحید ورسالت ہی ان کا دین ہے تا کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب کے اتباعِ ابراہیمی کے جھوٹے دعووں کی حقیقت کھل جائے۔علاوہ ازیں شریعتِ ابراہیمی کی بہت سی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا، جیسے سنتِ ختنہ کا اپنانا، مناسکِ حج کا قائم فرمانا اور جانوروں کی قربانی جاری فرمانا وغیرہ۔

[99] جب اللہ ہی حلت وحرمت کا مالک ہے تو اس نے بنی اسرائیل پر ہفتے کے دن کاروبارِ دنیا اور تجارت کی حرمت لازم کی تھی تا کہ وہ ہر ہفتے میں ایک دن اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص کرلیں مگر بنی اسرائیل نے اس حکم سے اختلاف کیا۔ انہوں نے ایک اختلاف تو یہ کیا کہ پہلے انہیں جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حکم دیا

گیا۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے جمعہ نہیں ہفتہ کا دن مقرر کریں۔ دوسرا وہ ہفتے کے دن کا بھی احترام نہ نباہ سکے اور اس میں کاروبار کرنے لگے۔ چنانچہ زمانہ داؤد علیہ السلام میں اسی گناہ کے باعث انہیں بندر بنا یا گیا۔ معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام قرار دے تو مومنین پر اس کی اطاعت لازم ہے ورنہ غضب الٰہی جوش میں آتا ہے۔

[100] چنانچہ حضور ﷺ نے سراپا شفقت و محبت بن کر کفار کو دعوت حق دی۔ گالیاں سن کر دعائیں دیں۔ دشمنوں کے لیے چادریں بچھائیں۔ طائف والوں کی سنگ باری کے جواب میں آپ نے ان پر دعاؤں کے پھول برسائے اور فتح مکہ کے موقع پر جان کے دشمنوں کو معافی دی یہ تھا آپ کا اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ پر عمل جبکہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ کا عملی مظاہرہ آپ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ و مباہلہ کے موقع پر فرمایا۔

اس آیت کے تحت کفار کو دعوتِ اسلام کا حکیمانہ طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر ہمارا ہمسایہ عیسائی یہودی یا ہندو وغیرہ ہے تو ہمیں اس کے ساتھ برادرانہ مشفقانہ اور ہمدردانہ تعلق بنانا چاہیے، اگر وہ بیمار ہو تو ہمیں ہسپتال میں جا کر اس کی عیادت کرنی چاہیے، اگر وہ کسی مشکل میں ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیے اور پھر کسی مناسب موقع پہ اسے دعوتِ اسلام پیش کی جائے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

اور اگر تم کسی سے بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جس قدر تمہیں ستایا گیا اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے اور آپ

لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ

صبر کریں کہ آپ کا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور کفار کے بارہ میں غمزدہ نہ ہوں اور ان کے داؤ کھیلنے کے سبب دل

فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

تنگ نہ کریں۔ [101] بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے اور ان کے ساتھ جو احسان کرتے ہیں۔ [102]

۱۶ ع ۹ ۲۲

[101] امام قرطبی کے بقول جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت بھی مدنی ہے۔ جب احد میں کفار نے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت کی بے حرمتی کی اور چہرے کا مثلہ کیا تو حضور سید عالم ﷺ یہ دردناک منظر دیکھ کر سخت غمناک ہوئے اور فرمایا: اے چچا! بخدا میں تمہارے بدلہ میں ستر کفار کا مثلہ کروں گا۔ تب یہ آیت اتری: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور صبر کا طریقہ اختیار فرمایا۔

(درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بہر حال اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مظلوم ظالم سے زیادتی کا بدلہ لے تو حد سے تجاوز نہ کرے اور اگر حالات کا تقاضا معافی کا ہو تو معاف کر دے، کیونکہ صبر کا نتیجہ صابر کے لیے بہت اعلیٰ ہے۔

[102] یعنی جو لوگ احسان سے کام لیتے ہیں اللہ کی رحمت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ معلوم ہوا اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ وہ دشمنوں سے بھی عدل اور احسان کرنے کا درس دیتا ہے۔ پھر اسے اہل یورپ و امریکہ کا دہشت گردی سے تعبیر کرنا سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے۔

الحمد للہ آج ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز منگل بعد نماز ظہر دورانِ اعتکاف جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یوکے میں بیٹھے سورہ نحل کی تفسیر کی تکمیل ہوئی۔

وصلی اللہ علیہ حبیبہٖ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ الاسرآء

ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی سترہویں سورت ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے انچاسویں سورت۔ اس میں بارہ رکوعات، ایک سو گیارہ آیات پانچ سو تینتیس کلمات اور تین ہزار چار سو ساٹھ حروف ہیں۔
اسے سورہ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اسراء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کا معجزۂ معراج بیان کیا گیا ہے اور اسی کو اسراء بھی کہتے ہیں۔ اور اسے سورہ بنی اسرائل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسکی پہلی آیت کے بعد دوسری آیت سے لیکر آیت آٹھ تک بنی اسرائیل کے چند تاریخی ادوار بتائے گئے ہیں جن میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی۔ یہ مکی سورت ہے مگر اس کی بعض آیات کے مدنی ہونے کے اقوال بھی ہیں۔

فضیلت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر دو سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)

سورۂ اسراء کے مضامین

ابتداء میں ذکر معجزۂ معراج ہے، پھر بنی اسرائیل کے عروج و زوال کا بیان ہے، پھر انسان کی بعض جبلی عادات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد حقوق العباد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے قبل والدین کا حق بیان ہوا، پھر رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کا حکم آیا، پھر عام انسانوں سے حسنِ معاشرت کے کچھ اصول لائے گئے اور ان اخلاقی برائیوں پہ تنبیہ کی گئی جو نزولِ قرآن کے وقت اہلِ عرب میں پائی جاتی تھیں، جیسے اولاد کا قتل، زنا، بے حیائی، مالِ یتیم کا ہڑپ کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد قیامت کی حقانیت کے دلائل لائے گئے، پھر دلائل توحید کا سلسلہ شروع ہوا۔
پھر اس واقعہ کا ذکر ہوا جب فرشتوں کو سجودِ آدم کا حکم فرمایا گیا۔ اس وقت شیطان کے تکبر اور اس کے متکبرانہ بولوں پہ روشنی ڈالی گئی ہے اور اس نے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے جن ذرائع کے اختیار کرنے کا اعلان کیا وہ بتائے گئے ہیں،

تاکہ انسان شیطانی ہتھکنڈوں سے بچ سکے۔ پھر روزِ قیامت کے احوال لائے گئے، پھر نماز کی پابندی کا حکم آیا، پھر قرآن کی عظمت بتائی گئی۔ پھر وہ سوالات بتائے گئے جو منکرین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پہ وارد کیے گئے اور آج تک کیے جاتے ہیں اور آخر میں موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی مساعی کا کچھ ذکر ہوا اور اختتام پہ پھر دلائلِ توحید لائے گئے۔

ماقبل سے مناسبت

سورہ نحل سے اس سورت کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں دلائلِ توحید ہیں، دلائلِ حقانیتِ قرآن ہیں، پھر دونوں میں قتلِ اولاد جیسے لرزہ خیز گناہ کی سنگینی بتائی گئی ہے اور دونوں میں اکلِ حلال پہ زور دیا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ۱۱۱ ۵۰ سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡل مَکِّیَّۃٌ ۱۷ رکوعاتھا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ

پاک ہے وہ اللہ جس نے بندۂ خاص (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو [1] قلیل حصہ رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔[2] وہ

الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

مسجد اقصیٰ جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔[3] بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔[4]

معجزۂ معراج مصطفیٰ ﷺ

[1] سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ چونکہ اس آیت میں سیاحِ لامکاں تاجدارِ شبِ اسراء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا معجزۂ معراج بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کا آغاز لفظِ سبحان سے کیا گیا اس لیے کہ یوں تو ہر معجزہ ہی پرستارانِ عقل کے لیے ناقابلِ قبول ہے جبکہ معجزۂ معراج تو سید المعجزات ہے، عقل کے پجاری لوگ اسے ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے فرمایا گیا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ خاص کو یہ سیرِ معراج عطا فرمائی، یعنی اللہ ہر عجز اور ہر نقص سے پاک ہے، وہ ہر بے بسی و مجبوری سے پاک ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔

وہ وہی سبحان ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اڑایا، وہ وہی سبحان ہے جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے اٹھایا اور دوسرے آسمان پر بٹھایا۔ اسی سبحان کی دی ہوئی طاقت سے انسان نے ہزاروں ٹن وزنی ہوائی جہاز ہوا میں اڑایا اور اسی سبحان نے زمین سے سات گنا بڑے سورج کو ہوا میں روزانہ مشرق سے مغرب کی طرف گھمایا اور اسے ایک منٹ میں چودہ ہزار میل کی رفتار سے چلایا۔

اگر وہی سبحان اپنے بندۂ خاص سید المرسلین ﷺ کو رات کے کچھ حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے لامکاں تک سیر کرا دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ مگر عقل کے پجاریوں کو کون سمجھائے۔

اس لیے یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ پاک ہے وہ اللہ جس کے بندہ خاص نے سیر کی بلکہ فرمایا پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو سیر کروائی۔ اگر سیر کرنے کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی تو منکر کا اعتراض بندے پر آتا۔ مگر جب

سیر کرانے کی نسبت بندے کے قادرِ مطلق رب کی طرف کی گئی ہے تو اب منکر کا اعتراض رب کی قدرت پر آئے گا، اگر ایک بچہ کہے کہ میں جاپان گیا پھر روس گیا پھر میں نے امریکہ کی سیر کی تو لوگ انکار کریں گے لیکن اگر اس کا باپ کہے کہ میں اپنے بچے کو جاپان لے گیا پھر روس لے گیا پھر میں نے اسے امریکہ کی سیر کروائی تو اب کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ اگر ایک باپ اپنے بچے کو اپنی طاقت کے مطابق دنیا بھر کی سیر کرواسکتا ہے تو سارے جہان کا خالق و مالک رب اپنی طاقت کے مطابق اپنے حبیب کو راتوں رات ساری کائنات کی سیر کیوں نہیں کرواسکتا۔ اس لیے فرمایا گیا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔

معراج جسمانی پر ایک قرآنی دلیل

اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات سیر کروائی، بتاتا ہے کہ یہ سیر جاگتے میں جسمانی طور پر کروائی گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس سیر کے ذریعہ اپنی طاقت وقدرت کا اظہار فرمایا۔ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں تو اسے یوں بیان نہ کیا جاتا، کیونکہ خواب میں سیر کروانے سے کونسی طاقت ظاہر ہوتی ہے، خواب میں تو ہر کوئی کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا ہے۔

اَسْرٰی۔ اسریٰ کا معنی سیر کرانا ہے۔ واقعہ معراج کے لیے سفر کی بجائے سیر کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ سفر میں تھکاوٹ، پریشانی اور صعوبت ہے جبکہ سیر نشاط انگیز چہل قدمی کا نام ہے۔ گویا بتایا گیا کہ سیرِ معراج میں حضور ﷺ نے کہیں پریشانی یا تھکاوٹ نہیں دیکھی بلکہ ہر قدم پر نئی خوشی اور ہر گام پر نئی آن نئی شان نے استقبال کیا۔

بِعَبْدِہٖ۔ یعنی اللہ نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفی ﷺ کو سیر کروائی۔

سیرِ معراج کو رسول اللہ ﷺ کی عبدیّت کے ذریعہ کیوں بیان کیا گیا؟

اگر سوال کیا جائے کہ سیرِ معراج تو رسول اللہ ﷺ کا سب سے اہم واقعہ اور سب سے بڑی عظمت ہے تو چاہیے تھا کہ اسے بیان کرنے کے لیے آپ کو بڑے القابات سے یاد کیا جاتا، مثلاً کہا جاتا: سبحان الذی اسریٰ برسولہ، سبحان الذی اسریٰ بحبیبہ، سبحان الذی اسریٰ بسید المرسلین۔ یعنی اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو یا اپنے حبیب کو یا مرسلین کے سردار کو سیر کروائی، وغیرہ۔ مگر اس کی بجائے بِعَبْدِہٖ فرمایا گیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بِعَبْدِہٖ اس لیے فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ آپ نے معراج جیسی یہ بلندی اپنی عبدیت اور عبادت کی وجہ سے حاصل کی۔

اب آپ کی عبادت کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟ تو حدیث صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''انا اول النبین خلقاً واخرھم بعثاً میں تخلیق میں سب انبیاء سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب انبیاء

کے بعد'' (درمنثور سورہ احزاب زیر آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ)

اور آپ کا ارشاد ہے:

''یا جابر ان اللہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ۔ اے جابر! اللہ نے تمام اشیاء سے قبل اپنے نور سے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔'' (مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب خلق نور محمد ﷺ ج ۱ ص ۸۱)

تو جب سے آپ کا نور پیدا ہوا تب سے اس نے اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل اور عبادت وریاضت شروع کی۔ لہٰذا آپ کی عبادت تمام کائنات سے زیادہ ہے اور جو جتنی زیادہ عبادت کرے اللہ اسے اتنی زیادہ بلندی عطا فرماتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے: من تواضع للہ درجة رفعه اللہ درجة، ''جو شخص اللہ کے لیے ایک درجہ تواضع کرے اللہ اسے ایک درجہ بلندی عطا کردیتا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۷)

تو چونکہ آپ کا تواضع یعنی آپ کی عبادت کے درجات ساری کائنات سے زیادہ ہیں اس لیے آپ کو شبِ معراج ساری کائنات سے بلندی عطا فرمائی گئی۔ اسی لیے معراج کے آخری مقام یعنی بارگاہ صمدیّت میں آپ کی حاضری کو بھی آپ کی عبدیت ہی کے ساتھ بیان کیا گیا۔ فرمایا گیا: فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ (نجم: ۱۰)

بِعَبْدِهٖ اس لیے بھی فرمایا گیا تاکہ امتِ مسلمہ شرک سے دور رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان تک بلند کیے گئے تو عیسائیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا مان لیا جبکہ سید المرسلین ﷺ کو شب معراج لامکاں تک بلندی عطا فرمائی گئی تو ممکن تھا کوئی آپ کو خدا یا اس کا بیٹا مان لیتا اس لیے بِعَبْدِهٖ فرمایا گیا یعنی اتنی بلندی پانے کے باوجود آپ اللہ کے بندے ہیں اور بندگی پہ ناز رکھتے ہیں۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی عبدیت، آپ کی جملہ رفعتوں کی بنیاد ہے۔ اسی لیے کلمۂ شہادت میں اور تشہد نماز میں آپ کی عبدیت کو آپ کی رسالت سے مقدم رکھا گیا ہے، یعنی کہا گیا: اشهد ان محمدا عبده ورسوله

عبدیّت، عبد کے لیے وجہِ عروج ہے

اس سے عبدیت وعبادت کی اہمیت کا بھی پتہ چلا کہ یہی بندے کے لیے وجہ عروج ہے۔ اسی لیے الصلوٰۃ معراج المومنین فرمایا گیا۔ بندہ جس قدر اللہ کے حضور جھکتا ہے اسے اللہ اسی قدر اونچا کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: سجدہ کر اور قریب آجا۔ (سورہ علق، آخری آیت)

[2] لَیْلًا۔ یہ تنوین برائے تقلیل ہے۔ یعنی رات کے تھوڑے سے حصہ میں سیر معراج کرائی گئی۔ اس سے اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ فرمایا گیا اور اَسْرٰی یُسْرِی کا معنی ہی رات کو سیر کرانا ہے جیسے اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ۔ ''اے موسیٰ! میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) لے چلو۔'' (طٰہٰ۔ ۷۷) اس کے بعد لَیْلًا فرمانا صرف اس لیے ہے تاکہ بتایا جائے کہ سیر معراج ساری رات نہ ہوئی بلکہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں سیر کرائی گئی کیونکہ لَیْلًا کی تنوین کمی بیان کرنے کے

لیے ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ ملتان) تنوین تقلیل کی مثال یوں ہے کہ اللہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا ۔ ”اللہ تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی معمولی سی بھی نیکی ہو تو اللہ اسے بڑھا دیتا ہے۔“ (نساء: ۴۰) اس جگہ ذَرَّةٍ اور حَسَنَةً پہ تنوین برائے تقلیل ہے۔ اسی طرح یہاں لیلاً میں بھی تنوین تقلیل ہے۔

اب رات کے کتنے تھوڑے حصہ میں سیر کرائی گئی؟

تو اس بارہ میں راقم الحروف کو کوئی صریح حدیث یا روایت نہیں ملی البتہ علامہ آلوسی علیہ الرحمہ نے فرمایا: و فی بعض الآثار انه ﷺ لما رجع وجد فراشه لم یبرد من اثر النوم بعض آثار میں ہے کہ حضور ﷺ جب معراج سے واپس آئے تو دیکھا کہ آپ کا بستر جو نیند کی وجہ سے گرم ہوا تھا ابھی تک ٹھنڈا نہیں پڑا تھا، آگے یہ بھی فرمایا کہ بعض روایات میں ہے جب آپ روانہ ہوئے تو آپ کا عمامہ شریف درخت کی ٹہنی سے چھو گیا تھا جب آپ واپس آئے تو ابھی ٹہنی کی حرکت بند نہ ہوئی تھی۔ (روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) شائد ٹہنی کے ملتے رہنے کو واعظین نے کنڈا ہلتے رہنے سے تعبیر کرلیا ہے۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اک پل میں سر عرش گئے آئے محمد ﷺ ۔ کنڈا بھی رہا ہلتا بستر بھی رہا گرم

لَیۡلًا سے معلوم ہوا کہ معراج دن کے وقت نہ ہوئی رات کے وقت ہوئی۔ اس لیے کہ اللہ نے اسے مخفی رکھا بعد میں اسے قرآن اور حدیث کے ذریعے ظاہر فرمایا تاکہ آزمایا جائے کون اسے مانتا ہے کون اس سے انکار کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، ملائکہ، جنت و نار اور عذاب قبر وغیرہ کو بھی پردہ غیب میں رکھا ہے تاکہ آزمایا جائے کہ کون انہیں مانتا ہے کون نہیں۔ چنانچہ معراج پر ایمان لانے والے صدیق و فاروق بن گئے اور ایمان نہ لانے والے ابوجہل و ابولہب ٹھہر گئے۔ اور اس لیے بھی رات کے وقت معراج ہوئی کہ رات خلوت و اختصاص کا وقت ہے اگر کوئی بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو رات کے وقت اپنے پاس بلائے تو اس سے اس مصاحب اور اس کی اس ملاقات کی اہمیت و خصوصیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے انبیاء و اولیاء پر اللہ رب العزت کے خصوصی انعامات رات ہی کے وقت میں ہوئے بلکہ عام مومنین پر اللہ کی خصوصی عنایات بھی رات ہی میں ہوتی ہیں اسی لیے لیلۃ القدر لیلۃ البراءۃ اور دیگر راتوں کی فضیلت وارد ہے۔

مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا۔

اس میں سیرِ معراج کا پہلا حصہ بتایا گیا جو سیرِ زمینی سے تعلق رکھتا ہے، یہ پہلا حصہ ہے۔ دوسرا حصہ مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان تک ہے، یہ سیرِ آسمانی ہے۔ اور تیسرا حصہ ساتویں آسمان سے بارگاہِ صمدیت میں حاضری تک ہے جو سیرِ لامکانی ہے۔ پہلے حصہ (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر) سے انکار کفر ہے کیونکہ یہ قرآن میں واضح ذکر کر دیا گیا۔ دوسرے حصہ سے انکار سخت بددینی و گمراہی ہے کیونکہ وہ کثیر احادیثِ صحیحہ صریحہ مشہورہ میں وارد ہے جو قریباً تیس صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور تیسرے حصہ سے انکار، کفر یا گمراہی تو نہیں البتہ ایسا شخص ائمہ کے نزدیک جاہل و محروم ہے۔ (مدارج النبوت جلد اول بیان اسراء و معراج)

قرآن میں صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا حصہ معراج کیوں بیان کیا گیا؟

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک والا حصہ قرآن میں اس لیے ذکر کیا گیا کہ نزولِ قرآن کے وقت کفار مکہ نے مسجد حرام دیکھی ہوئی تھی۔ وہ تجارت کے لیے فلسطین و شام کا سفر کرتے رہتے تھے جبکہ آسمان و لامکان سے انہیں کچھ خبر نہ تھی، وہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں آسمانوں کی کیا خبر، ہمیں تو وہ چیز بتاؤ جو ہم نے دیکھی ہو۔ تو ان کا جانا پہچانا اور دیکھا ہوا حصہ انہیں بتایا گیا کہ جب وہ سنیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں رات مسجد اقصیٰ سے ہو کر آئے ہیں تو وہ مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں گے اور شام کی طرف گئے ہوئے اپنے تجارتی قافلوں کے بارہ میں سوال کریں گے کہ کیا وہ آپ نے راستے میں دیکھے ہیں اور کہاں دیکھے ہیں اور وہ کب واپس آ سکتے ہیں اور جب آپ انہیں یہ چیزیں بتائیں گے تو ان کے لیے مجالِ انکار نہ رہے گی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا انہوں نے یہ آیت سنتے ہی کہا آپ راتوں رات وہاں سے کیسے ہو آئے؟

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے وارد ہے کہ کفار مکہ نے کہا اے محمد! ہم جان گئے کہ تم جھوٹے ہو، بیت المقدس جاتے ہوئے ہمارے اونٹوں کے کلیجے پگھل جاتے ہیں ہمیں ایک مہینہ جاتے ہوئے اور ایک مہینہ آتے ہوئے لگتا ہے۔ **وتزعم انك اتيته فی ليلة واحدة** اور تم سمجھتے ہو کہ تم وہاں سے ایک رات ہی میں ہو آئے ہو؟

(درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر انہوں نے پوچھا کہ بیت المقدس کی کھڑکیاں اور دروازے کتنے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیا اور آپ دیکھ دیکھ کر ان کے ہر سوال کا جواب دیتے گئے۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۷۸)

اسی طرح عکرمہ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج سے واپسی پر مجھے بتایا کہ میں آج رات کو بیت المقدس لے جایا گیا وہاں میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔ میں نے کہا آپ یہ واقعہ قریش کو نہ بتائیں ورنہ وہ اس کا مذاق اڑائیں گے اور ممکن ہے آپ کو ایذا دیں۔ مگر آپ مجھ سے اپنا دامن زور سے چھڑا کر چلے گئے اور کفار کے مجمع میں جا کر سارا واقعہ بتایا۔ کفار میں سے ایک شخص نے کہا: کیا آپ ہمارے فلاں قافلہ کے پاس سے گزرے ہیں جو فلاں جگہ گیا ہوا ہے؟ فرمایا: ہاں واللہ میں نے انہیں دیکھا ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کفار نے کہا ان کی تعداد کتنی تھی اور ان کے جانور کتنے تھے؟ تب اللہ تعالیٰ نے وہ قافلہ آپ کے سامنے نمودار کر دیا اور آپ دیکھ دیکھ کر بتاتے گئے اور آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ قافلہ کل صبح تک مکہ پہنچ جائے گا۔ چنانچہ واقعی اگلی صبح وہ قافلہ مکہ پہنچ گیا۔ کفار مکہ نے قافلہ والوں سے پوچھا کیا ان کا کوئی اونٹ واپسی میں گم ہوا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں گئے ہوئے تھے انہوں نے سب کچھ سن کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ

سچے رسول ہیں تو اس دن سے ان کو صدیق کا لقب دیا گیا۔(المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲۴ صفحہ ۲۳ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

معراج جسمانی بحالتِ بیداری پر ایک اور دلیل

ان احادیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا حصہ معراج خصوصاً بیان فرمایا۔ وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ معراج حضور ﷺ نے اپنے جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں کیا۔ اگر آپ نے یہ صرف اپنا خواب سنایا ہوتا تو ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ کو اس کے کفار کے سامنے پیش کرنے سے روکنے کی کوشش کیوں کرتیں اور کفار اسے سن کر آپ کی تکذیب کیوں کرتے؟ کیا کبھی کسی کو کسی کے خواب پر بھی تعجب ہوا ہے؟ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا آپ کو واقعہ معراج کفار کے سامنے بیان کرنے سے روکنا بذاتِ خود اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ واقعہ معراج ایک خواب نہیں تھا بلکہ بیداری میں جسم کے ساتھ حقیقی سیر تھا۔

اور یہ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ واقعۂ معراج کو اپنی قدرت کے اظہار کے طور پر پیش کرتے ہوئے کیوں فرماتا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو قلیل حصۂ رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ آخر خواب دیکھ لینا وہ کون سا کمال ہے جسے اللہ اپنی قدرت کا نشان بنا کر پیش کرے؟ ماننا پڑتا ہے کہ واقعہ معراج خواب میں نہیں بیداری میں ہوا۔

[3] الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، اب مسجد اقصیٰ کے گرد کیا برکتیں رکھی گئی ہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں اس سے وہاں کی نہریں، درخت اور پھلوں کی کثرت مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا: لانہ مقرّ الانبیاء یہ علاقہ انبیاء کی جائے قرار ہے۔(تفسیر معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۰۷) امام خازن، علامہ آلوسی، امام رازی و دیگر مفسرین سے بھی یہی کہا ہے جبکہ امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **وقیل من دفن حولہ من الانبیاء والصالحین۔** یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے گرد برکتوں سے مراد وہ انبیاء وصالحین ہیں جو مسجد کے گرد دفن کیے گئے ہیں۔(تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۲)

لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ تاکہ ہم اپنے بندۂ خاص کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج حضور ﷺ کو کیا نشانیاں دکھائیں؟ تو آپ کو ابتداء میں شقِ صدر دکھایا گیا جو عظیم الشان نشانی ہے، پھر براق کی برق رفتاری دکھائی گئی، پھر بیت المقدس میں سب انبیاء کا اجتماع دکھایا گیا، پھر آپ نے ساتوں آسمانوں میں انہی انبیاء سے ملاقات کی جنہیں آپ پیچھے بیت المقدس میں چھوڑ آئے تھے، پھر دیدارِ الٰہی حاصل کیا، جو آپ کے سب معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔

[4] اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ① یعنی اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔ تو اس نے اپنے حبیب ﷺ کی دعائیں سنیں اور ان کی شبانہ روز دینی محنت دیکھی تو خوش ہو کر انہیں سیرِ لامکان عطا فرمائی۔ مفسرین نے یہ احتمال بھی بیان فرمایا کہ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ① کی ضمیر واحد غائب حضور ﷺ کی طرف لوٹتی ہے جن کا ذکر پیچھے بِعَبۡدِہٖ سے فرمایا گیا۔

(روح المعانی وروح البیان) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے بندہ خاص محمد مصطفی ﷺ سننے اور دیکھنے والے ہیں یعنی شب معراج ان سے ان کے رب نے جو فرمایا وہ انہوں نے سنا (فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ (نجم:۱۰) اور جو نشانیاں انہیں دکھائیں وہ انہوں نے دیکھیں بلکہ اپنے رب کو بے حجاب دیکھا۔ (مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾) (نجم:۱۷)

اس آیت میں معراج کے تینوں حصے صراحتاً یا اشارتاً مذکور ہیں چنانچہ مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا کہہ کر سیر زمینی بیان کی گئی۔ پھر لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ کہہ کر سیرِ آسمانی بتائی گئی کیونکہ اس میں ساتوں آسمانوں کے عجائب، جنت و نار کے جملہ مناظر اور عرش کرسی سب آ گئے اسی کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا گیا۔ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ﴿۱۸﴾ حضور ﷺ نے (سدرۃ المنتہٰی پر) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (نجم: ۱۸) اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾ کہہ کر سیر لامکانی بیان کی گئی جیسا کہ ہم ابھی اس کے مفہوم کی وضاحت کر چکے ہیں۔

واقعہ معراج مصطفیٰ ﷺ کی کچھ تفصیل

واقعہ معراج اس قدر طویل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں عمر نوح علیہ السلام پاؤں تو بھی اپنے سفر معراج کو مکمل بیان نہ کر سکوں۔'' (کنز العمال کتاب الفضائل) اور اس مختصر تفسیر میں کیا بیان کیا جا سکتا ہے، البتہ میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے بعض خاص مقامات اختصار سے بیان کر دوں۔

سفرِ معراج سے قبل رسول اللہ ﷺ کا شق صدر کیا جانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کروائی گئی میں حطیم یا حجر میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس آنے والا آیا اس نے میرا سینہ گلے سے ناف تک شق کیا پھر اس نے میرا دل نکالا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر میرا دل دھویا گیا اور اسے (ایمان سے) بھرا گیا۔''

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۲)

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صدر مبارک تین بار شق کیا گیا اور آپ کے قلب مبارک کو ایمان و حکمت سے بھرا گیا۔ ایک بار بچپن میں جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہتے تھے۔ یہ اس لیے کیا گیا تاکہ لڑکپن اور جوانی میں کوئی نفسانی و شہوانی وسوسہ آپ کے قلب مبارک کے قریب نہ بھٹک سکے، اسی لیے آپ ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ دوسری بار اس وقت شق صدر کیا گیا اور آپ کا قلب مبارک ایمان و حکمت سے بھرا گیا جب آپ پر پہلی بار نزولِ قرآن ہوا، تاکہ آپ کا قلبِ مبارک قرآن کریم جیسے رعب و جلال اور ہیبتِ الٰہیہ سے بھرپور اس کلام کو برداشت کر سکے جو اگر پہاڑوں پہ اتارا جاتا تو وہ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہو جاتے اور تیسری بار یہ اس وقت کیا گیا جب آپ معراج پہ تشریف لے جانے لگے، تاکہ آپ کا قلب مبارک مشاہدہ کائنات اور دیدارِ الٰہی کو برداشت کر سکے جس کے ایک ادنیٰ جلوے کی تاب

نہ لا کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے تھے۔

آپ کا شق صدر مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ کیونکہ حرکتِ قلب کا بند ہو جانا موت کہلاتا ہے، مگر آپ کا سینہ شق کیا گیا، قلب مبارک کو نکال کر چیرا گیا، پھر اس میں ایمان وحکمت کو بھر کر اسے بند کیا گیا اور آپ یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ معلوم ہوا جب دل کا چیرا جانا آپ کے لیے موت کا سبب نہیں بن سکتا تو حرکتِ قلب کا بند ہو جانا آپ کے لیے موت کا سبب کیسے بن سکتا ہے؟

؎ تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ   مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

آپ کا براق پہ سوار کیا جانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر میرے پاس براق لایا گیا وہ سفید رنگ کا ایک لمبا جانور ہے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے جہاں اس کی نظر پڑتی ہے وہاں وہ قدم رکھتا ہے۔ میں اس پہ سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔'' (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پہ سوار ہونے لگے تو وہ اچھلا (خوشی سے ناز میں آیا) جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے ڈانٹا اور فرمایا اے براق! ادب کرو، اللہ کی قسم! آج تک تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے ہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر معزز ہو۔ تب آپ اس پہ سوار ہوئے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۹)

یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق کے محتاج نہ تھے۔ آپ اپنی روحانی طاقت سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، آپ تو نماز میں ہاتھ بڑھائیں تو جنت کے خوشے کو پکڑ لیتے ہیں۔ (بخاری) مگر اللہ رب العزت نے چاہا کہ آپ کو ایک شاندار سواری پہ بٹھا کر لیجایا جائے۔ جیسے ایک بادشاہ اپنے انتہائی معزز مہمان کے لیے اعلیٰ ترین سواری بھیجتا ہے اور اپنے اہم تر ارکانِ سلطنت کو ساتھ بھیجتا ہے تاکہ معزز مہمان کو سر آنکھوں پہ بٹھا کر لایا جائے، ایسا ہی شبِ اسریٰ کے دولہا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا۔ شاعر کہتا ہے:

؎ باغ عالم میں بادِ بہاری چلی، سرورِ انبیاء کی سواری چلی
یہ سواری سوئے ذات باری چلی، ابرِ رحمت اٹھا آج کی رات ہے
حسنِ ذوقِ طلب ہر قدم ساتھ ہے، دائیں بائیں فرشتوں کی بارات ہے
سر پہ نورانی سہرے کی کیا بات ہے شاہِ دولہا بنا آج کی رات ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرنا اور حیات انبیاء

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ معراج میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مررت بقبر موسی

لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔ ''جس رات مجھے معراج کروائی گئی میں سرخ ٹیلے کے قریب قبرِ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ اس وقت اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے۔'' (مسلم کتاب الفضائل باب ۴۲ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام حدیث ۱۴۸) اس کے علاوہ یہ حدیث نسائی شریف کتاب قیام اللیل باب ۱۰، مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ اور در منثور بروایت ابن مردویہ وطبرانی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲ میں بھی موجود ہے۔

یہ حدیث صراحتاً دلالت کررہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں کیونکہ قبر میں تو صاحب قبر کا جسم ہوتا ہے اگر جسم کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہا ہے تو پھر حیاتِ جسمانی میں کیا شک رہا۔ اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حیاتِ انبیاء حیاتِ حسی ودنیاوی است، واحادیث وآثار دراں واقع شدہ، وحیات شہداء ومقاتین فی سبیل اللہ اخروی ومعنویست، یعنی ''انبیاء کی حیات حسی ودنیاوی ہے اور اس بارہ میں احادیث وآثار وارد ہیں، جبکہ حیاتِ شہداء اخروی ومعنوی ہے۔'' (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۴۷)

اسی طرح یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

ایں مبنی بر ثبوت حیاتست مرآں حضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات حقیقی دنیاوی بخلاف شہداء کہ بحیات معنوی مشرف اند،

یہ اس بنیاد پہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حیات حقیقی دنیاوی ثابت ہے جبکہ شہداء حیاتِ معنوی سے مشرف ہیں۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۲ صفحہ ۳۹۹ کتاب المناسک باب حرم المدینہ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اسی طرح امام داود بن سلیمان بغدادی فرماتے ہیں:

قال الامام البیھقی فی کتاب الاعتقاد، الانبیاء بعد ما قُبضوا ردت الیھم ارواحھم، فغیّبوا عنا وان کنا لانراھم کالملئکۃ۔

امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں فرمایا: انبیاء کی ارواح جب قبض کی گئیں تو انہیں ان کی طرف واپس لوٹایا دیا گیا، تو وہ صرف ہماری نگاہوں سے غائب ہوئے ہیں اور ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے، جیسا کہ فرشتے ہیں۔

(المنحۃ الوھبیۃ صفحہ ۵ مکتبہ حقیقت استنبول ترکی)

اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے، مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اس کے بعد ان کی حیات، مثل سابق وہی جسمانی ہے

بیت المقدس میں آپ کی امامت اور انبیاء پر آپ کی افضلیّت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ نے مدینہ منورہ، کوہِ طور اور بیت اللحم میں تینوں جگہ نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ثم

دخلتُ بيت المقدس فجُمع لی الانبیاءُ علیھمُ السلامُ فقدّمنی جبرائیل حتی امّمتھم، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، وہاں سب انبیاء میرے لیے جمع کیے گئے، تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آگے کیا تو میں نے ان سب کو امامت کرائی۔ (نسائی کتاب الصلوۃ باب اول)

نماز کے بعد ہر نبی نے کھڑے ہوکر اللہ کی حمد وثناء پر خطبہ کہا اور اس میں ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اس نبی کو اللہ نے عطا فرمائی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر یوں کہا: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے خلیل بنایا مجھے ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے اپنا اطاعت گزار بندہ بنایا اور مجھے آگ سے نجات بخشی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہوکر کہا: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے شرف ہمکلامی بخشا، میرے ذریعہ فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو آزادی دی اور میری امت میں ایسے لوگ بنائے جو حق کی ہدایت دیتے اور حق کا فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر داود علیہ السلام یوں گویا ہوئے: اللہ کی حمد ہے جس نے میرے لیے ملک عظیم بنایا مجھے زبور سکھلائی میرے ہاتھ پر لوہا نرم کیا، پہاڑ اور پرندے میرے لیے مسخر کیے اور مجھے حکمت وقوت فیصلہ بخشی۔ سلیمان علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے میرے لیے ہوائیں مسخر کیں، جنات کو میرے تابع کیا، مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور مجھے ایسا ملک دیا جو میرے بعد کسی کو نہ ملا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اٹھے اور فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، مجھے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کا علم دیا، مجھے یہ طاقت دی کہ میں مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونکوں تو وہ زندہ ہوکر اڑیں، میں کوڑھیوں اور اندھوں کو شفا دیتا اور مردوں کو زندہ کر دیتا تھا۔

آخر میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور تمام انبیاء سے یوں خطاب فرمایا:

آپ سب نے اپنے رب کی حمد کہی اور میں بھی رب العالمین کی حمد کہتا ہوں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنایا۔ مجھے تمام نسل انسانی کے لیے بشیر ونذیر بنایا، مجھ پر اللہ نے فرقان نازل کیا جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اللہ نے میری امت کو سب امتوں سے افضل کیا اور وہی سب سے پہلے (جنت میں جانے والے) اور سب سے آخر (دنیا میں آنے والے) ہیں اللہ نے میرے لیے میرا سینہ کھول دیا۔ مجھ سے میرا بوجھ اٹھا دیا، میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھے سلسلہ نبوت کا آغاز کرنے والا اور سلسلہ نبوت کا ختم کرنے والا بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور فرمایا:

فبھٰذا فَضَلکُم محمد، یعنی (اے انبیاء کرام) انہی فضائل کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے افضل قرار پائے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کو امام بزار، امام ابویعلی، امام ابن ابی حاتم، امام ابن عدی اور امام بیہقی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)

اسی مقام کو امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدہ معراجیہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔ ع

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سرِ بیاں ہو معنائے اول و آخر   وہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

امامتِ انبیاء اور شانِ ختم نبوت

یہ حدیث صحیح جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امام الانبیاء اور افضل الانبیاء ہونا بتاتی ہے وہاں آپ کا سب سے آخری نبی ہونا بھی واضح کرتی ہے، کیونکہ آپ نے سب انبیاء کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

وجعلنی فاتحا و خاتما، کہ اللہ نے مجھے سلسلہ نبوت کا آغاز اور اختتام کرنے والا بنایا۔ گویا حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو اپنی شانِ ختمِ نبوت کا گواہ بنایا، لہٰذا جو آپ کے مقامِ ختمِ نبوت سے انکار کرتا ہے وہ تمام انبیاء کرام کی گواہی سے انکار کرتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ نبی وہی ہے جو اسوقت اس اجتماع انبیاء میں بیٹھا آپ کا خطبہ سن رہا تھا، جو بعد میں آیا وہ گروہ انبیاء میں شامل نہیں کیا جاسکتا، اور اب جو خود کو اس مقدس گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرے وہ کافر و مرتد ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس جگہ ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امامتِ انبیاء کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا:

''**صلّیٰ خلفك كلُّ نبی بعثه الله،** آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ نے دنیا میں مبعوث فرمایا ہے۔'' (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گویا جس نے آج آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھی وہ لاکھ بار دعوی نبوت کرے وہ جھوٹا کذاب ہے۔ خواہ وہ نجد کا مسیلمہ کذاب ہو، یمن کا اسود عنسی ہو، عراق کا مختار ثقفی ہو، یا پنجاب کا مرزا غلام احمد قادیانی۔

معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج کا ایک فلسفہ یہ بھی تھا کہ آپ کی شانِ ختمِ نبوت کو ایسے روشن کر دیا جائے کہ اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے۔

پہلے آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوزخ میں مختلف عذابات کا مشاہدہ کرنا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور جبرائیل آسمان دنیا پر پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا: کون؟ کہا: جبرائیل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پوچھا گیا: کیا وہی ہیں جن کو بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں، تو انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ پھر میں نے وہاں ایک قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹوں جیسے تھے۔ ایک شخص انکے ہونٹ کھولتا اور ان کے منہ میں پتھروں جیسے انگارے داخل کرتا جو ان کے

پچھلے راستہ سے نکل آتے۔ میں نے کہا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ کہا: یہ لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔
پھر میں نے ایک قوم دیکھی جن کے چمڑے اتار کر ان کے منہ میں ٹھونسے جا رہے تھے۔ پھر ان سے کہا جاتا: جو تم نے کھایا اس کا مزہ چکھو، تو وہ اپنے چمڑے کو کھانے لگتے اور انتہائی کراہت و تکلیف محسوس کرتے۔ میں نے کہا: اے جبریل یہ کون ہیں؟ کہا: یہ لوگوں کے منہ پر ان کی تعریف کرتے اور پیٹھ پیچھے ان کی بدی بیان کرتے اور لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت میں ہاتھ ڈالتے تھے۔
پھر میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے سامنے دستر خوان بچھا ہے جس پہ بہت پیارا بھنا ہوا گوشت پڑا ہے اور ان کے آس پاس مردار پڑے ہیں، وہ دستر خوان کا گوشت چھوڑ کر مردار کھاتے ہیں، میں نے کہا جبریل! یہ کون ہیں؟ کہا یہ زنا کار ہیں جو اپنی بیویاں چھوڑ کر حرام کاری کرتے تھے۔
پھر میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے پیٹ بڑے کمروں جیسے تھے اور فرعونی لوگ ان کو لتاڑتے ہوئے گزرتے ہیں۔ بتایا گیا کہ یہ سود خور ہیں، ان کے پیٹوں میں سود ہے۔
پھر میں نے ایسی عورتیں دیکھیں جن کو ان کے پستانوں کے ذریعہ لٹکایا گیا ہے، بتایا گیا کہ یہ زنا کار عورتیں ہیں جو اپنی حرامی اولاد کو قتل کر دیتی تھیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۳۱)

ساتوں آسمانوں پہ مختلف انبیاء سے آپ کی ملاقاتیں اور مسئلہ حاضر و ناضر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر جبرائیل مجھے لے کر پہلے آسمان پہ پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ وہاں آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا: صالح بیٹے اور صالح نبی کو خوش آمدید۔ پھر دوسرے آسمان پہ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے کہا صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید (صالح کا معنی اللہ کی رحمتوں اور عنایات کا سزاوار) پھر تیسرے آسمان پہ یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پہ ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پہ ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پہ موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سب نے آپ کو خوش آمدید کہا اور مبارک دی۔ (بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۲، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۹)
اب یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء کرام نے مسجد اقصیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ کو رخصت کیا اور جب آپ آسمانوں میں گئے تو انبیاء وہاں موجود تھے، حالانکہ آپ براق پہ بیٹھ کر گئے، جس کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ جہاں اسکی نگاہ پڑتی ہے وہاں اس کا قدم پڑتا ہے اب زمین پہ کھڑے ہوں تو آسمان پہ نظر جاتی ہے۔ تو گویا براق پلک جھپکنے میں آسمان پہ پہنچ گیا، مگر انبیاء اس سے بھی جلد آسمان پہ جا پہنچے۔ اس سے حاضر و ناظر کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ گویا ایک ہی آن میں انبیاء زمین پہ بھی تھے اور آسمان پہ بھی۔ اگر یہ ممکن ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آن واحد میں مدینہ طیبہ میں ہو کر ہمارے پاس بھی ہو سکتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ پہ فرشتوں کا دیدارِ مصطفیٰ ﷺ حاصل کرنا

قرآن میں ہے: عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۱۴﴾ عِنۡدَہَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ﴿ؕ۱۵﴾ اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی ﴿ۙ۱۶﴾

''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماؤیٰ ہے، جب سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز نے ڈھانپ رکھا تھا۔'' (نجم، ۱۴)

اس کی تفسیر میں سلمہ بن وہرام سے مروی ہے کہ فرمایا:

''فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں اجازت دی گئی۔ چنانچہ فرشتوں نے سدرہ کو ڈھانپ لیا (یعنی اس قدر فرشتے سدرہ پہ جمع ہوگئے کہ سارا سدرہ چھپ گیا) تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایک جھلک دیکھ لیں۔'' (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہیٰ بمعنی انتہاء ہے، تو سدرۃ المنتہیٰ کا معنی ہے انتہاء والا درخت۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کروایا گیا تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لیجایا گیا وہ چھٹے آسمان پر ہے، زمین سے جو اٹھایا جاتا ہے وہ وہیں تک لیجایا جاتا ہے اور جو کچھ اوپر سے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے اسے وہیں پکڑا جاتا ہے۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۷۹) نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پھل مٹکوں جیسے ہیں اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے۔ (بخاری)

جبرائیل امین علیہ السلام کا ایک مقام پر رفاقتِ رسول ﷺ سے معذرت کر لینا

امام قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں امام ابوالربیع بن سبع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جبرائیل امین سفر معراج میں میرے ہم سفر تھے، تا آنکہ ایک مقام آیا جہاں وہ رک گئے۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! کیا ایسے مقام پر ایک دوست اپنے دوست کو چھوڑ سکتا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے کہا: ان تجاوزته احترقت بالنور، یعنی اگر میں اس مقام سے آگے تجاوز کروں تو نورِ الٰہی کی تابانی سے جل جاؤں گا۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل! هل لك من حاجة۔ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے محمد ﷺ! اللہ سے سوال کریں کہ روز قیامت مجھے پل صراط پر اپنے پر بچھانے کی اجازت مل جائے تاکہ آپ کی امت ان پر آسانی سے گزر جائے۔ (المواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۸۴ مقصد ۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنے شہرہ آفاق فارسی اشعار میں اس کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بدو گفت سالار بیت الحرام ۔۔۔ کہ اے حامل وحی برتر خرام
چوں در دوستی مخلصم یافتی ۔۔۔ عنانم سے صحبت چرا تافتی

بگفتا فرا تر مجالم نماند بماندم کہ نیروئے بالم نہ ماند
اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی سالار بیت الحرام ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے وحی لانے والے فرشتے! میرے ساتھ اوپر پرواز کرو جب تم نے مجھے دوستی میں مخلص پایا ہے تو اب تم میری صحبت سے دامن کیوں چھڑا رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آگے میری مجال نہیں رہی اور میرے پروں میں طاقت نہیں رہی۔ اگر میں آگے ایک بال برابر بھی گیا تو تجلیاتِ الٰہیہ کی تابانی میرے پروں کو جلا کر رکھ دے گی۔

ستر ہزار نوری حجاباتِ نور طے کرنے کے بعد ادن یا محمد کی ندا آنا

اسی حدیث میں جو امام قسطلانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، آگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے نور کے ذریعہ آگے لیجایا گیا اور وہ نور مجھے ستر ہزار پردوں کو پھاڑ کر اوپر لے گیا ان میں سے ہر حجاب دوسرے سے مختلف تھا۔ تب مجھے وحشت سی محسوس ہوئی، ایسے میں مجھے ابوبکر صدیق کی آواز میں پکارا گیا: قِفۡ انّ ربّك یصلّی، ٹھہریئے آپ کا رب (آپ پر) درود پڑھ رہا ہے۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ ابوبکر مجھ سے آگے جا پہنچے ہیں کہ اچانک میں نے آواز سنی:

اُدنُ یا خیرَ البریّۃ اُدنُ یا احمدُ ادن یا محمدُ لِیدنُ الحبیبُ، اے بہترین خلق! قریب آ جاؤ، اے احمد! اے محمد! قریب آ جاؤ، محبوب کو محبوب کے قریب آ جانا چاہیے۔ حتیٰ کہ پھر میری وہ حالت ہوئی جو اللہ نے یوں بیان فرمائی: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ﴿۹﴾ ''پھر وہ قریب آیا پھر اور قریب اتر آیا حتیٰ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہا یا اس سے بھی کم۔'' (نجم، ۸) (المواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۴۸)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ستر ہزار نوری حجابات طے کیے، ایک حجاب کے بعد دوسرا حجاب تھا اور شاید انہی نوری حجابات کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجابه النور لو کشفه لاحترقت سبحات وجهه ما انتهی الیه بصره فی خلقه. ''اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے کھول دے تو اس کی ذات کے جلوے اس کی حد نظر تک سب مخلوق کو جلا کر رکھ دیں۔''
(مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۳)

اسی حدیث کا نقشہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے ان مشہور زمانہ اشعار میں یوں کھینچا ہے۔

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد، قریب آ سرور ممجد نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ ہے شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
وہی ہے اول وہی ہے آخر، وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے درمیان شب معراج مقامِ دنیٰ پہ گفتگو اور ختمِ نبوت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیثِ معراج میں یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

اے محمد! مانگیے آپ کیا مانگتے ہیں، آپ نے عرض کیا:

اے اللہ! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور انہیں ملک عظیم عطا فرمایا۔ تو نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ تو نے داود علیہ السلام کو ملک عظیم دیا ان کے لیے لوہا نرم کیا اور پہاڑوں کو مسخر کیا۔ تو نے سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دیا ان لیے جن وانس وطیور کو مسخر کیا اور ہوائیں ان کے تابع کر دیں اور اے اللہ! تو نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات وانجیل کا علم بخشا، وہ اندھوں کو بینا کوڑھیوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کرتے تھے اور تو نے ان کو اور ان کی والدہ کو شیطانی اثرات سے محفوظ کیا (یعنی اے اللہ! اب مجھے بھی کچھ عطا فرمایا جائے)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے یوں خطاب فرمایا:

''اے محمد ﷺ! آپ کو میں نے اپنا حبیب بنایا۔ آپ کو میں نے تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنایا۔ آپ کا سینہ مبارک (علم) کے لیے کھول دیا اور آپ کا بوجھ اٹھا دیا۔ آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ چنانچہ جب بھی میرا ذکر ہوگا آپ کا ذکر بھی ساتھ ضرور ہوگا۔ میں نے آپ کی امت کو سب سے افضل امت بنایا۔ آپ کی امت دنیا میں آنے والی آخری امت ہے اور جنت میں جانے والی سب سے پہلی امت۔ آپ کی امت کا کوئی خطبہ مکمل نہ ہوگا جب تک اس میں یہ گواہی نہ دی جائے کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کی امت کے بعض لوگ ایسے بنائے ہیں جن کے دل مستقل کتابیں ہیں (یعنی وہ حفاظ قرآن ہیں) مزید فرمایا:

وجعلتك اول النبيين فى الخلق وآخرهم فى البعث اور میں نے آپ کو تخلیق میں سب سے پہلا نبی اور بعثت میں سب سے آخری نبی بنایا۔ قیامت میں آپ کی امت کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا۔ اور میں نے آپ کو سبع مثانی (سورہ فاتحہ) عطا فرمائی، جو آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہ فرمائی گئی۔ آپ کو میں نے کوثر عطا فرمایا۔ آپ کو میں نے آٹھ حصے عطا فرمائے، اسلام، ہجرت، جہاد، صدقہ، نماز، روزہ رمضان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ **وجعلتك فاتحا وخاتما** اور میں نے آپ کو سلسلہ نبوت کا آغاز کرنے والا اور اختتام کرنے والا بنایا۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ حدیث جہاں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے پھولوں کا حسین گلدستہ ہے وہاں دلائلِ ختم نبوت کی مستقل کتاب ہے، اس حدیثِ مبارکہ کی اگر شرح کی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ معراج میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی (یہ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ تو اللہ نے معراج میں اپنے بندۂ خاص محمد مصطفی ﷺ کی طرف وحی فرمائی۔ (نجم، ۱۰) کی طرف اشارہ ہے) تو مجھ پر ایک رات دن میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ میں واپس موسیٰ علیہ السلام کی طرف (چھٹے آسمان پر) اترا، انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پہ کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس میں کمی کی درخواست کریں، کیونکہ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ تو میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے لیے تخفیف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور بتایا کہ پانچ نمازیں کم ہوگئی ہیں۔ انہوں نے کہا یہ بھی آپ کی امت پہ بھاری ہے مزید کم کروائیں۔ چنانچہ میں اللہ رب العزت کے پاس جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ ہر بار پانچ نمازیں کم فرماتا رہا تا آنکہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ یہ ایک دن رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس کے برابر ہے تو یہ پچاس ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ پھر واپس جائیں اور مزید کمی کروائیں۔ میں نے کہا: میں اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے جاتے ہوئے حیا آتی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۵۹)

کیا رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب کو دیکھا؟

اس بارہ میں صحابہ کرام میں اختلاف ہوا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد یہ تھا کہ آپ نے رب کو نہیں دیکھا، جبکہ اس امت میں سے قرآن کے مفسرِ اول حبرِ امت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما زور دے کر فرماتے تھے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور صحیح یہی ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو بیداری میں اپنے سر کی آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے، مگر وہ دیکھنا ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ اس کی کیفیت کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ جنت میں اہل جنت اپنے رب کا دیدار کریں گے اس پہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر۔ بیشک تم (جنت میں) اپنے رب کو یوں دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو'' (بخاری کتاب المواقیت باب ۱۶، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۹) یہ حدیث بخاری میں چھ جگہ آئی ہے اور مسلم میں چار جگہ۔

تو جس طرح اہلِ جنت کا آخرت میں اپنے رب کو دیکھنا جسمانی کیفیات سے پاک ہوگا، یونہی رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنا جسمانی وحسی کیف وکم سے پاک تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

''ان محمدا رآی ربہ مرتین مرۃ ببصرہ ومرۃ بفؤادہ۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دو بار

دیکھا، ایک بار اپنی ظاہری آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔''
(المعجم الاوسط للطبرانی جلد ۴ باب من اسمہ محمد صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کے ایک راوی مجالد بن سعید کو یحییٰ بن سعید اور ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سید المحدثین امام بخاری فرماتے ہیں: صدوق۔ کہ وہ سچا راوی ہے اور امام عجلی فرماتے ہیں: جائز الحدیث۔ کہ اس کی روایت کا قبول کرنا جائز ہے۔ (تھذیب التھذیب جلد ۵ صفحہ ۷۲ راوی ۷۵۴۵)

جب کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت سے استدلال کیا: لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ کہ ''نگاہیں اللہ کو گھیر نہیں سکتیں۔'' (انعام، ۱۰۳) اور انہوں نے فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اللہ پر افتراء کیا ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

حالانکہ ادراک (گھیرنا) یہ ہے کہ اللہ کو اس کے مکمل نورِ حقیقی کے ساتھ دیکھا جائے اور اس کا احاطہ کیا جائے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے نور ذات کا ایک جلوہ ہی دیکھا۔ اللہ کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیدار الٰہی کی مطلقاً نفی نہیں کی، بلکہ یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا ادراک بمعنی احاطہ نہیں کیا۔ رہ گیا آپ کا اپنے رب کو مطلقاً دیکھنا تو اس سے انہوں نے بھی نفی نہیں کی۔

تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم فضیلت ہے کہ اس دنیا میں آپ کے سوا کسی نے اللہ رب العزت کا دیدار نہیں پایا۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان اللہ اصطفی ابراھیم بالخلۃ واصطفی موسی بالکلام واصطفی محمدا بالرؤیۃ۔ کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت سے برگزیدہ کیا، موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے فضیلت دی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دیدار سے برگزیدگی عطا فرمائی۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۵) موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی تمنا کی مگر ایک جھلک دیکھنے سے ہی بیہوش ہو گئے اور دیکھ نہ سکے۔ اسی لیے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی ۔۔۔ آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اسرار و مقاصد

(۱) شانِ عبدیت و رسالت کا اظہار۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہر مسلمان کہتا ہے۔ اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اللہ نے چاہا کہ آپ کی شانِ عبدیت و شانِ رسالت دونوں کو ظاہر کیا جائے تو آپ کو سیرِ معراج کرائی گئی اور آپ نے شانِ عبدیت کے ساتھ لامکاں تک عروج پایا جیسا کہ ہم ابھی اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ کے تحت لکھ چکے ہیں کہ جس قدر آپ کی عبادت زیادہ تھی اسی قدر آپ کو بلندی عطا فرمائی گئی اور جب آپ کو اتنا عروج مل گیا اور اپنے محبوبِ حقیقی ربِ قدوس سے وصال و دیدار حاصل ہو گیا تو پھر آپ نے اس سے فراق کیسے گوارا کیا اور بچھڑنا

کیسے برداشت ہوا تو وہ اس لیے کہ آپ ورسولہ بھی ہیں اور منصبِ رسالت کا تقاضا تھا کہ آپ امت کو تحفہ نماز لا کر عطا کریں اور امت میں رہیں تا کہ قرآن کی تکمیل ہو اور وعدہ تکمیلِ دین پورا ہو، تو شانِ عبدیت آپ کو لامکاں تک لے گئی اور شانِ رسالت واپس امّت میں لے آئی۔

(۲) حسی ومعنوی عظمتوں کا جمع کیا جانا۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو حسی طور پر لوگوں سے بلند ہو وہ حقیقتاً ان سے افضل بھی ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان پر ہیں مگر وہ زمین والے تمام انبیاء سے افضل نہیں ہیں۔ البتہ ان کے حسی طور بلند ہونے سے عیسائی لوگ استدلال کرنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حالانکہ ان کا استدلال غلط ہے، ایک عیسائی شاعر نے کہا:

؎ فلک پہ ابن مریم کا مکاں ہے ملا احمد کو یہ رتبہ کہاں ہے؟

تو ایک مسلمان شاعر نے سن کر اس کا جواب دیا۔

؎ ترازو کو پکڑ کر دیکھ ناداں وہی جھکتا ہے جو پلہ گراں ہے

تو یہ استدلال غلط ہے کہ جو حسی طور پر بلند جگہ بیٹھا ہو سب سے افضل ہو اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوقات سے افضل ہیں تو اللہ نے چاہا کہ آپ کو حسی طور پر بھی تمام مخلوقات سے برتر و بلند تر کیا جائے تا کہ کوئی ظاہر بیں یہ نہ کہے کہ فرشتے یا عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی اور مخلوق آپ سے افضل ہے کیونکہ وہ حسی طور پر آپ سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شبِ معراج حسی اور جسمانی لحاظ سے بھی تمام مخلوقات سے بلند تر مقام پر بلا کر بتا دیا کہ اللہ نے آپ سے افضل کوئی چیز پیدا ہی نہیں فرمائی۔

(۳) روزِ قیامت کی گھبراہٹ سے بچانا۔

یاد رہے، کوئی چیز خواہ کتنی ہی خوفناک ہو اگر اسے ایک بار دیکھ لیا جائے تو دوسری بار اس کے دیکھنے سے انسان پر وہ خوف طاری نہیں ہوتا جو پہلی بار دیکھنے سے طاری ہوتا ہے۔ روزِ قیامت جب دوزخ کو پہلی بار تمام مخلوق کے سامنے لایا جائے گا تو اسے دیکھ کر ایک بار انبیاء بھی گھبرا جائیں گے اور نفسی نفسی پکارنے لگیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز نہ گھبرائیں گے۔ کیونکہ شب معراج آپ نے ایک بار دوزخ کے تمام طبقات ملاحظہ فرما لیے تو روز قیامت دوزخ کو دوبارہ دیکھنے سے آپ کو گھبراہٹ نہ ہوگی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ کے قریب منصب نبوت سے نوازا گیا تو آپ سے کہا گیا کہ اپنا عصا زمین پر پھینکیں آپ نے اسے پھینکا تو وہ عظیم اژدھا بن گیا آپ گھبرا گئے مگر جب بحکمِ الٰہی اسے دوبارہ پکڑا تو وہ عصا ہی تھا۔ یہ اس لیے ہوا تا کہ جب آپ دربار فرعون میں جا کر عصا کو اژدھا بنائیں تو فرعون سمیت لوگ گھبرا جائیں مگر موسیٰ علیہ السلام مطمئن رہیں۔ چنانچہ وہ مطمئن رہے اگر وہ بھی گھبرا جاتے تو ان کی شانِ رسالت واضح نہ ہوتی۔ اس لیے انہیں عصا کا اژدھا بننا پہلے ایک بار دکھایا گیا۔ اسی طرح روزِ قیامت تو حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اظہارِ عظمت ہی کے لیے منعقد کیا جائے گا۔ ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

اگر اس دن آپ بھی گھبرا جاتے تو آپ کی عظمت ظاہر نہ ہوتی مگر چونکہ آپ نے شب معراج تمام طبقاتِ دوزخ اور ان کے عذابات ملاحظہ فرما لیے تھے اس لیے روز قیامت جب سارے انبیاء کرام کچھ دیر کے لیے شفاعت سے انکار کر دیں گے حضور سید المرسلین ﷺ اس وقت بھی انا لھا انا لھا پکارتے ہوں گے۔

(۴) اعلانِ ختم نبوت۔

شبِ معراج سب انبیاء کو بیت المقدس میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا کر کے بتا دیا گیا کہ جماعت انبیاء میں وہی شامل ہے جو شب معراج مسجدِ اقصیٰ میں سید الانبیاء ﷺ کا مقتدی بنا۔ گویا دنیا میں پہلے مقتدی بھیجے گئے جب ساری مقتدی آ گئے تو آخر میں امام کو بھیجا گیا۔ اب جو اس کے بعد دنیا میں آئے اور وہ مسجد اقصیٰ میں قائم ہونے والی انبیاء کی نماز با جماعت میں شامل نہ ہو وہ اگر دعویٰ نبوت کرے تو اس کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج جب حضور ﷺ بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوئے تو عرض کیا اے اللہ! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو دست شفا دیا (یعنی اب میرے لیے کیا انعام ہے؟) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (ﷺ)! آپ کو میں نے اپنا حبیب بنایا، تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنایا۔ آپ کا ذکر بلند کیا۔ آپ کی امت کو سب سے افضل امت بنایا۔ آپ کو میں نے تخلیق میں سب سے پہلا اور بعثت میں سب سے آخری نبی بنایا تو آپ ہی سلسلۂ نبوت کا آغاز اور اختتام کرنے والے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ا صفحہ اا مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ) گویا معراج کا ایک مقصد اعلانِ ختم نبوت بھی تھا۔

(۵) ہر نبی کو حسبِ حال معجزہ دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا زور تھا۔ فرعون خود بڑا جادوگر تھا اور جادو ہی کے زور پر اس کی حکومت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عصا عطا فرمایا، جس کے سامنے سب جادوگر عاجز آ گئے۔ یونہی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا۔ اطباء کو خدا بنایا جا رہا تھا تو اس کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دستِ شفا دیا گیا جس کے سامنے سب اطباء عاجز رہ گئے۔ اب آخر میں خاتم النبین ﷺ کو بھیجا گیا جن کی رسالت تا قیامت ہے۔ اللہ رب العزت جانتا تھا کہ آپ کے دور رسالت میں انسان سائنسی ترقی کر کے چاند پر جا اترے گا اور فاصلے سمٹ جائیں گے۔ مہینوں کے سفر گھنٹوں میں طے ہو جائیں گے تو اس کے مقابلہ میں آپ کو معجزہ معراج عطا فرمایا گیا اور آپ نے ساری کائنات کا سفر پلک جھپکنے میں طے کر لیا اور شمس و قمر سمیت تمام ستارے اور سیارے آپ کی گرد راہ میں گم ہو کر رہ گئے تو آپ کے حسبِ حال معجزۂ معراج ہی تھا۔ جس کے سامنے سائنس کی ساری ترقی سرنگوں اور عاجز و درماندہ ہے اور تا

قیامت درماندہ رہے گی۔

(۶) حضور ﷺ کی امامتِ کلی کا اظہار کیا گیا۔

آپ امام البشر بھی ہیں، امام الجن بھی، امام الملائکہ بھی اور امام الانبیاء بھی۔ مکہ مکرمہ میں آپ صحابہ کرام کو امامت کرواتے تھے، مسجد اقصی میں جا کر آپ نے تمام انبیاء کی امامت کروائی۔ پھر عرش پہ جا کر آپ نے تمام ملائکہ کی امامت کروائی، یوں آپ کو امام الکل بنا دیا گیا اور آپ کے سر پہ تمام جہان کی امامت کا تاج سجا دیا گیا۔ بقولِ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ۔

اصالتِ کل امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

(۷) میثاق انبیاء کی تکمیل کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام کی ارواح کو جمع کر کے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ایک عہد لیا تھا کہ اگر کسی نبی کی موجودگی میں آپ آ جائیں تو وہ آپ پر ایمان لائے گا اور آپ کی مدد کرے گا (آل عمران، ۸۱) چنانچہ ہر نبی آپ کی آمد کا انتظار کرتا رہا اور اپنی امت سے عہد لیتا رہا کہ اگر وہ آپ کا زمانہ پائیں تو آپ پر ایمان لائیں۔ اب رسول اکرم ﷺ تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ سب انبیاء سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی تکمیل کی جائے چنانچہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مسجد اقصیٰ میں جمع کر کے ان کو سید الانبیاء ﷺ کے پیچھے کھڑا کیا اور آپ کو ان کا امام بنایا تا کہ عالمِ ارواح میں جو میثاق لیا گیا تھا اس کی تکمیل ہو جائے۔

نماز اقصی میں تھا یہی سر، عیاں ہو معنیٰ اول آخر وہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

معراجِ مصطفیٰ ﷺ پر مفسر کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت نعت شریف

تھی باغ عالم میں ایک رونق، ہر ایک غنچہ چٹک رہا تھا بہار چھائی تھی چار جانب ہر ایک پودا مہک رہا تھا
خوشی تھی ہر اک فلک پہ چھائی بہار ہر آسماں پہ آئی جو عرش پر میرے آقا پہنچے تو عرش قدموں میں جھک رہا تھا
اے مرزائے قادیانی جھوٹے ہمیں بتاؤ کہ تم کہاں تھے کہ ہر نبی جب حضور کے پیچھے دست بستہ کھڑا ہوا تھا
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہ انبیاء ورسل کا افسر وہ سارے نبیوں سے پیچھے آ کر امام سب کا بنا ہوا تھا
وہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جو سوئے عرش علا چلے تھے تو نوریوں کا امام ان کو نگاہِ حسرت سے دیکھتا تھا
ادھر وہ اقصیٰ میں جلوہ گر تھے ادھر وہ افلاک پر تھے پہنچے ہیں انبیاء زندہ آتے جاتے یہ عقدہ معراج میں کھلا تھا
ہے اپنا اپنا مقام یارو ہر اک کا اپنا نصیب دیکھو کلیم بے ہوش اک جھلک سے، حبیب جلوے سمیٹتا تھا
یہ طیبؔ ان کی ہے ہم پہ رحمت نماز کی دی ہے ہم کو نعمت جو پانچ پڑھے پچاس پائے یہ تحفہ معراج میں ملا تھا

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے دیگر مقاصد پر سیر حاصل کلام میں نے اپنے تحریر کردہ رسالہ ''معجزۂ معراج مصطفیٰ ﷺ''

میں کیا ہے۔

وَاٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَجَعَلۡنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ذریعہ ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ پکڑو۔[5] اے

مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ﴿۲﴾ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ﴿۳﴾

ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا۔ بیشک نوح (علیہ السلام) شکر گزار رہے تھے [6]

[5] گزشتہ آیت میں معجزہ معراج کی صورت میں نبوت محمدیہ کی حقانیت بتائی گئی۔ اب نبوتِ موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت بتائی جارہی ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنائی گئی اور اس میں انہیں حکم دیا گیا کہ اللہ ہی کو ہر کام میں کارساز پکڑو۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ سیرتِ محمدیہ و سیرتِ موسویہ باہم مماثل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اہلِ ایمان ساتھیوں سمیت ان کے وطن سے نکالا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے وطن کی سرزمین پر حکومت عطا فرمائی۔ دونوں کو شریعت والی کتاب دی گئی اور دونوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا۔ اس لیے نبوتِ محمدیہ کے بعد نبوتِ موسویہ کی بات کی گئی۔

یہاں وَجَعَلۡنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ سے تورات پر قرآنِ مجید کی فوقیت معلوم ہوئی۔ تورات کو صرف بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کہا گیا اور قرآن کے بارہ میں فرمایا گیا: شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ۔ (بقرہ ۱۸۵) دوسری جگہ فرمایا گیا: تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ (فرقان۔۱)

[6] یہ ساری نسلِ انسانی سے خطاب ہے کیونکہ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ کے تحت حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کے چار بیٹے سوار ہوئے۔ حام، سام، یافث اور کوش اور انہی چار سے تمام انسان دوبارہ آباد ہوئے۔ (درمنثور ج ۵ ص ۲۳۲ مطبوعہ دارالفکر)

اہمیتِ شکر اور طریقۂ شکر

تو سب انسانوں سے یوں خطاب کیا گیا کہ اے وہ لوگو! جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیے جانے والوں کی اولاد ہو، سن لو کہ نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے یعنی ان کی اولاد ہونے کے ناطے تمہیں بھی شکر کا راستہ اپنانا چاہیے اور جیسے شکر کے سبب ان کی کشتی بھنور سے نکلی اور طوفان سے بچی تمہاری مشکلات بھی شکر ہی کے ذریعے حل ہوسکتی ہیں۔ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام ہر چھوٹی بڑی چیز اٹھاتے ہوئے بسم اللہ والحمد للہ کہتے تھے اور کچھ بھی کھانے یا پینے کے بعد

الحمد للہ ضرور کہتے تھے۔ (اس لیے انہیں شکر گزار بندہ کہا گیا)۔ (ابن جریر، بیہقی)

اور ایسے ہی ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نئے کپڑے پہنے اور یہ دعاء پڑھی: الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عوراتی واتجمل بہ فی حیاتی۔ اللہ کے لیے حمد ہے جس نے مجھے وہ لباس پہنایا جس سے میں اپنی جائے ستر کو ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت لیتا ہوں، اس کے بعد وہ پہلے والے لباس کو صدقہ کردے تو زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔'' (ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۰۷)

ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ جیسے عمومی خطاب سے معلوم ہوا قرآن کا پیغام تمام نسلِ انسانی کے لیے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا قیامت تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں اس لیے آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔

وَقَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی کتاب میں بتا دیا تھا کہ تم زمین میں دوبارہ

وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا

فساد پھیلاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ چنانچہ جب ان دو میں سے پہلا وعدہ آ گیا تو ہم نے

لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾

تم پر اپنے کچھ بندے مسلط کر دیے جو سخت پکڑ والے تھے، تو وہ تمہارے شہروں میں گھس گئے اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا تھا [7]

ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡہِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ

پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دیا اور اموال واولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہاری تعداد میں

وَجَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ﴿۶﴾ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَاِنۡ

اضافہ کر دیا۔ اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے لیے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو وہ بھی اپنے لیے۔

اَسَاۡتُمۡ فَلَہَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡہَکُمۡ وَلِیَدۡخُلُوا

پھر جب دوسری بار کا وعدہ آیا (تو ہم نے انہیں تم پر پھر مسلط کیا) تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد میں

الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّلِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا ﴿۷﴾ عَسٰی رَبُّکُمۡ

داخل ہو جائیں جیسے پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ کر دیں۔ [8]

وقف لازم

اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ﴿۸﴾

قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔ اور ہم نے کفار کے لئے جہنم کی تنگ کوٹھڑی بنائی ہے۔ [9]

[7] پیچھے آیت ۲ میں موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا دیا جانا اور اس کا بنی اسرائیل کے لیے ہدایت ہونا بتایا گیا۔ اب اس ہدایت کا ایک نمونہ بتایا جا رہا ہے کہ تورات میں بنی اسرائیل کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ اپنے دین سے دور ہو کر دوبار زمین میں فساد کریں گے اور دونوں بار ان کے دشمن ان پر مسلط ہو کر ان کی عبادت گاہ مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کر دیں گے۔

چنانچہ پہلی بار کا وعدہ یوں پورا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں بنی اسرائیل اپنے دین سے دور ہو گئے اور جہاد سے گھبرانے لگے (جیسے آج کے مسلمان جہاد سے گریزاں اور دین سے دور ہیں) تو ان پر جالوت نامی غیر مسلم حاکم مسلط کر دیا گیا۔ جس نے بنی اسرائیل کی بڑی تعداد کو قیدی بنالیا۔ ان کی عبادت گاہیں ویران کر دیں اور ان کے پاس جو تورات کا ایک ہی نسخہ تھا وہ ان سے چھین لیا اور اس کی سخت بے حرمتی کی (تو اس بارے میں اللہ رب العزت یہاں فرما رہا ہے کہ جب ہمارا پہلا وعدہ آیا تو اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر ہمارے سخت قوت والے بندے مسلط کر دیے، یعنی جالوت اور اسکی فوج)۔

تب بنی اسرائیل نے عرصہ تک رو رو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ آخر رحمتِ باری جوش میں آئی اور بنی اسرائیل میں شمویل علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا جنہوں نے بنی اسرائیل میں سے طالوت نامی شخص کو بحکمِ الٰہی حاکم مقرر کیا جیسے قرآن میں ہے: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ط ''ان کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے کہا اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔'' (بقرہ:۲۴۷) چنانچہ طالوت کی سرپرستی میں بنی اسرائیل جہاد کے لیے تیار ہوئے۔ انہی میں داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ اس وقت وہ نوجوان تھے اور بطورِ نبی مبعوث نہ ہوئے تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں کفار کا حاکم جالوت قتل ہوا۔ جیسے قرآنِ مجید میں ہے: وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ۔ ''داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔'' (بقرہ:۲۵۱) اس واقعہ کی تفصیل ہم نے وہیں سورہ بقرہ کے تحت لکھی ہے۔

معلوم ہوا اہلِ ایمان کی بداعمالی کے سبب ان پر کفار کو غالب کر دیا جاتا ہے پھر ان کی مسجدوں کا تقدس پامال کر دیا جاتا ہے اور اللہ کی کتاب کی حرمت پر بھی حرف آتا ہے۔ (جیسا کہ آج کل مسلمانوں سے ہو رہا ہے) تاکہ اہل ایمان کو سبق ملے پھر جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور جہاد کا راستہ اپناتے ہیں تو اللہ انہیں کفار پر پھر غالب کر دیتا ہے اور ان کے لیے اموال واولاد میں برکت ڈال دیتا ہے (وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)۔ آج امتِ مسلمہ کی حالتِ زار بنی اسرائیل جیسی ہے، اللہ و رسول کی نافرمانی عام ہے۔ بے حیائی، دروغ گوئی منافقت اور ایک دوسرے پر ظلم کا دور دورہ ہے اور جہاد سے ہم گھبراتے ہیں پھر ہم کفار پر غلبہ بھی چاہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے۔

[8] بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا یہ دوسرا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے کچھ عرصہ بعد کا ہے۔ ان میں اس قدر سرکشی و معصیت بڑھ گئی کہ انہوں نے انبیاء کے قتل کا وطیرہ اپنالیا۔ ان کے ایک سردار نے اپنی بہن کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو یحییٰ علیہ السلام نے اسے روکا اس نے انہیں شہید کر دیا۔ بنی اسرائیل نے اس سردار کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی بجائے اس کا ساتھ دیا۔ پھر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شہید کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔ تب ان پر غضبِ الٰہی کی تلوار چمکی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رومی نصاریٰ کو مسلط کر دیا جنہوں نے بنی اسرائیل (یہود) کا خوب قتل عام کیا۔ مسجد اقصیٰ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی جس جگہ یحییٰ علیہ السلام کا خون گرا تھا وہاں ستر ہزار بنی

اسرائیل کا خون گرا، یہ اللہ کے ایک نبی کے خون کی دیت تھی۔ چنانچہ فلسطین سے یہود کی حکومت ختم کردی گئی اور وہ دنیا میں تتر بتر ہو گئے۔ انہی میں سے بعض نے بعثت نبویہ سے قبل مدینہ طیبہ میں آ کر ڈیرہ لگالیا۔ تو اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جب دوسرا وعدہ آیا تو ہم نے اے بنی اسرائیل تم پر کچھ اور لوگ مسلط کردیے تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد اقصیٰ میں اسی طرح گھس جائیں جیسے پہلی بار کفار اس میں گھسے تھے اور ہر چیز کو برباد کر کے رکھ دیں۔

اس جگہ اس سورت کی پہلی آیت میں مسجد اقصیٰ میں رسول اللہ ﷺ کی شب معراج تشریف آوری بیان کی گئی اسکے بعد اگلی آیات میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کا کفار کے ہاتھوں دوبار بے حرمت ہونا بتایا گیا۔ اس میں یہ درس ہے کہ اے امت محمد مصطفیٰ ﷺ! معراجِ مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے مسجد اقصیٰ تمہیں دی جائیگی، پھر اگر تم نے بنی اسرائیل کی طرح دین سے منہ پھیرا تو اس مسجد پر کفار پھر مسلط کردیے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے مسجد اقصیٰ چند ہی برس بعد عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی اور تیرہ صدیوں تک انہی کے قبضہ میں رہی۔ پھر انکی بدعملیوں کے سبب گزشتہ صدی میں کفار کے قبضہ میں چلی گئی، مگر ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ جلد یا بدیر اللہ کی رحمت جوش میں آئیگی اور وہاں پھر اہل ایمان کو غلبہ نصیب ہوگا۔

[9] یعنی بنی اسرائیل سے تورات میں فرمایا گیا کہ تم پر دومرتبہ اللہ کی پکڑ آئے گی اگر اس کے بعد تم سنبھل گئے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم بھی تم پر عذاب لے کر لوٹیں گے اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ وہاں مجرموں کے لیے تنگ کوٹھڑی یعنی قید خانہ تیار ہے مگر بنی اسرائیل نے اس خدائی وارننگ اور ہدایت سے فائدہ نہ اٹھایا چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ معبوث ہوئے تو انہیں آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر رحمتِ الٰہی کا مستحق بننا چاہیے تھا کیونکہ وہ آپ کی صداقت سے خوب خوب آگاہ تھے وہ تورات کی پیش گوئیوں کی روشنی میں نبی آخرالزمان کی تمام نشانیاں آپ میں ملاحظہ کر چکے تھے مگر انہوں نے بدبختی کا راستہ اپنایا۔

تب ان پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی، انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطنی اور قتل سے دوچار ہونا پڑا پھر وہ دنیا میں تتر بتر ہو گئے اور تیرہ صدیوں تک دنیا بھر میں ٹھوکریں کھاتے رہے، تو یہ ہے: وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ؕ آخر بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں امریکہ و برطانیہ کی مدد سے ارضِ فلسطین کے اصل مسلم باشندوں پر ظلم کرتے ہوئے وہاں یہود کی حکومت قائم کی گئی مگر قرآنی صداقت ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ۔ (آل عمران: ۱۱۲) کے تحت جلد یا بدیر اسرائیلی گورنمنٹ کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا، ان شاء اللہ۔ نہیں تو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام پر تو اس بدبخت قوم کے وجود کا مٹ جانا ہی مقرر ہے۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ

بیشک قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے مضبوط تر ہے اور خوشخبری سناتا ہے ان مومنوں کو جو

یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

نیک اعمال کرنے والے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور یہ کہ جو لوگ آخرت پہ

بِالۡاٰخِرَۃِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۰﴾

یقین نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔[10]

ع ۱

ہدایتِ قرآن اور بدقسمتی انسان

[10] قرآن کا دکھایا ہوا راستہ سب سے مضبوط تر ہے اس لیے کہ دیگر الہامی کتابیں اگرچہ آسمان سے اتری ہوئی ہیں جیسے تورات وانجیل، مگر ان کی تعلیمات ایک خاص زمانہ تک تھیں پھر ان کا چلن ختم ہوگیا اور ان میں انسانوں نے اس قدر تبدیلیاں کر دیں کہ ان کی حقیقت مسخ ہوگئی، اس لیے قرآن کا بتایا ہوا راستہ سب سے مضبوط تر ہے۔

اس بات کے دلائل کہ قرآن کی ہدایت سب سے مضبوط تر ہے

(۱) قرآن وہ کتاب ہے جس کا چلن کبھی ختم نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ ''برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ خاص محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب (قرآن) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نذیر بن جائے۔'' (فرقان:۱) یعنی اس کے بعد کوئی الہامی وآسمانی کتاب نازل نہیں کی جائے گی۔

(۲) قرآن میں کوئی تبدیلی یا تحریف ممکن نہیں، ارشادِ ربی ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ ''بیشک ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (حجر:۹) جبکہ تورات وانجیل میں اس قدر تحریف کی گئی کہ ان کے کسی جملہ پہ بھی بھروسہ نہیں رہا۔

(۳) کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ قرآن جیسی ایک آیت ہی لا سکے خواہ اس کی مدد میں تمام جن وانس جمع ہو جائیں، یہ شان کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

(۴) اور قرآن ایسا نظامِ زندگی بیان کرتا ہے جس میں انسان کی تمام انفرادی واجتماعی مشکلات کا حل اور تمام جسمانی وروحانی تقاضوں کی تکمیل ہے۔ جبکہ باقی مذہب کی مذہبی کتابوں میں سوا چند دعاؤں اور اخلاقی نصیحتوں کے اور کچھ بھی

نہیں ہے۔ معلوم ہوا انسان کی فلاح کے لیے قرآن کا نظام ہی ضامن ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ قرآن ایمان اور عمل صالح والوں کو اجر کبیر (جنت) کی بشارت دیتا ہے اور منکرینِ قیامت کو دردناک عذاب سے ڈراتا ہے۔ یعنی قرآن بتاتا ہے کہ اخروی نعمتیں انہی کے لیے ہیں جو آخرت کو مانیں اور جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں ان کے لیے آخرت میں صرف دردناک عذاب ہے۔

وَیَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالۡخَیۡرِ ؕ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ﴿۱۱﴾
اور انسان برائی کے لئے ایسے ہی دعا کرتا ہے جیسے اچھائی کے لئے کرتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے۔[11] اور ہم نے
وَجَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَجَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ
رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی بے نور کر دی اور دن کی نشانی کو
مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ
چمکدار بنایا تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔اور ہم نے
وَکُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ﴿۱۲﴾
ہر چیز کھول کر بتا دی ہے۔[12]

[11] قرآن کی ہدایت تو انسان کو صبر سکھاتی ہے مگر انسان کا یہ حال ہے کہ وہ سخت جلد باز ہے جلد بازی اس کی فطرت میں ہے۔ وہ جس طرح اللہ سے خیر مانگتا ہے اسی طرح شر بھی مانگ لیتا ہے اگر اسے کوئی مصیبت آ جائے تو کہتا ہے کاش مجھے موت آ جائے اگر اس کی اولاد کسی وقت نافرمانی کرے تو غصے میں کہنے لگتا ہے اللہ کرے تم مرو میری جان چھوٹے۔ مگر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ انسان کی بھلائی کی دعا جلد سنتا ہے اور بد دعائیں جلد قبول نہیں فرماتا۔ اس کا ارشاد ہے: وَلَوۡ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَہُمۡ بِالۡخَیۡرِ لَقُضِیَ اِلَیۡہِمۡ اَجَلُہُمۡ ؕ ''اگر اللہ لوگوں کو شر دینے میں جلدی کرتا جیسے وہ ان کی خیر طلبی پر جلد خیر دیتا ہے تو ان کی مہلت پوری ہو جاتی۔'' (یونس:۱۱)

معلوم ہوا مصیبت میں گھبرا کر خود کو بد دعا دینا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ یہ انسان کی بے صبری، عجلت پسندی اور شیطان کی پیروی کی بہت بری مثال ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تدعوا علی انفسکم ولا تدعوا علی اولادکم ولا تدعوا علی خدمکم ولا تدعوا علی

امو الکم لا توافقوا من اللہ ساعۃ نیل فیھا عطاء فیستجیب لکم

''اپنے حق میں اور اپنی اولاد و اموال کے حق میں بد دعا نہ کرو ایسا نہ ہو کہ وہ قبولیت کی گھڑی ہو اور اللہ وہ بد دعا قبول کر لے۔'' (ابو داؤد عن جابر رضی اللہ عنہ کتاب الوتر باب ۲۷)

[12] دن اور رات اللہ رب العزت کی قدرت پر عظیم نشانیاں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے کائناتِ ارضی و سماوی بنائی اور شمس و قمر کو چلایا ہے تب سے دن اور رات اپنے مقرر وقت پر آ اور جا رہے ہیں۔

مثلاً یکم جنوری 1000ء کو جس وقت سورج طلوع ہوا اور دن چڑھا تھا۔ اسی وقت پہ وہ ہمیشہ طلوع ہوتا ہے اور مثلاً یکم جنوری ۲۰۰۰ء تک اگر دنیا باقی رہی تو اسی وقت پر سورج طلوع ہوگا اور دن چڑھے گا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ کوئی طاقت ہے جو اس نظامِ کائنات کی چلانے والی ہے، وہ اللہ کے سوا کون ہے؟

پھر اللہ نے رات کو بے نور کیا تا کہ انسان اس میں کام کاج چھوڑ کر آرام کر سکیں اور دن کو روشن رکھا تا کہ اس میں لوگ اللہ کا فضل تلاش کریں اور یہ نظام شب و روز اس لیے بھی اللہ نے بنایا تا کہ انسان برسوں کی گنتی جان سکے۔ کیونکہ دن رات کے آنے جانے سے ہفتے مہینے اور سال مرتب ہوتے ہیں اور یہ حساب معلوم ہوتا ہے کہ فلاں واقعہ کس برس، کس مہینے اور کس دن رونما ہوا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلسل دن یا رات بنا دیتا تو جہاں اور بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتیں وہاں یہ حساب رکھنا بھی انسان کے لیے مشکل ہوتا کہ آج کونسی تاریخ ہے، بلکہ آج اور کل کا تصور ہی نہ کیا جا سکتا اور یوں انسان کی زندگی بے رنگ ہو کر رہ جاتی۔ گویا اسی رنگا رنگی میں انسانی زندگی کی سب رونق ہے۔

لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ سے معلوم ہوا کہ رزقِ حلال کے لیے محنت کرنا بھی کارِ ثواب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رزق کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے محض اپنی محنت کا پھل نہیں۔

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخۡرِجُ لَهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ كِتٰبًا

اور ہم نے ہر انسان کا مقدر (لکھ کر) اس کے گلے میں ڈال دیا ہے۔[13] اور روز قیامت ہم اسے اعمال نامہ پیش کر دیں گے جسے وہ

یَّلۡقٰىهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفۡسِكَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡكَ حَسِیۡبًا ﴿۱۴﴾ ؕ

کھلی کتاب کی صورت میں پالے گا (اسے کہا جائے گا) اپنی کتاب عمل پڑھ لو آج تم خود ہی اپنے حساب و کتاب کے لئے کافی ہو۔[14]

مَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ؕ

جس نے ہدایت پائی وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے ہی نقصان کے لئے گمراہ ہوتا ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔[15] اور ہم (کسی قوم کو) عذاب دینے والے نہیں جب تک

وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡیَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِیۡهَا فَفَسَقُوۡا فِیۡهَا فَحَقَّ عَلَیۡهَا

(اس کی طرف) رسول نہ بھیج دیں۔[16] اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہیں تو وہاں کے بدکردار لوگوں کو حکومت دیدیتے ہیں

الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِیۡرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ

وہ وہاں فسق و فجور پھیلاتے ہیں تو ان پر اللہ کا فیصلہ ٹھہر جاتا ہے پھر ہم انہیں مکمل تباہ کر دیتے ہیں۔[17] اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد کتنی ہی

وَكَفٰی بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۷﴾

بستیاں ہلاک کر دیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں پہ آگاہ و نگاہ دار ہونے میں کافی ہے۔[18]

[13] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جب ماں کے رحم میں بچے کے اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں تو اللہ کے حکم سے فرشتہ ایک تحریر تیار کرتا ہے کہ اس شخص کا رزق کتنا ہے اور عمل کیسا ہے اور یہ نیک بخت ہے یا بد بخت اور اس تحریر کو بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔“ (درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۲) یہی چیز یہاں بیان کی گئی ہے۔

یعنی بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کی قسمت لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دی ہے اور ہر انسان کو اپنی تحریر شدہ قسمت مل جاتی ہے۔ اس پر کسی کے ذہن میں یہ سوال نہ آئے کہ جب ہر چیز پہلے ہی تحریر کر دی گئی ہے تو عمل کا حکم کیوں ہے؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو ارادہ دیا ہے۔ وہ جس ارادہ کے تحت کوئی کام کرتا ہے اسی کا اس کو اجر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب کچھ پہلے تحریر کردینا اللہ کا علم ہے اور وہ اس کے لیے ماننا ضروری ہے ورنہ اس کا جہل لازم آئے گا جو محال ہے۔

[14] روزِ قیامت ہر انسان کا عمل نامہ اس کے سامنے پیش کردیا جائے گا اور دنیا میں اس نے جو بھی چھوٹا یا بڑا عمل کیا تھا خواہ اچھا یا برا وہ اس میں لکھا موجود ہوگا اور انسان سے کہا جائے گا کہ اپنا عمل نامہ پڑھ لو۔ اس میں تمہیں اپنا حساب و کتاب خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے انسان اسے دیکھ کر کہے گا: مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ "اس کتاب کو کیا ہے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ نہیں چھوڑتی مگر اسے گھیرے ہوئے ہے اور لوگ اپنے ہر عمل کو اس میں موجود پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔" (کہف:٤٩)

[15] جب کہا گیا کہ قرآن سب سے مضبوط راہ کی ہدایت دیتا ہے تو اب فرمایا گیا کہ جو شخص یہ ہدایت اپنائے تو اس کا اپنا فائدہ ہے نہ اپنائے تو اس کا اپنا نقصان۔ وہ ہدایت اپنا کر اللہ یا اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے اوپر احسان کرتا ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ روز قیامت کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے اہلِ مکہ سے کہا تم میری اتباع کرو محمد (ﷺ) پر ایمان مت لاؤ تمہارے سب بوجھ میرے ذمہ ہیں۔ اس کے رَدّ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ یعنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا کہ ایک شخص دوسروں کے گناہ اپنے سر لے کر انہیں عذاب سے آزاد کرا دے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ برائی کا طریقہ ایجاد کرنے والوں کو اپنا بوجھ بھی اٹھانا پڑے اور اپنے پیروکاروں کا بوجھ بھی۔ جیسے قرآنِ مجید میں ہے: وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ز (عنکبوت۔١٣)

[16] دنیا میں بھی کسی قوم کو اللہ رب العزت نے اس وقت تک عذاب نہیں دیا جب تک ان میں کوئی رسول مبعوث نہ کیا اور انہوں نے اس رسول کی تکذیب نہ کی اور آخرت کا عذاب بھی کسی شخص کو تب ہی ہوتا ہے جب اس تک کسی رسول کی دعوت پہنچ جائے پھر وہ اس سے انکار کرے۔ کیونکہ یہ اللہ ارحم الراحمین کے کرم سے بعید تر ہے کہ کسی کو دعوتِ اسلام کے دیئے بغیر ہی ہمیشہ کے لیے جہنم میں پھینک دے۔

کفار کے چھوٹے بچے اور مجانین، جنت میں جائیں گے

اسی لیے ناسمجھی کی عمر میں فوت ہونے والے کفار کے بچوں اور مجنون لوگوں سے قیامت میں کوئی حساب نہ ہوگا۔ کیونکہ انہیں کوئی دعوتِ اسلام نہ پہنچی اور اس پہ یہ حدیثِ مشہور بھی دال ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما من مولود الا یولد علی فطرۃ الاسلام ثم ابواہ یھوّدانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ "جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ فطرتِ اسلام ہی پہ جنم لیتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے

عیسائی بنادیتے یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۵۹)

اسی طرح حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جنت کے اندر ایک طویل قامت شخص کو دیکھا جس کے گرد بہت سے بچے جمع تھے۔ پھر خواب ہی میں آپ کو تعبیر بتائی گئی کہ وہ طویل شخص ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد جو بچے جمع ہیں تو اس میں ہر وہ بچہ شامل ہے جو فطرتِ اسلام پہ فوت ہوا، بعض مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس میں مشرکین کے بچے بھی شامل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں مشرکین کے بچے بھی شامل ہیں۔ (بخاری کتاب التعبیر حدیث ۷۰۴۷)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہلِ فترت سے کوئی حساب نہ ہوگا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرتے ہوں، اسی زمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی ہیں، وہ بھی اہل فترت میں سے ہیں اور ان کا شرک کہیں ثابت نہیں، اس لیے قاعدہ شرعیہ کے مطابق وہ جنتی ہیں۔

منکرین کے لیے دنیوی واخروی عذاب کا ذکر

[17] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں اَمَرْنَا بمعنی امَّرنا (باب تفعیل سے) ہے یعنی کسی کو حاکم بنانا (ابن جریر) معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ان کی نافرمانیوں کے سبب ہلاک کرنا چاہتا ہے تو وہاں کے شریر لوگوں کو ان پر بطور حاکم مسلط کردیتا ہے۔ وہ انہیں ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتے پھر وہ قوم سرکشی میں آگے بڑھتی جاتی ہے۔ آخر ایک دن ان پر اللہ کی پکڑ آجاتی ہے۔ یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ اسلام دشمنی سے باز نہ آئے تو ان پر اللہ کی پکڑ آجائے گی مگر انہوں نے اس تنبیہ سے سبق نہ لیا کیونکہ کچھ شریر لوگ ان پر مسلط ہوگئے تھے جیسے ولید بن مغیرہ، ابوجہل، ابولہب، نضر بن حارث وغیرہ۔ انہوں نے اہلِ مکہ کی اکثریت کو ایمان سے دور رکھا۔ آخر ان پر بدر میں اللہ کی پکڑ آگئی اور ان کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا گیا۔ اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔

[18] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، آل فرعون اور قوم شعیب وغیرہ کو ان کی اسلام دشمنی، تمرد اور سرکشی کے سبب ہلاک کیا گیا کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

نوح علیہ السلام سے قبل کسی قوم کو عذاب نہ دیا گیا

اس سے معلوم ہوا نوح علیہ السلام سے قبل کسی قوم کو عذاب نہ دیا گیا کیونکہ ان سے پہلے سب لوگ مسلمان تھے جیسا کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ۔ (بقرہ: ۲۱۳) کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ پھر دنیا میں کفر پھیلا تو نوح علیہ السلام ہی پہلے نبی تھے جو کفار کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تو نوح علیہ السلام سے قبل کسی قوم پر عذاب کے نزول کا امکان نہ تھا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم جس کے لئے چاہیں اسے دنیا میں جو چاہیں جلد دے دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس لئے

لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى

جہنم بنایا ہے جس میں وہ ذلیل و مردود بن کر داخل ہو گا۔[19] اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے

لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ

کوشش کرتا ہے اور وہ مومن ہے تو ان لوگوں کی کوشش مقبول ہے۔[20] ہم سب کی مدد کرتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

ان کی بھی اور ان کی بھی آپ کے رب کی عطا سے اور آپ کے رب کی عطا روکی نہیں جا سکتی۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ

دیکھیے ہم کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اور آخرت کے درجات یقیناً بڑے ہیں

وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

اور عظیم تر ہیں۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا مت مانو ورنہ تم ذلیل و رسوا ہو کر بیٹھ رہو گے۔[21]

[19] اَلْعَاجِلَةَ دنیا ہی کا دوسرا نام ہے۔ اَلْعَاجِلَةَ کا معنی ہے جلد آنے والی، چونکہ دنیا آخرت سے پہلے اور جلد آتی ہے اس لیے اسے عاجلہ کہتے ہیں تو فرمایا گیا جو لوگ دنیا چاہتے ہیں اللہ ان میں سے جسے چاہے دنیا دے دیتا ہے پھر اس کے لیے آخرت میں عذاب جہنم تیار کر دیا جاتا ہے۔ یہ آیت اصل میں کفار کے لیے اتاری گئی ہے جو آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے مگر یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مسلمان ریا کاروں اور نمائش پسندوں کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ بھی اپنی نیکیوں کی دنیوی جزا ہی کے طالب ہوتے ہیں، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوتی۔ لہٰذا آخرت میں انہیں ذلت کے ساتھ جہنم میں پھینکے جانے کی حدیث میں وعید آئی ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ ریا کار سخی، ریا کار قاری، اور ریا کار مجاہد کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

[20] مگر جو شخص اپنی نیکیوں کے ذریعے اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش بہر حال مقبول ہے اور اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس آیت میں عظیم درسِ اخلاص ہے کہ مومن کو اپنے اعمال صالحہ دنیوی

مفادات کی بجائے اُخروی بہتری کے حصول کے لیے بجالانا چاہئیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کو دنیا میں رہ کر دنیا کے لیے نہیں آخرت کے لیے جینا چاہیے۔ دنیا کے لیے نہیں جینا چاہیے، کیونکہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اس کے لیے وہی جمع کرتا ہے جس کے پاس کچھ عقل نہ ہو۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۷۱)

هُوَ مُؤۡمِنٌ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں یعنی آخرت میں اس پر کوئی ثواب نہیں۔

[21] یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے طلب گاروں کی بھی مدد کرتا ہے کہ انہیں دنیا دے دیتا ہے اور آخرت کے طلب گاروں کی بھی مدد فرماتا ہے کہ انہیں اچھے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جو ان کی آخرت کو سنوار دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے دنیا میں لوگوں کو مالی و معاشی اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے آخرت میں بھی انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی جائے گی مگر آخرت کے درجات کی بلندی بہت بڑی ہے جو انسان کی محدود عقل سے بہت بلند ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے ''جنت والے اہلِ علیین کے درجات کو یوں دیکھیں گے جیسے آسمان میں ستارے۔'' (مسلم کتاب الجنہ حدیث ۱۰) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ''ابوبکر و عمر بھی علیین والوں میں سے ہوں گے۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۵۰)

والدین کا حکم خدانخواستہ اللہ ورسول کے حکم سے متصادم ہوتو اللہ ورسول ہی کی اطاعت کی جائے گی اسی لیے حدیث ہے: لاطاعة للخلق فی معصیة الخالق۔ ''خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے۔'' (مسلم کتاب الامارة حدیث ۳۹) مگر اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ ان سے صلہ رحمی جاری رکھی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا ''اور اگر تمہارے والدین تمہیں اس بات پہ مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ (اللہ کے ساتھ) شرک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی بات مت مانو اور دنیا میں ان سے بھلائی کا معاملہ جاری رکھو۔'' (لقمان، ۱۵)

مثلاً اگر والدین کہیں کہ فلاں شخص کے حق میں جھوٹی گواہی دو، فلاں نا اہل اور بدعنوان شخص کو ووٹ دو یا فلاں ناجائز کاروبار شروع کرو تو ان کی بات ماننا جائز نہیں۔ مگر ان سے اختلاف بھی ادب کے ساتھ کیا جائے منہ توڑ اور گستاخانہ جواب نہ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد بندے پر سب سے بڑا حق والدین کی خدمت کا ہے

کیونکہ یہاں اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ فرمایا گیا۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا: اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۴﴾ ''میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر کرو تم نے میری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' (لقمان: ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا شکر ادا کرنے کے بعد تم پہ سب سے اہم فرض یہ لازم ہے کہ اپنے والدین کی خدمت بجالاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: ''بندے کا کونسا عمل اللہ کو محبوب تر ہے؟ آپ نے فرمایا: الصلوٰۃ علیٰ وقتها۔ وقت پر نماز پڑھنا۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل محبوب تر ہے؟ فرمایا: بر الوالدین والدین سے حسن سلوک۔'' (بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب ۵) یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ بندے پر اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق لازم ہے۔ دراصل اللہ حقیقی خالق و رازق ہے اور والدین مجازی خالق و رازق ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ان کی خدمت کا حکم ہے۔

اور جس طرح اللہ کے اپنے بندے پہ انعامات محض اللہ کی عطاء ہیں، وہ کسی غرض کی بنیاد پہ نہیں ہیں۔ اسی طرح والدین کے احسانات بھی کسی غرض پہ مبنی نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں خیال آئے کہ والدین اس لیے اولاد کو پالتے پوستے ہیں تاکہ وہ بڑے ہوکر ان کا سہارا بنیں تو یہ خیال غلط ہے۔ والدین اپنی اپاہج اور معذور اولاد کو بھی اسی شفقت و محبت سے پالتے ہیں جس سے صحت مند اولاد کو پالتے ہیں، بلکہ معذور بچوں کے ساتھ ان کی رحمت و شفقت زیادہ ہوتی ہے، حالانکہ ان سے انہیں کچھ توقع نہیں ہوتی کہ وہ بڑے ہوکر ان کا سہارا بنیں گے۔ پھر والدین بچیوں کو بھی وہی پیار دیتے ہیں جو بچوں کو دیتے ہیں۔

[23] والدین کی اطاعت یوں تو بہرحال لازم ہے مگر بوڑھے والدین ہماری خدمت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ اس

وقت وہ ہمارے محتاج ہیں، انہیں ہماری زیادہ ضرورت ہے اور بڑھاپے میں کبھی انسان بچوں جیسا ہو جاتا ہے اور سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہنے لگتا ہے۔ جیسے کہ اللہ فرماتا ہے: ''اور تم میں سے بعض کو کمزور ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے، کہ جاننے کے باوجود کچھ نہ جانے۔'' (نحل، ۷۰) اس صورتِ حال میں ہمارے لیے بڑا امتحان ہے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اپنے بوڑھے والدین کے سامنے اُف نہ کہو۔

بوڑھے والدین کو اُف تک نہ کہنے کا حکم کیوں ہے؟

دیکھو جب ہم اپنے ہاتھوں سے کھا، پی، پہن اور چل نہ سکتے تھے تو ہمارے والدین نے ہمیں کھلایا، پلایا، پہنایا اور چلایا بلکہ اپنے ہاتھوں سے ہماری غلاظت صاف کی اور اُف تک نہ کہا۔ تو ہمیں بھی چاہیے کہ جب والدین بوڑھے ہوں تو ہم انہیں کھلائیں پلائیں بلکہ اگر اپنے ہاتھوں سے ان کی غلاظت صاف کرنی پڑے تو کریں اور اُف تک نہ بولیں اور یہ انکے ساتھ احسان نہیں بلکہ عدل ہوگا کیونکہ جس قدر انہوں نے ہمارے ساتھ نیکی کی ہے اس قدر ان کے ساتھ نیکی کرنا تو ہم پر لازم ہے اور یہی تقاضائے عدل ہے، احسان کا درجہ تو اس کے بعد شروع ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جو میرا ذکر سنے اور مجھ پر درود نہ پڑھے، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جو والدین کو بڑھاپے میں پائے اور ان کی خدمت سے جنت نہ کمائے اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جو ماہِ رمضان کا احترام نہ کرے اور یوں جنت نہ حاصل کر سکے۔'' (مسلم کتاب البر حدیث ۸)

نواسۂ رسول امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''لفظ اُف سب سے کم تر کلمۂ اظہارِ ناپسندیدگی ہے اگر اس سے بھی کم تر کوئی لفظ ہوتا تو اللہ اسے بھی والدین کے لیے کہنے سے منع فرما دیتا۔'' (درمنثور بروایت دیلمی جلد ۵ صفحہ ۲۵۸)

بوڑھے والدین کے سامنے اُف تک نہ کہنے کا حکم دراصل اس لیے ہے کہ بڑھاپے میں انسان کا غصہ قدرے تیز ہو جاتا ہے کیونکہ ضعف و ناتوانی اور بڑھاپے کی امراض کے سبب انسان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ جاتا ہے ایسے میں اگر بوڑھے والدین اپنی اولاد کو سخت الفاظ کہہ دیں تو اللہ نے اولاد کو جواب میں اُف تک نہ بولنے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے تا کہ بوڑھے والدین کی دل شکنی نہ ہو۔

والدین سے کس انداز میں گفتگو کی جائے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ کہ والدین سے نرمی والی بات کہو۔

حضرت حسن تابعی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ والدین کو ان کا نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ یا ابی یا امی (ابو

جان، امی جان) کہہ کر بلایا جائے۔ الغرض والدین سے تعظیم وتکریم کا معاملہ کرنا چاہیے۔
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بوڑھا شخص تھا آپ نے پوچھا یہ کون ہے اس نے کہا یہ میرا باپ ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے باپ سے آگے نہ چلا کرو، اس کے بیٹھنے سے قبل نہ بیٹھو۔ اسے نام لے کر نہ پکارو اور اسے گالی دیے جانے کا سبب نہ بنو۔ (کسی کے والدین کو گالی نہ دو تاکہ کوئی تمہارے والدین کو گالی نہ دے)۔'' (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۵۹)

معلوم ہوا کہ والد سے آگے چلنا اور اس کے بیٹھنے سے قبل بیٹھ جانا والد کی بے ادبی ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرما رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر باپ کھڑا ہو تو بیٹے کو کھڑے ہو جانا چاہیے، بیٹھ کر اس سے باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ہاں اگر باپ خود اشارہ کر دے کہ بیٹھے رہو تو الگ بات ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ یہاں قَوۡلًا کَرِیۡمًا کے تحت فرماتے ہیں
والدین سے یوں کلام کرنا چاہیے جیسے مجرم غلام اپنے سخت گیر آقا سے کرتا ہے۔ (یعنی ڈرتے ہوئے لب کشائی کرتا ہے کہیں منہ سے ایسا لفظ نہ نکل جائے جو آقا کو ناگوار ہو) (درمنثور)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''جس نے اپنے والد کو تیز نظر سے دیکھا وہ اپنے والد کا فرماں بردار نہیں ہے۔ (بلکہ نافرمانی والدین جیسے گناہ کبیرہ کا مجرم ہے)۔'' (بیہقی فی شعب الایمان)

[24] یعنی والدین کی خدمت کے لیے اپنے طاقتور بازو بچھا دو تاکہ وہ ان بازوؤں سے جو چاہیں خدمت لیں۔ دراصل پرندہ جب پرواز کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا ہے اور جب نیچے اترے تو اپنے بازو سمیٹ لیتا ہے، آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تم اپنے والدین کے سامنے اپنی پرواز نہ کرو، بلکہ پرواز کو ختم کر کے ان کے سامنے اپنے پروں کو سمیٹ کر حاضر ہو، ان پہ اپنے علم و فضل اور دبدبہ و اختیار کا مظاہرہ مت کرو۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے والد کی طرف تیز نظر سے دیکھا وہ اپنے والد کا فرمانبردار نہیں ہے۔'' (درمنثور بروایت بیہقی فی شعب الایمان جلد ۵ صفحہ ۲۶۰)

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ والدین کے لیے دعا کرو کہ اے اللہ! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے رحمت سے پالا ہے۔ یعنی بتایا گیا ہے کہ اے انسان! تو ان کے سامنے اُف تک نہ کہا کر اور تو ان کے سامنے طاقت ور بازو بچھا کر بھی ان کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ آخر تجھے اللہ سے دعا کرنا چاہیے کہ وہ تمہاری طرف سے ان کا حق ادا کرے اور انہیں جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔

والدین کا حق کبھی ادا نہیں کیا جا سکتا

اور بلاشبہ والدین کا حق ساری زندگی کی خدمت سے بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کندھے پہ اٹھا کر کعبۃ اللہ کا طوف کروا رہا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں نے والدہ کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ولادت پر تمہاری نے ماں نے جو درد کے جھٹکے برداشت کیے تھے ہو سکتا ہے ان میں سے کسی ایک جھٹکے کا حق ادا ہو گیا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر بروایت بزار جلد ۳ صفحہ ۳۹) معلوم ہوا اگر انسان ساری زندگی والدین کی خدمت میں لگا رہے تو بھی ان کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر افسوس ہم تھوڑی سی خدمت کر کے بڑے تیس مار خاں بن جاتے ہیں اور والدین کو اپنی خدمت کا احسان جتانے لگتے ہیں۔

مرحوم والدین کے حق میں اولاد کو دعاء کرتے رہنا چاہیے

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ سے معلوم ہوا کہ والدین کے حق میں اولاد کی دعاء مغفرت اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ان کے حق میں اولاد کو دعاء کرتے رہنا چاہیے۔ اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کے مرنے کے بعد اسکے تین اعمال اسے فائدہ دیتے رہتے ہیں۔ صدقۂ جاریہ، علمِ نافع جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر کرے۔'' (مسلم کتاب الوصیۃ حدیث ۱۴) اسی لیے ہر نماز کے آخر میں یہ دعا کہی جاتی ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ''اے اللہ میری بخشش فرما اور میرے والدین اور سب مؤمنوں کی بخشش فرما۔'' (سورہ ابراہیم، ۴۱)

والدین کی خدمت کا اجر و ثواب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ میں جہاد پر جانے کے لیے اجازت لینا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اس کی خدمت کرو۔ فان الجنۃ تحت قدمیھا۔ کیونکہ جنت والدہ کے قدموں کے نیچے ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ۶)

یاد رہے جب والدین بوڑھے ہوں، ان کی خدمت کرنے والا کوئی اور نہ ہو اور جہاد کے لیے مجاہدین کی کمی نہ ہو تو ایسے میں بیٹے پر فرض ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔ اگر یہ شرائط نہ ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ کون سا معاملہ زیادہ اہم ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے خواب میں خود کو جنت میں دیکھا، مجھے وہاں قرآن کی تلاوت کی آواز آئی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حارثہ بن نعمان کی آواز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا: والدین کی خدمت کا صلہ ایسا ہی ہونا چاہیے حارثہ بن نعمان سب سے بڑھ کر اپنی ماں سے نیکی کرنے والا تھا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۶۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی فرماں بردار بیٹا جب اپنے والدین کو نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالی اسے ہر نظر پہ ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا خواہ وہ دن میں سو بار دیکھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی رحمت اس سے بڑی اور اعلیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بیٹا اپنے والد کو دیکھ کر مسرور ہوتا ہے تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خواہ وہ دن میں تین سو ساٹھ بار دیکھے؟ (یعنی جتنے ایک برس میں دن ہوتے ہیں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس سے بھی بڑا ہے۔'' (بیہقی، درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۶۲)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تمہاری خالہ زندہ ہے؟ کہنے لگا: جی زندہ ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اس کی خدمت کرو۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۶۲)

والدین کی نافرمانی کی سزا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے، والدین کا نافرمان، شراب کا عادی اور تقدیر کا منکر۔'' (ابن ماجہ کتاب البر) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہے تو انکی سزا قیامت کے لیے چھوڑ دے، دنیا میں نہ دے، سوا والدین کی نافرمانی کے، والدین کی نافرمانی کی۔ سزا اللہ تعالی مرنے سے قبل دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین بچوں نے ماں کی گود میں (شیر خوارگی میں) کلام کیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام، جریج کے حق میں گواہی دینے والا بچہ اور ایک اور بچہ۔ جریج ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا تھا، اس کی ماں اسے تین دن آ کر بلاتی رہی، وہ عبادت میں مصروف رہا اور (دل میں) یہی کہتا رہا اے اللہ! ادھر میری نماز ہے اُدھر میری ماں مجھے بلا رہی ہے، میں کیا کروں؟ تیسرے دن ماں نے بددعا دی، اللہ تجھے کسی بدکار عورت کا منہ دکھائے۔ تب ایک بدکار عورت نے اس پہ الزام رکھ دیا کہ جریج نے اس سے بدکاری کی ہے اور اس کے پاس جو حرامی بچہ ہے وہ جریج کا ہے۔ لوگ آ کر جریج کو مارنے لگے اور لوگوں نے اس کا عبادت خانہ گرا دیا۔ جریج نے اس بچے کے پیٹ میں انگلی مار کر کہا بول تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے ماں کی گود میں کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ تب لوگ جریج کے ہاتھ چومنے لگے اور معافی مانگنے لگے لوگوں نے کہا ہم تیرا عبادت خانہ سونے کا بنائیں گے، اس نے کہا نہیں میرا عبادت خانہ وہی مٹی کا بنا دو۔ (مسلم کتاب البر حدیث ۸)

یعنی جریج کو اس کی ماں کی ایک بددعا نے رسوا کر دیا تھا، کیونکہ اس نے ماں کی آواز پہ لبیک نہیں کہا تھا پھر جب اس کو اس کی ماں نے معاف کر دیا اور اسنے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا مقام پھر بحال کر دیا۔

والدین اگر بیٹے کو حکم دیں کہ بیوی کو طلاق دیدو تو وہ کیا کرے؟

یاد رہے اگر کسی کی بیوی اس کے والدین سے بلاوجہ بدزبانی کرتی اور انہیں پریشان کرتی ہو اور وہ تنگ آ کر اسے حکم دیں کہ اسے طلاق دیدو تو ایسے میں دیکھنا چاہیے کہ ساتھ میں بچے ہیں یا نہیں، اگر بچے ہوں تو پھر اس کی مرضی طلاق دے یا نہ دے، اگر بچے نہ ہوں تو فوراً طلاق دیدی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں اپنی بیوی سے محبت رکھتا تھا مگر میرے والد (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) اسے ناپسند رکھتے تھے، انہوں نے مجھے کہا کہ اسے طلاق دیدو۔ میں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماجریٰ عرض کیا، آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دیدو، تو میں نے طلاق دے دی۔ (ترمذی کتاب الطلاق باب ۱۳)

اسی طرح بخاری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں ایک طویل واقعہ ہے جس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدو کیونکہ وہ زبان کی اچھی نہیں ہے، تو انہوں نے طلاق دے دی۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ۹) ان دونوں واقعات میں بیوی کے ساتھ بچے نہ تھے، اگر بچے ساتھ ہوتے تو شائد طلاق کا حکم نہ دیا جاتا۔ کیونکہ طلاق کی صورت میں بچوں کے حقوق پامال ہونے کا اندیشہ ہے اور ان کی تربیت میں بگاڑ آنے کا احتمال ہے۔

[25] یعنی اگر تمہارے والدین تم سے ناحق ناراض ہیں تم بے گناہ ہو تو اللہ تم پر پکڑ نہ فرمائے گا بلکہ بخشش عطا کرے گا۔

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾
اور ہر رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کو بھی [26] اور فضول خرچی نہ کرو۔
اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ
بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا
کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡہُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ تَرۡجُوۡہَا فَقُلۡ
ناشکرا ہے۔[27] اور اگر تم اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے ان سے اعراض کرو تو ان سے
لَّہُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾
کوئی خوشگوار بات کہہ دو۔[28]

رشتہ داروں مساکین اور مسافروں کو حق ادائیگی

[26] والدین کا حق بیان کرنے کے بعد رشتہ داروں اور دیگر مستحقین کا حق بیان کیا جارہا ہے۔ یہاں رشتہ داروں سے نادار و حاجتمند قرابت دار مراد ہیں۔ ان کا حق دوسرے حاجت مند مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لیے انہیں پہلے بیان کیا گیا اور مساکین و مسافرین کو ان کے بعد۔ یہاں حَقَّہٗ سے زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور نذرِ واجب سب مراد ہیں۔ ان چیزوں کی ادائیگی حاجتمند بہنوں، بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کو کرنا سب سے بہتر ہے۔ ان کے بعد دوسرے نادار مسلمان آتے ہیں۔ یاد رہے غریب والدین یا اولاد کو زکوۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ میں سے کچھ دینا جائز نہیں، دیگر تمام قریبی رشتہ داروں کو زکوۃ وغیرہ دی جاسکتی ہے، جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں بھتیجا، بھانجا وغیرہ۔

اعطاءِ فدک کے بارہ میں اہلِ تشیع کے ایک غلط استدلال کا محققانہ جواب

اہلِ تشیع کہتے ہیں اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ کہہ کر دراصل اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا تھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغِ فدک دیدیا جائے چنانچہ اس آیت کے اترنے پر آپ نے حضرت فاطمہ کو سرزمینِ خیبر میں واقع علاقہ فدک کی ایک بڑی جاگیر عطا کردی۔ جس میں بڑے بڑے باغات تھے اور وہ زرخیز زمین سینکڑوں میلوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ دیکھئے شیعہ تفاسیر قمی، صافی اور منہج الصادقین وغیرہ۔ اہلِ تشیع مزید یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ علاقہ چھین لیا مگر یہ سب اہل تشیع کا من گھڑت قصہ ہے۔ یہاں چند امور قابلِ غور ہیں:

(١) سورہ بنی اسرائیل مکی سورت ہے۔ خیبر 6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد فتح ہوا پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے اپنی بیٹی کو جاگیر فدک دیدی؟ جس چیز کا ابھی وجود ہی نہیں ہے کیا وہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو دیدی؟ یہ کیسی عجیب بات ہے۔

(٢) پھر سن ١٠ ہجری تک اہلِ اسلام کی غربت کا یہ عالم تھا کہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو سفر میں چوبیس گھنٹوں کے بعد ایک کھجور کھانے کو دی جاتی تھی اور اللہ نے اس کو ''جیش العسرۃ'' تنگدستی کا لشکر قرار دیا۔ (توبہ: ١١٧) ایسے میں یہ حضور ﷺ پر بہت بڑا بہتان ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی کو اتنی بڑی جاگیر دیدی جبکہ اہلِ اسلام کی اکثریت شدید تنگدستی کی زندگی گزار رہی ہو۔

(٣) پھر وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ آیت سب مسلمانوں کو اپنے نادار رشتہ داروں، مسافروں اور مسکینوں کی حق ادائیگی کا حکم دیتی ہے، اس کا روئے سخن صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں ہے کہ آپ کسی خاص رشتہ دار کو اس کا کوئی خاص حق ادا کریں۔

(٤) اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس سے قبل والی آیت میں سب مسلمانوں کو والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا: وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ یہ سارے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ان آیات میں ہر مسلمان کو حکم فرمایا جا رہا ہے۔ پہلے والدین کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا اب رشتہ داروں کا حق ادا کرنے حکم دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس کا حضور ﷺ کے ساتھ کسی خاص شخصیت یعنی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کوئی تعلق نہیں۔

(٥) اہلِ تشیع کے ہاں نہایت معتبر مفسر فضل بن حسن طبرسی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ کے تحت لکھتا ہے

معناه واعط القرابات حقوقهم التى اوجبها الله لهم فى اموالهم۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو ان کے وہ حقوق دو جو اللہ نے ان کے لیے لوگوں کے اموال میں واجب کیے ہیں۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ٦ صفحہ ٢٤٣ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

علامہ طبرسی نے اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق دیگر معانی بھی لکھے ہیں مگر سب سے قبل یہی معنی لکھا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک سب سے قوی تر یہی معنی ہے۔ تو شیعہ لوگوں کو کم از کم اپنے معتبر شیعہ مفسر کی ہی بات مان لینی چاہیے۔

(٦) پھر اہلِ تشیع کی یہ حالت بھی عجیب ہے کہ ایک طرف وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا تھا اور دوسری طرف ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد یہ باغ حضرت فاطمہ کو آپ کی میراث کے طور پر ملنا چاہیے تھا۔ اگر یہ ان کو دیدیا گیا تھا تو پھر میراث کا دعویٰ کیسے کیا

جا سکتا ہے اور اگر میراث میں ملتا تھا تو پھر فدک کے ہبہ کیے جانے کا دعویٰ غلط ہے اور سچ یہ ہے کہ یہ دونوں دعوے غلط ہیں، نہ یہ بطورِ میراث ان کو ملا تھا نہ حضور ﷺ نے ان کو یہ باغ ہبہ کیا تھا انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کلینی نے اصول کافی کتاب العلم میں امام جعفر صدق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: علماء وارثانِ انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے اپنی میراث درہم و دینار نہیں چھوڑتے، وہ اپنی احادیث چھوڑتے ہیں، جس نے وہ لے لیں اس نے بڑی دولت پالی۔ (اصول کافی جلد ۲۲ صفحہ ۲۲ روایت ۵ ۴ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف) اور ہبہ نہ ہونے کے دلائل ہم دے چکے۔

اس جگہ اہل تشیع تفسیر درمنثور سے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ آیت **وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ** اتری تو حضور ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر انہیں علاقہ فدک عطا فرما دیا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۷۳) مگر یہ بوگس روایت ہے۔ اس کا راوی عطیہ بن سعد کوفی ہے جسے محدثین نے شیعہ قرار دیا ہے، وہ اسے ابو سعید حماد بن سائب کلبی سے روایت کرتا تھا۔ یہ ابو سعید دور تابعین کا شخص ہے جسے اکثر محدثین نے متروک اور کذاب قرار دیا ہے۔ عطیہ بن سعد لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے یہ روایت ابو سعید سے اس طرح نقل کرتا تھا کہ سننے والوں کو اشتباہ ہو گیا جیسے یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حالانکہ وہ ابو سعید کلبی کذاب سے روایت کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل علامہ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر میں بیان کی ہے۔ اسی طرح ''تہذیب التہذیب'' جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ راوی ۵۱۳۵ مطبوعہ داراحیاء بیروت میں بھی یہی تحقیق کی گئی ہے۔

باغ فدک سے متعلق اہل تشیع کے اعتراضات کے حل اور اس مسئلہ کی جملہ ابحاث پر جس قدر تحقیق میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمہ اللہ متوفی ۱۸ ۱۴ھ کی کتاب ''تحفہ جعفریہ'' جلد سوم میں ہے کہیں نہیں ہے۔ وہیں اس کی تفصیل دیکھی جائے۔

[27] اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں اور مساکین و مسافرین کو مال دینے میں فضول خرچی سے کام نہ لو یعنی ایسا نہ کرو کہ سارا مال دوسروں کو دے کر خود محتاج ہو جاؤ اور بیوی بچوں کا حق بھی ضائع کر دو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنا مال غیر ضروری کاموں میں نمود و نمائش کے لیے مت خرچ کرو کہ یہ فضول خرچی ہے اور عموماً فضول خرچی کرنے والے لوگ غیر ضروری رسموں مثلاً شادی بیاہ اور برتھ ڈے وغیرہ پر لاکھوں خرچ کر دیتے ہیں مگر غریب رشتہ داروں اور مساکین کو کچھ دینا انہیں پہاڑ لگتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی یعنی اس کے پیروکار ہیں۔ دراصل شیطان چاہتا ہے کہ انسان کا مال اچھے کاموں میں لگنے کی بجائے برے کاموں میں لگے تاکہ اس کا مال بھی برباد ہو اور آخرت بھی، شیطان کو اللہ نے مرتبہ دیا تو وہ اس کی نافرمانی پر اتر آیا۔ اسی طرح جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنے لگے وہ شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

فضول خرچی کی بعض صورتیں

یاد رہے کہ فضول خرچی صرف مال میں نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت کو بے مقصد ضائع کرنا فضول خرچی اور اسراف وتبذیر ہے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وضوء میں زیادہ پانی استعمال کر رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے سعد! ماھذا السرف، یہ فضول خرچی کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، کیا وضوء کے پانی میں بھی فضول خرچی ہے؟ آپ نے فرمایا: نعم وان کنت علی نهر جار۔ ہاں پانی میں بھی اسراف ہے خواہ تم بہتی نہر پر ہو۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ حدیث ۴۲۴، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

اسی طرح بعض لوگ بیوی بچوں کے خرچہ میں فضول خرچی دکھاتے ہیں۔ ضرورت اور اپنے معیار کے مطابق بیوی بچوں پہ خرچ کرنا چاہیے، مگر ضرورت سے بڑھ کر اور اپنے معیار سے بلند چھلانگ لگانا اور بے مقصد مال ضائع کرنا شیطان کو خوش اور اللہ کو ناراض کرتا ہے۔ اسی بارہ میں اللہ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو حد سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں اور اس کے درمیان راستہ بناتے ہیں۔'' (فرقان، ۶۷) حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ ''میانہ روی کرنے والا کبھی فقیر نہ ہوگا۔'' (مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن مسعود)

[28] یعنی اگر کسی وقت تمہارے پاس کوئی حاجتمند رشتہ دار یا کوئی غریب و مسافر آ کر کچھ سوال کرے اور تم اس وقت اسے کچھ دینے کی پوزیشن میں نہ ہو بلکہ تمہیں رحمت ربی کا انتظار ہو تو سائل کو خوشگوار بات کہہ کر ٹال دو مثلاً یہ کہ تم بعد میں کسی وقت آنا اللہ تمہارا بھلا کرے یعنی اسے درشت لہجے میں جھڑکو نہیں کہ ہر وقت سر چڑھے رہتے ہو بس مانگنا ہی جانتے ہو کیونکہ غریب کی بھی عزتِ نفس ہے اسے ٹھیس مت پہنچاؤ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ ''سائل کو مت جھڑکو'' (ضحیٰ: ۱۰) مگر اس سے واقعی حاجتمند سائل مراد ہے، پیشہ ور بھکاری مراد نہیں ہے۔ اس کو سرزنش کرنا جائز ہے تاکہ وہ اس فعل حرام سے باز آئے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ

اور اپنا ہاتھ (بخل کے ساتھ) اپنی گردن سے باندھ نہ رکھو اور نہ اسے سارا کھول دو کہ پھر ملامت زدہ و بے بس ہو کر

مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

بیٹھ جاؤ۔[29] بے شک تمہارا رب جس کے لئے چاہے رزق کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے بے شک وہ

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

اپنے بندوں کے بارہ میں خبردار و نگہدار ہے۔[30]

[29] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لڑکے نے حاضر ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا اس وقت (بظاہر) کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا مجھے اپنی قمیص ہی دیدیں۔ آپ نے قمیص اتار کر دیدی اور گھر میں محصور ہو گئے۔ کیونکہ آپ کے پاس دوسری قمیص نہ تھی تب یہ آیت اتری: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۲۲ حدیث ۱۳۲۵۲) یعنی اللہ نے فرمایا تم اس قدر بخیل بھی نہ ہو جاؤ کہ اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ لو یعنی کسی حاجت مند کو کچھ نہ دو اور نہ اپنا ہاتھ اس قدر کھول دو کہ سب کچھ دے کر گھر میں محصور ہو کر رہ جاؤ۔

معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیاضی کا یہ عالم ہے کہ کسی کو نہ نہیں فرماتے۔ اس لیے امید ہے کہ آپ کے در اقدس پر حاضری دینے اور شفاعت کی التجاء کرنے والا آپ کی شفاعت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ نہ کہنا آپ کو نہیں آتا۔

ہم بھکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں ۔۔۔ اور نہ کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا ۔۔۔ ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

[30] جب یہ حکم ہوا کہ حاجت مند رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں کا حق دو تو سوال ہوا کہ اللہ نے سب انسانوں کو ایک جیسا کیوں نہیں بنا دیا؟ کوئی عیالدار ہے تو کوئی مالدار، کوئی مانگنے پر مجبور ہے تو کوئی دینے سے مغرور۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے وہ جس کے لیے چاہے دنیا میں رزق تنگ کر دیتا ہے (اور بدلے میں اسے آخرت کی نعمتیں زیادہ دے دیتا ہے) اور جس کے لیے چاہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو نظامِ حیات نہ چل سکتا۔ اگر سب انسان ایک جیسے ہوتے تو کون مزدوری کرتا۔ مکانات کیسے بنتے، تجارتیں کیسے چلتیں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں کون کام کرتا۔ اس لیے اللہ نے آخر میں فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں خبردار و نگہدار ہے۔ معلوم ہوا تنگی حالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے، وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ

اور اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ بے شک

قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ

ان کا قتل بڑی غلطی ہے۔[31] اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور

سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا

بُرا راستہ ہے۔[32] اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرمت دی ہے۔ سوا حق کے۔[33] اور جسے ظلماً قتل کیا جائے

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، لہٰذا وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے (اللہ کی طرف سے) اس کی مدد کی جائے گی۔[34]

قتل، زنا، اکلِ حرام اور تکبر کی برائی

[31] حضرت قتادہ فرماتے ہیں اہل جاہلیت بھوک کے خوف سے اپنی بچیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس کے رد میں یہ آیت اتری۔ (ابن جریر جلد ۸ صفحہ ۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہر انسان کا رازق اللہ ہے تو پھر بھوک کے خوف سے اولاد کے قتل جیسے عظیم جرم کی کیا ضرورت ہے۔ یاد رہے قتل فی ذاتہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا مرتکب سب سے زیادہ جہنم میں رہے گا۔ (نساء: ۹۳) اور اپنی اولاد کا قتل تو بہت ہی سنگین و وحشت ناک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا شرک۔ عرض کیا: پھر کونسا فرمایا اولاد کا قتل، عرض کیا: پھر کونسا فرمایا: پڑوسی کی بیوی سے زنا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورت ۳، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۱)

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ سے ان لوگوں کو بھی عبرت پکڑنی چاہیے جو غربت پر کنٹرول کے لیے خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں۔ جب دنیا میں آنے والے ہر بچے کا رازق اللہ ہے تو برتھ کنٹرول کا کیا معنی ہے؟ بلکہ کمانے والے ہاتھ جتنے زیادہ ہونگے گھر میں مالی کشائش اور فراخی اسی قدر زیادہ آئے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں اہل یورپ و امریکہ نے آبادی پر کنٹرول کر کے ترقی کی ہے اور ہم نے زیادہ بچے پیدا کر کے ملکی معیشت پر بوجھ ڈال دیا ہے، مگر وہ غلط کہتے ہیں ہم یہاں برطانیہ میں رہتے ہیں ہم جانتے ہیں یہاں اکثر انگریزوں کے ہاں چار چار پانچ پانچ بچے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل یورپ و امریکہ نے آبادی پر نہیں بلکہ لوٹ گھسوٹ اور مالی بد عنوانیوں پر کنٹرول کر کے ترقی کی ہے۔ جو ہم نہیں کر سکے۔ اگر ہم بھی اپنے ہاں دولت کی درست تقسیم کرتے اور ذرائع

آمدن پر چند افراد کا قبضہ نہ ہو جاتا اور لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم نہ کیا جاتا تو آج ہم بھی ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتے۔ خواہ بچوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہوتی، اس لیے کہ بچے اگر زیادہ ہونگے تو کام کرنے والے ہاتھ بھی زیادہ ہونگے اور معیشت کا پہیہ بھی تیز گھومے گا۔

[32] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب مومن زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور جب تک توبہ نہ کرے واپس نہیں آتا۔'' (ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۱۵) زنا کے قریب نہ جانے کا معنی یہ ہے کہ کسی عورت کو نظرِ شہوت سے مت دیکھو، تنہائی میں اس کے پاس مت بیٹھو، اس کے جسم کو مت چھوؤ وغیرہ، یعنی کوئی ایسا کام نہ کرو جو زنا کے قریب کر دے۔ اہل عرب میں اسلام سے قبل بے حیائی عام تھی۔ زنا کار عورتوں نے اپنے گھروں کے اوپر جھنڈے گاڑے ہوئے تھے جو دیکھنے والوں کو دور سے دعوت گناہ دیتے تھے جیسے آج یورپ و امریکہ والے دور جاہلیت میں رہ رہے ہیں بے حیائی عام ہے، زنا کار عورتیں سر بازار دعوت گناہ دیتی ہیں۔ ایسے حیا باختہ ماحول میں اسلام نے آ کر عرب کے معاشرہ سے بے حیائی کا خاتمہ کیا اور وہ لوگ جو حیا کا معنی ہی نہ جانتے تھے وہ دنیا کی سب سے باحیا قوم بن گئے اور اسلام جہاں جائے گا ان بُری چیزوں کا قلع قمع کر دے گا۔ آج یورپ میں بے حیائی کے عام ہونے کا نتیجہ ہے کہ یہاں انگریزوں کی قریباً نصف آبادی حرامیوں کی ہے، یعنی نکاح کے بغیر پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد یہاں چالیس فی صد کے قریب ہوگئی ہے۔ اسی لیے آج یورپین ممالک کے پاسپورٹس سے ولدیت کا خانہ نکال دیا گیا ہے، کیونکہ نصف آبادی کو اپنے باپ کا علم نہیں ہے۔

[33] اہل جاہلیت اسلام سے قبل معمولی جھگڑوں پر ہزاروں انسانوں کا خون بہادیتے تھے۔ اسلام نے آ کر ان پہ سایہ رُحمت کیا اور عرب معاشرہ میں خونریزی کی جگہ امن و سلامتی اور مہر و محبت نے لے لی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے یا جس جان کو اللہ نے حرمت دی ہے اسے مت قتل کرو، البتہ حق کی بناء پر قتل کر سکتے ہو، حق کے ساتھ قتل کرنا یہ ہے کہ قتل کے بدلے عدالتی حکم کے ساتھ قاتل کو قتل کیا جائے، شادی شدہ مرد یا عورت اگر زنا کرے تو اسے سنگسار کیا جائے اور اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے اور سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے قتل کیا جائے۔

[34] مقتول کا وارث یہ شرعی حق رکھتا ہے کہ عدالت کے ذریعے قاتل کو قتل کروائے یا معاف کر دے۔ مگر اسے یہ کرنا جائز نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح طیش میں آ کر قاتل کے بے گناہ رشتہ داروں کو ناحق مار دے۔

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۖ
اور مال یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اسی طریقہ پر جو (اس کے حق میں) بہتر ہے تا آنکہ وہ اپنی پختہ عمر کو پہنچ جائے۔[35]
وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۴ وَاَوۡفُوا الۡـكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ
اور وعدہ پورا کرو بے شک وعدہ کے بارے میں سوال ہو گا۔[36] اور جب ناپ کرو تو پورا ناپو
وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۝۳۵ وَلَا
اور سیدھے ترازو سے وزن کرو یہی بہتر ہے اور اسی کا انجام خوب تر ہے۔[37] اور جس بات کا
تَقۡفُ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۤـئِكَ
تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو بیشک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے بارے میں
كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۶
سوال کیا جائے گا۔[38]

[35] اہل جاہلیت کسی مرنے والے کی یتیم بچیوں کو اس کی میراث میں سے کچھ نہ دیتے تھے بلکہ ان کا حصہ خود کھا جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی اس کا مال اپنے مال میں خلط ملط نہ ہونے دو البتہ اس صورت میں اس کے مال کے قریب جاؤ جو اس کے لیے بہتر ہو مثلاً اس کے مال کو اپنے مال کے ساتھ تجارت میں لگا کر بڑھاؤ اور جب یتیم پختہ عمر کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دو۔ قرآن مجید میں ہے یتیم کا مال کھانے والے اپنے پیٹ میں نار جہنم بھرتے ہیں۔ (نساء۔۱۰) دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ‌ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ‌ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا‌ ؕ ''اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو تا آنکہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، تب اگر تم ان میں سوجھ بوجھ پاؤ تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو اور انہیں حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں نہ کھا جاؤ کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (نساء۔۶)

[36] وعدہ خلافی کرنے والا جھوٹ، بدعہدی، دھوکہ دہی اور ایذا مسلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس سے ان گناہوں کا حساب لے گا۔ اگر وعدہ پورا کرنا مشکل ہو تو بروقت مطلع کر دینا چاہیے تاکہ دوسرا فریق دھوکے میں نہ رہے۔

[37] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اے دوکانداروں! تم پر دو کاموں ناپ اور تول کی ذمہ داری آ پڑی ہے۔ تم سے پہلے لوگ انہی دو کاموں میں کوتاہی کے سبب ہلاک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص حرام مال پر قادر ہونے کے باوجود خوف خدا سے اسے چھوڑ دے اللہ اسے دنیا ہی میں اس سے کہیں بہتر مال عطا فرماتا ہے اور آخرت کا اجر اس کے سوا ہے۔'' (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۷۹) اور قرآن میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے اعلان عذاب فرمایا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَۙ۝۱ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ۝۲ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَؕ۝۳ ''کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے پورا تول کر لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کمی کر دیتے ہیں۔'' (مطففین،۱)

[38] لَا تَقۡفُ قفا یقفو سے ہے جس کا معنی کسی چیز کے پیچھے پڑنا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ ''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے رسول بھیجے۔'' (بقرہ:۸۷) معنی یہ ہے کہ جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے بارے میں زبان سے بے تحقیق بات نہ نکالو۔ اگر تم نے کسی شخص کی برائی نہ آنکھوں سے دیکھی ہے نہ کانوں سے سنی ہے نہ اس کے بارے میں ایسے قطعی دلائل ملے ہیں جن سے دل کو اطمینان ہو تو اس بارے میں زبان مت کھولو کیونکہ روز قیامت کان سے پوچھا جائے گا کیا تم نے یہ بات واقعی سنی تھی آنکھ سے پوچھا جائے گا کیا تم نے یہ چیز واقعی دیکھی تھی اور دل سے پوچھا جائے گا کیا تم نے یہ بات قطعی دلائل سے جانی تھی؟ جب یہ اعضاء اس چیز سے انکار کریں گے تو انسان سے کہا جائے گا پھر تم نے اس چیز کا الزام فلاں پر کیوں دیا۔

وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ

اور زمین میں تکبر سے مت چلو۔ تم زمین کو نہیں پھاڑ سکتے اور نہ پہاڑوں کے برابر

طُوۡلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنۡدَ رَبِّكَ مَكۡرُوۡهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی

لمبے ہو سکتے ہو۔ ان چیزوں کا گناہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔[39] یہ اس حکمت کا حصہ ہے جو تمہارے رب نے

اِلَیۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ؕ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ

تمہاری طرف وحی کی اور اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ مانو، ورنہ تمہیں جہنم میں ذلیل و مردود

جَهَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ

کر کے پھینک دیا جائے گا کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا اور خود اس نے فرشتوں کو

الۡمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ ع

بیٹیاں بنالیا؟ بیشک تم بڑی خطرناک بات کہتے ہو۔[40]

[39] انسان کے پاس جب کوئی بڑی نعمت آ جائے جیسے دولت، اقتدار، شہرت، علم وغیرہ تو وہ اکثر اکڑ کر چلنے لگتا ہے وہ سمجھتا ہے اب میں سب سے اونچا ہو گیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا: اے انسان! اکڑ کر مت چل، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں سے بلند ہو سکتے ہو۔ یعنی کسی اونچے پہاڑ کے دامن میں کھڑے انسان کی حیثیت وہی ہے جو ہاتھی کے پاس چیونٹی کی ہوتی ہے۔ اب اگر چیونٹی خود کو ہاتھی سے بڑا سمجھے تو یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی وسیع و عریض زمین پر انسان کی حیثیت ایک حقیر ترین نقطہ سے زیادہ نہیں پھر وہ کس بات پر تکبر کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی اکڑ کر چل رہا تھا اس پر دو چادریں تھیں جن میں وہ محوِ خرام تھا (یعنی وہ دامن کو زمین پہ گھسیٹ کر چل رہا تھا)۔ اللہ نے اُسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ اب تک زمین میں دھنس رہا ہے اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔'' (بخاری کتاب اللباس باب ۵، مسلم کتاب اللباس حدیث ۹۳)

تکبر کی مذمت

یعنی ایسے کپڑے پہننا جن سے تکبر کا اظہار مقصود ہو جیسے زمین پر دامن گھسیٹ کر چلنا۔ الغرض مومن کو چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بڑی نعمت دی ہے تو اکڑ کر چلنے کی بجائے بارِ تشکر سے اس کی گردن جھک جائے، مگر ایسا کم ہوتا

ہے۔ اکثر حکمرانوں، سرکاری افسروں، مالداروں، قبائلی سرداروں، سجادہ نشینوں اور نفس پرست علماء کی گردنیں تکبر سے اکڑی ہوتی ہیں۔ حالانکہ تکبر کی سزا جہنم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ عزوجل فرماتا ہے عزت میرا تہبند ہے اور تکبر میری چادر ہے تو جو مجھ سے میری یہ چیزیں چھینا چاہے، یعنی تکبر کرے میں اسے عذاب دوں گا۔''
(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا ینظر الله الی من جرّ ثوبه خیلاء، ''جس نے تکبر کے ساتھ (ٹخنوں سے نیچے) دامن لٹکایا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں فرمائے گا۔'' (صحیح البخاری کتاب اللباس حدیث ۵۷۸۳، مسلم اللباس حدیث ۲۰۸۵)

آگے اللہ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں یعنی قتلِ اولاد، زنا، قتلِ نفس، اکلِ مالِ یتیم وغیرہ کا گناہ اللہ کے ہاں عظیم ہے۔

[40] اہل جاہلیت فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور اپنے ہاں بیٹی کی پیدائش کو وجہ عار جانتے تھے۔ اللہ رب العزت نے انہیں درسِ توحید دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا اللہ نے تمہیں بیٹوں کے لیے مخصوص کرلیا ہے اور اپنے لیے بیٹیاں چن لی ہیں؟ یہ کس قدر سنگین توہینِ رب العالمین ہے۔ الغرض اللہ اولاد سے پاک ہے وہ یکتا و وحدہ لاشریک ہے۔ معلوم ہوا کہ گھر میں بچی کی پیدائش پہ مغموم ہونا دورِ جاہلیت کے کفار کا طریقہ ہے، اہلِ ایمان اور اہلِ شعور کا یہ کام نہیں ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور اس قرآن میں ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں مگر اس سے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔[41]

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ

آپ فرما دیں اگر اللہ کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ کفار سمجھتے ہیں تو وہ ضرور عرش والے رب کی طرف

سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ

راہ ڈھونڈتے، کفار جو کہتے ہیں اللہ اس سے بہت پاک اور بہت بلند ہے۔[42] ساتوں آسمان

السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ

اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی تسبیح کہتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کہتی ہو مگر تم

لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں، بے شک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔[43]

اللہ کی توحید اور ساری کائنات کا اس کی تسبیح کہنا

[41] قرآن میں کفار پر خوب واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کیا ہیں وہ کیسا مدبر، مصور، خالق، رازق، قدیر اور علیم ہے تا کہ کفار دوسری ہستیوں کی پرستش سے باز آ کر صرف اللہ کی عبادت کریں مگر جن کے دلوں پر ان کے مسلسل کفر کی وجہ سے تالہ لگ گیا ہے ان کے کفر میں قرآن سن کر اضافہ ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ (بقرہ، آیت: ۱۰)

قرآن بارشِ رحمت ہے، بارش سے باغ میں پھول کھلتے ہیں اور غلاظت کے ڈھیر کی بدبو پھیل جاتی ہے۔ جیسی زمین ویسی تاثیر۔

؎ باراں کہ درلطافت طبعش خلاف نیست　　درباغ لالہ روید وشورہ بوم وخس

[42] بالفرض اگر اللہ کے علاوہ بھی کئی خدا ہوتے تو وہ ضرور خدائے رب العرش سے لڑائی کرتے مثلاً کہتے آج ہم سورج نہیں نکلنے دیں گے۔ آج ہم رات نہیں پڑنے دیں گے۔ اسی طرح وہ زمین وآسمان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ ''اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتے تو یہ

دونوں ٹوٹ پھوٹ جاتے۔'' (انبیاء: ۲۲)

اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰی ذِی الۡعَرۡشِ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اگر بالفرض اللہ کے سوا بھی کچھ خدا ہوتے تو وہ اپنی حاجات کے لیے اللہ ہی کی طرف راہ ڈھونڈتے یعنی اسی کے محتاج ہوتے تو پھر وہ خدا کیسے ہوسکتے تھے۔

[43] یعنی اللہ کے سوا کون خدا کہلا سکتا ہے جب کہ اللہ کے سوا کائناتِ ارض وسماوی کی ہر چیز اللہ ہی کی تسبیح وحمد کہتی ہے۔

اللہ کے منکرین اللہ کی تسبیح کیسے کہتے ہیں

اگر کہا جائے کہ کفار بھی زمین پر رہنے والی مخلوق ہیں وہ اللہ کی تسبیح کیسے کہتے ہیں؟ وہ تو اللہ سے انکار کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیرِ خداوندی کے آگے ان کی بے بسی زبان حال سے اللہ کی حمد وتسبیح ہی ہے پھر ان کے سائے زمین پر دائیں بائیں گر کر اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ ''آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز خوشی و ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے صبح وشام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔'' (رعد: ۱۵)

اور حدیث کے مطابق انسان کے کپڑے بھی اللہ کی تسبیح کہتے ہیں۔ (دیکھئے درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ بروایت ابن مردویہ عن ابن عباس) تو کافر کے کپڑے اللہ کی تسبیح کہتے ہیں۔

ہر خشک وتر اور زندہ مردہ چیز اللہ کی تسبیح کہتی ہے

یاد رہے ہر چیز اللہ کی تسبیح کہتی ہے خواہ خشک ہو یا تر، خواہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح، بلکہ اللہ نے ہر چیز کو الگ تسبیح دی ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دی۔ ایک بار داؤد علیہ السلام نے ایک مینڈک سے یہ تسبیح سنی: سبحانك وبحمدك منتهیٰ علمك یارب۔ تو فرمایا قسم بخدا یہ حمد مجھے پہلے معلوم نہ تھی۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۹۲)

حدیث میں ہے جب کوئی شخص احرام باندھ کر تلبیہ کہتا ہے تو اس کے آس پاس والا ہر پتھر اور درخت بھی تلبیہ کہتا ہے پھر انہیں سن کر اگلے شجر وحجر تلبیہ کہتے ہیں حتیٰ کہ زمین کے آخری کناروں تک زمین کی ہر چیز تلبیہ کہنے لگتی ہے۔ (ترمذی کتاب الحج باب ۱۴)

اب تلبیہ ہر وقت جاری ہے تو شجر وحجر کا تلبیہ بھی ہر وقت جاری ہے، گویا ہر شئے ہر وقت اللہ کی تسبیح وتہلیل کر رہی ہے۔

ہر شئے کی تسبیح کے بارے میں ایک سوال کا جواب

بعض لوگوں کی رائے میں صرف تر چیزیں تسبیح کہتی ہین۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر دو سبز ٹہنیاں گاڑ کر فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوتی، ان قبروں میں مردوں پر عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔ (بخاری کتاب الوضو باب ۵۵، مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۱۱۱)

یعنی جب تک ٹہنیاں تر ہیں تسبیح کہتی ہیں جس سے مردوں کے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے، معلوم ہوا خشک ٹہنیاں تسبیح نہیں کہتیں؟ مگر یہ استدلال کمزور ہے جب مذکورہ دلائل کے مطابق ہر شجر و حجر اور ہر ذرہ تسبیح کہتا ہے تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ صرف تر چیزیں تسبیح کہتی ہیں، دراصل ہر تسبیح کا اثر مختلف ہے۔ تر چیزوں کی تسبیح کا اثر اور ہے، دوسری چیزوں کی تسبیح کا اثر اور۔ یہ معنی نہیں کہ خشک چیز تسبیح کہتی ہی نہیں، جب پتھر تلبیہ کہتے ہیں تو ان سے زیادہ خشک کون ہے۔ گویا بات کو غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَيۡنَكَ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا
اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان مخفی پردہ
مَّسۡتُوۡرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ
حائل کر دیتے ہیں۔[44] اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تا کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کی کانوں میں بوجھ ڈال دیا ہے
وَاِذَا ذَكَرۡتَ رَبَّكَ فِى الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾ نَحۡنُ
اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کو یکتا کہہ کر پکارتے ہیں تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔[45] ہم جانتے ہیں
اَعۡلَمُ بِمَا يَسۡتَمِعُوۡنَ بِهٖۤ اِذۡ يَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ وَاِذۡ هُمۡ نَجۡوٰٓى اِذۡ يَقُوۡلُ
جو وہ سننا چاہتے ہیں جب آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ
الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ
سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں تم تو بس ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ دیکھئے وہ آپ کے لئے کیسی
الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ﴿۴۸﴾
مثالیں لاتے ہیں یہ لوگ پکے گمراہ ہو چکے اب یہ سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔[46]

رکوع

[44] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورہ تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابو لہب کی بیوی ام جمیل غصے میں دو بڑے پتھر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے دوڑی۔ آپ صحن کعبہ میں مصروف تلاوت قرآن تھے وہ وہاں آئی مگر آپ کو دیکھ نہ سکی۔ وہ کہنے لگی: کہاں ہے محمد جس نے میری اور میرے شوہر کی ہجو کہی ہے؟ اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو پتھروں سے اس کا سر اڑا دوں گی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعد میں میں نے آپ سے عرض کیا: کیا اس

نے آپ کو دیکھا نہ تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان جبرائیل امین (علیہ السلام) حائل تھے تب یہ آیت اتری۔ (درمنثور عن ابن مردویہ جلد ۵ صفحہ ۱۹۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مابین مخفی پردہ حائل کردیتے ہیں۔ اسی طرح ہجرت کی رات آپ سورہ یاسین پڑھتے ہوئے کفار کے نرغے میں سے یوں نکل گئے کہ ان میں سے کوئی آپ کو دیکھ نہ سکا۔

اگر سوال کیا جائے کہ اگر قرآن کریم کی برکت سے کفار آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے تو طائف میں آپ پہ سنگ باری کیوں ہوئی؟ اور احد میں آپ کے دندان مبارک زخمی کیوں ہوئے؟ اور دورانِ سجدہ آپ کی پشت مبارک پہ اونٹ کی اوجھری لا کر کیوں رکھی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں، بعض اوقات حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کو راہ خدا میں تکالیف آئیں اور ان پہ صبر فرمائیں تا کہ تا قیامت داعیانِ حق کے لیے مثال بن جائے اور وہ سوچیں کہ اگر آپ دعوت حق کے لیے پتھر کھا سکتے ہیں تو ہماری کیا حیثیت ہے؟ ہمیں بھی باطل پرستوں کی مخالفانہ کوششوں سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔

بہر حال اس سے برکتِ قرآن معلوم ہوئی کہ اس کا پڑھنا مومن کو کفار کے حملوں سے بچاتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے بعض آیات قرآن کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پڑھنے سے خصوصاً حفاظت ملتی ہے۔ (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۰)

[45] جب کفار نے قرآن سے مسلسل انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بطور سزا ان کے دلوں پر پردے اور کانوں پر بوجھ ڈال دیئے ہیں لہٰذا ان کے لیے قرآن کا سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ چنانچہ جب قرآن میں اللہ کی یکتائی بیان کی جائے تو وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے الٹے پاؤں بھاگتے ہیں۔

[46] بسا اوقات کفار مکہ چھپ کر قرآن سنتے جب حضور ﷺ قرآن پڑھ رہے ہوتے مگر چونکہ ان کے دل میں بغض تھا اس لیے ان پر قرآن اثر نہ کرتا بلکہ وہ کہتے اس شخص پر جادو ہوگیا ہے اور یہ بہکی باتیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو یہ پیغمبرِ خدا اور قرآن کے لیے کیسی بُری مثالیں لاتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگ گئی ہے۔ اب یہ سیدھی راہ پر نہیں آسکتے۔

وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ

اور (کفار) کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور غبار ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی شکل میں اٹھائے جائیں گے؟ آپ فرما دیں کہ

كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ

تم پتھر یا لوہا بن جاؤ یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے سینوں میں بڑی ٹھہرتی ہے (تو بھی اللہ تمہیں زندہ کر لے گا) [47] اب وہ

مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ

کہیں گے ہمیں کون دوبارہ اٹھائے گا؟ آپ فرما دیں وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا تو وہ آپ کی طرف سر کو

رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ

جھٹکا دے کر کہیں گے، یہ کب ہو گا؟ آپ فرما دیں ممکن ہے یہ قریب ہی ہو۔ [48] جس دن وہ

يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کہتے ہوئے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ہی رہے تھے۔ [49]

قیامت کے بارہ میں منکرین کے شبہات کا رد

[47] اس سے قبل توحید و رسالت کی حقانیت بتائی جا رہی تھی۔ اب نظریہ آخرت پر وارد شبہات کا رد کیا جا رہا ہے۔ منکرینِ قیامت کہتے ہیں جب ہم مر کر ہڈیاں بن جائیں گے۔ پھر ہڈیاں مٹی میں مل کر غبار ہو جائیں گی تو اس کے بعد ہمیں کیسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہڈیاں اور غبار تو بہت نرم چیزیں ہیں اگر بالفرض تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی چیز بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت بڑی اور سخت تر ہے تو بھی اللہ تمہیں دوبارہ زندہ کر لے گا۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا اللہ ایسا رب قدیر ہے جو انسان کو پتھر اور لوہا بنا سکتا ہے جیسے اساف و نائلہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے کعبہ کے اندر برائی کرنا چاہی تو اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ پھر ان کے بت صفا و مروہ پر برائے عبرت لگا دیئے گئے مگر بعد والی نسلوں نے ان کی پرستش شروع کر دی۔ اس کی تفصیل ہم اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ کے تحت لکھ چکے ہیں۔

[48] منکرین قیامت دوسرا سوال یہ کرتے کہ مرنے کے بعد انہیں کون اٹھائے گا اس کا جواب اللہ نے دیا کہ جس رب نے تمہیں پہلی بار بنایا جب تم کچھ نہ تھے وہی رب تمہاری ہڈیوں پہ نیا گوشت پوست چڑھا کر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا تب منکرینِ قیامت جھنجھلا کر سر کو جھٹکا دیتے اور تیسرا سوال یہ کرتے کہ مُردوں کو دوبارہ کب اٹھایا جائے گا؟ اللہ

نے فرمایا ممکن ہے یہ قریب ہی ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''ابتداء سے اب تک دنیا پر اتنا عرصہ گزر چکا ہے جتنا صبح سے عصر ہے اور اتنا باقی رہ گیا ہے جتنا عصر سے مغرب ہے۔'' (ترمذی کتاب الفتن باب ۲۶)

[49] قیامت کیسے قائم ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس ایک پکار آئے گی اور سب مُردے قبروں سے اللہ کی حمد کہتے ہوئے باہر آ جائیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ ''بس ایک ڈانٹ آئے گی تو سب لوگ سطح زمین پر ہوں گے۔'' (نازعات: ۱۴) یاد رہے قیامت میں مومن و کافر سب اللہ کی حمد کہتے ہوئے اٹھیں گے مگر کفار کی حمد مجبوری کی ہوگی جو انہیں فائدہ نہ دے گی اور مومنوں کی حمد انہیں فائدے دے گی دراصل کفار کا قیامت میں ایمان لانا اور حمد کہنا انہیں کچھ فائدہ نہ دے گا کیونکہ اللہ کے ہاں صرف ایمان بالغیب کا اعتبار ہے مگر مومنین اپنی خوشی سے حمد کہیں گے حدیث میں ہے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں لا الٰہ الا اللہ کہنے والے اپنی قبروں سے اٹھتے ہوئے اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے اور کہہ رہے ہیں: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ۙ﴿۳۴﴾ ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا صلہ دینے والا ہے۔'' (فاطر: ۳۴) (تفسیر ابن ابی حاتم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما جلد ۷)

اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا حضور ﷺ دنیا میں بیٹھ کر آخرت کا منظر دیکھتے ہیں تو پھر آپ برزخ میں رہ کر ہم دنیا والوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اس جگہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کی ابتداء بھی حمد سے ہوگی اور انتہاء بھی حمد پر۔ ابتداء کا حال ابھی معلوم ہو گیا۔ انتہاء کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۵﴾ ''اور لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر کہا جائے گا سب حمد اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (زمر: ۷۵)

وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ

اور آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہ اچھی بات ہی کہا کریں بیشک شیطان ان کے مابین فتنہ پیدا کرتا ہے۔

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ

بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔[50] تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر

یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ وَکِیۡلًا ﴿۵۴﴾

چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔[51]

وَرَبُّکَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ

اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھی آسانوں اور زمین میں ہے اور ہم نے بعض انبیاء کو دوسرے انبیاء پر

عَلٰی بَعۡضٍ وَّاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾

فضیلت دی ہے اور ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو زبور عطا کی۔[52]

[50] قرآن مومنوں کو حکم فرما رہا ہے کہ سب انسانوں سے اچھی بات کہی جائے۔ خواہ وہ مومن ہوں یا کافر۔ کفار سے اچھی بات کہنا یہ ہے کہ ان کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دی جائے ورنہ وہ اللہ کو گالی دیں گے اور یوں شیطان کو ان کے مابین فتنہ بھڑکانے کا موقع مل جائے گا، بلکہ کفار کو حسنِ اخلاق کے ساتھ دعوت حق دی جائے۔

اسلام دہشت گردی کا نہیں امن وسلامتی کا داعی ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ ''اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔'' (نحل:۱۲۵) اور مومنوں سے اچھی بات کہنا یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کام لیا جائے ایک دوسرے کی خیر خواہی کی جائے۔ حدیث میں ہے: الدین النصیحة دین خیر خواہی کا نام ہے اور کسی کی غیبت اور دل آزاری نہ کی جائے۔ کیونکہ اس سے شیطان کو لوگوں کے درمیان فتنہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے، بلکہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے جو فتنے کا سبب بن سکے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف اسلحہ کے ساتھ اشارہ نہ کرے، تمہیں کیا خبر کہ ممکن ہے شیطان اس کے ہاتھ کو حرکت دے دے اور یوں وہ دوزخ میں جا گرے۔'' (بخاری کتاب الفتن باب ۹)

معلوم ہوا اسلام تمام انسانوں سے محبت وحسنِ خلق رکھنے کا درس دیتا ہے۔ اس کا تشدد اور دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ مومنوں نے جنگ بدر سے لیکر اب تک کفار کے خلاف ہمیشہ اس وقت ہی تلوار اٹھائی جب ان کے خلاف کفار کی شر حد سے بڑھ گئی اور تلوار اٹھانے کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔ اگر کفار امن سے رہیں تو قرآن بھی مومنوں کو امن سے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ''اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی ادھر مائل ہو جاؤ۔ (انفال:۶۱) کفار کے خلاف اگرچہ اقدامی جہاد بھی جائز ہے مگر آج تک اس کا موقع ہی نہیں آیا، فتح مکہ بھی اقدامی جنگ نہ تھی بلکہ وہ بدر واحد واحزاب کا بدلہ تھا۔

اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو جائے تو ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔ اور حدیث میں ہے جس نے کسی معاہدہ والے کافر کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (نسائی کتاب القسامۃ باب ۱۵)

[51] اللہ رب العزت بندوں کے احوال سے خوب واقف ہے تو وہ جس کافر کے دل میں تخمِ ایمان دیکھتا ہے اسے اپنی رحمت سے نواز کر توفیق ایمان دے دیتا ہے اور جس کی اسلام دشمنی وہ حد سے گزری دیکھتا ہے اسے مستحق عذاب ٹھہرا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو کفار پر داروغہ یعنی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا کہ آپ ضرور بضرور کفار کو مومن بنائیں۔ یعنی آپ کا کام اچھے خلق کے ساتھ انہیں دعوتِ حق دینا ہے آگے توفیق ایمان دینا اللہ کا کام ہے۔

کفار کی اسلام دشمن کاروائیاں اور اللہ کی طرف سے جوابات

[52] قریش مکہ کہتے تھے۔ ابو طالب کے یتیم بھتیجے میں کیا خصوصیت تھی کہ اسے نبی بنایا گیا۔ کسی بڑے سردار کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا؟ وہ کہتے تھے۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۞ ''قرآن ان دو بستیوں (طائف ومکہ) میں سے کسی بڑے شخص پر کیوں نہیں اتارا گیا۔'' (زخرف:۳۱) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اسے خوب جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ کون اس کی رحمت کا سزاوار ہے تو وہ جسے چاہے نبوت وکتاب کے لیے منتخب کرے۔ اس نے انبیاء منتخب کیے اور جس کو جو مرتبہ چاہا عطا فرمایا۔ جیسے اس نے داؤد علیہ السلام کو چن لیا اور انہیں نبوت دی اور زبور عطا فرمائی۔ اسی طرح اگر اس نے سرزمین مکہ میں محمد عربی ﷺ کو چنا انہیں سید المرسلین بنایا اور ان پر قرآن نازل فرمایا تو کفار کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ یہاں داؤد علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا کہ وہ بادشاہ بھی تھے اور نبی بھی، مگر یہاں ان کی بادشاہت کی بجائے ان کی رسالت اور ان کے صاحب کتاب ہونے کا ذکر کر کے بتایا گیا کہ اللہ کے ہاں منصب رسالت دنیوی اقتدار سے بالاتر مقام ہے۔ لہٰذا قریش مکہ کا اپنے دنیوی اقتدار کے گھمنڈ میں اللہ کے رسول کی رسالت سے انکار کرنا سنگین غلطی ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ

آپ فرما دیں (اے کافرو) انہیں پکارو جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تو وہ تم سے کچھ تکلیف دور نہ کر سکیں گے

وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ

اور نہ تمہاری حالت بدل سکیں گے۔[53] وہی جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں

اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

کہ کون ان میں سے اللہ کے قریب تر ہے وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا

مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ

عذاب بچنے کے لائق ہے۔[54] اور کوئی (اسلام دشمن) بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے قبل ہلاک نہ کر دیں یا

مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔[55]

[53] یعنی جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں جیسے کفار مکہ لات ومنات اور عزی وہبل کی پرستش کرتے تھے اور آج ہندو، بدھ مت اور عیسائی قومیں بت پرستی میں مبتلا ہیں اللہ ان سے فرما رہا ہے کہ وہ اپنے جھوٹے خداؤں کو مصائب میں پکار کر دیکھیں وہ ان کی کوئی مصیبت نہیں ٹال سکتے نہ ان کی حالت بدل سکتے ہیں۔ اس آیت کو بعض لوگ یا رسول اللہ کہنے اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ کرنے والے مسلمانوں پر چسپاں کر کے انہیں مشرکین و کفار قرار دیتے ہیں مگر یہ ان کی شدت پسندی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے حق میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرنا سراسر الحاد ہے۔

اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے غائبانہ پکارنے کا جواز

جبکہ انبیاء و اولیاء کو غائبانہ مدد کیے لیے پکارنا اس خیال سے کہ اللہ انہیں ہماری آواز پہنچا سکتا ہے اور وہ ہمارے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں حدیث سے ثابت ہے اس کا شرک سے کیا تعلق ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی سواری بھاگ جائے اور وہ بیابان جگہ میں ہو تو اسے یوں پکارنا چاہیے: یا عباد الله احبسوا علیّ یا عباد الله احبسوا علیّ۔ اے اللہ کے بندو! میری سواری کو روکو اے اللہ

کے بندو! میری سواری کو روکو، کیونکہ اللہ کے کچھ بندے زمین میں حاضر رہتے ہیں وہ تمہاری سواری کو روک لیں گے۔''
(معجم کبیر للطبرانی ج۱۰ ص ۲۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا اسے کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی انیس (یار و مددگار) نہیں ہے تو اسے یہ کہنا چاہیے: یا عباد الله اعینونی یا عباد الله اغیثونی، یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری فریاد کو پہنچو۔'' کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے، اور اس چیز کا تجربہ کیا گیا ہے۔
(معجم کبیر للطبرانی ج۱۹ ص ۱۱۸)

اور صحابہ کرام نے ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدد کے لیے پکارا۔ چنانچہ عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں علاقہ نجد میں جنگ یمامہ ہوئی کثیر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ صحابہ کرام پر اس سے زیادہ کوئی مشکل وقت نہیں آیا تھا، تو اس وقت صحابہ کرام کا نعرہ یہ تھا یا محمداہ۔ اور یہ نعرہ لگانے والے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔
(البدایہ والنہایہ ج۶ ص ۹۲۲ مطبوعہ دار الریان بیروت)

تو کیا یہ انتہاء پسند اور دین میں غلو کرنے والے لوگ صحابہ کرام کو بھی مشرک قرار دیں گے؟

[54] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کفار عرب بعض جنات کی پوجا کرتے تھے اور وہ جنات اسلام لے آئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار جن جنات کی پوجا کرتے ہیں وہ تو اپنے رب کے پاس وسیلہ لاتے ہیں کہ کون ان میں سے اللہ سے قریب تر ہے جس کے وسیلہ سے وہ اللہ کے حضور اپنی دعا پیش کریں وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے پناہ کے طلب گار ہیں۔

اللہ کے حضور اس کے مقربین کا وسیلہ پیش کرنے کا جواز

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومن جنات کی صفات حمیدہ میں سے یہ شمار کیا ہے کہ وہ اپنے میں سے اللہ کے مقربین کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح ان کا امیدِ رحمت اور خوفِ عذاب رکھنا محمود ہے اسی طرح ان کا اللہ کے حضور اس کے مقربین کا وسیلہ پیش کرنا محمود ہے۔ اگر اللہ کے حضور اللہ کے کسی مقرب بندے کا وسیلہ پیش کرنا شرک ہوتا جیسا کہ نجدی لوگ سمجھتے ہیں تو اللہ اسے مومن جنات کی صفات حمیدہ میں سے ذکر نہ کرتا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی۔ اللهم انی اسئلك واتوجّه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة ان تكشف عن بصری يارسول الله انی اتوجه بك الی ربی ليكشف عن بصری۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری نگاہ کھولدے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں

آپ کے وسیلہ سے اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری نگاہ کھول دے۔"

(ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۸۹، ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۸، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۳۸)

اور طبرانی کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ نابینا صحابی گیا اس نے وضو کر کے دو رکعت پڑھیں پھر یہی دعا کی اور واپس آیا تو اس کی آنکھیں درست تھیں۔

(طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۱۳ حدیث ۸۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[55] یعنی جس بھی بستی کے لوگ اسلام دشمنی سے باز نہیں آتے ہم انہیں ایک مہلت کے بعد ہلاک کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ پہلے لوگوں کی بستیاں تھیں یا آئندہ قیامت تک ہوں گی۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ۝ "اور جب ان بستیوں نے ظلم کا راستہ اپنایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے مقرر وقت رکھا تھا۔" (کہف: ۵۹)

معلوم ہوا اللہ کسی قوم کو محض کفر کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا البتہ جب وہ اسلام و اہل اسلام پر ظلم پر ظلم کا طریقہ اپنائے تو انہیں ضرور تباہ کر دیتا ہے۔ اس میں موجودہ اسلام دشمن طاقت امریکہ اور اس کے حواریوں کے لیے وارننگ ہے کہ اگر وہ اسی طریقہ پہ قائم رہے تو ان کا انجام بھی گزشتہ لوگوں سے مختلف نہ ہوگا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ

اور ہمیں (کفار کی مطلوبہ) نشانیاں بھیجنے سے اس کے سوا کسی چیز نے نہیں روکا کہ پہلوں نے ان سے انکار کیا تھا اور ہم نے

النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝۵۹ وَاِذْ

قوم ثمود کو اونٹنی بطور واضح نشانی دی تو انہوں نے اس سے ظلم کیا اور ہم ڈرانے کے سوا کسی مقصد کے لئے نشانیاں نہیں بھیجتے۔[56]

قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ

اور (اے پیارے رسول) یاد کرو جب ہم نے کہا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔[57] اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو

اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا

جلوہ دکھایا وہ لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے تھا اور ہم نے قرآن میں مذکور لعنت والا درخت بھی آزمائش ہی کے لئے بنایا ہے۔[58] اور ہم

یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝۶۰ ع

کفار کو ڈراتے ہیں۔ مگر اس سے ان کی سرکشی بھی بڑھتی ہے۔

[56] حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝۲۱۴ (شعراء:۲۱۴) کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے آپ سے کہا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر پھاڑا گیا سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا مسخر کی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مردے زندہ کیے گئے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ ہمارے آباء کو زندہ کردے اور ہم ان سے کلام کریں۔ یا اللہ پہاڑ کو سونا بنادے تا کہ ہم اس سے اپنی دنیا چمکائیں۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی وقت آثار وحی ظاہر ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے یہ نشانیاں جو تم نے مانگیں عطا فرمادی ہیں لیکن اگر تم انہیں دیکھ کر ایمان نہ لائے تو اللہ تمہیں سخت تر عذاب دے گا۔ تب یہ آیت اتری: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝۵۹ (تفسیر ابن کثیر بروایت ابویعلیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں کفار کی طلب کردہ نشانیوں کے دکھانے سے اسی بات نے روکا ہے کہ جب پہلی قومیں ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد ایمان نہ لائیں تو انہیں تباہ کردیا گیا جیسے صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو پہاڑ سے کھلے طور پر اونٹنی پیدا کر کے دی گئی مگر قوم نے ایمان لانے کی بجائے اونٹنی کو مار ڈالا تو پوری قوم کو ہلاک کردیا گیا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رحمۃ للعالمین بن کر آئے ہیں، تو اللہ نے نہ چاہا کہ آپ کی موجودگی میں عذاب اترے۔ اس لیے کفار کو ان کی مطلوبہ نشانیاں نہ دکھائیں گئیں۔ حقیقت میں یہ ان پہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت کا حصہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کفار کے لیے بھی رحمت ہیں

معلوم ہوا حضور ﷺ کی رحمت سے کفار نے بھی حصہ پایا۔ جب کفار پر ان کی یہ رحمت ہے تو مومنوں پر ان کی رحمت کا کیا عالم ہوگا۔

ع دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری

[57] اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اللہ نے آپ کے دشمنوں کو گھیر رکھا ہے، یعنی وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ تسلی سے اپنا کام جاری رکھیں، اسی لیے اپنوں اور بیگانوں کی ہزار ہا مخالفتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی جدوجہد میں کبھی کمی نہ آئی۔

[58] کفار کو حضور ﷺ اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لیے دو چیزیں ہاتھ آئیں ایک واقعۂ معراج، دوسرا جہنم میں ایک درخت کا ہونا۔ معراج کا ذکر سن کر بھی وہ ہنسے اور یہ سن کر بھی کہ آگ میں ایک درخت ہوگا۔ جیسے اللہ فرماتا ہے: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ ''بے شک درخت زقوم مجرم کا کھانا ہے، زہر کی تاثیر والا ہے پیٹوں میں جا کر ہنڈیا کی طرح کھولتا ہے۔'' (سورہ دخان: ۴۳) کفار نے کہا۔ اگر جہنم آگ سے بھری ہے تو وہاں درخت کیسے آ گیا؟ اللہ تعالیٰ نے معراج کے بارے میں ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو شبِ معراج جو جلوہ دکھایا وہ لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا کہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے تحت فرمایا: ھی رویا عین اُریھا رسول اللہ ﷺ لیلۃ اسری بہ یہ وہ آنکھوں دیکھا منظر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو شبِ معراج دکھایا گیا۔
(بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل)

واقعۂ معراج خواب میں نہیں بیداری میں ہوا تھا، قرآنی دلیل

جو لوگ واقعۂ معراج کو خواب کا واقعہ سمجھتے ہیں وہ اس آیت میں لفظ الرؤیا سے بھی دلیل پکڑتے ہیں، کیونکہ لفظ الرؤیا عموماً خواب پہ بولا جاتا ہے، مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے۔

اول اس لیے کہ الرؤیا صرف خواب پہ نہیں بولا جاتا بلکہ مطلقاً منظر کو یا دکھانے کو بھی الرؤیا کہہ دیتے ہیں، جیسے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسی ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی وقد خرج لھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام۔ ''میں اپنے باپ ابراہیم

علیہ السلام کی دعا ہوں، عیسی علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا وہ منظر ہوں جو انہوں نے مجھے جنتے ہوئے دیکھا کہ ان کے لیے ایسا نور ظاہر ہوا جس میں انہوں نے شام کے محلات دیکھ لیے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

اس حدیث میں لفظ الرؤیا بمعنی خواب نہیں ہے بلکہ دیکھنے یا دیکھے جانے والے منظر کے معنی میں ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی الرؤیا بمعنی خواب نہیں ہے بلکہ بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بحوالہ بخاری یہ معنی ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے معراج میں آپ کو جو کچھ دکھایا اسے ہم نے لوگوں کے لیے آزمائش بنا دیا ہے کہ وہ اسے مانتے ہیں یا نہیں۔

دوم۔ یہاں لفظ فتنة (آزمائش) بھی دلالت کر رہا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب میں نہیں تھا کیونکہ خواب کا ماننا یا نہ ماننا کسی کے لیے وجہ آزمائش کیسے بن سکتا ہے۔

معلوم ہوا واقعہ معراج خواب میں نہیں جاگتے میں جسمانی طور پر ہوا، اگر یہ خواب تھا تو خواب کا ماننا لوگوں کے لیے وجہ آزمائش کیسے ہو سکتا ہے؟

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنم کا درخت بھی جو لعنت والا درخت ہے ہم نے اسے وجہ آزمائش بنایا ہے کہ لوگ اسے مانتے ہیں یا نہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ کی قدرت پر ایمان لاتے ہوئے واقعہ معراج اور جہنم میں درخت کی موجودگی پر ایمان رکھیں گے وہ اللہ کے فرماں بردار ہیں، جو ایمان نہ رکھیں گے وہ نافرمان و مستحق عذاب ہیں۔ درخت کو لعنت والا (الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ) اس لیے کہا گیا کہ اہل جہنم جب اسے کھاتے ہیں تو اس پر لعنت کرتے ہیں حالانکہ درخت مستحق لعنت نہیں ہے اور بقول حدیث جب کسی غیر مستحق لعنت چیز پر لعنت کی جائے تو وہ لعنت کرنے والے پر واپس پڑتی ہے۔ گویا وہ درخت کفار کے ملعون بننے کا سبب ہے کہ جس قدر وہ اس پر لعنت کریں گے اسی قدر لعنت ان پر لوٹتی رہے گی، اس لیے اسے لعنت والا درخت کہا گیا۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے اس نے کہا

لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ

اے اللہ! کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا۔[59] شیطان نے کہا: اے اللہ! ذرا دیکھ تو، یہ جسے تو نے مجھ پر

اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾

فضیلت دی ہے، اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو میں چند ایک کے سوا اس کی ساری اولاد کو تباہ کر دوں گا۔[60]

شیطان کا سجود آدم سے انکار اور اس پر اللہ کی پھٹکار

[59] نزول قرآن کے وقت کفار عرب اور یہود تکبر و حسد کی وجہ سے قبول اسلام سے انکار کرتے تھے اور آج بھی کفار پر حق واضح ہے پھر بھی تکبر انہیں قبول حق سے مانع ہے اللہ نے انہیں شیطان کا انجام یاد دلایا۔ اس نے از روئے تکبر کہا اے اللہ! میں مٹی سے بنے ہوئے آدم کو کیوں سجدہ کروں۔ میں تو آگ سے بنا ہوں۔ جو مٹی سے افضل ہے۔

ایک جگہ قرآن میں ہے اس نے کہا: خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۶﴾ ''اے اللہ! مجھے تو نے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے۔'' (ص:۷۶) گویا شیطان تکبر اور حسد کے سبب سجدہ سے انکار کر کے بدبخت ہوا۔ افسوس آج یہ دو بری صفات ہمارے معاشرہ میں عام ہو گئی ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے۔

[60] احتناك کا معنی اجاڑ دینا ہے کہتے ہیں۔ احتنك الجراد الزراع۔ ٹڈی نے کھیتی اجاڑ دی۔ (قرطبی) یعنی شیطان نے کہا اے اللہ! چونکہ تو نے آدم کو مجھ پر فضیلت دی ہے، لہٰذا اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں چند افراد کے سوا تمام اولاد آدم کی زندگی اجاڑ کر رکھ دوں گا۔ ان چند افراد سے انبیاء کرام اور ان کے سچے متبعین مراد ہیں جیسے صحابہ و تابعین و صالحین وائمہ دین۔ گویا شیطان کتنا بے حیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ پر اعتراض کر رہا ہے، کہہ رہا ہے کہ اے اللہ تو نے آدم کو مجھ پر کیوں فضیلت دی ہے؟ اب میں اس کا بدلہ لوں گا اور آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔

اب اگر اللہ رب العزت چاہتا تو شیطان کو قیامت تک مہلت ہی نہ دیتا۔ مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف تھا اللہ نے چاہا کہ شیطان کو قیامت تک مہلت دی جائے اور وہ انسانوں کو ورغلائے، تاکہ انسان کی آزمائش ہو کہ وہ رحمان کی بات مانتا ہے یا شیطان کی۔ اسی امتحان کے لیے انسان کو بنایا گیا ہے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

اللہ نے فرمایا جا (زور لگالے) ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہوگی جو پوری سزا ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اور تو اپنی آواز کے ذریعے ان میں سے جسے بہکا سکتا ہے بہکا لے اور ان پر اپنے سواروں

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ

اور پیادوں کے ساتھ حملہ آور ہوجا اور ان کے اموال و اولاد میں شرکت کر اور انہیں وعدے دلا اور شیطان انہیں

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى

جھوٹے وعدے ہی دلاتا ہے۔[61] بیشک میرے (مخلص) بندوں پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا اور تمہارا رب

بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ

بطور کارساز کافی ہے۔[62] تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل

فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾

تلاش کرو بے شک وہ تم پر رحم فرمانے والا ہے۔[63]

[61] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان! جو لوگ تیری پیروی کریں گے ان کی سزا جہنم ہوگی لہٰذا تو اپنی آواز کے ذریعے جن کو بہکا سکتا ہے بہکالے اور ان پر اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوجا اور ان کے اموال و اولاد میں شریک ہوجا۔ یاد رہے جو مال حرام ذریعہ سے کمایا جائے اور حرام جگہ صرف کیا جائے اور جو اولاد زنا سے پیدا ہو اس میں شیطان شریک ہے۔ اسی طرح ہر کافر نسل کا اپنی اگلی نسل کو کافر بنانا گویا ان میں شیطان کو شریک کرنا ہے۔ اسی طرح اولاد کو دین کی تعلیم سے دور رکھنا انکی اسلامی تربیت نہ کرنا اور یوں انہیں بے نمازی، بے حیاء اور بدکردار بنا دینا بھی اسی معنی میں ہے کہ ان میں شیطان کو شریک کر دیا گیا۔ الغرض شیطان کو مال اولاد میں شریک کرنا کئی معانی میں ہے۔

موسیقی شیطان کی آواز ہے

جبکہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کے تحت سوال ہے کہ شیطان کی آواز کیا ہے جس سے وہ

لوگوں کو بہکاتا ہے شیطان کی آواز تو کسی نے کبھی نہیں سنی؟ اس کا جوب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد نے اس جگہ شیطان کی آواز سے طبلہ، سارنگی اور گانا بجانے کی آواز مراد لی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۳۲ روایت ۱۳۳۳۱ مطبوعہ مکہ مکرمہ) یعنی گانے کی آوازیں انسان کو شیطان کی طرف لیجاتی ہیں۔

اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الجرس مزمار الشیطان، ''گھنگرو شیطان کا گانا ہے۔'' (مسلم کتاب اللباس حدیث ۱۰۴)

اور اگر اس کے ساتھ بے حیائی والا کلام ہو تو حرام بالائے حرام ہے۔ قرآن میں ہے: قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ، ''آپ فرمادیں کہ میرے رب نے بے حیائی کی باتیں حرام کی ہیں۔'' (اعراف: ۳۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتدخل الملائکة بیتافیه جرس۔ ''جس گھر میں گھنگرو جھنکیں وہاں فرشتہ رحمت داخل نہیں ہوتا۔'' (مسلم، ابوداؤد)

افسوس آج قریباً ہر گھر میں ریڈیو ٹی وی کے ذریعے گانوں کی آوازیں گونج رہی ہیں اور گھنگرو جھنک رہے ہیں۔ اس موضوع پہ مفصل کلام سورہ لقمان کے پہلے رکوع کے تحت آرہا ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

یاد رہے گمراہ کن لیڈروں کے خطابات اور اللہ سے دور کرنے والی ہر آواز بھی شیطانی آواز ہے، جو انسانوں کو کھینچ کر شیطان اور جہنم کی طرف لیجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

[62] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شیطان! تم سارا زور لگالو مگر میرے مخلص بندے تیرے قابو میں نہیں آئیں گے۔ اس کا سب سے بڑا مصداق انبیاء کرام ہیں پھر انبیاء کے سچے متبعین۔ اس میں انبیاء کی عصمت کی طرف اشارہ بھی ہے، کیونکہ انبیاء کا اللہ کے مخلص بندوں میں شامل ہونا قطعی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۲۴﴾ ''بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔'' (یوسف، ۲۴) امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ جب شیطان نے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے قیامت تک مہلت مانگی تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! میری اولاد شیطان سے کیسے بچ سکے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ لگاؤں گا جو اسے نیکی کی راہنمائی کرے گا اور اس کی موت تک اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔ (تفسیر بغوی جلد صفحہ ۱۶۸)

مشرکین کو شرک سے باز رکھنے کی حکیمانہ تلقین

[63] یعنی اے لوگو! یہ بے روح و بے حرکت بت تمہارے خدا نہیں ہیں۔ تمہارا رب تو وہ ہے جس نے سمندر میں کشتیاں چلائیں تاکہ تم ان کے ذریعے ملک ملک کا سفر کرکے اللہ کا فضل یعنی رزق حلال اور علم نافع حاصل کرو۔ گویا یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے ہزاروں ٹن وزنی بحری جہاز پانی پر چلا دیئے۔ انسان کو اس عظیم نعمت خداوندی کا شکر بجالا کر اس کے آگے سجدہ ریز ہونا چاہیے اگر بحری جہاز نہ ہوتے تو ہر علاقہ کے لوگ اپنی حدود میں بند ہو کر رہ جاتے۔ آج ہوائی

جہازوں کے باوجود لاکھوں ٹن وزنی اموال تجارت، پٹرول اور غذائی مواد بحری جہازوں ہی کے ذریعے تمام دنیا میں پہنچ رہا ہے۔ آج بھی اگر بحری جہاز نہ ہوں تو انسانی زندگی کا پہیہ جام ہو جائے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ سے معلوم ہوا حصول رزق حلال کے لیے دور دراز کا سفر کرنا اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ اور یہ توکل، زہد اور ترک دنیا کے خلاف نہیں۔ ہاں اگر اس تجارت میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی جائے تو وہ ناجائز ہے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

اور جب تمہیں سمندر میں مصیبت آتی ہے تو تم جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ گم ہو جاتے ہیں پھر جب اللہ تمہیں خشکی کی طرف

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ

بچا لاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ناشکرا ہے۔ [64] کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ اللہ تمہیں کسی کنارۂ خشکی میں

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿۶۸﴾ لا

دھنسا دے یا تم پر پتھر برسائے پھر تم اپنا کوئی حمایتی نہ پاؤ۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ

یا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ تمہیں سمندر میں دوبارہ لے آئے پھر تم پر ہوا کا

الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ لا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

طوفان چلا دے اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر ڈالے پھر تم اس پر ہم سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہ پاؤ۔ [65]

[64] جب سمندر کے سفر کی بات چلی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مشرکو! جب سمندری سفر میں تم طوفان میں گھر جاتے ہو تو تمہارے جھوٹے خدا جن کی تم پرستش کرتے ہو تم سے گم ہو جاتے ہیں یعنی تمہارے کچھ کام نہیں آتے اس وقت تم صرف اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہو پھر جب اللہ تمہاری فریاد سن کر تمہیں کنارے پہنچا دیتا ہے تو تم پھر شرک شروع کر دیتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ''اللہ وہ ہے جو تمہیں خشکی و سمندر میں چلا رہا ہے۔ چنانچہ جب

تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ عمدہ ہوا کے ذریعے تمہیں لے کر چلتی ہیں اور لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں تو اچانک ان پر طوفانی ہوا آ جاتی ہے اور ہر طرف سے لہریں اٹھتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ گھر گئے ہیں۔ اس وقت وہ اللہ کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے ہیں کہ اے اللہ! اگر تو ہمیں اس مصیبت سے بچا لے تو ہم شکرگزار بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ انہیں بچا لیتا ہے تو وہ زمین میں سرکشی شروع کر دیتے ہیں۔'' (یونس:۲۲)

مشکل میں انبیاء و اولیاء سے استغاثہ کا جواز

ان آیات سے بعض لوگ غلط استدلال کرتے ہوئے مصائب میں انبیاء و اولیاء سے استغاثہ کرنے اور ان کے وسیلہ سے اللہ سے فریاد کرنے کو کفر و شرک سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ ان کا غلط استدلال ہے۔ امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد کتاب الحج میں حاضری مدینہ طیبہ کے ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری توجہ اس کی طرف لوٹاتا ہے اور میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' (ابوداؤد کتاب المناسک باب ۶۹) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث کے متعلق شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سلام کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر سلام کا جواب دیتے ہیں اور آپ کی توجہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اگر ایک ارب مسلمان تمام اطراف عالم سے آپ پر سلام بھیجیں تو آپ بیک وقت سب کی طرف توجہ فرماتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (مواہب لدنیہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۶ مقصد ۱۰ فصل ۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ بیروت)

لہٰذا اگر کوئی شخص مصیبت میں گھر کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ کہہ کر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو یقیناً آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اگر وہ آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آپ اس کے لیے دعا فرمائیں تاکہ اللہ اس کی مصیبت دور کر دے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رحیم و کریم آقا اس کے لیے دعا نہ کریں اور آپ کی دعا سے زیادہ کس کی دعا مستجاب ہے۔ جب آپ دعاء کر دیتے ہیں تو سب بیڑے پار ہو جاتے ہیں اور انبیاء و اولیاء سے استغاثہ کا یہی مفہوم ہے۔

اور یہاں وہ حدیث بھی پیش نظر رکھنی چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کی سواری گم ہو جائے اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی اس کا مددگار نہیں تو وہ یوں پکارے اے اللہ! کے بندو میری مدد کرو، تو اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے (اور وہ تمہاری مدد کرتے ہیں)'' (المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۷ صفحہ ۸۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) تو ان احادیث کی روشنی میں انبیاء و اولیاء کو مدد کے لیے پکارنے کو شرک کہنا دین میں زیادتی ہے۔ تاہم احسن طریقہ یہی ہے کہ مصائب میں اللہ کو پکارا جائے اور اس کے مقرب بندوں کا وسیلہ پیش کیا جائے۔

[65] سمندری طوفانوں میں گھر کر اللہ کو پکارنے اور کنارے پر پہنچ کر اللہ سے بے خوف ہو کر اس کے ساتھ شرک

کرنے والے مشرکوں سے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کیا تم کو اللہ خشکی میں زمین میں نہیں دھنسا سکتا یا دوبارہ سمندر میں لا کر غرق نہیں کرسکتا؟ بلکہ وہ تم پر آسمان سے پتھر برسا سکتا ہے پھر تم اس سے بے خوف کیوں ہو جاتے ہو اور کیوں دوبارہ شرک کرنے لگتے ہو؟

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

اور ہم نے بلاشبہ بنی آدم کو عزت بخشی اور انہیں خشکی و سمندر میں سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

رزق دیا اور اپنی مخلوق میں سے اکثر پر واضح فضیلت دی۔[66]

ع

[66] یعنی اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے یہ قوت دی ہے کہ وہ خشکی اور سمندر میں لمبے لمبے سفر کرتا ہے اور یوں اللہ اسے تجارت کے ذریعہ رزق عطا فرماتا ہے، یوں اللہ نے انسان کو اپنی مخلوق میں سے کثیر پہ فضیلت دی ہے۔ یہاں علٰی کثیر میں کثیر بمعنی کُل ہے۔ جیسے شیطانی گروہ کے بارے میں کہا گیا۔ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ (شعراء: ۲۲۳) حالانکہ تمام شیاطین کاذب ہیں تو اکثر بمعنی کل آتا ہے۔ یاد رہے انسان کا تمام مخلوقات سے اشرف ہونا ایمان اور تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔'' (بینۃ: ۷) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿٤﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (تین: ۴)

معلوم ہوا انسان ایمان و عمل صالح کے ساتھ تمام مخلوق سے احسن تقویم میں ہے ورنہ تمام مخلوق سے اسفل سافلین میں ہے، لہذا عزت و فضیلت کا معیار اللہ کے ہاں ایمان و حسن اعمال ہے نہ کہ حسن و جمال اور مال و منال۔ اگر کہا جائے کہ ایمان اور تقویٰ تو فرشتوں میں بھی ہے بلکہ حتمی و قطعی ہے پھر انسان فرشتوں سے افضل کیوں ٹھہرا؟ اور اسے اللہ نے تمام مخلوق سے مکرم کیوں ٹھہرایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا ایمان و تقویٰ اختیاری نہیں اضطراری ہے۔ اس میں ان کی اپنی مرضی شامل نہیں لہٰذا اس میں کوئی وجہ فضیلت نہیں، اگر اندھا کہے کہ وہ کسی عورت کو بری نظر سے نہیں دیکھتا تو یہ کچھ وجہ فضیلت نہیں کیونکہ اس میں اس کی مرضی شامل نہیں، فضیلت تو انسان کے ایمان اور تقوی میں ہے جس کو وہ اپنی مرضی و اختیار سے اپناتا ہے۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے دلائل

انسان پر دیگر مخلوقات کی نسبت اللہ کی مزید خصوصی نوازشات یہ ہیں کہ اسے عقل دی گئی۔ سب سے خوبصورت شکل

دی گئی، بلکہ حدیث میں ہے اللہ نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب اول) علامہ عینی نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی طرح سمیع، علیم، بصیر، متکلم اور مختار بنایا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) پھر انسان کو کھڑی قامت دی گئی جس کی وجہ سے وہ زمین پہ منہ رکھ کر نہیں کھاتا جیسا کہ دوسرے جانور کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنا لقمہ منہ میں ڈال لیتا ہے اور اسے متکلم بنایا گیا۔ الغرض بلا شبہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ نے پہلے انسان آدم علیہ السلام کے آگے سب فرشتوں سے سجدہ کروایا اور باقی سب مخلوق سے فرشتے افضل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام قوتوں کا جامع بنا دیا ہے، پتھر ہر قسم کی قوت سے عاری ہیں، درختوں میں صرف قوتِ نمو ہے، جانوروں میں اس کے ساتھ قوت حرکت بالارادہ بھی ہے اور کچھ نہیں، فرشتوں میں سب کچھ ہے مگر ان میں یہ قوت نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکیں، وہ حکم کے پابند ہیں، اس سے ہٹ نہیں سکتے۔ انسان کو سب قوتوں کا جامع بنا دیا گیا ہے، اگر وہ ان قوتوں کو نیکی میں صرف کرے تو اللہ سے انعام پاتا ہے برائی میں استعمال کرے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
یاد کرو جس دن ہم گروہ کو ان کے امام کے ساتھ پکاریں گے تو جسے اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ لوگ
يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ
اپنی کتاب (شوق سے) پڑھیں گے اور ان پر برابر ظلم نہ ہوگا۔ [67] اور جو اس زندگی میں اندھا ہے وہ
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ تر ہوگا۔ [68]

قیامت کی منظر کشی اور درسِ استقامت

[67] روز قیامت ہر گروہ یا ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اب امام سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند تفاسیر ہیں۔

اول: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت میں امام سے نبی مراد ہے یعنی ہر امت کو روز قیامت اس کے نبی کے ساتھ پکارا جائے گا مثلاً کہا جائے گا اے اُمتِ موسیٰ علیہ السلام! اے اُمتِ عیسیٰ علیہ السلام، اے اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (تفسیر ابن ابی حاتم)

دوم: بعض نے کہا یہاں امام بمعنی کتاب (اعمال نامہ) ہے جیسے قرآن میں ہے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ

اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ﴿۱۲﴾ ''ہم نے ہر شئی کو کتاب مبین میں گھیر رکھا ہے۔'' (یٰس:۱۲)

یعنی ہر شخص کو روز قیامت اس کے اعمال نامہ کے ساتھ پکارا جائے گا۔ یعنی اگر کسی کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا تو اسے جنت کی طرف اور اگر بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو جہنم کی طرف بلایا جائے گا۔ اسی لیے اس آیت میں آگے فرمایا گیا کہ جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ اسے بہت خوشی سے پڑھیں گے، بلکہ اس مفہوم کی ایک حدیث بھی ترمذی میں موجود ہے۔

سوم: اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے ذریعے کسی کو ہدایت یا گمراہی ملے اسے اپنے اسی پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا کیونکہ بعض ہدایت کے امام ہیں بعض گمراہی کے۔ قرآن میں ہے: وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا۔ یعنی ''انبیاء کو ہم نے ایسے امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں۔'' (انبیاء:۷۳)

جب کہ گمراہی کے اماموں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ''اور ہم نے (فرعون اور اس جیسے لوگوں کو) امام بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔'' (قصص:۴۱) چنانچہ ہدایت کے ائمہ میں پہلے انبیاء ہیں پھر اس میں ہر دور کے دینی رہنما جیسے علماء ربانیین اور مشائخ طریقت آتے ہیں اور گمراہی کے ائمہ میں باطل فرقوں کے رہنما آتے ہیں۔ گویا جس بھی شخص نے ہدایت پھیلائی وہ روز قیامت اپنے پیروکاروں کے ساتھ آئے گا اور جس نے گمراہی پھیلائی وہ اپنے متبعین کے ساتھ آئے گا اور یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ وارد ہوا ہے، جیسے: يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا﴿۸۵﴾ (سورہ مریم، آیت:۸۵) وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا (سورہ زمر، آیت:۷۳)

کیا یہ آیت شیعوں کے بنائے ہوئے بارہ اماموں کی امامت پہ نص قطعی ہے؟

شیعہ لوگ بارہ ائمہ اہل بیت کو منصوص من اللہ امام سمجھتے ہیں کہ جو ان کی امامت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ چنانچہ شیعہ لوگ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر تصور کرتے ہیں اور جب انہیں قرآن میں سے ان ائمہ کی امامت پہ کوئی نص نہیں ملتی تو وہ لاچار ہو کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ کو بھی اپنے دعویٰ پہ بطور دلیل لاتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کی تفسیر ہم بتا چکے، اس کی روشنی میں اس آیت کا شیعوں کی مزعومہ امامت منصوصہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر شیعوں کی یہ حالت بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ بارہ اماموں کی امامت ان کے نزدیک عقیدہ قطعیہ ہے جس کا منکر ان کے نزدیک کافر ہے خواہ سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد ہی سے کیوں نہ ہو۔ (اصول کافی صفحہ ۱۲۲ کتاب الحجۃ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف) اسی عقیدہ امامت کے نہ ماننے کے سبب ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام اور تمام اہل بیت معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کافر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے مقرر کردہ اور منصوص من اللہ امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو خلافت دیدی۔ مگر جب شیعوں سے پوچھا جاتا ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی امامت پر

قرآن سے وہ نص قطعی لاؤ جس کے نہ ماننے سے معاذ اللہ صحابہ کرام مسلمان نہ رہے تو وہ یہ آیت لے آئے: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ اب ہر شخص انصاف کرسکتا ہے کہ اس آیت میں کونسی نص قطعی ہے۔

قرآن نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ اب خود قرآن کہہ رہا ہے کہ گمراہی کے امام بھی ہوتے ہیں، فرعون اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ ''ہم نے انہیں امام بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔'' (قصص،۴۱) گویا فرعون اور دیگر گمراہ کن لیڈروں کے پیروکاروں کو ان کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ایسے ہی جو ھدایت کے امام ہیں ان کے پیروکاروں کو ان کے ساتھ بلایا جائے گا، تو پھر یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ میں شیعوں کے بنائے ہوئے بارہ اماموں کے لیے کونسی نص قطعی ہے جس کا منکر کافر ہو جائے، بس اللہ ہی ہدایت دے تو ہدایت مل سکتی ہے۔

[68] یعنی جو دنیا میں دل کا اندھا اور گمراہ ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا کیونکہ وہاں ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ جو دنیا میں دل کا اندھا یعنی گمراہ ہے وہ آخرت میں حقیقتاً اندھا اٹھایا جائے گا، جیسے قرآن میں ہے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ ''جس نے میرے ذکر (قرآن) سے اعراض کیا۔ اس کے لیے زندگی تنگ کردی جاتی ہے اور ہم اسے روز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے اللہ! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔ میں تو بینا تھا؟ اللہ فرمائے گا یونہی تیرے پاس ہماری آیات آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا تو اسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔'' (طٰہٰ: ۱۲۴)

وَ اِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ۖ

اور بیشک قریب تھا کہ کفار آپ کو اس وحی کے بارہ میں آزمائش میں ڈال دیتے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے

وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ۞ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ

تا کہ آپ اس کے علاوہ ہماری طرف منسوب کر دیں تب وہ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ بناتے تو ممکن تھا

شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا ۞ ۙ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ

آپ ان کی طرف تھوڑا جھک جاتے تب ہم آپ کو زندگی اور موت کا دوگنا ذائقہ چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں اپنا

عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ۞ وَ اِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ

کوئی مددگار نہ پاتے۔[69] اور قریب تھا کہ وہ آپ کو سرزمین مکہ سے پھسلا دیتے تا کہ آپ کو

مِنۡهَا وَ اِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۞ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ

وہاں سے نکال دیں اور تب وہ آپ کے پیچھے زیادہ مدت نہ ٹھہرتے۔ یہ ان رسولوں کا دستور رہا ہے جو ہم نے

مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۞ ع

آپ سے پہلے بھیجے اور آپ ہمارے دستور میں تبدیلی نہیں پائیں گے۔[70]

ع ۸ ۸

[69] کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو شدید جسمانی و ذہنی ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کو کئی طرح کا لالچ بھی دینے کی کوشش کرتے تھے تا کہ آپ دعوتِ توحید و رسالت سے باز آ جائیں ان کا مطالبہ تھا کہ آپ ان کے بتوں کے خلاف کچھ نہ کہیں اور اپنے قرآن میں ایسی تبدیلی کر لیں کہ وہ ان کے لیے بھی قابل قبول ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ ''آپ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اسی میں تبدیلی کر لیں۔'' (یونس:۱۵) اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا یعنی اس منصب رسالت پر کھڑا نہ کیا ہوتا جس کی بدولت ایک انسان مرضی خدا کے خلاف ایک لفظ نہیں بول سکتا تو ممکن تھا آپ کفار کے مطالبہ کی طرف کچھ جھک جاتے۔ ایسے میں وہ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔

معلوم ہوا آپ کفار کے کسی مطالبہ کی طرف ذرا سا مائل بھی نہیں ہوئے۔ اس سے ایک نبی کی حق پر استقامت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے یہ درس بھی حاصل ہوا کہ کفار کی خوشنودی کے لیے دین میں کسی طرح کی تبدیلی جائز نہیں۔ جیسے آج

امریکہ کی طرف سے دباؤ ہے کہ جہاد سے دست بردار ہو جاؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے حبیب ﷺ! اگر بالفرض آپ کفار کے مطالبہ کی طرف کچھ جھک جاتے تو ہم آپ پر دنیا و آخرت میں دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا پکڑ کرتے۔ کیونکہ جس کا جتنا بڑا منصب ہو اس کے لیے پکڑ بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ توفیقِ الٰہی سے ہی استقامت ملتی ہے۔

[70] حضور ﷺ کو کفار نے اس قدر تکالیف پہنچائیں کہ قریب تھا وہ آپ کو از خود مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیتے مگر آپ حکم الٰہی کے منتظر رہے تا آنکہ اللہ نے آپ کو شہر مکہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کفار نے آپ کو اپنا شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو وہ آپ کے بعد زیادہ عرصہ اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے کیونکہ پہلے انبیاء و رسل سے یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی نبی کفار کی ایذاؤں کے سبب ان کے شہر سے نکلتا تو بعد میں اس قوم پر اللہ کی پکڑ آ جاتی۔ چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا، بدر میں کفار مکہ کا غرور خاک میں ملا دیا گیا پھر صرف آٹھ برس میں ان کا اقتدار ختم کر کے مکہ پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ
(اے پیارے رسول ﷺ) سورج ڈھلنے سے رات گہری ہونے تک نماز قائم کریں اور نماز فجر (بھی) ادا کریں بے شک
الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰٓى اَنْ
نماز فجر پہ (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے۔ [71] اور رات کو جاگ کر تہجد پڑھیں جو آپ کے لئے زائد فرض ہے۔ قریب ہے کہ
يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹
آپ کا رب آپ کو مقام حمد پر اٹھائے گا۔ [72]

نماز پنجگانہ و تہجد اور عظمت رسالت و قرآن کا بیان

[71] گزشتہ آیات میں حضور سید عالم ﷺ کے خلاف کفار کی ریشہ دوانیاں بیان کی گئیں۔ اب آپ کو اللہ رب العزت نماز کے ذریعے مدد الٰہی حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ تاکہ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ کا جلوہ نمودار ہو، تو فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ سورج ڈھلنے سے رات کے گہرا ہونے تک نماز ادا کریں۔ یہ معنی نہیں کہ اتنا وقت نماز ہی میں کھڑے رہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ سورج کے ڈھلنے کے بعد پہلے نماز ظہر پڑھیں پھر وقفہ وقفہ سے عصر و مغرب ادا کریں۔ پھر جب رات خوب گہری ہو جائے اور مکمل تاریکی چھا جائے تب عشاء پڑھیں۔ آگے فرمایا۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ فجر کا قرآن (یعنی فجر کی نماز) بھی قائم کریں۔ گویا پہلے دن کی نمازیں بیان کی گئیں پھر رات کی نمازیں۔

آخر میں فرمایا: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ کہ فجر کے قرآن پر یعنی نماز فجر پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ نماز فجر پر جمع ہوتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝

(بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل)

وقت عشاء شفق ابیض کے غروب سے شروع ہوتا ہے

غروب آفتاب کے بعد کنارہ آسمان سرخ ہوتا ہے اسے "شفق احمر" کہتے ہیں پھر تھوڑی دیر کے لیے ہلکی سفیدی آتی ہے اسے "شفق ابیض" کہتے ہیں اس کے بعد رات کی گہری تاریکی شروع ہوتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب سے عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔ باقی تینوں ائمہ اور احناف میں سے صاحبین رضی اللہ عنہم شفق احمر سے عشاء کے وقت کا آغاز کرتے ہیں جبکہ یہ الفاظ (اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ) امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید کرتے ہیں کیونکہ غسق کا معنی رات کا خوب تاریک ہونا ہے کہتے ہیں: غَسَقِ الَّيْلِ یعنی رات بہت تاریک ہوگئی۔ (المنجد)

تو آیت کا معنی یہ ہے کہ رات کے خوب تاریک ہونے تک نمازوں کے قیام کا سلسلہ جاری رکھو۔ تو جو شخص رات کے خوب تاریک ہونے سے قبل یعنی شفقِ ابیض ہی میں نماز عشاء سے فارغ ہوگیا اس نے غَسَقِ الَّيْلِ کا لحاظ نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہ ہوئی وہ دوبارہ عشاء پڑھے۔ یہی قول قوی تر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

برطانیہ میں گرمی کے دنوں میں نمازِ عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

البتہ یہاں برطانیہ میں 13 مئی سے جولائی کے آخر تک قریباً اڑھائی ماہ ایسے ہوتے ہیں جن میں رات تاریک ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ملک خطِ استواء سے غیر معتدل حد تک شمال کی طرف ہٹا ہوا ہے اور گرمیوں میں زمین کا جھکاؤ جنوب کی طرف ہوتا ہے، اس لیے سورج افق سے اتنا نیچے نہیں جاتا کہ رات تاریک ہوسکے اور غَسَقِ الَّيْلِ کا مفہوم پایا جائے۔ تو ان ایام میں غسق اللیل کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ ان ایام میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے قول پہ عمل کرتے ہوئے شفق احمر یعنی مغرب کی سرخی کے غائب ہونے پہ نمازِ عشاء پڑھی جاسکتی ہے اور اگر سرخی بھی غائب ہوتی نظر نہ آئے تو 13 مئی کو غروب شفق ابیض اور غَسَقِ الَّيْلِ کے آنے کا جو وقت تھا اسی کو جاری رکھا جائے تا آنکہ ماہ جولائی ختم ہوجائے اور غسق اللیل کا پایا جانا شروع ہوجائے۔

اس کی مثال حدیث دجال ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کا پہلا دن ایک برس کا ہوگا، دوسرا دن ایک ماہ کا تیسرا دن ایک ہفتے کا اور اس کے بعد ہر دن عام ایام جیسا ہی ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان دنوں میں ہم نمازیں کیسے پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا: اُقْدُرُوا لَهُ، تم وقت کے لیے اندازہ کر لینا۔ (ابوداود کتاب الملاحم باب ۱۴، مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۰) تو جیسے ایام دجال میں وقت کے اندازے سے نماز پڑھی جائے گی، یونہی مذکورہ دنوں میں نماز عشاء کے لیے وقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تلاوتِ قرآن نماز کا اہم ترین رکن ہے

نماز فجر کو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ کہہ کر یاد کیا گیا۔ یعنی تلاوت قرآن نماز کا اس قدر اہم جز ہے کہ اس کے ساتھ پوری نماز کو تعبیر کیا گیا۔ اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص مثلاً سو رکعات نفل پڑھے دوسرا آدمی اتنے وقت میں دو نفل ادا کرے اور زیادہ تلاوت قرآن کرے تو اسے سو رکعات سے زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ اس نے قرآن زیادہ پڑھا۔ اس سے عظمت قرآن معلوم ہوئی۔

[72] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ نماز پنجگانہ کے علاوہ رات کو اٹھ کر تہجد بھی پڑھا کریں یہ آپ پر ایک زائد فرض ہے اور یہ اس لیے بڑھایا گیا ہے تاکہ آپ کا رب آپ کو روز قیامت مقامِ محمود پر کھڑا کرے۔ یعنی ایسے مقام پر کھڑا کرے جہاں سب مخلوق آپ کی حمد (تعریف) کہے۔

مقامِ محمود کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ روز قیامت سورج اس قدر قریب آ جائے گا کہ لوگ آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوب جائیں گے۔ ایسے میں لوگ آدم علیہ السلام سے مدد مانگیں گے پھر موسیٰ علیہ السلام سے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگیں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دروازہ کا کنڈا کھٹکھٹائیں گے (اور آپ کے لیے باب شفاعت کھول دیا جائے گا)۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور سب اہل حشر آپ کی تعریف و توصیف پکار اٹھیں گے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ باب ۵۲) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے روز قیامت سبز حلہ پہنا کر بلند جگہ کھڑا کیا جائے گا اور مجھے اذن شفاعت دیا جائے گا تو یہ مقام محمود ہے۔''

(ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۴۳۲ حدیث ۱۳۳۱ ۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز قیامت سب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے آج میں یہ کام نہیں کر سکتا، تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ خلیل اللہ ہیں۔ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے آج میں یہ کام نہیں کر سکتا، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ لوگ ان کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے میں یہ کام نہیں کر سکتا تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے، میں یہ کام نہیں کر سکتا ولکن علیکم بمحمد، مگر تم محمد ﷺ

کے پاس چلے جاؤ۔لوگ میرے پاس آئیں گے، میں کہوں گا: اَنَا لَھَا میں اسی کے لیے ہوں۔

نبی پاک صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا: ''تب میں بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو کر اذن مانگوں گا، مجھے اذن دیا جائے گا اور میرا رب مجھے ایسی حمدیں بتائے گا جو مجھے اسوقت یاد نہیں ہیں، تو میں وہ حمدیں بجالاؤں گا اور اللہ کے حضور سجدہ کروں گا۔ تب اللہ فرمائے گا: یا محمد اِرفع رأسَك وقل يُسمع لك وسل تُعطَ واشفَع تُشفّع۔ اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھائیں، آپ بات کہیں آپ کی بات سنی جائے گی، آپ مانگیں آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت فرمائیں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔'' (بخاری کتاب التوحید حدیث ۷۵۱۰، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۳)

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مقام محمود کے عطا کیے جانے کی امید دلائی ہے اور یہ اللہ کی شان رحمت سے بعید ہے کہ وہ اپنے حبیب کو ایک عظیم نعمت کی امید دلائے پھر وہ انہیں عطا نہ فرمائے۔ گویا آپ کو مقام محمود ضرور عطا فرمایا جائے گا مگر بایں ہمہ جو شخص آپ کو مقام محمود کے دیئے جانے کی دعا کرے۔ وہ روز قیامت آپ کی خصوصی شفاعت کا حقدار ٹھہرے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعا کرے: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت سيدنا محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذی وعدته۔ اے اللہ! اس دعوتِ کاملہ (اذان) اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک! تو محمد مصطفی ﷺ کو وسیلہ وفضیلت اور مقام محمود عطا فرما۔ تو اس شخص کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔'' (ترمذی کتاب الصلوۃ باب ۴۳) گویا عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ کا انداز اس لیے اپنایا گیا تاکہ آپ کی امت آپ کے لیے مقام محمود کی دعا کر کے آپ کی شفاعت کی حقدار بنے۔

حضور سید کائنات ﷺ پر نمازِ تہجد فرض تھی

اس آیت میں اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ کہہ کر پہلے نماز پنجگانہ کی فرضیت بتائی گئی اس کے بعد وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ کہہ کر نماز تہجد کی فرضیت بتائی گئی۔ اب اگر اس کے بعد نَافِلَةً لَّكَ ۖ نہ فرمایا جاتا تو سب مومنوں پر نماز تہجد فرض ہو جاتی مگر نَافِلَةً لَّكَ ۖ نے بتا دیا کہ تہجد کی فرضیت صرف حضور ﷺ کے لیے بڑھائی گئی ہے۔ تو تہجد کی نماز آپ پر فرض ہے اور امت کے لیے آپ کی سنت۔

نمازِ تہجد کی فضیلت

تہجد کے ساتھ فرمایا گیا: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ گویا تہجد کی برکت سے روز قیامت بلندی درجات حاصل ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہو۔ کھانا کھلایا کرو، رشتہ داروں سے حسن سلوک رکھو، جب رات کو لوگ سو جائیں تو تم اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔'' (ترمذی کتاب القیامہ باب ۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''رمضان کے بعد سب سے افضل مہینہ محرم ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد ہے۔''
(مسلم کتاب الصیام حدیث ۲۰۲)

تہجد کے لیے سوکر اٹھنا ضروری ہے

فرمایا گیا: وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ اور رات سے تہجد کرو، تہجد کا لغوی معنی ہی نیند سے بیدار ہونا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں ھجدتہ فَتَہَجَّدَ میں نے اسے نیند سے جگایا تو وہ جاگ گیا (منجد) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ خواب سے اٹھ کر ہی نماز تہجد پڑھی۔ تاہم اگر کسی وجہ سے کوئی رات کو سو نہ سکے تو اسے تہجد کی جگہ چند نوافل پڑھ لینا چاہیں تاکہ تہجد کی پابندی میں خلل نہ آئے اور سستی کو راہ نہ ملے۔ نماز تہجد کی رکعات کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ یہ سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔ اعتکاف کی طرح اگر بستی میں سے ایک شخص تہجد پڑھ لے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوگئی ورنہ سب تارک سنت کہلائے، بعض نے اسے مطلقاً سنت موکدہ کہا ہے جیسے قاضی ثناء اللہ، مگر یہ درست نہیں۔

وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ

اور آپ دعا کریں اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ

لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ

نکال لا اور میرے لئے اپنی طرف سے مددگار غلبہ عطا فرما۔[73] اورآپ فرما دیں کہ حق آ گیا

الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ

اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔[74] اور ہم قرآن اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء

لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی

و رحمت ہے اور وہ کفار کے نقصان میں اضافہ ہی کرتا ہے۔[75] اور جب ہم انسان پر انعام فرمائیں تو وہ

الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ کَانَ یَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ

منہ پھیر لیتا اور اپنی سمت میں دور چلا جاتا ہے اور جب اسے برائی آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔آپ فرما دیں کہ

کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰی سَبِیۡلًا ﴿۸۴﴾ ع

ہر کوئی اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے تو تمہارا رب راہ ہدایت پر بہتر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔[76]

ع ۹

[73] اکثر مفسرین نے اس جگہ حضور ﷺ کا مکہ مکرمہ سے نکلنا پھر واپس فاتحانہ داخل ہونا مراد لیا ہے۔ کیونکہ پہلی آسمانی کتابوں میں آخری نبی کی یہ نشانی لکھی ہوئی تھی کہ اسے اس کے شہر سے نکالا جائے گا پھر وہ اپنے شہر کو فتح کرے گا۔ اسی لیے ورقہ بن نوفل نے پہلی وحی کے نزول پر حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ (بخاری کتاب بدء الوحی) اس لیے آپ کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ اے اللہ! مجھے سچائی کے ساتھ مکہ میں (فاتحانہ) داخل کر اور اس سے قبل مجھے سچائی کے ساتھ یہاں سے لے جا۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ مجھے قبر میں بہتر طریقہ سے داخل کر اور روز قیامت بہتر طریقہ سے نکال۔ یا ہر نیک کام میں اخلاص کے ساتھ داخل کر اور قبولیت کے ساتھ اس سے نکال یعنی ہر نیکی اخلاص کے ساتھ شروع ہو اور قبولیت پر ختم ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں جب مومن کسی نئی جگہ جائے تو یہ دعا پڑھ لے وہ وہاں کی آفات سے محفوظ رہے گا۔ اللہ اسے وہاں حفاظت سے داخل کرے گا اور حفاظت سے نکالے گا۔

آخر میں فرمایا: وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾ یعنی اے اللہ! مجھے تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق میں

اپنی مدد عطا فرما اور کفار پر غالب کر، یا ہر نیکی میں نفس وشیطان کے مقابلہ میں مجھے مدد اور غلبہ عطا فرما۔

[74] یعنی جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لے آئے تو حق آ گیا۔ باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی والا ہے۔ قرآن نے یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی جب لات ومنات کے پجاری یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ اسلام کا چراغ آج بجھا یا کل بجھا۔ مگر یہ پیش گوئی فتح مکہ پر پوری آب وتاب سے پوری ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور آپ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ نصب شدہ بتوں میں سے جس بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے وہ منہ کے بل نیچے آ گرتا اور آپ فرماتے: جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾ (درمنثور بروایت طبرانی صغیر، جلد ۵ صفحہ ۳۳۰)

اس سے صداقت قرآن معلوم ہوئی کہ اس نے جو پیش گوئی کی وہ شدومد سے پوری ہوئی۔ پھر فتح مکہ کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بڑے خطہ پر اسلام کا جھنڈا لہرا اٹھا اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب ساری دنیا پر اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گی۔ جیسے ارشاد ہوا: هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ۙ ''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے ہر دوسرے دین پہ غالب کر دے۔'' (توبہ: ۳۳)

[75] یعنی حق کا آنا اور باطل کا مٹنا یوں وقوع پذیر ہوا کہ قرآن نازل کیا گیا جو مومنوں کے لیے شفا و رحمت ہے۔ قرآن کی شفا یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے انسان کی تمام قلبی واعتقادی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور رحمت یہ کہ اس پر عمل کرنے والے دنیا وآخرت میں رحمتِ الٰہی کے حقدار ٹھہرتے ہیں یعنی قرآن وہ حق ہے جس کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ اللہ رب العزت نے قرآن کو مطلقاً شفاء کہا ہے۔ لہٰذا جہاں یہ قلبی وروحانی (کبر، حرص، نفاق وغیرہ) امراض کی شفاء ہے اسی طرح جسمانی امراض کی بھی شفاء ہے۔ اس پہ ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

قرآنی تعویذات کے لکھ کر لٹکانے اور دم کرنے کا جواز حدیث سے

(۱) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت کسی قوم کے پاس سے گزری۔ انہوں نے اس قوم سے کھانا مانگا، انہوں نے کھانا نہ دیا۔ ان کے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا۔ وہ صحابہ کے پاس آئے، کہنے لگے: کیا تم میں سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے تم سے کھانا مانگا تھا تم نے نہ دیا اب جب معاوضہ کے بغیر دم نہیں کریں گے، انہوں نے بکریوں کی ایک تعداد معاوضہ میں دی، تو ایک صحابی رسول ﷺ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور منہ میں تھوک جمع کر کے اس پہ تھتکارنے لگا۔ وہ شخص اسی وقت صحت مند ہو گیا، صحابہ وہ بکریاں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: وما ادراك انها رقية؛ خذوها واضربوا لی بسهم۔ یعنی تم کیا جانو کہ یہ کتنا بڑا دم ہے، یہ بکریاں رکھ لو اور میرا حصہ بھی بناؤ۔ (بخاری کتاب الطب حدیث ۵۷۳۶)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

صحابہ کی ایک جماعت ایک چشمہ کے پاس سے گزری، جہاں ایک سانپ کا ڈسا ہوا شخص تھا۔ چشمہ والوں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی شخص دم کرنے والا ہے؟ تو صحابہ میں سے ایک شخص نے چند بکریوں کا عوض لے کر سورہ فاتحہ سے دم کیا، وہ شخص اسی وقت درست ہو گیا۔ وہ صحابی بکریوں کو لے کر ساتھیوں کے پاس آئے، انہوں نے اسے ناپسند جانا اور کہا: تم نے کتاب اللہ پہ اجر لیا ہے۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس شخص نے کتاب اللہ پہ اجر لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله. جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں سے کتاب اللہ اجر لینے کی سب سے زیادہ حقدار ہے۔ (بخاری کتاب الطب باب ۳۴ حدیث ۵۷۳۷)

(۳) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

کان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مرض احد من اهله نفث علیه بالمعوذات. جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو آپ اس پہ معوذات (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھ کر پھونکا کرتے تھے (دم کیا کرتے تھے) (مسلم کتاب السلام حدیث ۲۱۹۲)

(۴) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر خود پہ پھونکتے تھے۔ پھر جب آپ بیمار ہوئے تو میں آپ کے ہاتھوں میں پھونک کر آپکے ہاتھ کو آپ کے جسم پہ پھیر دیتی تھی، کیونکہ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ سے بہت زیادہ برکت والا ہے۔" (مسلم کتاب السلام حدیث ۲۱۹۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خواب میں) ڈرنے کے بارے میں یہ کلمات پڑھ کر سونے کی تلقین فرماتے تھے: اعوذ بکلمات الله التامة من غضبه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون. (میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ اس کے غضب، اس کے بندوں کی شر اور شیاطین کے چھونے اور ان کے قریب آنے سے پناہ مانگتا ہوں) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں ان کا تعویذ بنا کر لٹکاتے تھے۔" (ابوداود کتاب الطب حدیث ۳۸۹۳)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا ہے: هذا حديث حسن غريب. یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (ترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۲۸)

اسی حدیث کو امام حاکم نے روایت کر کے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (مستدرک جلد اول صفحہ ۵۴۸) اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت) مسند احمد کے حاشیہ پہ شیخ

احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث صحیح کے مطابق صحابی ابن صحابی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما چھوٹے بچوں کے گلوں میں ان کلمات مقدسہ کا تعویذ لکھ کر لٹکاتے تھے۔

احادیث میں تعویذات کے لٹکانے سے منع بھی کیا گیا ہے، مگر اس سے مراد وہ شرکیہ تعویذات ہیں جو مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام لکھ کر اپنے جانوروں اور بچوں کے گلوں میں ڈالتے تھے۔ رہے قرآنی اور دعائیہ تعویذات تو ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں حافظ ابن حجر، علامہ عینی، ملا علی قاری اور علامہ قسطلانی وغیرہ کی تصریحات موجود ہیں۔

امام قرطبی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: امام مالک نے فرمایا:

لا بأس بتعليق الكتب التي فيها اسماء الله عزوجل على اعناق المرضىٰ على وجه التبرك بها۔ جن تحریرات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ لکھے ہوئے ہوں ان کو بطورِ برکت مریضوں کے گلے میں لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آگے امام قرطبی فرماتے ہیں:

جن احادیث میں تعویذات کے لٹکانے کو شرک کہا گیا ہے یا یہ مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ام ولد کے گلے میں تعویذ دیکھ کر اسے کاٹ دیا تو اس سے وہ تعویذات مراد ہیں جو دور جاہلیت میں کفار کرتے تھے۔ رہا قرآنی تعویذات کا معاملہ تو ان میں کوئی حرج نہیں۔

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تعویذ لکھ کر استعمال کرنے کے جواز پر غیر مقلد علماء کے اقوال

گلے میں تعویذ کے لٹکانے سے غیر مقلدین اہل حدیث علماء منع کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلک اہل حدیث کے پیشوا علماء اس کے جواز کے قائل تھے۔ چنانچہ غیر مقلد عالم شیخ عبد الرحمان مبارک پوری شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اپنی کتاب ''الدین الخالص'' میں لکھا ہے کہ تعویذات کے لٹکانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہما کا فتویٰ جواز کی طرف ہے اور امام باقر اور امام احمد نے تعویذات سے ممانعت والی روایات کو شرکیہ کلمات والے تعویذات پہ محمول کیا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی جلد ۶ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن قیم جوزی جو وہابیہ کے امام شیخ ابن تیمیہ کے چہیتے شاگرد ہیں، نے لکھا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ اپنی پیشانی پہ لکھا کرتے تھے: وقيل يا ارض ابلعي ماءك ويا سماء اقلعي وغيض الماء وقضي الامر۔ ابن جوزی کہتے ہیں، ابن تیمیہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس مریض کی پیشانی پہ یہ آیت لکھی اس کو سر درد سے شفاء ہوگئی۔

(زاد المعاد)

[76] انسان کا یہ عمومی مزاج ہے کہ جب اس پر اللہ فراخی کرے تو وہ غافل ہو جاتا ہے اور جب تنگی کرے تو اللہ سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اس کے علاج کے لیے اسے چاہیے کہ قرآن کی ہدایت پر عمل کرے تا کہ اس کا دل خوشی و غمی اور تنگی و فراخی میں ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر کوئی اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور اسی کو سیدھی راہ سمجھتا ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ کون سیدھی راہ پر ہے اس لیے اس نے قرآن اتار کر سیدھی راہ کی نشاندہی فرمادی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ

اور کفار آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں علم کا تھوڑا حصہ ہی

الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٨٥ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ

دیا گیا ہے۔[77] اور اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اسے واپس لے جائیں پھر آپ

لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝٨٦ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ

اس بارے میں ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ سوا آپ کے رب کی رحمت کے، بیشک آپ پر اس کا

عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝٨٧

بہت بڑا فضل ہے۔[78]

حقیقتِ روح اور عظمتِ قرآن کا بیان

[77] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار یہود نے قریش مکہ سے کہا تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین سوال کرو اگر وہ تینوں کا جواب دیدیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو وہ جھوٹے ہیں اگر وہ ان میں سے دو سوالوں کا جواب دیں اور ایک کا نہ دیں تو وہ سچے نبی ہیں۔ سوالات یہ ہیں: اصحاب کہف کون تھے اور وہ بادشاہ کون تھا جس نے شرق سے غرب تک سفر کیا تھا (یعنی ذوالقرنین) اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ یہود جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روح کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کفار مکہ نے یہ سوالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیے۔ اس کے جواب یہ آیت اتری: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ یعنی حقیقتِ روح کے بارہ میں کچھ نہ بتایا گیا اور سورہ کہف نازل ہوئی جس میں اصحاب کہف اور شاہ ذوالقرنین کے سفر شرق و غرب کی وضاحت کی گئی۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱) یعنی ایک سوال کا جواب نہ دیا گیا دو کا دیدیا گیا۔ اب یہود کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے ظاہر ہونے پر آپ پر ایمان لے آتے مگر یہود بے بہود ایمان نہ لائے اور کفار مکہ کو بھی ایمان سے محروم رکھا۔ اگر اس دور کے یہود ایمان لے آتے تو

آج دنیا کا نقشہ مختلف ہوتا۔

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ کا ایک معنی یہ ہے کہ روح اللہ کے امر یعنی اللہ کے حکم سے ہے کہ اس کے حکم سے آتی اور اس کے حکم سے جاتی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ روح اللہ کے پیدا کردہ عالم امر سے ہے۔ یاد رہے جو چیزیں ہمارے حواس اور عقل میں آتی ہیں یعنی جنہیں ہم دیکھ، سن، پکڑ یا سمجھ سکتے ہیں وہ عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں اور جو چیزیں ہمارے حواس اور عقل میں نہیں آسکتیں۔ جیسے فرشتے، جنت و نار، قیامت، عذاب قبر اور روح وغیرہ، یہ عالم امر سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں انسان نہ محسوس کرسکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے، تو فرمایا گیا کہ روح میرے رب کے عالم امر سے ہے، جسے انسانی عقل سمجھ نہیں سکتی۔ اسی لیے اس جگہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ کہ تمھیں قلیل علم ہی دیا گیا ہے، یعنی اے انسانو! تم عالم امر کی چیزیں نہیں سمجھ سکتے ہو کیونکہ تمہارا علم قلیل تر ہے اور محسوسات تک محدود ہے۔

جسم و روح کا باہمی تعلق

یاد رہے کہ روح عالم امر سے ہے اور جسم عالم خلق سے، روح عالم غیب سے ہے اور جسم عالم شہادت سے، اور روح آسمان سے آتی ہے اور جسم زمین سے اٹھتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک جگہ اکٹھے ہوجاتے ہیں، مگر دونوں کی اپنی اپنی غذا ہے۔ جسم زمین سے ہے تو اس کی غذا بھی زمین سے ہے اور روح آسمان سے ہے تو اس کی غذا بھی آسمانی ہے، جسم کی غذا کھانا پینا ہے اور روح کی غذا قرآن اور ذکرِ رحمان ہے۔ جسم کو غذا نہ ملے تو جسم مردہ ہوجاتا ہے، یونہی روح کو غذا نہ ملے تو وہ مردہ ہوجاتی ہے۔ اگر جسم کو خوب غذا دی جائے تو وہ بہت قوی اور پہلوان بن جاتا ہے اسی طرح اگر روح کو بھرپور غذا دی جائے تو روح طاقتور ہوجاتی ہے اور وہ شخص روحانی پہلوان بن جاتا ہے۔ اگر جسم بیمار ہوجائے تو اسے کسی جسمانی معالج کے پاس لے جایا جاتا ہے اور اگر روح بیمار ہوجائے روحانی معالج کی ضرورت ہے اور وہ اہل اللہ ''اولیاء اللہ'' ہیں جن کی صحبت و تربیت سے روحانی امراض دور ہوتے ہیں، روحانی امراض دل کو لاحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کا مرکز دل ہے۔ اسی لیے جب تک روح موجود رہے دل متحرک رہتا ہے اور روح کے نکل جانے سے حرکت دل ختم ہوجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ روح کی حقیقت سے واقف ہیں

یاد رہے انسانوں میں سے انبیاء کو عالمِ امر تک رسائی دی جاتی ہے وہ فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔ وہ عذاب قبر اور جنت و نار وغیرہ کو دیکھ لیتے ہیں اور بعض اولیاء کو بھی کسی وقت عالم امر کی چیزوں تک رسائی ملتی ہے۔ اسی لیے مفسرین و محدثین نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ حقیقتِ روح سے واقف ہیں۔ امام بدرالدین عینی نے فرمایا حضور ﷺ کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو، آپ کے بارے میں تو اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ ''آپ جو نہ جانتے تھے وہ اللہ نے آپ کو بتا دیا اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔'' (نساء:۱۱۳) (عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر)

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ حضور ﷺ روح کے بارے میں نہیں جانتے آپ کی شان میں نقص لانا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ ملتان) امام بغوی نے فرمایا آپ روح کا علم رکھتے تھے مگر آپ نے کسی کو اس سے آگاہی نہ دی کیونکہ آپ کا اس سے آگاہی نہ دینا ہی آپ کی علامت نبوت تھی۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۸۲)

[78] کفار عرب سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ نے قرآن کو از خود تیار کیا ہے، یہ منزل من اللہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! اگر اللہ چاہے تو اس نے جو قرآن آپ کی طرف وحی فرمایا ہے اسے واپس لے لے یعنی اسے آپ اور آپ کے غلاموں کے سینوں سے کھینچ لے۔ ایسے میں اللہ کی رحمت کے سوا کوئی طاقت اسے واپس نہیں لاسکتی۔ یعنی جس اللہ نے قرآن اتارا ہے وہ اسے واپس بھی اٹھا سکتا ہے اور ایسا بالفعل ہو چکا ہے۔ قرآن میں کئی آیات اتاری گئیں پھر اللہ رب العزت نے انہیں عہد نبوی میں لوگوں کے دلوں سے بھلا دیا اور انہیں واپس اٹھا لیا۔ اور ان کی جگہ دوسری آیات اتار دیں۔ ایسی آیات کو ''منسوخ التلاوت'' کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ ''ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر آیت لے آتے ہیں یا اس جیسی لے آتے ہیں۔'' (بقرہ:۱۰۶) اس میں انہی آیات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اس کی مزید تشریح ہم نے اسی آیت کے تحت وہاں کی ہے اور قرب قیامت میں واقعتاً قرآن دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب ایک ہی رات میں قرآن کو لوگوں کے دلوں اور مصاحف میں سے محو کر دیا جائے گا۔'' (درمنثور بروایت مسند الفردوس جلد ۵ صفحہ ۵۳۳) معلوم ہوا ہمارے قویٰ اللہ کے قبضہ میں ہیں وہ انہیں جب چاہے معطل کر سکتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ یعنی اے پیارے محبوب! آپ گھبرائیں نہیں اللہ آپ پر اترا ہوا قرآن واپس نہیں لے گا کیونکہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ دراصل ممکن تھا کہ لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ کہنے سے آپ کے قلب مبارک پر کچھ بوجھ آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ کہہ کر وہ امکانی بوجھ ختم کر دیا۔ اندازہ فرمائیں اللہ کو اپنے محبوب کی رضا کس قدر مطلوب ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)
جنابِ محمد برائے الٰہی — جناب الٰہی برائے محمد (ﷺ)

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا

آپ فرمائیں اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثال لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے

یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ

خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔[79] اور ہم نے لوگوں کے لئے

فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

اس قرآن میں تمام دلائل واضح کر دیئے ہیں۔تو اکثر لوگ انکار ہی کا راستہ اپناتے ہیں۔[80]

[79] قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دوسری قوی دلیل یہ ہے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر قرآن کی مثل کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے خواہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قرآن جیسی دس سورتیں نہیں لا سکتے۔(ہود:۱۳) پھر فرمایا: اے کفار! اگر تمہیں قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ۔ مگر تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔(بقرہ:۲۳) اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان اس کی مثل ضرور لے آتے مگر انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق کی مثل لا سکے۔ آج ایک ملک کوئی ہوائی جہاز بناتا ہے تو دوسرا ملک اس سے اچھا ہوائی جہاز لے آتا ہے مگر آج تک کوئی انسان مکھی یا مچھر کا ایک پر نہیں بنا سکا کیونکہ وہ اللہ کا بنایا ہوا ہے اور اس کی مثل لانا ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن کی مثل لانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

[80] سچی بات یہ ہے کہ عظمت رسالت، صداقت قرآن اور حقانیت قیامت پر قرآن میں اس قدر واضح دلائل اتار دیئے گئے ہیں کہ انصاف پسند شخص کے لیے مجال انکار نہیں مگر پھر بھی اکثر لوگ انکار کرتے ہیں کیونکہ انسان ناشکرا ہے وہ اللہ کی لاکھوں نعمتیں لوٹ کر بھی اس کی دعوت حق کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ

انہوں نے کہا ہم تمہاری بات نہ مانیں گے تاوقتیکہ تم ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دو یا تمہارے لئے

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ

کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان تم نہریں بہا دو یا جیسے تم سمجھتے ہو

السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ

ہم پر آسمان کو ٹکڑے کر کے گرا دو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ یا تمہارے لئے سونے کا گھر ہو یا تم

يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى

آسمان میں جا چڑھو اور ہم صرف تمہارے چڑھنے سے ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ تم

تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

ہم پر کتاب اتار لاؤ جسے ہم پڑھیں۔ آپ فرما دیں میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں۔[81]

[81] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، ابوالبختری، ولید بن مغیرہ اور ابوجہل و دیگر کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حرم کعبہ میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج ہم جھگڑا ختم کرنا چاہتے ہیں تم نے ہماری وحدت پارہ پارہ کردی ہے۔ اگر تم مال، بادشاہت یا نکاح چاہتے ہو تو ہم تمہارا ہر مطالبہ پورا کردیتے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی جنون یا سایہ ہے تو ہم اس کا علاج کروادیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ میں مال واقتدار کا طلب گار ہوں۔ مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب اتاری ہے اگر تم اس پر ایمان لے آؤ تو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

کفار نے کہا اگر تم رسول ہو تو مکہ کے پہاڑ ہٹا دو تاکہ یہاں جگہ کشادہ ہو جائے یا ہمارے جد اعلیٰ قصی بن کلاب کو زندہ کر کے لے آؤ وہ تمہاری تصدیق کردے یا ہمارے سامنے فرشتہ اتار لاؤ جو ہمیں تمہاری سچائی سے آگاہ کرے یا اللہ تمہارے گھر کو سونے کا بنا دے یا تمہارے لیے باغات اُگا دے اور ان میں نہریں بہادے تاکہ ہم جان لیں کہ تم اپنے رب کے ہاں کس قدر معزز ہو، یا پھر ہم پر آسمان گراؤ جیسا کہ تم سمجھتے ہو کہ قیامت آنے پر آسمان ٹکڑے ہو کر گر جائے گا تو اسے ابھی گرا دو۔ اور اگر تم ایسا کوئی کام نہ کر سکو تو ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کام اللہ کا ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے مطالبات پورے کرسکتا ہے۔ تو اس موقع پر یہ آیات اتریں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۱۵۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ! آپ کفار سے فرمادیں میں تو ایک انسان اور اللہ کا رسول ہوں۔ یعنی حکم الٰہی کا پابند ہوں اگر اللہ تمہیں یہ نشانیاں نہ دکھانا چاہے تو میں اپنی مرضی سے نہیں دکھا سکتا۔ مگر اللہ نے انہیں ان کے یہ مطلوبہ معجزات ونشانات دکھانا پسند نہ فرمایا۔ اس لیے کہ اگر انہیں یہ سب کچھ دکھا دیا جاتا تو پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے اور ہلاک کردیئے جاتے جیسا کہ پہلے لوگ ہلاک ہوئے اور اللہ جل مجدہٗ الکریم اپنے محبوب کریم رحمۃ للعالمین ﷺ کی وجہ سے کسی کو ہلاک نہیں فرمانا چاہتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بشر بھی ہیں نور بھی ہیں

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ کے تحت جاننا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ بے شک ایک بشر ہیں کیونکہ اولادِ آدم ہیں، مگر اس کے ساتھ آپ وہ پہلا نور بھی ہیں جس کو اللہ نے سب سے پہلے تخلیق فرمایا۔ پھر اس نور سے اللہ نے تمام جہان بنایا زمین بنائی اور آسمان بنایا، زمین سے انسان اٹھایا۔ پھر انسان اول آدم علیہ السلام کی پیشانی میں اسی نورِ محمدی کو سجایا اور سارا مضمون احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتائیں کہ سب سے اول مخلوق کونسی ہے جو اللہ نے بنائی، آپ نے فرمایا: يا جابر ان الله تعالىٰ خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره۔ اے جابر! اللہ نے سب سے قبل اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا، آگے فرمایا کہ پھر اس نور کے کئی حصے کیے اور ان سے زمین وآسمان اور عرش وکرسی سب کچھ بنایا۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان باب تخلیق نور محمد ﷺ حدیث ۱۸ مطبوعہ موسستہ الشرف لاہور)

اس کی مثال سمجھانے کے لیے یوں ہے کہ بیج سے پودا نکلتا ہے، پودے سے درخت بنتا ہے، درخت سے شاخیں نکلتی ہیں، شاخوں پہ پھل لگتے ہیں اور پھلوں میں پھر وہی بیج آجاتا ہے۔ اسی طرح نورِ محمدی سے زمین بنی، زمین سے انسان بنا اور اسی انسان کی پیشانی میں نورِ محمدی ڈال دیا گیا۔ جو نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا پیشانی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ میں چمکا اور صورت محمد مصطفیٰ ﷺ میں جلوہ گر ہوا۔ اور اسی حقیقت کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كنت اول النبيين خلقا وآخرهم بعثا۔ ''میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری نبی۔'' (درمنثور بروایت ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم، دیلمی، ابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۵۷۰ مطبوعہ بیروت) یعنی سب سے اول میرا نور بنا کر اسے وصفِ نبوت عطا فرمایا گیا اور سب سے آخر میں آپ کو بطورِ نبی لایا گیا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں ایمان لانے سے صرف اسی بات نے روکا کہ وہ کہنے لگے کیا اللہ نے

اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾ قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ

ایک انسان رسول بھیجا ہے؟ آپ فرما دیں اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے

لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾ قُلۡ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ

چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول اتارتے۔[82] آپ فرما دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان

وَبَیۡنَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۹۶﴾

اللہ کی گواہی کافی ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار اور ان کا نگہدار ہے۔[83]

کفار کا یہ گمان باطل کہ ان کے لیے فرشتہ رسول آنا چاہیے اور ان کی سزا

[82] گزشتہ آیت میں کہا گیا تھا اے پیارے حبیب ﷺ! آپ فرما دیں کہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ کفار نے یہ سن کر کہا یہ شخص تو خود کہتا ہے کہ میں ایک انسان ہوں پھر یہ رسول کیسے ہوسکتا ہے یعنی ہم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ رسول تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے۔ کفار کے اس لایعنی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر زمین میں فرشتے رہتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان کے لیے فرشتہ رسول ہی بھیجتے تاکہ ایک جنس ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی بات کو سن اور سمجھ سکتے، لیکن جب زمین پر انسان رہتے ہیں تو ان کے لیے انسان رسول ہی چاہیے تاکہ ان کے مابین بات چیت ہوسکے۔ کفار کا یہ سوال کہ ان کے لیے فرشتہ رسول ہو کتنا احمقانہ ہے، آخر وہ نورانی فرشتے کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو اسے انسانی شکل ہی میں بھیجتے پھر کفار پر بات مشتبہ ہو جاتی (اور وہ کہتے یہ تو انسان ہے) (انعام:۹)

یہاں سے اشارۃً معلوم ہوا فرشتے کو انسان سے افضل سمجھنا جہلاء کی سوچ ہے۔ کفار کی یہ جاہلانہ سوچ تھی کہ رسول تو فرشتوں میں سے ہونا چاہیے یعنی وہ فرشتوں کو انسان سے افضل سمجھتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب مخلوق پر کرامت دی ہے۔ قرآن میں ہے: وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی كَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿۷۰﴾ ''اور یقیناً ہم نے اولاد آدم کو (تمام مخلوق

پر) کرامت دی ہے اور انہیں خشکی وتری میں سواری دی ہے اور انہیں عمدہ چیزوں کا رزق دیا ہے اور انہیں کثیر مخلوق (یعنی سب مخلوق) پر برتری دی ہے۔'' (بنی اسرائیل:۷۰) بلکہ سب فرشتوں کو پہلے انسان آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز کیا گیا تا کہ شرافت انسانی کو سارے جہان سے بلند کر دیا جائے۔

[83] یعنی اگر بالفرض سارا جہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو ان کی عظمت میں فرق نہیں آتا کیونکہ ان کی رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ وہ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ (فتح:۲۹) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ (آل عمران:۱۴۴) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب۔۴۰)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ

اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ رکھے تو تم اس کے مقابلہ میں ان کے کوئی مددگار نہ پاؤ گے

دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ

اور ہم روز قیامت انہیں ان کے چہروں کے بل اندھے، گونگے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے۔[84]

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب بھی وہ ٹھنڈی پڑے گی تو ہم اسے ان پر مزید بھڑکا دیں گے۔[85] یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

ہماری آیات سے انکار کیا اور کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئی شکل میں

جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ

اٹھایا جائے گا؟ کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین بنائے وہ ان جیسے لوگ دوبارہ

عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى

بنانے پر قادر ہے؟ اللہ نے ان کیلئے مدت مقرر کی ہے جس میں کوئی شک نہیں، مگر ظالموں نے کفر کے سوا

الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا

کوئی راستہ نہ اپنایا۔[86] آپ فرما دیں اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاؤ تو تم ان کے

لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

خرچ ہو جانے کے خوف سے روک لو گے اور انسان ہے ہی بخیل۔[87]

[84] مطلب یہ ہے کہ ان تمام دلائل کے باوجود اگر کوئی رسالت محمدیہ پہ ایمان نہیں لاتا تو اللہ ایسے ضدی شخص کے دل پر گمراہی کا تالہ لگا دیتا ہے، پھر اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور ہدایت تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اس کی توفیق کے بغیر کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کفار کو روز قیامت ان کے چہروں کے بل اندھے گونگے اور

بہرے کر کے اٹھائیں گے، یعنی وہ پاؤں کی بجائے چہروں کے بل چلیں گے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کفار اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس رب نے لوگوں کو پاؤں پر چلایا ہے وہ انہیں چہروں کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ فرقان)

رہا کفار کا روز قیامت اندھا گونگا اور بہرہ اٹھنا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس دن ان کا حق دیکھنا، بولنا اور سننا انہیں کچھ فائدہ نہ دے گا ان کی آنکھیں، زبانیں اور کان سب بیکار ہونگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ابتداء میں دیکھنے سننے بولنے والے ہوں بعد میں ان کی زبانوں اور آنکھوں وغیرہ پر مہریں لگا دی جائیں جیسے قرآن میں ہے: اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ (یٰس۔۶۵) وگرنہ روز قیامت کفار کا بولنا دیکھنا اور سننا بھی ثابت ہے جیسے وہ قیامت میں کہیں گے۔ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔ ''اے اللہ! ہم نے دیکھ اور سن لیا اب ہمیں واپس بھیج دے ہم اچھے اعمال کریں گے۔'' (سجدہ ۱۲)

[85] اس کا معنی یہ ہے کہ جب نار جہنم کفار کے چمڑے جلا دے گی اور وہ مزید جل نہ سکیں گے تو ان کے چمڑے بدل دیئے جائیں گے تاکہ انہیں آگ پھر جلانا شروع کر دے قرآن میں ہے: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ''جب بھی ان کی چمڑیاں (جل کر) پک جائیں گی تو ہم ان کی چمڑیاں بدل کر نئی کر دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔'' (نساء:۵۶)

[86] کفار کو یہ سزا اس لیے دی جائیگی کہ وہ اللہ کی آیات یعنی قرآن سے انکار کرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا ہم (قبروں میں) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ بن جانے کے بعد وہاں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا دیکھو جس رب نے سات آسمانوں اور زمین کو تخلیق فرمایا کیا وہ انسانوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ نہیں اٹھا سکتا؟ ضرور اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لیے اس نے مہلت مقرر کی ہے جب وہ پوری ہو جائے گی تو قیامت بپا کر دی جائے گی مگر ظالم لوگ اس پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں وہ انکار کا راستہ ہی اپناتے ہیں۔

[87] چند آیات پیچھے آیت ۹۱ میں کفار کا یہ مطالبہ کہ ان کے لیے زمین سے چشمے جاری کیے جائیں اور باغات وانہار بنائی جائیں، ذکر کیا گیا اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر انسان کے ہاتھ میں دنیا کے تمام خزانے دیدیے جائیں تو بھی اس کی حرص ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ ان خزانوں کو بند کر کے بیٹھ جائے گا اس خوف سے کہ وہ کہیں ختم نہ ہو جائیں کیونکہ انسان فطرتاً بخیل ہے لہٰذا کفار کو دنیا کے خزانے مانگنے کی بجائے ہدایت مانگنی چاہیے۔

حرص و بخل کی مذمت

اس سے کنجوسی، حرص اور مال دنیا سے محبت کی برائی معلوم ہوئی۔ انسان کی فطرت میں حرص اور لالچ ہے۔ چھوٹے

چھوٹے معصوم بچے جو کسی گناہ سے آشنا نہیں، مگران میں بھی مادۂ حرص اس قدر ہوتا ہے کہ روٹی کے ایک ٹکڑے پر اور پانی کے ایک گھونٹ پر لڑ پڑتے اور ایک دوسرے کو مارنے لگتے ہیں۔ شیر خوار بچے کو اگر کوئی چیز دیدو تو لپک کر لے لے گا مگر واپس مانگو تو نہیں دے گا اور اگر اس سے چھینو تو چلائے گا، یہ طبعی انسانی حرص ہی ہے۔ مگر انسان کو حرص سے منع کیا گیا ہے،۔ یہ اس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی طبیعت پر چلتا ہے یا اللہ کی شریعت پر۔ انسان کو چاہیے کہ جتنا اسے اللہ دے وہ زیادہ سے زیادہ اس کے نام پر دے اللہ مزید عطا فرمائے گا، اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ ہر روز اللہ کے دو فرشتے اترتے ہیں ایک مشرق میں کھڑا ہو جاتا ہے ایک مغرب میں۔ مشرق والا کہتا ہے یا اللہ! جو شخص تیری راہ میں خرچ کرتا ہے اسے اور عطا فرما، مغرب والا کہتا ہے یا اللہ! جو اپنے مال کو روک لے اسے ہلاک فرما۔
(بخاری کتاب الزکوۃ باب ۲۷، مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۷۵)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو واضح نشانیاں دیں، آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں۔[88] جب وہ ان کے

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ

پاس آئے تو فرعون نے کہا اے موسیٰ! میں تمہیں جادو زدہ سمجھتا ہوں انہوں نے کہا (اے فرعون)

عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ

تو جانتاہے کہ ان نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے عبرتیں بناکر اتارا ہے، اور

لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

میں تمہیں مبتلائے ہلاکت سمجھتا ہوں۔[89] فرعون نے بنی اسرائیل کو روئے زمین سے نکالنا چاہا

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ ۙ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

تو ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ ؕ

زمین میں بسو۔[90] پھر جب وعدۂ قیامت آجائے گا، تو ہم تم کو محفوظ صورت میں لے آئیں گے۔[91]

بعثت موسیٰ علیہ السلام اور ہلاکت فرعون

[88] پیچھے آیت ۹۱ تا ۹۳ میں بتایا گیا تھا کہ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف معجزات طلب کیے مگر انہیں وہ معجزات نہ دکھائے گئے۔ کیونکہ وہ ایمان لانے والے ہی نہ تھے۔ اب اسی امر پر روشنی ڈالتے ہوئے مثال دی جارہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کو واضح نو (۹) معجزات دکھائے مگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کردیا گیا۔ اور یہی حال کفار مکہ کا تھا گویا انہیں بتایا گیا کہ اگر وہ مطلوبہ معجزات کے دکھائے جانے کے بعد ایمان نہ لائے تو قوم فرعون کی طرح انہیں بھی ہلاک کیا جاسکتا ہے۔ تو فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں دیں۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں وہ اس کی تصدیق کریں گے۔ وہ نو نشانیاں یہ تھیں۔ (۱) عصا جو کبھی رسی کبھی سانپ کبھی ڈول اور کبھی کوئی شکل اختیار کرلیتا تھا۔ (۲) ید بیضا، یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنی بغل میں دایاں ہاتھ دباتے تو وہ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکنے لگتا۔ (۳) جادوگروں

کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا غلبہ۔ (۴) فرعون اور اس کی قوم پر شدید قحط کا آنا جیسے فرمایا گیا: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۳۰﴾ (اعراف: ۱۳۰) پھر فرعونیوں پر اکٹھے پانچ عذابات بھیجے گئے۔ اللہ فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ. ہم نے ان پر (۵) طوفان، (۶) ٹڈی، (۷) جوئیں، (۸) مینڈک اور (۹) خون بھیجا۔ (اعراف: ۱۳۳)

معلوم ہوا گزشتہ انبیاء کو گنے چنے معجزات دیے گئے جبکہ حضور ﷺ کو سراپا معجزہ بنایا گیا۔ آپ کے معجزات کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں میں ہے۔

[89] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فرعون نے کہا اے موسیٰ! میں تمہیں مسحور یعنی جادو زدہ سمجھتا ہوں۔ یعنی مجنون دیکھتا ہوں جیسا کہ دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ فرعون نے کہا: اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴿۲۷﴾ "تمہاری طرف بھیجا گیا رسول یقیناً مجنون ہے۔" (شعراء: ۲۷) اور امام قرطبی علیہ الرحمہ کے بقول یہاں مسحور بمعنی ساحر بھی ہوسکتا ہے جیسے مشئوم بمعنی شائم اور میمون بمعنی یامن ہے، یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر جانا جیسے ایک جگہ قرآن میں ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ "اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر۔" (زخرف: ۴۹) موسیٰ علیہ السلام نے پوری بے خوفی کے ساتھ فرعون کو جواب دیا کہ اے فرعون! تو مجھے مسحور سمجھتا ہے اور میں تمہیں مثبور یعنی مبتلائے ہلاکت سمجھتا ہوں اور یہ بھی کہا کہ اے فرعون! تم دل سے جان چکے ہو کہ یہ نشانیاں مجھ پر رب کائنات پے درپے اتار رہا ہے مگر تم زبان سے اقرار نہیں کرتے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے

(۱) سچے نبی کی پہچان

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر وظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنا سنت انبیاء ہے۔ اسی لیے حدیث میں جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کو سب بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب الفتن باب ۱۳) مگر یہ سچے انبیاء کی سنت ہے جبکہ مرزا قادیانی جیسے جھوٹے اور کذاب نام نہاد نبی جابر ہی نہیں کافر حکمرانوں کے ٹکڑوں پہ پلتے اور انہی کی پھینکی ہوئی ہڈیاں چوس چوس کر مرتے ہیں۔

(۲) تقیہ کا رد

اہل تشیع کے نزدیک تقیہ سب سے بڑا فرض ہے۔ وہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف جھوٹا قول منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: دین کے دس حصوں میں سے نو تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۷۵۴ کتاب الکفر والایمان مطبوعہ دارالمجتبیٰ نجف اشرف) اور امام باقر نے کہا: تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۹۵۴) اب ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کیا خیال ہے ان کے پاس بھی کوئی دین یا ایمان تھا یا نہیں؟ اگر وہ تقیہ سے کام لیتے تو دربار فرعون میں اس طرح دین کا

پر چارہ نہ کرتے، مگر انہوں نے تقیہ کی دھجیاں اڑا دیں۔

[90] فرعون نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں چاہا کہ بنی اسرائیل کا زمین سے نام ونشان مٹا دے مگر اللہ نے اس کا اور اس کی ساری قوم کا نام ونشان مٹا دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا کہ فرعون کے باغات ومحلات میں تم رہو۔ قرآن میں ہے: فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۙ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۙ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ﴿۵۹﴾ (شعرا:۵۹) معلوم ہوا جو قومیں اسلام اور اہل اسلام کو مٹانا چاہیں اللہ انہیں مٹا دیتا ہے۔

[91] مخلوط سے یہ مراد ہے کہ نیک وبد اور مومن وکافر اکٹھے ہی اٹھائے جائیں گے پھر ہر ایک اپنے انجام سے دوچار ہوگا۔ لَفِيۡفًا کا معنی لپٹنا ہے، دراصل کفار مومنوں کے دامن سے لپٹ کر ان سے طلب شفاعت کریں گے۔ تب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈانٹ آئے گی۔ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ "اے مجرمو الگ ہو جاؤ" (یٰس:۵۹)

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۘ﴿۱۰۵﴾ وَقُرۡاٰنًا

وقف لازم

اور ہم نے قرآن کو حق کی ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ اترا اور ہم نے آپ کو بشارت دینے اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔[92] اور ہم نے

فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ

قرآن کو تفصیل کے ساتھ اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔[93] آپ انہیں فرما دیں کہ تم

لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّوۡنَ

اس پہ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے قبل علم دیا گیا جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل

لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾

سجدے میں گر پڑتے ہیں۔[94] اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے۔ بیشک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔

وَيَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ يَبۡكُوۡنَ وَيَزِيۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ۩﴿۱۰۹﴾

السجدة ۴

وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور ان کی عاجزی بڑھ جاتی ہے۔[95]

[92] قوم فرعون کی ہلاکت کی مثال بتانے کے بعد پھر روئے سخن کو صداقت قرآن کی طرف موڑا جا رہا ہے اور فرمایا کہ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا یعنی انبیاء کی ان پیش گوئیوں کے مطابق اتارا کہ آخری نبی پہ اللہ اپنا ابدی کلام اتارے گا اور قرآن حق کے ساتھ اترا یعنی اس کی ہر خبر سچی اور ہر حکم درست ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! ہم نے آپ کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ماننے والوں کو بشارت اور نہ ماننے والوں کو نذرات سنا

دیں۔ آپ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنائیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ ''ہم نے آپ کو لوگوں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔'' (نساء: ۸۰)

قرآن کی ہیبت وتاثیر اور اس کی تلاوت کے بعض آداب

[93] یعنی ہم نے قرآن میں ہر بنیادی اسلامی عقیدہ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ اے پیارے محبوب ﷺ آپ قرآن کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اس طرح وہ قرآن کو خوب سمجھ سکیں گے۔ اسی لیے ہم نے قرآن کو اکٹھا اتارنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے تاکہ جتنا حصہ اتارا جائے اسے اہل ایمان اچھی طرح سمجھ لیں پھر اگلا حصہ اتارا جائے۔ لہٰذا اے پیارے محبوب! آپ بھی اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے عَلٰى مُكْثٍ کا معنی علی ترتیل کیا ہے۔ یعنی قرآن کو ترتیل سے پڑھیں۔ (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۹)

معلوم ہوا قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے اور اس قدر تیز پڑھنا کہ قرآنی حروف کے مخارج وصفات لازمہ صحیح ادا نہ ہوں یا کھڑے پڑے کا لحاظ نہ رہے، سخت حرام ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ ''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔'' (مزمل: ۴) نماز تراویح میں بعض حفاظ قرآن کی بہت تیز تلاوت کرتے ہیں اور کئی جاہل سننے والے خوش ہوتے ہیں کہ جلدی فارغ ہوئے مگر اس میں اہانت قرآن کا پہلو ہے۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔

[94] کفار عرب سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ مگر جن لوگوں کو اس سے قبل کتاب کا علم دیا گیا یعنی تورات وانجیل کے ماننے والے وہ اہل علم جنہیں یہ علم دیا گیا کہ آخری نبی تشریف لانے والے ہیں اور ان پر آخری کتاب اترنے والی ہے۔ ان پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ دراصل ٹھوڑی چہرے کا زمین سے قریب تر حصہ ہے۔ تو ٹھوڑی سے چہرہ مراد ہے یعنی وہ چہرہ زمین پر سجدے میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے ساتھی علماء اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اور آج بھی عیسائیوں میں سے کئی ایسے لوگ ہیں جو قرآن سن کر اسلام قبول کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔

[95] یعنی قرآن سن کر یہ علماء اہل کتاب پکار اٹھتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یعنی وہ جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بلند تر ہے اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ لہٰذا اس نے آخری نبی کی بعثت اور اس پر قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ پورا فرما دیا، یہ سوچ کر وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور ان کا خشوع وعجز بڑھ جاتا ہے۔ اس آیت میں وہ تمام اہل کتاب شامل ہیں جو قرآن سن کر آبدیدہ ہو جاتے اور ایمان لے آتے ہیں۔ ایسے واقعات کا ظہور آج بھی ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک کتاب چھپی ہے (Amrican new Muslims) یعنی امریکی نومسلم لوگ۔ اس میں ایک سے زائد ایسے واقعات بتائے گئے ہیں کہ جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ ایمان لے آئے۔

نہیں پڑتا۔

[97] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مکہ میں نماز فرض ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اونچی آواز سے قرأت فرمانے لگے اور نماز باجماعت کا اہتمام ہونے لگا مگر کفار سن کر گالیاں دینے لگتے۔ تب یہ آیت اتری اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نہ اس قدر بلند آواز سے پڑھیں کہ سن کر کفار گالیاں دینے لگیں اور نہ اتنی آہستہ آواز سے پڑھیں کہ ساتھیوں کو سنائی نہ دے بلکہ اس کے مابین راستہ اپنائیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل) ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس بلند آواز سے دعا فرماتے تھے تب یہ آیت اتری۔ (درمنثور بروایت ابن مردویہ عن ابی ہریرہ جلد ۴ صفحہ ۴۱۲) معلوم ہوا بہت بلند آواز سے ذکر کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ ذکر میں خشوع کے خلاف ہے۔

[98] نہ اللہ کی اولاد ہے۔ نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ اس بناء پر اس کا کوئی مددگار ہے کہ وہ اکیلا نظام کائنات کے چلانے سے عاجز ہے لہٰذا اللہ ہی کی حمد ہے اور اس کی تکبیر پکارو۔ دراصل کفار عرب سمجھتے تھے کہ اکیلا رب یہ سارا نظام نہیں چلاسکتا تو ان کے دوسرے خدا اللہ کے شریک ہیں۔ اسی لیے انہوں نے کہا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص:۵) تو اللہ رب العزت نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور اس کو کسی کمزوری کے سبب کوئی مددگار پکڑنے کی ضرورت نہیں۔

الحمدللہ ۲۴ شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۶ نومبر ۲۰۰۸ء بروز منگل سورہ اسراء کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

سورة الکہف

یہ نزولِ قرآن کے اعتبار سے قرآن کریم کی اکسٹھ 61 نمبر کی سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے اٹھارہویں سورت، یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اسے سورہ کہف اس لیے کہتے ہیں کہ کہف کا معنی غار ہے۔ اس سورت میں امت عیسویہ کے چند مومن نوجوانوں کا ذکر ہے جو اپنا ایمان بچانے کیلئے ایک کافر حاکم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سو نو برس تک نیند طاری کر دی۔ اس لیے اسے سورہ کہف کہتے ہیں۔ اس سورت میں گیارہ رکوعات، ایک سو گیارہ آیات ایک ہزار پانچ سو ستتر کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ حروف ہیں۔ اس سورت کی فضیلت عظیم ہے۔

فضیلت

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرلیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔'' (مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۱۵۷)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دجال کو پائے وہ اس کے سامنے سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے تو وہ اسے کچھ نہ کہہ سکے گا۔'' (مسلم کتاب الفتن)

ایک بار ایک صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سورہ کہف پڑھ رہے تھے۔ ان کا جانور قریب بندھا ہوا تھا وہ بدکنے لگا۔ ان کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو انہیں ایک نورانی بادل نظر آیا جس نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ انہوں نے یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا وہ سکینة (فرشتوں کی ایک مخلوق) تھی جو تمہاری تلاوت سننے اتری تھی۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۵۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین حدیث ۲۵۱)

سورہ کہف کے نزول کا سبب

بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت کے نزول کا یہ سبب ہوا کہ قریش نے اپنے کچھ لوگ یہود مدینہ کے پاس بھیجے اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں پوچھا اور آپ کے حالات و صفات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا ان حالات وصفات کے حامل ایک نبی کا ذکر تورات میں موجود ہے۔ اگر واقعتاً یہ صفات اس شخص میں موجود ہیں تو وہ بلاشبہ نبی مرسل ہے۔ تاہم تم اس سے ان تین چیزوں کے بارہ میں سوال کرو۔ روح کی حقیقت کیا ہے؟ ذوالقرنین کون ہے جس

نے مشرق ومغرب کا سفر کیا اور غار والے ساتھی کون تھے؟ جن کا عجیب واقعہ ہے۔ اگر وہ سچا نبی ہے تو ان میں سے دو سوالوں کا جواب دے گا، ایک کا نہ دے گا۔ (یعنی روح کے بارہ میں کچھ نہ بتائے گا) چنانچہ سورہ کہف اتری جس میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارہ میں تفصیل سے بتایا گیا۔ جبکہ روح کے بارہ میں اتنا ہی کہا گیا کہ وہ میرے رب کے امر سے ہے، جیسا کہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط (بنی اسرائیل، ۸۵) کے تحت گزر چکا ہے۔ مگر اس نشانی نبوت کے ظہور کے باوجود نہ قریش ایمان لائے نہ یہود۔ (درمنثور بروایت دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۴ صفحہ ۲۱۰)

سورۂ کہف کے مضامین اور ماقبل سے مناسبت

اس سورت میں یہ امور بیان ہوئے: اصحابِ کہف کا واقعہ جو اس کے پہلے چار رکوعات میں پھیلا ہوا ہے۔ دو ساتھیوں کا واقعہ جن میں سے ایک امیر اور ایک غریب تھا۔ واقعۂ سجود ملائکہ برائے آدم علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا باہم سفر کرنا اور شاہ ذوالقرنین کا واقعہ۔ اس کے علاوہ اس سورت میں اہل جنت کے جنتی انعامات اور اہل جہنم یعنی کفار کے عذابات بتائے گئے ہیں۔ اس کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے آخر میں یہود کے ایک سوال حقیقت کیا ہے کا جواب ہے اور سورہ کہف میں یہود کے باقی دو سوالات اصحابِ کہف کون ہیں اور شاہ ذوالقرنین کون ہے؟ کے جوابات ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتھا ١١٠ ٦٩ سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ ١٨ رکوعاتھا ١٢

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ①

سب تعریف اللہ کے لیے جس نے اپنے بندہ خاص (محمد مصطفی ﷺ) پر کتاب اتاری [1] اور اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ رکھا۔

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ

یہ محکم کتاب ہے [2] تا کہ وہ (بندہ خاص) اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب شدید سے خبردار کرے اور اچھے اعمال

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ③

کرنے والے مومنوں کو بہتر اجر کی بشارت دے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے [3]

صداقت قرآن اور بعثتِ محمدیہ کے مقاصد کا بیان

[1] یعنی نبی آخر الزمان ﷺ پر قرآن کا اتارا جانا آپ اور آپ کی امت کے لیے اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پر خود اللہ اپنی تعریف فرماتے ہوئے گویا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ①

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(١) اللہ اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے اپنا تعارف کرواتا ہے۔

کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر قرآن نازل کیا ہے۔ یاد رہے کہ ہر صاحب فن اپنے فن کے سب سے بڑے شاہکار کے ذریعے اپنا تعارف کرواتا ہے مثلاً ہر شاعر، ہر مصنف یا ہر معمار اپنی سب سے بہتر شاعری، تصنیف یا تعمیر کے ذریعے اپنا تعارف کروانا چاہتا ہے۔قربان جائیں، خلاقِ حقیقی اپنے تعارف میں فرماتا ہے اللہ وہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص کو قرآن جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ دوسری جگہ وہ فرماتا ہے: ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ (توبہ:٣٣) ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔ (جمعہ:٢)

(۲) شانِ عبدیت:
حضور ﷺ کے ہزاروں معجزات میں سے قرآن اور معراج دوسب سے بڑے معجزے ہیں اور دونوں کو شان عبدیت کے ساتھ بیان کیا گیا۔ فرمایا گیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ دوسرے مقام پر فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (بنی اسرائیل:۱) گویا آپ کو جو عروج ملا وہ آپ کی عبدیت کے سبب سے ہے کیونکہ جو جس قدر جھکتا ہے اللہ اسے اسی قدر رفعت دیتا ہے۔ اس میں درس بندگی بھی ہے۔

[2] یعنی قرآن کی آیات میں کوئی تعارض نہیں جو پڑھنے والوں کو کسی شک میں مبتلا کرے نہ ہی کوئی اس کی مثل لاسکتا ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک کیا جائے نہ ہی ماضی یا مستقبل کے بارہ میں اس کی کوئی خبر خلاف واقعہ ٹھہری ہے کہ کسی کو اس کی صداقت میں شک ہو اور دل میں ٹیڑھا پن آئے اور یہ محکم کتاب ہے کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی کتاب اترے گی جو اس کے کسی حکم کو منسوخ کر سکے نہ کوئی نبی آئے گا جو اس کے کسی حکم کو بدل سکے۔

[3] حضور ﷺ منکروں اور نافرمانوں کو جہنم کے عذاب شدید سے ڈراتے ہیں اور مومنوں اور نیکوکاروں کو جنت جیسے عظیم اجر کی بشارت دیتے ہیں اور جو جنت میں چلا جائے وہاں سے کبھی نکالا نہ جائے گا۔ اس لیے فرمایا: مّٰکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ﴿۳﴾

وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًاۗ ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ
اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے حالانکہ نہ انہیں اس کا کچھ علم ہے نہ ان کے باپ دادا کو تھا۔
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ
یہ بڑا مجرمانہ لفظ ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے، وہ محض جھوٹ کہتے ہیں[4] تو شائد آپ
بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا
ان کے پیچھے اپنی جان کھو دیں گے اگر وہ اس (سچی) بات پر ایمان نہ لائے [5] بے شک
جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَ اِنَّا
زمین پہ جو کچھ ہے اسے ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے[6] اور
لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ؕ﴿۸﴾
جو کچھ زمین پہ ہے، ہم اسے چٹیل میدان بنا دیں گے [7]

[4] جو لوگ اپنے باپ دادا کی تقلید میں اللہ کے لیے اولاد مانتے ہیں جیسے یہود عزیر علیہ السلام کو، نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو، کفار عرب فرشتوں کو اور ہندو اپنے اوتار کو اللہ کی یا بھگوان کی اولاد مانتے ہیں، نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی۔ وہ بلا دلیل اپنے منہ سے اللہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی بکتے ہیں۔ قرآن میں ہے قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں، اس دہشت سے کہ وہ اللہ کے لیے اولاد مانتے ہیں۔ (مریم:۹۰) یہاں مرزا قادیانی کا حال دیکھئے کہ کہتا ہے اسے اللہ کی طرف سے الہام ہوا: انت منی بمنزلة ولدی۔ یعنی اے مرزا تم میرے لیے میری اولاد کی طرح ہو۔ (حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۸۹ مطبوعہ لندن)

[5] کفار اللہ کے لیے اولاد مانتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اس سے سخت کڑھتا تھا۔ آپ انہیں سمجھاتے وہ الٹا آپ کو ایذا دیتے۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب! اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ خود کو ہلاکت میں ڈال لیں گے؟ دوسری جگہ فرمایا گیا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ ''کفار پر حسرتوں کے باعث آپ کی جان نہ جائے۔'' (فاطر:۸) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاح انسانیت کے لیے کس قدر تڑپ تھی۔

[6] یعنی ہم نے زمین پر انسان کی جسمانی وروحانی آسائش کے لیے ہر طرح کی نعمتیں سجائی ہیں جیسے نہریں، پھل، دریا، باغات، بعثت انبیاء، نزول کتب اور تبلیغ علماء ربانیین وغیرہ۔ ان نعمتوں کے ذریعے انسان کو آزمایا جاتا ہے کہ وہ کس قدر شکر بجالاتا اور اچھے اعمال کرتا ہے۔

[7] مگر یہ دنیوی نعمتیں ہمیشہ نہ رہیں گی۔ ایک وقت آئے گا جب ساری زمین کو ایک صاف میدان بنا دیا جائے گا۔ کوئی پہاڑ کوئی عمارت اور کوئی بلندی یا پستی نہ رہے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ ”تم زمین میں اس دن نہ کوئی بلندی دیکھو گے نہ پستی۔“ (طٰہٰ:۱۰۷)

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ
کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور نوشتہ پتھر والے لوگ ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے؟ [8] یاد کرو جب
اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا
ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں
مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾
ہمیں راہنمائی مہیا فرما [9]

جب اصحاب کہف کو غار میں طویل مدت کے لیے سلا دیا گیا

[8] پیچھے گزر چکا ہے کہ یہود مدینہ و مشرکین مکہ نے حضور سید عالم ﷺ سے کہا تھا کہ انہیں غار والے ساتھیوں کا واقعہ سنایا جائے جو بہت عجیب واقعہ ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اصحاب کہف کو عجیب تر نشانی سمجھتے ہو؟ یعنی ہماری نشانیاں تو اس سے بھی عجیب تر ہیں، مگر تم دیکھنا نہیں چاہتے، مثلاً تخلیق ارض وسما اور تسخیر شمس وقمر اللہ کی توحید پر واضح نشانیاں ہیں مگر تم ان پر غور نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ نے تم میں نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمایا اور ان پر قرآن اتارا جس کی ایک سورت کی مثل لانے سے تم عاجز رہے گویا قرآن کی ہر آیت صداقت رسالت محمدیہ کی نشانی ہے اور آیت کا معنی ہی نشانی ہے۔ گویا ہر آیت قرآنی قدرت خداوندی کی نشانی ہے۔ یاد رہے کہف سے مراد وہ غار ہے جس میں اصحاب کہف چھپے اور رقیم بمعنی مرقوم ہے یعنی وہ پتھر کی تختی جس پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر اسے غار کے منہ پر نصب کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ آگے واقعہ میں بتایا جائے گا۔

[9] اصحابِ کہف امت عیسیٰ علیہ السلام کے چند نوجوان تھے جو ایک ظالم و کافر حاکم سے اپنا ایمان بچانے کے لیے غار

میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے دعا کی اے اللہ! ہمیں اپنی رحمت سے نواز یعنی ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں ہمارے معاملہ میں رہنمائی دے یعنی اس ظالم حاکم کے ظلم سے ہمیں اور دوسرے تمام مومنین کو نجات کا راستہ عطا فرما۔ معلوم ہوا ہر نیکی کرنے والے کو اللہ رب العزت سے توفیق استقامت مانگنا چاہیے۔

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمۡ فِی الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ

تو ہم نے گنتی کے برس ان کے کان تھپتھپا دیئے (انہیں سلا دیا) پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم آزمائیں ان میں سے

اَیُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾

کون گروہ یاد رکھتا ہے کہ جو مدت وہ ٹھہرے۔[10]

[10] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصحابِ کہف نے جب غار میں پناہ لی تو ہم نے ایک مقرر مدت کے برسوں تک ان کے کان تھپتھپا دیئے یعنی ان پر نیند طاری کردی۔ کانوں کو تھپتھپانا سلانے کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو سلانے کے لیے ان کے کان تھپتھپاتی ہیں۔ آگے اسی سورت میں اس مدت کی یوں وضاحت کی گئی: وَلَبِثُوۡا فِیۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾ ''وہ اپنی غار میں تین سو برس ٹھہرے رہے اور نو برس مزید گزارے۔'' (کہف:۲۵) اللہ فرماتا ہے پھر ہم نے انہیں اس طویل ترین خواب گراں سے اٹھایا تاکہ ہم آزمائیں کہ کون سا گروہ بہتر سمجھتا ہے کہ وہ اپنی غار میں کتنی مدت سوئے رہے۔ چنانچہ خود اصحابِ کہف نے جاگنے کے بعد یہی کہا: لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ''ہم ایک دن یا اسکا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔'' (کہف:۱۹) مگر اہل شہر ان کے پاس موجود کرنسی کے سکوں سے اور ان کی غار پہ لگی ہوئی رقیم (تختی) کی تحریر سے جان گئے کہ یہ لوگ غار میں تین صدیوں سے زائد عرصہ تک سوئے رہے ہیں۔ تفصیلی واقعہ آگے آرہا ہے۔

اصحابِ کہف کا شہر: اِفسُوس

روس
یورپ
قسطنطنیہ
بحیرۂ اسود
سلطنت رومی
ازمیر
اِفسُوس
آیدین
ایشیائے کوچک (ترکی)
تفلس
بحیرۂ روم
طرسوس
دربند
باکو
دریائے دجلہ
شام
عراق
اسکندریہ
قاہرہ
مصر
بغداد
فارس

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ

ہم آپ کو انکا قصہ درست بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت

هُدًی ۝۱۳ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

زیادہ کی [11] اور ان کے دل مضبوط کیے جب وہ (دین کے لیے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے ہمارا رب آسمانوں

وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰۤؤُلَآءِ

اور زمینوں کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی خدا کو نہیں پوجیں گے ورنہ ہم بے عقلی کی بات کہیں گے [12] یہ جو ہماری

قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ

قوم ہے انہوں نے اللہ کے سوا کئی خدا بنا لیے ہیں۔ وہ ان پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے تو اس سے بڑا ظالم کون ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا

جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔ اور جب تم نے انہیں اور جن کی وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے ہیں، کو چھوڑ دیا تو

یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

(آؤ چلیں) فلاں غار کی پناہ لیں [13] اللہ تم پر اپنی رحمت برسائے گا

وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶

اور تمہارے معاملہ میں تمہیں آسانی مہیا فرمائے گا [14]

[11] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! ہم آپ کو اصحابِ کہف کا درست واقعہ بتاتے ہیں جس میں وہ رطب و یابس شامل نہیں جو لوگوں نے اپنی طرف سے اس میں داخل کر لیا ہے۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب کی وحدانیت پر ایمان لائے تو ان کی ہدایت بڑھا دی گئی یعنی استقامت عطا کر دی گئی۔

نوجوانوں میں قبولِ حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں میں قبولِ حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا گرم خون جلد جوش مارتا ہے، بوڑھوں کا ٹھنڈا خون دیر سے جوش میں آتا ہے۔ ویسے بھی بوڑھوں کے قلوب و اذہان اپنے نظریات میں زیادہ پختہ ہو

جاتے ہیں۔ ان میں تبدیلی لانا زیادہ مشکل ہے۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے فرمایا کہ حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۷۴) لہٰذا مبلغین کو نوجوانوں پر زیادہ توجہ دینا چاہیے۔

[12] اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اصحابِ کہف کے دل اس قدر مضبوط کر دیئے کہ وہ پوری قوم اور جابر حکومت سے ٹکرا گئے اور برملا کہا کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی جھوٹے خدا کو نہیں پکار سکتے یعنی اس کی عبادت نہیں کر سکتے ورنہ ہم سخت بے عقلی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

جس پکارنے کو شرک کہا گیا ہے وہ پرستش کے معنی میں ہے

لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا سے معلوم ہوا کہ جہاں قرآن میں غیرِ خدا کے پکارنے کو شرک اور حرام کہا گیا وہاں اسے خدا سمجھ کر پکارنا مراد ہے جو اس کی عبادت کرنے کے معنی میں ہے اور غیر خدا کی عبادت بلاشبہ شرک ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ ''اور جو اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارتا ہے یعنی عبادت کرتا ہے، اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے بے شک کافر لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے۔'' (مومنون: ۱۱۷) لہٰذا وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ (جن: ۱۸) اور ایسی دیگر آیات میں پکارنا بمعنی پوجنا ہے۔

استقامت کی فضیلت اور تقیہ کا رد

اس آیت سے استقامت کی فضیلت اور تقیہ کی برائی بھی معلوم ہوئی۔ اصحابِ کہف کا ساری قوم کے خلاف اعلان حق کرنا اللہ کو اس قدر پسند آیا کہ اسے قرآن کا حصہ بنا دیا تاکہ تا قیامت جادہ حق پر چلنے والوں کے قدم اس واقعہ سے مضبوط تر ہوں اسی لیے حدیث کے مطابق افضل جہاد جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (ابوداؤد کتاب اعلاحم باب ۱۷) اور تقیہ یہ ہے کہ سچا عقیدہ چھپایا جائے اور جھوٹا نظریہ ظاہر کیا جائے۔ شیعہ لوگ تقیہ کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اصول کافی تفسیر حسن عسکری وغیرہ)

اس لیے وہ لوگوں کے سامنے خلفاء راشدین، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہیں اور تنہائی میں ان پر تبرا کرتے اور انہیں گالیاں دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت مولا علی المرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہل بیت بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (معاذ اللہ)

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر تقیہ ہی سب سے افضل عمل ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں تو اصحابِ کہف بے دین ٹھہرے، کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو چھپایا نہیں، بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کہا: رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا تو کیا اللہ قرآن میں بے دین لوگوں کی تعریف فرما رہا ہے؟ بلکہ کسی نبی نے اپنا دین نہیں چھپایا۔ کسی نبی کو آگ میں پھینکا گیا کسی کے سر پہ آرا چلایا گیا، اور کسی پہ سنگ باری کی گئی، مگر وہ دینِ حق کا پرچم بلند کرتے

ہی رہے، تو کیا سب انبیاء معاذ اللہ بے دین ہو گئے تھے؟ معاذ اللہ۔ آخر شیعہ لوگ اس بے بنیاد مذہب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔

[13] معلوم ہوا جب آبادی میں رہ کر ایمان بچانا مشکل ہو تو غاروں اور بیابانوں میں جا کر رہنا جائز ہے اور یہ وہ رہبانیت نہیں ہے جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، وہ رہبانیت یہ ہے کہ آدمی کسی شرعی مجبوری کے بغیر اپنی دینی اور معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار کر کے غاروں میں جا بسے، وہ اللہ کو ناپسند ہے۔ لیکن جب آبادی میں رہ کر اپنا دین بچانا مشکل ہو تو جنگلوں اور غاروں میں جا کر رہنا اللہ کو پسند ہے اسی لیے اصحابِ کہف کے کردار کی تعریف فرمائی جا رہی ہے۔ اسی لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عنقریب ایک وقت آئے گا کہ مسلمان کا سب سے قیمتی مال اس کی بکریاں ہونگی جن کو لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں چلا جائے گا۔'' (بخاری کتاب الایمان حدیث ۱۹)

اصحابِ کہف کے واقعہ کا ابتدائی حصہ

جدید تحقیق کے مطابق اصحاب کہف کا غار میں جا کر لیٹنا ۲۵۰ء کے لگ بھگ ہے اور جس شہر میں یہ لوگ رہتے تھے اسے قدیم کتب تفسیر میں افسوس یا افسس لکھا جاتا ہے اور انگلش میں Ephesus، یہ تلفظ ملتا جلتا ہے اور جس جابر و کافر حاکم کے خوف سے وہ غار میں جا چھپے تھے۔ اسے پرانے مفسرین دقیانوس لکھتے ہیں اور ڈاکٹر ایڈورڈ گبن نے The Decline and fall of romon empire (سلطنت روم کا عروج و زوال) جلد ۳ صفحہ ۳۴۰ میں دقیانوس کا نام decius لکھا ہے اور دونوں کا تلفظ باہم قریب ہے۔ ڈاکٹر گبن کے مطابق شہر افسس (Ephesus) ترکی کے آخری مغربی ساحل پر واقع ہے۔ امام قرطبی کے مطابق آج اسے طرسوس کہتے ہیں۔ مورخ اسلام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں بگاڑ آیا اور ان میں بت پرست بادشاہ آئے۔ ان میں ایک رومی بادشاہ دقیانوس بھی تھا جو جبراً ہر شخص سے بت پرستی کرواتا اور حکم عدولی پر قتل کر دیتا تھا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی دین پر قائم رہنے والوں پر بڑی مصیبت آ گئی۔ وہ ہر علاقہ میں جا کر یہی حکم دیتا۔ اس نے شہر افسوس میں بھی آ کر یہی حکم دیا اور حکم عدولی پر کئی لوگوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں فصیل شہر پر برائے عبرت لٹکا دیں۔ اصحابِ کہف بھی اسی شہر کے نوجوان تھے۔ ان کا امیر مکسلمینا تھا۔ ان کی تعداد سات تھی۔ یہ لوگ شہر کے قریب ایک غار میں جا چھپے، چند دن وہ غار میں رہے پھر اللہ نے غار میں ان پر نیند طاری کر دی۔

[14] حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب وہ غار کو گئے تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے اسے دھتکارا تو اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اس نے کہا مجھ سے کچھ خوف نہ رکھو۔ میں دوستان خدا سے محبت رکھتا ہوں۔ جب اللہ نے ان پر نیند طاری کی تو کتا جو غار کے دروازہ پر بازو پھیلائے بیٹھا تھا، اسی حالت میں سلا دیا گیا۔ جب دقیانوس بادشاہ کو پتہ چلا کہ سات نوجوان فلاں غار میں جا چھپے ہیں تو اس نے غار کا منہ دیوار سے بند کر دیا تاکہ وہ اندر ہی بند ہو کر مر جائیں۔ دقیانوس کے خاندان کے دو آدمی خفیہ ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے باہم مشاورت سے

ان سات نوجوانوں کا واقعہ اور ان کا نام ونسب پتھر کی تختی پر لکھ کر اسے ایک تابوت میں ڈالا اور تابوت کو اس دیوار میں شامل کردیا جو غار کے منہ پر بنائی گئی تھی (اسی لیے قرآن نے انہیں اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ کہا یعنی غار اور تختی والے، رقیم سے مراد یہی تختی ہے) (تفسیر معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲، مظہری جلد ۶ صفحہ ۱۱، خازن جلد ۳ صفحہ ۱۹۷)

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ
اور اے نبی (ﷺ) آپ دیکھیں گے کہ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے اور جب غروب
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ
ہوتا ہے تو انہیں بائیں طرف چھوڑ دیتا ہے حالانکہ وہ غار میں کھلی جگہ پر ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے[15] جسے
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾
اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی مددگار راہنما نہ پاؤ گے[16]
وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ
اور تم انہیں بیدار سمجھو گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹیں دائیں بائیں بدلتے رہتے ہیں[17]
وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ
اور ان کا کتا ان کے دروازہ پر بازو پھیلائے بیٹھا ہے [18] اگر تم ان پر جھانکتے تو
مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾
واپس بھاگتے اور تمہارا دل رعب سے بھر جاتا[19]

[15] یعنی جب اصحابِ کہف غار میں جا کر سوئے تو اللہ نے ان کے جسموں کی حفاظت فرمائی وہ غار میں ایسی جگہ تھے جہاں ان پر سیدھی دھوپ پڑ سکتی تھی مگر اللہ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی کہ دھوپ ان پر دائیں بائیں سے گزر جاتی تھی تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو اور ان کی نیند میں خلل نہ آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

عظمت اولیاء اللہ

جب اصحابِ کہف نے اللہ سے دوستی کر لی تو اللہ نے بھی ان سے دوستی فرمائی اور انہیں سردی گرمی سے بچایا۔ اس

لیے اللہ فرماتا ہے: فَاذۡكُرُوۡنِيۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ۔ (بقرہ:۱۵۲) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے جسموں میں خلل نہ آئے تو دھوپ کو ان کے دائیں بائیں سے گذار دیا اور یہ سلسلہ تین صدیوں سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ وَتَرَى الشَّمۡسَ میں شمس سے بطور مجاز دھوپ مراد ہے اور ایسا عرب میں مستعمل ہے۔ الغرض اللہ نے ان کے جسموں کو گرمی اور دیگر موسمی اثرات سے محفوظ رکھا اور وہ مزے سے تین سو نو برس سوتے رہے۔

[16] واقعہ اصحابِ کہف بتاتا ہے کہ ہدایت اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور جس شخص کو اسکی ضد اور اسلام دشمنی کے سبب اللہ بطور سزا ہدایت نہ دینا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اصحابِ کہف کی نیند کی کیفیت اور ان کا طویل ترین نیند سے بیدار ہونا

[17] اصحابِ کہف اس حالت میں سوئے کہ ان کی آنکھیں کھلی تھیں، دیکھنے والا دیکھ کر سمجھتا کہ وہ جاگ رہے ہیں مگر وہ سو رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۷ مطبوعہ بیروت) اللہ فرماتا ہے کہ ہم ان کی کروٹیں بدلتے تھے۔ یعنی فرشتے ان کے پہلو بدلتے تھے تاکہ زمین ان کے کسی پہلو کو نقصان نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انہیں چھ ماہ ایک کروٹ پہ رکھا جاتا تھا اور چھ ماہ دوسری کروٹ پر۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۵۲ روایت ۱۲۷۳۸) اس سے عظمت اولیاء کا پتہ چلا۔ اصحابِ کہف نے اللہ سے دوستی کرلی تو اللہ فرماتا ہے ہم خود ان کی کروٹیں بدلتے تھے یعنی جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

انبیاء و اولیاء کے جسموں کو قبروں میں خراب ہونے سے بچایا جاتا ہے

اصحابِ کہف کی نیند کے دوران اللہ رب العزت کے فرشتے ان کی کروٹیں بدلتے تھے، تاکہ مٹی ان کے جسموں کو نقصان نہ دے۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت میں مصروف رہنے والے اجسام اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں محفوظ رکھا جائے۔ اسی لیے جب اصحابِ کہف تین سو نو برس کے بعد بیدار ہوئے تو کہنے لگے ہم یہاں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے ہیں۔ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ۔ (کہف،۱۹)

اور احادیث صحیحہ کے مطابق زمین پر حرام ہے کہ اجسام انبیاء کو خراب کرے کیونکہ انبیاء زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰۱)

حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو برس تک ایک مقام پہ سلائے رکھا۔ جب وہ اٹھے تو ان کو یوں لگا جیسے وہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، کیونکہ ان کے جسم مبارک میں ذرا بھی تغیر نہیں آیا تھا، بلکہ ان کے جسم مبارک کے پاس پڑے ہوئے کھانے اور پانی میں بھی کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

لَمْ يَتَسَنَّهْ (بقرہ،۲۵۹)

تو جولوگ خودکو انبیاء کی اطاعت میں فنا کرلیں ان پر انعامات نبوت کا پرتو پڑتا ہےاوران کے اجسام بھی قبروں میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام اوراولیاء کے بارہ میں ایسے واقعات کثیر ہیں کہ سینکڑوں برس کے بعدان کے اجسام قبروں میں محفوظ دیکھے گئے۔

[18] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔اصحاب کہف رات کے وقت شہر سے بھاگے وہ ایک چرواہے کے قریب سے گزرے تو اس کا کتا بھی ان کے پیچھے ہولیا۔حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔انہوں نے کتے کو دھتکارا، کتا اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا اور اگلے بازو آسمان کی طرف اٹھالیے جیسے اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہا ہو تو اسے اذن تکلم ملا اس نے کہا:

لا تخافوا منی انا اُحبُّ احبّاءَ الله فنا مواحتیٰ احرسکم۔ مجھ سے نہ ڈرو میں دوستان خدا سے محبت رکھتا ہوں،تم سوجانا میں تمہاری حفاظت کروں گا۔(تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

چنانچہ اصحاب کہف غار کے اندر جا کر سو گئے اور کتا غار کے دروازہ کے قریب بیٹھ گیا۔اللہ نے کتے پر بھی نیند طاری کردی،اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ یعنی کتا ان کے دروازہ پر بازو پھیلائے بیٹھا تھا۔دراصل کتا جب سوتا ہے تو پچھلی ٹانگیں دوہری کرلیتا ہےاور اگلے بازو پھیلا دیتا ہے،تو کتا اپنی اسی حالت پر انکی غار کے سامنے تین صدیوں سے زیادہ عرصہ تک سویا رہا۔

حضرت سدی فرماتے ہیں اصحابِ کہف کے ساتھ ان کا کتا بھی پہلو بدلتا تھا کبھی دائیں رخسار پر لیٹتا کبھی بائیں پر، سگ اصحابِ کہف کا نام قطمیر بتایا جاتا ہے۔حضرت خالد بن معدان کہتے ہیں یہ کتا جنت میں جائے گا۔بعض جانور روز قیامت انسانی شکل میں جنت جائیں گے ان میں یہ کتا بھی ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۲۲ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

اولیاء اللہ سے محبت رکھنے والا کتا بھی محروم نہیں

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ سے معلوم ہوا کہ جب اولیاء اللہ سے ایک کتے نے محبت کی تو اللہ نے اسے بھی نوازا کہ اس کا ذکر اپنی کتاب مقدس میں فرمایا۔

اس جگہ امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب ایک کتا صحبت اولیاء کے ذریعے اس درجہ علیا کو پہنچا کہ اللہ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر کیا تو اولیاء اللہ سے محبت رکھنے والے مومنین کی عظمت کا کیا کہنا ہے۔(تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) اسی لیے مولانا رومی کا شعر مشہور ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر کسی کو اولیاء اللہ میں سے سمجھ لینا بھی سخت خطرناک ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

اللہ کا ولی وہ ہے جو اس کے رسول ﷺ کی شریعت کا کامل پابند ہو، جیسے سیدنا غوث اعظم، خواجہ معین الدین چشتی، داتا علی ہجویری، مجدد الف ثانی و دیگر اولیاء کاملین۔ مگر جو بے نماز ہے، بے ریش ہے، حرام خور ہے، تکبر کا پتلا ہے کسی سے سیدھے ہاتھ سے سلام نہیں لیتا، بس مال دنیا اور نذرانے اکٹھا کرنے میں لگا ہوا ہے، یا نماز با جماعت کا اہتمام نہیں رکھتا جو کہ واجب ہے تو ایسا شخص ہرگز ولی اللہ نہیں بلکہ فاسق ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے، بروں کی نہیں۔ اصحاب کہف کے کتے نے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کی تو اسے عظیم درجہ مل گیا۔ آج کتب حدیث و تفسیر میں اس کے تذکرے موجود ہیں، منبر و محراب اس کے ذکر سے گونج رہے ہیں، ادھر نوح علیہ السلام کا بیٹا کفار کی صحبت میں بیٹھ کر بد بخت ہو گیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سگ اصحابِ کہف روزے چند پائے نیکاں گرفت مردم شد

پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

کتا گھر میں نہیں رکھنا چاہیے

لفظ بِالْوَصِیْدِ سے معلوم ہوا کتا غار کے اندر نہیں گیا نہ اصحاب کہف اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے بلکہ اُسے چوکھٹ پر برائے حفاظت رکھا کیونکہ گھر کے اندر کتا رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے،

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلبٌ ولا صورةُ تماثیل. "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔" (بخاری کتاب بدء الخلق باب ۷) اور غار میں چونکہ اصحاب کہف کی کروٹیں بدلنے کو فرشتے آتے تھے۔ اس لیے کتے کو دروازہ پر ہی رکھا گیا معلوم ہوا کتا گھر کے اندر نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ سگ اصحابِ کہف ہی ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا میں آپ کے پاس آج رات آیا تھا مگر آپ کے گھر میں کتا تھا اس لیے میں اندر نہ آیا۔ چنانچہ دیکھا گیا تو پتہ چلا رات کو کتے کا ایک چھوٹا سا بچہ کہیں چارپائی کے نیچے آ کر لیٹ گیا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۷۸)

معلوم ہوا گھر خواہ محبوب خدا سید الانبیاء رسول اللہ ﷺ کا ہو اور لاعلمی میں چھوٹا سا پلہ (کتے کا بچہ) وہاں آ جائے تو بھی فرشتۂ رحمت وہاں نہیں آتا۔ تو جہاں بڑے بڑے کتے خود پالے پوسے جاتے ہوں وہاں فرشتگانِ رحمت کا گزر کہاں۔

حفاظت کے لیے دروازے پر کتا رکھنا جائز ہے

اصحابِ کہف نے کتے کو دروازہ پر رکھا اور قرآن نے اس کا ذکر کیا تو یہ اس کے جواز کی طرف اشارہ ہے اور حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کتا پالا جو جانوروں کی حفاظت، شکار یا کھیت کی حفاظت کے لیے نہ ہو تو اس کے عمل سے روزانہ ایک قیراط ضائع ہو جاتا ہے۔'' (بخاری کتاب الذبائح باب ۶)

معلوم ہوا حفاظت اور شکار کے لیے کتا رکھنا جائز ہے۔ اور یہ بھی صرف جائز ہے، افضل نہیں ہے۔ افضل یہی ہے کہ حفاظت کا کام انسانوں سے لیا جائے۔ اور اگر ایسا مشکل ہو تو کتا بھی حفاظت کے لیے رکھا جا سکتا ہے۔ مگر جس نے محض شوقیہ کتا رکھا اور اسے اس کی ضرورت یا مجبوری نہ تھی تو ایسے شخص کے اعمال ضائع ہو گئے۔

[19] یعنی جتنا عرصہ وہ غار میں سو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو ان کے قریب بھٹکنے نہ دیا۔ اس لیے فرمایا اسے سننے والے اگر تم اس وقت ان پر جھانکتے تو خوف سے وہاں سے بھاگ اٹھتے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی آدمی ان کی غار میں داخل ہو کر ان کی نیند میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ یہ اس لیے کیا گیا تا کہ اللہ اپنے بندوں کو دکھائے کہ اگر وہ صدیوں تک کچھ لوگوں کو سلا کر انہیں پھر اٹھا سکتا ہے تو وہ قیامت بھی بپا کر سکتا ہے۔

گویا لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا کہہ کر اصحاب کہف کی وہ کیفیت بتائی گئی ہے جب وہ سو رہے تھے۔ یہ ان کی موجودہ کیفیت نہیں ہے کیوں کہ وہ بیدار ہونے کے بعد کچھ عرصہ دنیا میں رہے پھر وہ فوت ہو گئے اور انہیں قبروں میں دفنا دیا گیا اور ان کی قبروں کی تصاویر بھی ملتی ہیں۔

اور جن روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف اس وقت بھی اپنی غار میں لیٹے ہیں اور کوئی ان پر جھانک نہیں سکتا، ان روایات میں شدید اضطراب اور باہمی تضاد ہے۔ اسی لیے امام قرطبی، حافظ ابن کثیر اور امام فخر الدین رازی علیہم الرحمہ جیسے اجلہ مفسرین کے نزدیک لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ اصحابِ کھف کی اس حالت کا بیان ہے جب وہ پہلی بار غار میں طویل مدت کے لیے سوئے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی رائے مروی ہے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ

اس طرح ہم نے انہیں اٹھایا (بیدار کیا) تاکہ وہ باہم سوال کریں تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے؟

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ

انہوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے [20] کہنے لگے تمہارا رب خوب جانتا ہے

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

جس قدر تم ٹھہرے ہو تو تم اپنے میں سے کسی کو یہ درہم دے کر باہر بھیجو پس وہ دیکھے کہ (شہر میں)

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ؀

کس کا کھانا پاکیزہ تر ہے [21] تو اس سے تمہارے لیے کھانا لائے اور نرمی سے کام لے اور کسی کو تم پر مطلع نہ ہونے دے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ

اگر وہ لوگ تم پر مطلع ہو گئے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین میں واپس لوٹا لیں گے تب تم

تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ؀

کبھی فلاح نہ پاسکو گے [22]

[20] جب اصحابِ کہف تین سو نو سال کی نیند سے بیدار ہوئے تو آپس میں پوچھنے لگے تم کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے ہو؟ تو بعض نے کہا ہم ایک دن ٹھہرے ہیں اور بعض نے کہا ہم دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ کیونکہ اس دوران نہ ان کے ناخن بڑھے تھے نہ بال، نہ ان کے جسم خراب ہوئے تھے نہ کپڑے، یعنی تین صدیوں کے دوران ہزاروں بار موسم بدلے، طوفان آئے آندھیاں چلیں مگر ان کے جسموں میں کوئی تغیر آنا تو دور کی بات ہے، ان کے جسموں سے لگے ہوئے کپڑوں میں بھی کوئی تغیر نہ آیا۔ اور اس دوران انہیں نہ بھوک محسوس ہوئی نہ پیاس، نہ کوئی اور بشری تقاضا لاحق ہوا جیسے قضاء حاجت وغیرہ اور یہ اللہ کی عظیم نشانی ہے۔ اگر ایک شخص پردیس میں جائے اور ایک برس تک حجامت نہ کروائے پھر گھر آئے تو اس کے گھر والے اسے پہچان نہ سکیں گے، وہ انسان نہیں ریچھ نظر آئے گا گھر والے اس سے ڈر کر بھاگ جائیں گے مگر یہ اللہ کی نشانی ہے کہ اصحابِ کہف کے جسموں میں تین صدیوں کے دوران بھی کوئی تغیر نہ آیا۔

[21] جب اصحابِ کہف یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ وہ کتنا عرصہ ٹھہرے رہے تو کہنے لگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف باتّاء بعد الیاء من ‹ولیتلطّف› النصف الاوّل والّلام الثانیة من النصف الآخر ۱۲

ٹھہرے تھے۔ پھر انہیں بھوک محسوس ہوئی۔ تین صدیوں تک ان کے احساسات دوسرے جہان سے متعلق رہے تو انہیں کسی بشری تقاضا کا احساس نہ ہوا مگر جونہی ان کے احساسات اس دنیا کی طرف لوٹے تو انہیں فوراً بھوک محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص یملیخا کو شہر سے کھانا لانے کے لیے بھیجا اور اسے کہا کہ وہ بازار میں خوب دیکھے بھالے کہ کس دوکاندار کا کھانا پاکیزہ تر یعنی حلال پاک ہے کیونکہ شہر میں بتوں کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنے والے کافر دکاندار بھی تھے اور وہ حرام گوشت بیچتے تھے۔

غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط کا درس

اس میں غیر مسلم ممالک مثلاً یورپ و امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے درس ہدایت ہے کہ وہ کھانے پینے کی چیزیں خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار کا پکا ہوا کھانا حلال ہے بشرطیکہ اس میں تمام اجزاء حلال سے ہوں۔ کیونکہ اصحاب کہف کے شہر کے لوگ سب کفار تھے اور اصحابِ کہف نے انہی سے کھانا خریدنے کے لیے اپنے ایک ساتھی یملیخا کو بھیجا۔ لہذا یورپ و امریکہ میں دوران سفر موٹر وے پر بنی ہوئی سروسز سے چائے وغیرہ لے کر پینے میں کوئی حرج نہیں اور ان کی دوکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔

البتہ انگریزوں کے ذبح شدہ گوشت کو نہیں کھانا چاہیے کیونکہ آج کل اکثر انگریز دہریے ہو گئے ہیں جو کسی خدا کے قائل نہیں ہیں تو انکا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب نہیں رہے، اہل کتاب وہ ہیں جو کم از کم اپنی کتاب کو تو مانیں، علاوہ ازیں ان کے ذبح کردہ جانور کے بارہ میں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے اسے کس طرح ذبح کیا ہے، شریعت نے جتنی رگوں کے کاٹنے کا حکم دیا ہے اتنی رگیں کٹی ہیں یا نہیں۔

[22] اصحاب کہف نے اپنے ساتھی یملیخا سے کہا کہ جب وہ بازار سے کھانا لینے جائے تو نرمی سے بات کرے ایسا نہ ہو کہ کسی جھگڑے میں پڑنے سے وہ پکڑا جائے اور اس کی وجہ سے لوگ انہیں گرفتار کرنے کو آ پہنچیں۔ دراصل وہ سمجھتے تھے کہ وہ غار میں ایک دن یا آدھا دن ٹھہرے ہیں اور ابھی شہر میں اسی ظالم و کافر حاکم دقیانوس کی حکومت ہے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ تین صدیاں گذر چکی ہیں اور شہر میں ظالم و کافر حاکم کی بجائے اہل ایمان لوگوں کی حکومت آ چکی ہے۔ اس لیے انہوں نے باہم کہا کہ اگر تم یملیخا کی کسی غلطی کی وجہ سے پکڑے گئے تو اہل شہر تمہیں مار ڈالیں گے یا تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر کے اپنے دین پر لے جانے کی کوشش کریں گے۔

اس آیت کے لفظ وَلۡيَتَلَطَّفۡ میں تاء پر تعداد حروف کے اعتبار سے قرآن کا نصف اول ختم ہوتا ہے اور آگے لام دوم سے نصف ثانی شروع ہو رہا ہے۔ (روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ بیروت)

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا

اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کیا تا کہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں

رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ

کوئی شک نہیں[23] جب لوگ ان کے معاملے میں تنازع کرنے لگے اور کہنے لگے ان پر عمارت استوار کرو

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ

اللہ انہیں خوب جانتا ہے تو جو ان کے معاملے میں غالب آئے انہوں نے کہا ہم (ان کے قریب) مسجد

مَّسْجِدًا ۝۲۱ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ

بنائیں گے[24] عنقریب (بعض لوگ) کہیں گے کہ اصحابِ کہف تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ کہیں گے وہ پانچ ہیں

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ

چھٹا ان کا کتا ہے، یہ غیب کے بارے میں ان کی قیافہ آرائی ہے اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا

میرا رب ان کی تعداد بہتر جانتا ہے۔ انہیں تھوڑے لوگ ہی جانتے ہیں تو تم ان کے بارے میں بس سرسری بات کہو

مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝۲۲ۧ

اور ان کے بارے میں لوگوں (اہل کتاب) میں سے کسی سے نہ پوچھو[25]

ع ۳ ۵ ۱۵

[23] یعنی ہم نے اصحابِ کہف کو تین سو نو برس کے بعد دوبارہ اٹھایا اور لوگوں کو ان پر مطلع کیا تا کہ لوگوں کو یقین آئے کہ قیامت کا وعدہ سچا ہے یعنی جو رب العالمین چند انسانوں کو تین صدیوں تک سلا کر دوبارہ زندہ کر سکتا ہے وہ سب انسانوں کو مرنے کے بعد پھر کیوں نہیں اٹھا سکتا؟

[24] جب اصحابِ کہف نیند سے بیدار ہوئے تو ان پر تمام اہل شہر افسوس مطلع ہوئے پھر چند دن کے بعد وہ اپنی غار میں دوبارہ جا کر لیٹے تو ان پر مکمل دائمی موت طاری ہوگئی۔ تب وہیں ان کی تدفین کی گئی۔ اس کے بعد عیسائیوں نے وہاں ایک عمارت بنانا چاہی جس میں لوگ ان کے طریقہ پر عبادت کر سکیں مگر چونکہ اس وقت مسلمانوں کا غلبہ تھا اور شہر پر

ایک مسلم حاکم تھا اس لیے عیسائی کامیاب نہ ہوئے اور مسلمانوں نے وہاں مسجد بنائی تاکہ اولیاء اللہ کے قرب میں نماز پڑھنے سے زیادہ برکت ملے۔ (تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مودودی صاحب کی ایک غلط تفسیر کی وضاحت

قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ کے تحت سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تمام اجل مفسرین سے ہٹ کر الگ تفسیر نکالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کفار کو معاملۂ اصحاب کہف پہ غلبہ حاصل ہوا انہوں نے کہا کہ ان پہ ایک مسجد بناؤ اور انہوں نے ارتکاب شرک کے لیے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو کچھ ولی پوجا پاٹ کے لیے ہاتھ آ گئے، پھر آخر اس آیت سے قبور صالحین پہ مسجدیں بنانے کے لیے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی ﷺ کے ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں، جیسے لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج. اللہ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ) لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد. اللہ نے یہود و نصاریٰ پہ لعنت فرمائی، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (احمد، بخاری، مسلم، نسائی) نبی ﷺ کی ان تصریحات کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا حکایۃً ذکر کیا گیا ہے اسکو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل و حجت ٹھہرائے۔ (تفہیم القرآن)

مودودی صاحب نے یہاں دو غلط کام کیے ہیں، ایک تو مسجد بنانے کو عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کی طرف منسوب کیا ہے دوسرا قبروں کو سجدہ کرنے اور قبروں کے قریب مسجد بنا کر اس میں اللہ کو سجدہ کرنے کو باہم ایک کر دیا ہے۔ اور یہ دونوں غلط دعوے ہیں۔ کثیر اجلہ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ عیسائی لوگ اصحابِ کہف کی قبروں کے پاس کوئی عمارت بنانا چاہتے تھے اور مسلمان مسجد بنانا چاہتے تھے اور چونکہ اس وقت غلبہ مسلمانوں کا تھا اس لیے انہوں نے مسجد بنائی۔ گویا قبور صالحین کے قرب میں مسجد بنانا شروع سے اہل ایمان کا کام چلا آ رہا ہے۔

امام حسین بن مسعود فراء بغوی متوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمانوں نے کہا کہ ہم اصحابِ کہف پہ مسجد بنائیں گے جس میں لوگ نماز پڑھا کریں گے، کیونکہ اصحابِ کہف ہمارے دین پہ تھے اور مشرکوں نے کہا: ہم ان پہ عمارت بنائیں گے، کیونکہ وہ ہمارے اہل نسب میں سے تھے۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۴ صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام خازن نے بھی اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اسی قول کو نقل کیا ہے۔ (تفسیر لباب التأویل جلد ۴ صفحہ ۲۰۶)

ابھی پیچھے آپ نے امام نسفی کی تفسیر مدارک التنزیل سے بھی پڑھ لیا کہ اہل اسلام نے قبور اصحابِ کہف کے پاس مسجد بنائی تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھ کر ان سے برکت حاصل کریں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت سدی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بادشاہ نے کہا:
لأتخذن عند هولاء القوم الصالحين مسجدا فلأعبدن الله فيه حتى اموت۔ میں ان صالحین کے پاس مسجد بناؤں گا اور اس میں عبادت کروں گا تا آنکہ مجھے موت آجائے۔
(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۵۴، حدیث ۱۲۷۵۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مکہ)

تو حیرت ہے مولانا مودودی صاحب نے اپنی طرف سے ایک فرضی تفسیر بنا کر اس پہ اپنے غلط استدلال کی عمارت استوار کر لی اور یہ نہ دیکھا کہ اس بارے میں صحابہ وتابعین اور اجل مفسرین سے کیا اقوال منقول ہیں، کیا تفسیر ایسے لکھی جاتی ہے؟

قبورِ صالحین کے پاس برائے برکت مسجد بنانے کا جواز

مودودی صاحب نے جو احادیث پیش کی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے قبور انبیاء کو سجدے کرنا شروع کر دیے اور اس میں کیا شک ہے کہ غیر خدا کو اگر تعظیمی سجدہ کیا جائے تو گمراہی ہے اور اگر معبود مان کر سجدہ کیا جائے تو شرک وکفر ہے، جبکہ قبور انبیاء واولیاء کے قرب میں اللہ کی عبادت کے لیے مسجد بنائی جائے تو یہ الگ چیز ہے۔

امام احمد بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:
قاضی بیضاوی نے کہا: جب یہود ونصاریٰ قبور انبیاء کو تعظیمی سجدے کرتے تھے اور ان کو قبلۂ نماز بناتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پہ لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا، آگے فرمایا:
فاما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا التعظيم له والتوجه نحوه فلا يدخل في ذلك الوعيد۔ مگر جو شخص کسی نیک آدمی (کی قبر) کے نزدیک مسجد بنائے اور مقصد یہ ہو کہ اس کے قرب سے برکت ملے، یہ مقصد نہ ہو کہ سجدے میں اس کی تعظیم کرے اور اس کو قبلہ بنائے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد اول صفحہ ۶۱۴ زیر حدیث ۴۲۷ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

امام شہاب الدین قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے بھی ابن حجر عسقلانی کے الفاظ نقل کیے ہیں، یعنی
فاما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا التوجه نحوه فلا يدخل في الوعيد المذكور۔
یعنی جس نے کسی نیک بندے کے قرب میں مسجد بنائی اور اس کے قرب سے برکت لینے کا ارادہ کیا نہ کہ اس کو قبلہ بنانے کا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی لیے اس آیت کے تحت امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
وهذه الآيةُ تدلُّ علىٰ جوازِ بناء المسجدِ ليُصلّىٰ فيه عند مقابر الاولياء قصداً للتبرّك۔

یعنی یہ آیت مزارات اولیاء کے قریب حصول برکت کے لیے مسجد کے بنانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، تاکہ اس میں نماز پڑھی جائے۔ (تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۲۴)۔

علی بن سلطان ملا علی القاری متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں:

و قد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشهورين ليزورهم الناس و يستريحوا بالجلوس فيه۔

یعنی سلف صالحین نے مشہور مشائخ وعلماء کی قبور پہ عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کرسکیں اور وہاں آرام سے بیٹھ سکیں۔ (المرقات جلد ۴ صفحہ ۶۹ باب دفن المیت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایسا ہی صاحب تفسیر مدارک نے بھی لکھا ہے۔ اسی لیے اکثر مزارات اولیاء کے ساتھ مسجد ضرور دیکھی جاتی ہے اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ حدیث کے مطابق مومن کی قبر جنت کا باغ ہوتی ہے یا جہنم کا گڑھا۔ (ترمذی کتاب القیامہ باب ۲۶) یعنی مومن اگر نیکوکار ہو تو اس کی قبر جنت کا باغ ہوتی ہے، اگر بدکار ہو تو اس کی قبر جہنم کا گڑھا ہوتی ہے۔ تو بلاشبہ مقابر اولیاء اللہ باغہائے جنت ہیں اور باغ جنت کے قرب میں نماز یقیناً باعث برکت ہے۔

اصحابِ کہف تین صدیوں کے بعد کیسے بیدار ہوئے اور کیسے پہچانے گئے

محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ کہف کے بیدار ہونے کے وقت سلطنت روم کا حاکم تیندوسیس تھا۔ (ڈاکٹر ایڈورڈ گبن نے اس کا نام Theddosius لکھا ہے اور یہ ملتا جلتا تلفظ ہے) وہ صالح شخص تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک شخص نے اس دیوار میں میخ ٹھونکی جو دقیانوس بادشاہ نے اصحاب کہف کی غار کے منہ پر بنائی تھی۔ تاکہ اس سے اپنی بکریاں باندھے تو دیوار کے بہت سے پتھر گر گئے کیونکہ وہ بہت پرانی ہوگئی تھی (اس کو بنے ہوئے تین صدیوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا)۔

تب پتھروں کے گرنے کی آواز سے اصحابِ کہف بیدار ہو گئے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جاگنے کا وقت آ گیا تھا۔ تب انہوں نے یملیخا کو بازار بھیجا۔ اہل بازار نے اس کے پاس تین سو سال پرانی کرنسی کے سکے دیکھے جو بازار میں اب نہیں چلتے تھے۔ اور ان پر شاہ دقیانوس کے نام کی مہر تھی تو اہل بازار سخت حیران ہوئے اور اسے حاکم شہر کے پاس لے گئے اور اس سے پوچھا یہ سکے تم کہاں سے لائے ہو۔ اس نے اپنا معاملہ چھپانا چاہا مگر حاکم کے سختی کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی دقیانوس بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے غار میں جا کر چھپے تھے۔

لوگوں نے کہا دقیانوس تو تین سو سال پہلے گزرا تھا۔ تب بعض اہل علم نے سمجھا کہ شائد اللہ انہیں کوئی نشانی دکھانا چاہتا ہے چنانچہ حاکم شہر اور سب لوگ غار پر گئے تو دیکھا وہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے وہاں انہیں تانبے کا تابوت نظر آیا جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اسے لوگوں نے عجیب چیز سمجھ کر اٹھالیا اور جب اسے کھولا تو اس میں سے تختی نکلی جس پر اصحابِ کہف

کے یہ نام لکھے تھے:

اصحاب کہف کے اسماء گرامی

مکسلمینا، محشلیمنا یملیخا، مرطونس، بشرطونس، دنیونس اور لیطنونس۔ اور تختی پر یہ بھی لکھا تھا کہ یہ سات نوجوان شاہ دقیانوس سے اپنا ایمان بچا کر بھاگے اور اس غار میں آکر چھپے تھے اور بادشاہ نے ان پر یہ دیوار کھینچ دی تھی۔

یہ تحریر دیکھ کر لوگ اللہ کی عظیم نشانی کے ظہور پر اس کی حمد بجالائے، انہوں نے اصحابِ کہف کی زیارت کی اور یہ دیکھ کر کہ تین سونو برس گزرنے کے باوجود ان کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے تھے سجدے میں گر گئے۔

چنانچہ شاہ وقت قیصر بیدوسیس کو مطلع کیا گیا۔ وہ آیا اس نے زیارت کی اور اصحابِ کہف کو شہر میں لایا۔ مگر جلد ہی انہوں نے پھر غار میں واپس جانا چاہا۔ وہ غار میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں ان کی ارواح قبض کرلیں۔ بادشاہ نے انہیں سونے کے تابوتوں میں دفنانا چاہا تو وہ بادشاہ کے خواب میں آئے اور کہا کہ وہ خاک سے بنائے گئے ہیں اور خاک میں جانا چاہتے ہیں تو بادشاہ نے ان کی خواہش کے مطابق عمل کیا اور غار کے قریب مسجد بنائی اور حکم دیا کہ ہر سال لوگ یہاں آکر عید کیا کریں۔ (بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[25] چنانچہ بعد میں ایسے ہی ہوا۔ قرآنی پیش گوئی پوری ہوئی۔ عہد نبوی میں ۹ ھ میں نجران کا عیسائی وفد مدینہ طیبہ آیا تو اصحابِ کہف کے بارے میں بحث گرم ہوئی۔ یہود مدینہ نے کہا اصحابِ کہف تین تھے چوتھا ان کے ساتھ کتا تھا، نصاریٰ نے کہا وہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا اور مسلمانوں نے کہا وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے دو اقوال کے بارے میں کہا یہ لوگ غیب کے بارے میں قیاس آرائی کرتے ہیں یعنی کچھ نہیں جانتے اور آخری قول کے بارہ میں کہا ان کی تعداد جاننے والے کم ہیں کیونکہ مسلمان کفار سے بہر حال کم ہیں۔

اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں بھی ان قلیل لوگوں سے ہوں جو اصحابِ کہف کی صحیح تعداد جانتے ہیں۔ (در منثور جلد ۴ صفحہ ۲۱۷) یعنی میں مسلمان ہوں اور جانتا ہوں کہ اصحابِ کہف کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ اس تعداد کے بارے میں اہل کتاب سے محض سرسری بات ہی کرو کسی جھگڑے میں نہ پڑو کیونکہ یہ بے مقصد جھگڑا ہے بلکہ قرآن کی موجودگی میں اہل کتاب سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫ وَاذۡکُرۡ

اور کسی کام کے متعلق یہ نہ کہو کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں مگر یہ کہ ان شاء اللہ ضرور کہہ لو اور جب بھول جاؤ تو اپنے رب کو

رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

یاد کرو اور کہو امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت سے قریب تر راستہ کی راہنمائی کرے گا [26]

وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا

اور وہ اپنی غار میں تین سو برس رہے اور نو برس مزید بڑھ گئے آپ فرمادیں اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے

لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَاَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ

اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کا غیب ہے وہ کس قدر دیکھنے اور سننے والا ہے اس کے سوا لوگوں کا

دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

کوئی حامی کار نہیں۔ اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔[27]

[26] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قریش نے یہود کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا میں تمہیں کل جواب دونگا مگر ان شاء اللہ نہ کہا تو جبرائیل علیہ السلام پندرہ دن تک نہ آئے۔ (ابن جریر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اہل مکہ طعنہ زنی کرنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت مغموم ہوئے) پھر جبرائیل علیہ السلام سورہ کہف لے کر اترے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں بتایا، جبکہ روح کے بارے میں (سورہ بنی اسرائیل میں) کہا: قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ اور یہ بھی کہا: وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ (مختصراً) (درمنثور بروایت ابی نعیم فی الدلائل جلد ۵ صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وحی کے نزول میں پندرہ دن کی تاخیر نہ ہوتی لہٰذا آپ جب بھی یہ کہنا چاہیں کہ میں یہ کام کل (یعنی آئندہ کسی وقت) کرنے والا ہوں تو ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہا کریں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ یعنی اگر آپ کسی کام کا ارادہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں تو جب یاد آجائے اسی وقت یہ الفاظ کہہ لیں تب بھی رحمتِ الٰہی متوجہ ہوجائے گی اور اس کام میں برکت

شامل ہوگی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ یعنی جب ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو یاد آنے پر ان شاء اللہ کہنے کے علاوہ یہ بھی کہنا چاہیے: عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ کہ قریب ہے میرا رب مجھے زیادہ ہدایت والے راستہ کی رہنمائی کرے گا یعنی آئندہ مجھے بھولنے سے بچائے گا۔

یاد رہے حضور ﷺ کا بھولنا امر الٰہی سے تھا اور اس میں حکمتیں تھی۔ ایک یہ کہ امت کو ان شاء اللہ کہنے کی اہمیت و فضیلت معلوم ہو۔ دوسری یہ کہ جب وحی میں تاخیر ہوئی تو سب کو معلوم ہوا کہ آپ اپنی طرف سے بات نہیں بناتے بلکہ وحی الٰہی کا انتظار کرتے ہیں۔ اس طرح آپ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت مزید واضح ہوئی۔ پھر آپ نے وحی کے انتظار میں جو تکلیف اٹھائی اس کا اجر وثواب الگ حاصل ہوا۔

ان شاء اللہ کہنے کی فضیلت

اس جگہ ان شاء اللہ کہنے کی اہمیت وفضیلت کا پتہ چلا جیسا کہ ظاہر ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں (ان کی شریعت میں اس کی اجازت تھی) انہوں نے کہا میں آج رات (یعنی آج رات سے لے کر) سب بیویوں کے پاس جاؤنگا (جایا کروں گا)۔ جس سے سو مجاہدین پیدا ہونگے مگر ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ پھر آپ سو بیویوں کے پاس گئے مگر کسی سے کچھ پیدا نہ ہوا ایک بیوی سے ایک بچہ ہوا وہ بھی آدھے دھڑ والا اور اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سو مجاہدین پیدا ہوتے جو راہ خدا میں جہاد کرتے۔'' (بخاری کتاب الجہاد باب ۲۳)

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ارادوں کو ان شاء اللہ کے ساتھ پختہ کرتے تھے۔

جیسے اسماعیل علیہ السلام نے بوقت ذبح ان شاء اللہ کہا تو اللہ نے انہیں صبر کی توفیق عطا فرمائی، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ''اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' (صافات: ۱۰۲)

اور شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾ ''ان شاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔'' (قصص: ۲۷)

انبیاء کرام کا بھول جانا ان کی عصمت کے خلاف نہیں، وہ بامر اللہ ہے

وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو نسیان یعنی سہو لاحق ہوتا تھا اور پہلے انبیاء کرام کے لیے بھی قرآن میں نسیان کا ذکر ہے، جیسے نَسِیَا حُوۡتَهُمَا ''موسیٰ وخضر (علیہما السلام) اپنی مچھلی کو بھول گئے۔'' (کہف، ۶۱) اور اسی واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے فرماتے ہیں: لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ۔ یعنی ''میرے بھول جانے پہ آپ

مواخذہ نہ فرمائیں۔'' (کہف، ۷۳)

اور بھول جانا عصمت انبیاء کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ عوارضِ بشریہ میں سے ہے، جیسے بھوک پیاس، گرمی سردی، نیند اونگھ وغیرہ۔ اسی لیے بسا اوقات رسول اللہ ﷺ کو نماز میں سہو لاحق ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے نماز میں جلدی سلام کہہ دیا۔ جب آپ کو آگاہ کیا گیا تو آپ نے سجدۂ سہو ادا کیا، پھر فرمایا: انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیتُ فذکرونی۔ ''میں تم جیسا بشر ہی ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔'' (بخاری کتاب الصلوۃ حدیث ۴۰۱)

مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے بھولنے اور نبی کے بھولنے میں بہت فرق ہے۔ ہمارا بھولنا عموماً ہماری کسی غفلت کے سبب ہوتا ہے، مگر انبیاء کرام کے بھولنے میں اللہ کی طرف سے گہری حکمت ہوتی ہے۔ گویا وہ بھولتے نہیں بھلائے جاتے ہیں اور اس پہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انی لاَ نسیٰ او اُنسیٰ لاسَنّ یعنی ''میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں، تاکہ اس کو سنت بنایا جائے۔'' (موطا امام مالک کتاب السھو حدیث ۲۲۸ صفحہ ۸۸)

[27] یاد رہے شمسی کیلنڈر کے مطابق اصحابِ کہف اپنی غار میں تین سو برس تک ہی سوئے تھے اور یہی کچھ پہلے لوگوں میں معروف تھا مگر قمری کیلنڈر کے مطابق نو برس مزید بڑھ جاتے ہیں کیونکہ شمسی کیلنڈر کی ایک صدی قمری کیلنڈر کے ایک سو تین برس کے برابر ہوتی ہے۔ (ہر تین برس کے بعد ایک ماہ اور ہر چھتیس برس کے ساتھ ایک برس بڑھتا ہے) اس لیے فرمایا گیا: وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ یعنی وہ تین صدیوں پر نو سال مزید بڑھ گئے، یوں نہ کہا گیا: ولبثوا فی کھفھم ثلاث مأۃ وتسع سنین۔ کہ وہ اپنی غار میں تین سو نو برس رہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کی غار میں نیند کی جو مدت بتائی ہے یہی صحیح ہے اس کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط ہے کیونکہ ان کی موت خواب سے اللہ سے بہتر کوئی واقف نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ ہی ارض و سما کے ہر غیب کا جاننے والا ہے اور وہی سب سے بڑھ کر سننے دیکھنے والا ہے۔ اس کے سوا جس کے پاس غیب یا شہادت کا کچھ علم ہے وہ اسی کا عطا کردہ ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

جو کچھ آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ اسکی تلاوت کریں، کوئی اس کے کلمات کا

مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ

بدلنے والا نہیں اور آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے [28] اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو اپنے رب کو

وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ

صبح وشام پکارتے ہیں وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے یوں نہ پھیریں کہ آپ کو زینتِ حیات دنیا کی خواہش ہو [29]

الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ

اور اس شخص کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ

اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ

حد سے بڑھ گیا ہے اور فرمائیں کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے

فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ

کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جس کی دیواروں نے انہیں گھیر رکھا ہے [30] اگر وہ

یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ

پانی مانگیں تو انہیں تیزاب جیسا ملے گا جو چہرے بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا مشروب

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور کیا ہی برا آرام ہے [31]

الثلثة

[28] کفار عرب حضور سید عالم ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ کوئی نیا قرآن لائیں جس میں ہمارے بتوں کے خلاف کوئی بات نہ ہو یا اسی قرآن میں کوئی تبدیلی کر لیں۔ قرآنِ مجید میں ہے انہوں نے کہا: ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ ''اس کے سوا کوئی قرآن لے آؤ یا اسی کو بدل دو'' (یونس:۱۵) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ اے پیارے

محبوب ﷺ! آپ پر قرآن میں سے جو نازل کیا جاتا ہے آپ بس اسی کی اتباع کریں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اور اگر بالفرض آپ قرآن میں تبدیلی کریں تو آپ کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا گیا: قُلۡ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ ''آپ کہہ دیں اگر رحمان کی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کروں گا۔'' (زخرف:۸۱)

ایمان والوں کی جزا اور کفر والوں کی سزا

[29] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ہم چھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں، عبداللہ بن مسعود، بنو ہزیل کا ایک آدمی، بلال حبشی اور دو آدمی اور تھے مجھے ان کے نام معلوم نہیں۔ اتنے میں چند سرداران قریش نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا آپ اپنے ان نادار مفلس ساتھیوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیں تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھیں، شائد ہم آپ کا دین اختیار کرلیں مگر ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے ورنہ یہ ہمارے سر چڑھ جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک میں خیال آیا کہ اگر نادار صحابہ کرام کو تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے اٹھانے سے یہ سرداران قریش ایمان لے آئیں تو اسلام کو فروغ ملے گا۔ ابھی آپ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ یہ آیت اتر آئی: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۴۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ انہی صحابہ کے ساتھ ٹھہریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ ان سے توجہ مت ہٹائیں ورنہ آپ زینت دنیا کے طلب گار قرار پائیں گے اور جن لوگوں کے دل ہم نے ان کی ضد اور اسلام دشمنی کے سبب اپنے ذکر سے غافل کر دیئے ہیں اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں حد سے گزر گئے ہیں آپ ان کی بات پہ کچھ توجہ نہ دیں۔ یعنی اللہ کو ان متکبر مالداروں کی بجائے یہ نادار و غریب اہل ایمان پسند ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے

(۱) عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

یہ آیت غریب و نادار صحابہ کے حق میں نازل ہوئی، بتایا گیا کہ وہ صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں اور اللہ کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں، یہ صرف ان کے حق میں نازل ہوئی ورنہ تمام صحابہ کی یہی صفات تھیں۔ اسی لیے تمام صحابہ کرام کے لیے فرمایا گیا: تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا ۫ (فتح،۲۹)

(۲) فضیلتِ فقراء۔

اس سے معلوم ہوا اللہ رب العزت کو فقراء سے محبت ہے کیونکہ انکو اللہ نے دنیا میں مشکل میں رکھا اور انہوں نے اس پہ صبر سے کام لیا تو اللہ نے آخرت میں ان کا درجہ بڑھا دیا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فقیر لوگ قیامت میں مالداروں سے پچاس برس قبل جنت میں چلے جائیں گے، پھر فرمایا اے عائشہ! مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے قریب رکھو اللہ تمہیں روز قیامت اپنے قریب رکھے گا۔''

(ترمذی ابواب الزھد باب ۳۷)

(۳) دعاء ہر وقت جائز ہے

یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ (اور وہ اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں) سے معلوم ہوا کہ دعا ہر وقت جائز ہے اس کے لیے اللہ نے کوئی وقت ممانعت نہیں رکھا۔ لہٰذا بعض لوگوں کا نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکنا اور اسے بدعت وحرام کہنا بجائے خود بدعت وحرام ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے ایمان لانے کی امید میں کسی سچے مومن کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ سرداران قریش نے کہا کہ نادار صحابہ کو پہلے دربارِ رسول سے اٹھا دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ نادار اہل ایمان کے ساتھ ہی رہیں، کیونکہ جو ایمان لائے گا اپنے فائدہ کے لیے لائے گا وہ اللہ ورسول پر کوئی احسان نہیں کرے گا۔

[30] یعنی جب اللہ کی طرف سے واضح حق آ گیا ہے تو اب جس کا جی چاہے اسے مانے نہ جی چاہے تو نہ مانے، یعنی کسی کو ایمان لانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ حدیث کے مطابق اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نادار صحابہ سے محبت وشفقت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ حضرت عبدالرحمان بن سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ کے نزول پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار غریب ونادار صحابہ کو ڈھونڈھنے نکلے۔ آپ نے چند غبار آلود بالوں اور پھٹے کپڑوں والے کچھ لوگوں کو ذکر الٰہی کرتے دیکھا تو ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کے لیے حمد ہے جس نے میری امت میں وہ لوگ بنائے کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ (درمنثور بروایت طبرانی جلد ۴ صفحہ ۲۱۹) گویا اللہ رب العزت کو غریب اور باعمل لوگ اپنی مخلوق میں سب سے پسندیدہ تر ہیں۔

[31] اہل جہنم کے اسی خوفناک پانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَیُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ﴿۱۶﴾ یَّتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیۡغُہٗ وَیَاۡتِیۡہِ الۡمَوۡتُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا ہُوَ بِمَیِّتٍ ؕ ''کافر کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا

جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا اور نگل نہ سکے گا، اسے ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مر نہ سکے گا۔'' (ابراھیم ۱۶)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں تو ہم اچھا عمل کرنے والے شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے [32]

اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے سدا بہار باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ

وہاں انہیں سنہری کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ ریشم و اطلس کے سبز لباس زیب تن کریں گے وہ وہاں

مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ؑ

آرام دہ مسندوں پہ تکیہ زن ہوں گے۔ یہ کتنا اچھا اجر ہے اور کتنی اچھی جائے قرار ہے۔[33]

[32] معلوم ہوا کہ مومن کی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی اور کافر کو کوئی نیکی فائدہ نہ دے گی۔ اگر سوال کیا جائے کہ مومن کی نیکیاں دکھاوے کی وجہ سے برباد کر دی جاتی ہیں، تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ مومن کی نیکی ضائع نہیں کی جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی جائے اور جو کام دکھاوے کے لیے کیا جائے وہ نیکی نہیں بلکہ منافقت ہے۔

[33] حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اہل جنت میں سے کسی کا ایک کنگن دنیا میں نمودار ہو تو اس کی روشنی سورج کو مات کر دے گی۔'' (درمنثور بروایت ابویعلیٰ جلد ۴ صفحہ ۲۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''مومن کا زیور اس کے ہاتھوں پر وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کا وضو ہوتا ہے۔ (یعنی کہنیوں تک سارے بازو)۔'' (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۴۰، نسائی کتاب الطہارۃ باب ۱۰۹) جبکہ جنتی کپڑوں کا یہ عالم ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''اگر اہل جنت کے کپڑوں میں سے کوئی چیز دنیا میں پھیلائی جائے تو سب دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کی چمک سے ختم ہو جائیں۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۶۰ روایت ۱۲۷۹۸)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) مرد کے لیے زیورات اور ریشم کی حرمت۔

دنیا میں مردوں کے لیے زیورات اور ریشم اسی لیے حرام ہیں کہ یہ چیزیں انہیں جنت میں ملیں گی اور حدیث میں

ہے ”جو دنیا میں ریشم پہنے وہ جنتی ریشم سے محروم رہے گا۔“ (طبرانی کبیر جلد ۱۰ حدیث ۹۷۷۹)

(۲) سبز رنگ کی فضیلت۔

ثِيَابًا خُضْرًا سے معلوم ہوا جنت میں سبز لباس ہوگا، سبز رنگ فطری و قدرتی ہے۔ جس طرح ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر والدین اسے بدل دیتے ہیں اسی طرح زمین سے اُگنے والی ہر چیز سبز رنگ لے کر آتی ہے پھر آب و ہوا اس کا رنگ بدل دیتی ہے اور عاشقان رسول ﷺ کے لیے گنبد خضریٰ کی سبزی بھی راحت قلب و جان ہے۔ شائد اسی وجہ سے آج سبز رنگ کو خوشی کی علامت بنایا گیا ہے، چنانچہ سبز ٹریفک لائٹ بھی رکاوٹ ختم ہونے کی علامت بنائی گئی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

اور آپ لوگوں کو ایک مثال بیان فرمائیں کہ دو آدمی تھے [34] ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغات دیے تھے

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا

اور دونوں باغوں کو کھجور کے درختوں سے ڈھانپ دیا اور ان کے درمیان کھیتی اُگائی دونوں باغات اپنا پھل خوب لائے

وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ

اور اس میں کوئی کمی نہ چھوڑی اور ہم نے ان باغوں کے اندر نہر چلائی [35] اور اس شخص کو خوب کمائی ہوئی،

لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ

تو وہ اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے (تکبر سے) کہنے لگا میں مال میں تجھ سے زیادہ اور نفری میں معزز تر ہوں [36]

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ

پھر وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے اپنے باغ میں (متکبرانہ) داخل ہوا، کہنے لگا میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی تباہ ہوگا اور نہ ہی

السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

میرا گمان ہے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو مجھے ضرور اس سے بہتر انجام ملے گا [37]

نافرمانوں اور فرمانبرداروں کی مثال دو آدمیوں کی صورت میں

[34] ابھی پیچھے آیت ۲۸ میں سرداران مکہ کا غرور بتایا گیا کہ غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر نبی اکرم ﷺ سے

گفتگو کرنا انہیں نا گوار تھا۔ اب ایک مثال دے کر بتایا جارہا ہے کہ متکبر مالداروں اور غریب اہل ایمان کے درمیان کیا اخلاقی فرق ہوتا ہے۔ حضرت عطاء (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ یہاں جن دو آدمیوں کی مثال دی گئی ہے وہ دونوں باہم سگے بھائی تھے۔ انہیں اپنے باپ کے ترکے سے چار چار ہزار دینار ملے۔ ایک مومن رہا دوسرا کافر ہو گیا۔ مومن نے اپنا مال زیادہ سے زیادہ راہ خدا میں خرچ کیا اور کافر نے دو باغات لگائے۔ اس کے باغات خوب پھلے پھولے جبکہ مومن مالی مشکلات سے دوچار ہوا اور یہ اللہ کی طرف سے امتحان تھا۔ ایک بار وہ اپنے کافر بھائی سے قرض لینے آیا تب ان کے مابین یہ گفتگو ہوئی جو یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمائی ہے۔ (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۴۰۴ مطبوعہ داراحیاء بیروت)

[35] یعنی اس نے انگور کے دو باغات لگائے اور ان کے گرد کھجور کے درخت اگائے تاکہ باڑ بھی بن جائے اور خوبصورت بھی لگیں۔ ان باغوں کے درمیان اس نے گندم چاول وغیرہ کے کھیت بھی اُگائے تاکہ خوراک بھی ملے اور پھل بھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان باغوں کو سرسبز رکھنے کے لیے ان کے درمیان نہر چلا دی تھی تاکہ وہ سوکھنے نہ پائیں۔ معلوم ہوا منکروں اور نافرمانوں کے پاس دولت و دنیا کی کثرت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے یہ اللہ کی طرف سے امتحان ہے۔

[36] یعنی مال و دولت کی کثرت نے اس شخص کو متکبر بنا دیا۔ جب اس کا بھائی اس سے قرض مانگنے آیا تو اس نے اس سے متکبرانہ انداز میں کہا۔ میری دولت تجھ سے زیادہ ہے اور میرے نوکر چاکر بھی بہت ہیں یعنی میرے سامنے تمہاری کیا حیثیت ہے۔ اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ متکبر مالدار لوگ باتوں باتوں میں اپنی مالداری کا گھمنڈ ضرور ظاہر کر دیتے ہیں، عاجز لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

[37] مال و دولت کی کثرت نے اس کے اخلاق تو تباہ کیے ہی تھے اس کے عقائد بھی خراب کر دیئے۔ وہ اپنے باغ میں ایک بار متکبرانہ داخل ہوا تو کہنے لگا میرا باغ کبھی برباد نہ ہوگا اور نہ میرا قیامت پر ایمان ہے۔ اگر بالفرض قیامت آئی تو وہاں مجھے یہاں کے باغات سے اچھے باغات ملیں گے کیونکہ اللہ مجھ پر مہربان ہے اسی لیے اس نے مجھے کثرت دنیا سے نوازا ہے۔ یہاں سے حبِّ دنیا کی برائی معلوم ہوئی کہ دنیا سے محبت انسان کو بداخلاق اور بدعقیدہ بنا سکتی ہے اور کئی مالدار لوگ تکبر میں کفریہ الفاظ بولتے دیکھے جاتے ہیں۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرۡتَ بِالَّذِىۡ خَلَقَكَ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ

اس کے ساتھی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کیا تو اس رب سے انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر

مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ؕ‏ لٰـكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىۡ وَلَاۤ اُشۡرِكُ بِرَبِّىۡۤ

تجھے مکمل آدمی بنایا؟[38] لیکن میرا رب تو اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک

اَحَدًا‏ ﴿۳۸﴾ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

نہیں ٹھہراتا[39] اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں گیا تھا تو یوں کہتا ماشاء اللہ ساری قوت اللہ ہی کے پاس ہے[40]

اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ‏ ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ

اگر تو مجھے مال و اولاد کے اعتبار سے کم تر دیکھتا ہے تو ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ

جَنَّتِكَ وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا زَلَقًا ۙ‏ ﴿۴۰﴾ اَوۡ

عطا کر دے۔ اور تیرے باغ پر آسمان سے عذاب اتار دے تو وہ خشک میدان بن کر رہ جائے۔ یا

يُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا‏ ﴿۴۱﴾

اس کا پانی نیچے اتر جائے پھر تو اسے ڈھونڈھ نہ سکے[41]

[38] جب اس نے قیامت سے انکار کیا تو اس کے بھائی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ جس اللہ نے تمہیں پہلے مٹی سے نطفہ بنایا پھر نطفہ سے مکمل انسان کی صورت میں اٹھایا، کیا وہ روز قیامت تمہاری مردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟

[39] لٰـكِنَّا۠ اصل میں لکن انا ہے۔ انا کا ہمزہ حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کیا گیا۔ اسی لیے اس کا آخری الف نہیں پڑھا جاتا کیونکہ وہ انا کا الف ہے۔ اس کا معنی ہے ''لیکن میں''، یعنی اس کے مومن بھائی نے کہا: لیکن میں تو اللہ کی ربوبیت پر پورا ایمان رکھتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

[40] اس کے مومن بھائی نے اسے کہا تمہیں اپنے باغ میں متکبرانہ و کافرانہ انداز میں داخل ہونے کی بجائے یوں داخل ہونا چاہیے تھا کہ تمہاری زبان پر یہ ہوتا۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ یعنی جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے۔

مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ کہنے کی فضیلت

معلوم ہوا نعمت ملنے پر مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ کہنا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے جیسے بیوی بچے، مال وغیرہ پھر وہ کہے: مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ تو اسے اپنی موت کے علاوہ اس نعمت میں کوئی آفت نظر نہ آئے گی۔'' (تفسیر ابن کثیر بروایت ابو یعلی جلد ۳ صفحہ ۴۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی نشاندہی نہ کروں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔'' (درمنثور بروایت احمد جلد ۵ صفحہ ۳۹۲)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص پہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت اتارے اور وہ چاہے کہ یہ نعمت اس کے پاس ہمیشہ رہے تو اس کو یہ الفاظ زیادہ سے پڑھنے چاہئیں: لا حول ولا قوۃ الا باللہ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ پڑھی۔'' (درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)

[41] یعنی کسی نادار شخص کی غربت کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اللہ کا غضب جوش میں آئے اور اس کا مال تباہ کردے اور اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ متکبرین کو پست کرتا اور متواضعین کو بلند فرماتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے: تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۶﴾ ''اے اللہ تو جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔'' (آل عمران:۲۶)

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ

اور اس کی کمائی برباد ہو گئی تو جو سرمایہ وہاں اس نے لگایا تھا اس پر وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

اوندھا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ رہا تھا اے کاش! میں رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا [42] اور اس کا کوئی ایسا گروہ نہ تھا

فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ

جو اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنی مدد کے قابل تھا یہاں (سے معلوم ہوا کہ) سب حکومت خدائے برحق کے لیے ہے اس کی

الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

جزا سب سے بہتر اور اس کا (عطا کردہ) انجام خوب تر ہے [43]

[42] چنانچہ ایسے ہی ہوا، اس مالدار متکبر شخص کے باغات پر آسمان سے بلا اتری۔ (جیسے آگ بگولا) اور اسے خاکستر کر دیا۔ تب وہ کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ پھر جب اس کی موت واقع ہوئی اور وہ عذاب جہنم میں گرفتار ہوا تو کہنے لگا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا یہ معنی قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں کیا ہے۔ معلوم ہوا اللہ متکبر کا سر نیچا کر دیتا ہے۔

[43] جب اللہ کی پکڑ آتی ہے تو نہ کوئی مددگار کام آتا ہے نہ انسان خود اپنی مدد کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی ہر چیز کا کارساز ہے۔ وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق دنیا میں جزا اور آخرت میں انجام عطا فرماتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

اے نبی (ﷺ) آپ لوگوں کو دنیوی زندگی کی مثال یوں بتائیں جیسے پانی ہے ہم نے اسے آسمان سے اتارا تو اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

زمین کے پودے مل جل کر نکلے۔ پھر وہ خشک تنکے بن گئے جنہیں ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر

مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ

قادر ہے [44] مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

رب کے ہاں ثواب میں بہتر ہیں اور ان کا انجام خوب ہے [45]

دنیوی زندگی کی پانی سے تشبیہ اور احوال آخرت کا بیان

[44] گزشتہ رکوع میں مال و دولت پر اترانے والوں کا انجام بتایا گیا۔ اب دنیوی زندگی کی بے ثباتی و ناپائیداری کو پانی کی مثال سے واضح کیا جا رہا ہے تو فرمایا کہ اس کی مثال پانی کی سی ہے۔ آسمان سے پانی برسا تو زمین سے پودے اُگے۔ جب پانی برسنا بند ہو گیا تو پودے خشک ہو گئے بلکہ تنکے بن کر ہوا میں اڑ گئے۔ اسی طرح آسمان سے روح آئی جس سے جسم متحرک ہو گیا یہ دنیوی زندگی ہے۔ جب روح نکال لی گئی تو جسم کے ذرے ہوا میں اڑ گئے۔ یہ اس زندگی کا انجام ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مال دنیا بارش کے پانی کی طرح ہے۔ بارش انسان کے قبضہ میں نہیں ہوتی۔ اللہ کی مرضی سے آتی ہے۔ یونہی مال اللہ کی مرضی سے آتا ہے۔

بارش نہ برسے تو قحط ہے مال نہ آئے تو غربت ہے اور ہر حال میں اللہ کا شکر اور صبر لازم ہے۔ بارش زیادہ ہو جائے تو ہلاکت ہے یونہی مال کی کثرت عموماً باعث ہلاکت ہے۔ بارش بقدر ضرورت مفید ہے۔ یونہی مال دنیا بقدر کفایت مفید ہے زیادہ مضر، انسان پانی میں اترے تو ممکن نہیں کہ دامن تر نہ ہو۔ اسی طرح انسان تجارت دنیا میں داخل ہو اور اس کی آفات سے محفوظ رہے یہ بھی مشکل تر ہے۔

یہ مثال ہمیں بے ثباتی دنیا و دوامِ آخرت کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے یعنی بتاتی ہے کہ جس طرح پانی سے لہلہانے والے پودے پانی نہ ملنے سے یا بادِ خزاں کے چلنے سے سوکھ جاتے ہیں یہی حال دنیا کا ہے، اسے بھی قرار نہیں۔ انسان

بہت محنت سے دنیا جمع کرتا ہے پھر موت کی بادِخزاں اسے جلدی تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔انسان کو دنیا کی بجائے آخرت کے لیے کوشش کرنی چاہیے جسے کوئی زوال نہیں۔

صبر وقناعت کی فضیلت حدیث سے

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ایک بار ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پہ بندھا ہوا پتھر دکھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔
(ترمذی کتاب الزھد حدیث ۲۳۷۱)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:
''یہ مالِ دنیا خوشنما اور میٹھا ہے، جس کو یہ جائز طریقہ سے ملا اس کو اس میں برکت دی جائے گی اور کئی وہ لوگ ہیں کہ نفس نے جو چاہا اسی مال میں ڈوب گئے اور قیامت میں ان کے لیے صرف آگ ہوگی۔'' (ترمذی کتاب الزھد حدیث ۲۳۷۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انصار کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔انہوں نے آپ سے کچھ مانگا، آپ نے دیا۔انہوں نے پھر مانگا آپ نے دیا۔حتی کہ جو اس وقت آپ کے پاس مال تھا وہ ختم ہوگیا۔تب آپ نے فرمایا: جو میرے پاس کوئی خیر ہو وہ میں تم سے روک کر نہیں رکھتا اور جو (مانگنے سے) بچنا چاہے اللہ اس کو بچا لیتا ہے اور جو (دنیا سے) بے نیازی برتے اللہ اسے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر سے کام لے اللہ اسے صابر بنا دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع تر چیز نہیں ملی۔(مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۰۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''قد افلح من اسلم ورُزق کفافا وقنّعه الله بما آتاه۔'' وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا اور اسے بقدرِ کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے اپنے دیئے ہوئے پہ قانع کر دیا۔'' (مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۰۵۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔'' اے اللہ! آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رزق صرف (زندہ رہنے کی) روزی بنا دے۔''
(مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۰۵۵، ترمذی کتاب الزھد حدیث ۲۳۶۱)

[45] مال سے انسان کو دنیا میں منفعت ملتی ہے اور بیٹوں سے مدافعت۔مگر یہ حیاتِ انسانی کا اصل مقصد نہیں۔اس کا اصل مقصد باقیات صالحات یعنی اچھے اعمال ہیں جن کا لازوال فائدہ انسان کو آخرت میں ملے گا۔جبکہ مال اور اولاد دنیا ہی میں رہ جائیں گے کوئی چیز قبر یا حشر میں ساتھ نہ جائے گی۔وہاں اعمال صالحہ جائیں گے۔اس سے یہ درس ملا کہ مال اور اولاد کی محبت میں انسان کو اپنی آخرت برباد نہیں کرنی چاہیے مگر افسوس ہم اکثر انہی کی محبت میں جھوٹ، فراڈ، ملاوٹ، رشوت، سود خوری اور دیگر حرام کام کرتے ہیں۔اسی لیے فرمایا گیا کہ تمہارے اموال و اولاد تمہاری آزمائش ہیں۔(تغابن: ۱۵)

اس جگہ یہ درس بھی ہے کہ مال والوں کی بجائے نیک اعمال والوں سے محبت اور صحبت رکھنی چاہیے۔ پہلا گروہ مالداروں کا ہے دوسرا پرہیزگاروں کا۔ پہلے گروہ کے پاس اموال دنیا کا ذخیرہ ہے دوسرے کے پاس اعمال آخرت کا خزانہ۔ پہلے گروہ کی صحبت سے دل میں حبِّ دنیا پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کی صحبت سے فکر آخرت۔ یاد رہے اس آیت کے تحت حدیث میں ذکرِ الٰہی کو بھی الباقیات الصالحات میں سے بتایا گیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر زیادہ پڑھا کرو یہ باقیات صالحات ہیں۔'' (مظہری بروایت عقیلی جلد ۶ صفحہ ۳۸)

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

اور یاد کرو وہ دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور آپ زمین کو کھلا دیکھیں گے [46] اور ہم لوگوں کو

مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اٹھا لائیں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور وہ آپ کے رب کے حضور صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

لوگو تم ہمارے پاس یوں آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا [47] مگر تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا

وقت مقرر نہیں بنایا اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم لوگ اس کی تحریر سے ڈریں گے اور کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت

يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ

اس تحریر کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑتی ہے نہ بڑے کو، مگر اسے گھیرے ہوئے ہے۔ وہ جو کچھ کیا اسے حاضر پائیں گے

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں فرماتا [48]

ع ۶ ۱۸

[46] اب انسان کو قیامت کی ہولناکی بتائی جارہی ہے تاکہ وہ اس سے قبل اس کی تیاری کرلے، تو فرمایا قیامت کے دن سب پہاڑ اُڑ جائیں گے اور ساری زمین کھل کر سامنے آجائے گی۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ (طٰہٰ: ۱۰۶)

[47] روز قیامت لوگ اللہ کے حضور پیدائشی حالت میں پیش ہونگے۔انسان خالی ہاتھ ننگے بدن ننگے پاؤں پیدا ہوتا ہے۔اسی حالت میں روز قیامت اٹھے گا۔وہ بے ختنہ پیدا ہوا تھا اور بے ختنہ اٹھے گا،یعنی جس حالت میں دنیا میں گیا تھا اسی حالت میں آخرت میں پہنچے گا،اس کا کفن بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا۔

روزِ قیامت ہر انسان کا ننگے بدن اٹھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''لوگو تم قیامت میں اللہ کے سامنے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ اٹھائے جاؤ گے پھر سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب ۱۴)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''لوگ یوم قیامت ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ اٹھیں گے۔سیدہ فرماتی ہیں میں نے پوچھا کیا سب مرد وعورت اکٹھے ہونگے؟ آپ نے فرمایا ہاں، مگر اس دن کا معاملہ سخت تر ہوگا۔کوئی کسی کو نہ دیکھتا ہوگا۔'' (مسلم کتاب الجنۃ حدیث ۵۶)

اور یہ جو حدیث میں ہے کہ جس لباس میں کوئی مرے اسی میں وہ اٹھے گا لہٰذا اچھے کفن میں دفنایا کرو، تو اس کا معنی یہ ہے کہ ابتداء میں سب لوگ ننگے اٹھیں گے پھر حساب و کتاب کے بعد سب کو کپڑے پہنا دیئے جائیں گے اور اس کی ابتداء ابراہیم علیہ السلام سے ہوگی۔(اس معاملہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل نہیں ہیں کبھی متکلم اس کلام میں داخل نہیں ہوتا جو وہ کہتا ہے، وہ دوسروں کے بارے میں بات کہہ رہا ہوتا ہے)۔یہاں یہ درس ہے کہ دنیا کی کوئی چیز آخرت میں ساتھ نہ ہوگی، قبر میں مالِ دنیا میں سے کفن ساتھ جاتا ہے آخرت میں وہ بھی نہ ہوگا اور انسان ننگا اٹھے گا۔

[48] یہاں صغیرہ گناہ کا ذکر پہلے کیا گیا۔کبیرہ کا بعد میں تاکہ انسان صغیرہ کے بارے میں زیادہ احتیاط کرے کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔نزلے سے بچنا چاہیے ورنہ وہی بخار بن جاتا ہے۔یاد رہے کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس پر یا تو دنیا میں کوئی شرعی سزا یا تعزیر مقرر ہو جیسے قتل چوری، زنا، ڈاکہ، تہمت زنی، شراب نوشی وغیرہ یا آخرت میں اس پر عذاب کی وعید وارد ہو جیسے جھوٹ، غیبت، بغض، تکبر، رشوت ستانی، سود خوری، جادوگری وغیرہ۔میں نے امام ذہبی کی کتاب ''الکبائر'' کا ترجمہ کیا ہے جو جلد ہی چھپ کر منظر عام پر آجائے گی۔اس میں ایک سو کبیرہ گناہ اور ان کی سزا بتائی گئی ہے۔

اس رکوع میں تین بار لفظ ربک (یعنی آپ کا رب) آیا ہے۔گویا اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا رب ہونے کے باوجود اپنی ربوبیت کا اظہار اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کرتا ہے اس لیے کہ آپ اللہ کی صفتِ ربوبیت کا شاہکار اور مظہر اکبر ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا وہ جنوں میں سے ہے

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ

وہ اپنے رب کے حکم سے نکل گیا[49] تو کیا تم میرے بجائے اسے اور اس کی اولاد کو اپنے مددگار بناتے ہو

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ

حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے ؟تو ظالموں کی یہ تبدیلی کتنی بری ہے[50] میں نے شیاطین کو نہ آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱

اور زمین کی تخلیق پر گواہ بنایا ہے اور نہ میں گمراہوں کو اپنا مددگار بنانے والا ہوں[51] اور یاد کرو

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جب اللہ فرمائے گا میرے ان شریکوں کو پکارو جنہیں تم (میرے شریک) سمجھتے تھے وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ کچھ جواب نہ دیں گے

لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

اور ہم ان کے مابین مشترکہ جائے عذاب بنا دیں گے[52] اور مجرم لوگ آگ کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں

مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ ع

گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی جائے فرار نہ پائیں گے[53]

ع ۷ / ۱۹

فرشتوں کا سجودِ آدم، شیطان کا انکار اور اس کا انجام

[49] ابلیس جنات میں سے تھا مگر اپنی عبادت کے سبب فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا اور ان کی صحبت کی وجہ سے فرشتہ ہی کہلاتا تھا اس لیے سجودِ آدم کا حکم اسے بھی تھا مگر اس نے انکار کیا کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں آگ میں سرکشی اور شعلہ زنی ہے۔ اس لیے جنات بھی عموماً حکمِ الٰہی سے سرکشی کرتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں شمار کرلیا جاتا ہے۔ شیطان جنات میں سے تھا مگر فرشتوں کی مشابہت اور صحبت اپنانے

سے انہی میں شمار کرلیا گیا، اگر وہ سجود آدم سے انکار نہ کرتا تو ہمیشہ فرشتوں میں رہتا۔

[50] یعنی شیطان کو جب سجود آدم علیہ السلام سے انکار کے باعث جنت سے نکالا گیا تو اس نے اسی وقت کہہ دیا کہ میں انسانوں کو سیدھی راہ سے ضرور بھٹکاؤں گا۔ اس کے باوجود اگر اولادِ آدم شیطان اور اس کی ذریت کو اپنے مددگار و دوستدار سمجھے تو یہ ان کی سخت کم عقلی یا گمراہی ہے۔ وَذُرِّيَّتَهٗ سے معلوم ہوا شیطان کی اولاد بھی ہے اور علماء کے نزدیک جنات کے ہاں بھی توالد و تناسل ہے۔ ایک روایت ہے کہ شیطان اپنی دبر میں اپنی دم داخل کرتا ہے جس سے انڈا نکلتا ہے اور اس سے شیاطین کی ایک جماعت پیدا ہوتی ہے۔ (مظہری جلد ۶ صفحہ ۳۴) اور جنات میں مذکر و مؤنث بھی ہیں، اسی لیے حدیث میں دعاء ہے: اللھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث۔ ''اے اللہ! میں خبیث مذکر و مؤنث جنات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الوضوء) تو ممکن ہے مذکر و مؤنث جنات میں مباشرت کا عمل بھی ہو اور اس سے تناسل بھی ہوتا ہو۔

[51] کفارِ عرب دورِ نزولِ قرآن میں کاہنوں سے آئندہ کی خبریں لیتے تھے اور کاہنوں کے جنات سے روابط تھے جو ان کو مستقبل کے بارے میں الٹی سیدھی خبریں دیتے تھے جس سے کفارِ عرب کا یہ ذہن بن گیا تھا کہ جنات کا نظامِ کائنات میں کوئی دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے شیاطین کو ارض و سما کی تخلیق پر گواہ نہیں بنایا یعنی انہیں نظامِ کائنات سے کچھ آگاہی نہیں ہے بلکہ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ خود کیسے بنائے گئے اور میں ان گمراہ گر شیاطین کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں اور بعض رجالِ غیب کو نظامِ کائنات کے چلانے کے فرائض سونپے ہیں جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (نازعات۔۵)

[52] قیامت کے دن مشرکین سے کہا جائے گا کہ اپنے جھوٹے خداؤں کو پکارو تاکہ تمہاری مدد کریں وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ تب انہیں اور ان کے جھوٹے خداؤں کو اکٹھا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (صافات: ۲۲)

[53] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کافر جہنم سے چالیس برس کے فاصلہ پر ہوگا اور سمجھے گا کہ وہ اس میں گر رہا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۵۷)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال سے حق واضح کیا ہے اور انسان ہر چیز سے

اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى

زیادہ جھگڑالو ہے [54] اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انہیں ایمان لانے سے

وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ

اور اپنے رب سے بخشش مانگنے سے صرف اسی بات نے روکا کہ ان پر پہلے لوگوں کا دستور چلے یا ان پہ کھلے بندوں

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ

عذاب آجائے [55] اور ہم رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں تاکہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں اور کفار باطل کے ذریعے

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَمَاۤ

جھگڑا ڈالتے ہیں تاکہ اس سے حق کا مقابلہ کریں اور انہوں نے میری آیات کو اور جو انہیں ڈرایا گیا

اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اسے مذاق بنالیا ہے [56]

کفار کا حق کے مقابلہ میں جھگڑا اور اس کا انجام

[54] حق واضح کرنے کے لیے قرآن میں مثالیں واقعات اور دلائل بیان فرمائے گئے ہیں ابھی گزشتہ رکوعات میں دو آدمیوں کی مثال دی گئی جن میں سے ایک کو مال دیا گیا تو وہ متکبر ہوگیا اور اپنے ساتھی کو رسوا کرنے لگا۔ پھر حیاتِ دنیا کو پانی کی مثال سے واضح کیا گیا۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے کیونکہ حق واضح ہونے کے باوجود باطل پر اڑنا اور حق سے جھگڑا کرنا انسان کی فطرت میں ہے۔ حتیٰ کہ انسان روزِ قیامت اللہ کے سامنے بھی اپنے جھوٹ کو سچ اور کفر کو ایمان ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روزِ قیامت اللہ کی بارگاہ میں کافر کہے گا اے اللہ! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر

ایمان لایا تھا اور تیری کتاب پر عمل کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا۔ تیرے نامہ اعمال میں تو ایسی کوئی چیز نہیں۔ تیرے محافظ فرشتے بھی تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں اور لوح محفوظ بھی تیرے خلاف گواہی دیتی ہے، کافر کہے گا میں یہ گواہیاں نہیں مانتا۔ میری گواہی خود مجھ سے ہونی چاہیے۔ اللہ فرمائے گا ہاں ایسا ہی ہوگا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے شرک پر گواہی دیں گے تو وہ دوزخ میں جا گرے گا اور اپنے اعضاء پر لعنت کرتے ہوئے ان سے کہے گا میں تو تمہاری ہی حفاظت کے لیے جھوٹ بول رہا تھا وہ کہیں گے اللہ تم پر لعنت کرے کیا اللہ سے بھی کوئی چیز چھپائی جا سکتی ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۵ مطبوعہ دار احیاء)

اس حدیث کی جزوی تائید مسلم کتاب الزہد حدیث ۱۷ سے بھی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا حق کو دیکھ کر باطل پہ اڑنا کفار کا طریقہ ہے مومن کی یہ شان نہیں۔

[55] یعنی اگر حق واضح ہو جانے کے بعد کفار ایمان نہیں لاتے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان پر پہلی قوموں کا دستور چلے یا ان پر کھلے بندوں عذاب آ جائے۔ پہلی قوموں کا یہی دستور تھا کہ وہ حق واضح ہونے کے باوجود ایمان لانے کی بجائے کہتے تھے کہ ان پر عذاب اتارا جائے۔

قوم شعیب علیہ السلام نے کہا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ "ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو۔" (شعراء: ۱۸۷)

قوم لوط علیہ السلام نے کہا: ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ "اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔" (عنکبوت: ۲۹)

چنانچہ کفار عرب اسی دستور پر چلے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ "اگر یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برساؤ یا ہم پر دردناک عذاب لے آؤ۔" (انفال: ۳۲)

اب اگر اللہ چاہتا تو کفار عرب پر قوم شعیب و قوم لوط علیہما السلام کی طرح عذاب لے آتا مگر اسے اپنی رحمت والے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کفار پر عذاب کا اتارنا پسند نہ آیا۔ گویا آپ کی رحمت سے کفار کو بھی حصہ ملا کہ دنیا میں ان پر وہ عذاب نہ آیا جو پہلی قوموں پر آتا اور انہیں مکمل نیست و نابود کر دیتا تھا اب ایسا عذاب نہیں آئے گا۔

[56] حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے انکار سے بہت کبیدہ خاطر و پریشان ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا کہ ہم رسولوں کے ذمہ صرف یہ کام لگاتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں کو بشارت دیں اور منکروں کو عذاب جہنم سے ڈرائیں۔ جب انہوں نے یہ ذمہ داری پوری کر دی تو وہ سرخرو ہو گئے۔ رہا کسی کو ہدایت دینا تو یہ اللہ کا کام ہے۔ لہٰذا کفار کے انکار سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار باطل کے ذریعے حق کو پھسلانا اور اس کا مذاق اڑانا

چاہتے ہیں مثلاً کفار کہتے تھے کہ اللہ نے ایک بشر کو رسول بنایا ہے۔ (یہ کیسے ممکن ہے) (بنی اسرائیل ۹۴) وہ کہتے تھے یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ (زخرف: ۳۱) یونہی وہ کہتے تھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ نکالو، یا تمہارے لیے انگور اور کھجور کے باغات نہ ہوں۔ (بنی اسرائیل: ۹۱) الغرض اس طرح کے ڈھکوسلوں سے وہ دعوت توحید و رسالت کا مقابلہ کر رہے تھے مگر آخر حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا۔ اس جگہ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَرُسُلِیۡ هُزُوًا ۝۱۰۶ سے معلوم ہوا کسی آیت خداوندی یا کسی رسول کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ ؕ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ موڑ لیا اور جو کچھ وہ پہلے کر

اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ

چکا تھا اسے بھول گیا۔ ہم نے ان کے دلوں پہ پردے ڈال دیے جو انہیں سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیا ہے

تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو

اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے [57] اور آپ کا رب

الرَّحۡمَةِ ؕ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ ؕ بَلۡ لَّهُمۡ

رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کے اعمال کے سبب انہیں پکڑتا تو ان پر جلد عذاب لے آتا، نہیں بلکہ ان کے لیے

مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ۝۵۸ وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا

وقت مقرر ہے جس سے وہ راہِ فرار پائیں گے اور یہ وہ بستیاں ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا

ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ۝۵۹ ع

اور ہم نے ان کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا [58]

[57] کفار عرب کے سامنے آیات اتریں مگر انہوں نے ان سے اعراض کیا اور اس سے قبل وہ بت پرستی، برہنہ طوافِ کعبہ اور اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرنے جیسی قبیح رسموں کا شکار چلے آ رہے تھے۔ ان پر انہوں نے کچھ توجہ نہ دی انہیں گویا بھلا دیا اللہ نے فرمایا ان کی اس ضد بازی کے سبب ہم نے بطورِ سزا ان کے دلوں پر پردے اور کانوں میں بوجھ ڈال دیئے

تاکہ وہ حق سمجھ نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب! اگر آپ انہیں آئندہ بھی دعوت حق دیں گے تو وہ کبھی راہِ ہدایت پر نہ آئیں گے۔ چنانچہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ اور دیگر بہت سے بدبخت ایسے ہی تھے جو کفر ہی پر مر گئے، بدر کے ستر کفار مقتولین بھی انہی میں شامل تھے اور قرآن کی پیش گوئی برحق ثابت ہوئی کہ جن کے دلوں پہ اللہ نے پردے ڈال دیئے ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

[58] اگر اللہ چاہے تو کفار کو ان کی اسلام دشمنی کے سبب فوراً پکڑ لے مگر اللہ نے ہر اسلام دشمن قوم کے لیے وقت مقرر کر رکھا ہے اگر اس دوران وہ اسلام دشمنی اور مسلمانوں پر مظالم سے باز نہ آئیں تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ پہلی قوموں میں بھی یہی دستور رہا کہ ان میں سے اسلام دشمن لوگوں کے لیے وقت مقرر تھا جس کے بعد انہیں مہلت نہ دی گئی۔ کفار عرب کو بھی ان کی مہلت ختم ہونے پر بدر میں دھر لیا گیا۔ اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی و شیطانی طاقتوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ ان کے لیے بھی وقت مقرر ہے ان کا ظلم ہمیشہ نہیں چل سکتا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا میں سفر نہ چھوڑوں گا تا آنکہ میں دو سمندروں کے ملاپ پہ پہنچ جاؤں یا پھر میں کئی زمانے

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

چلتا رہوں گا [59] جب وہ دو سمندروں کے سنگھم پہ پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور وہ سمندر میں سرنگ نما راستہ بنا کر چل پڑی۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کی باہمی ملاقات

[59] اس سورت کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں سرداران مکہ کا تکبر بتایا گیا کہ وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر نبی اکرم ﷺ سے معرفتِ الٰہی کا علم حاصل کرنے پر تیار نہ تھے۔ پھر آیت ۳۲ سے ۳۸ تک میں اس شخص کا تکبر بیان کیا گیا جسے اللہ نے دو بہترین باغات دیئے تھے تو وہ مال و دولت کی کثرت سے متکبر ہو کر اپنے ساتھی کو حقیر جاننے لگا۔ پھر آیت ۵۰ میں شیطان کا تکبر بیان کیا گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کا عجز بتایا جا رہا ہے کہ وہ رسالت کے منصب عظیم پر فائز ہونے کے باوجود حصولِ علم کے لیے خضر علیہ السلام کے پاس طویل سفر کر کے گئے۔ گویا درس دیا گیا کہ تکبر کی بجائے عجز کو اپنانا چاہیے۔ حضرت موسیٰ نے یہ سفر کیوں کیا؟ اس کا جواب ہمیں بخاری شریف کی طویل حدیث سے ملتا ہے جو ان آیات کی تفسیر میں امام بخاری نے روایت کی ہے۔ ہم اسے مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے بہت پر اثر وعظ فرمایا جس سے لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ بعد میں ایک شخص نے پوچھا کیا زمین پر آپ سے بڑا کوئی عالم ہے؟ آپ

نے فرمایا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ناراضگی فرمائی کہ آپ نے علم کا معاملہ اللہ کے سپرد کیوں نہ کیا (یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ بہتر جانتا ہے)۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میرا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔ (یعنی خضر علیہ السلام، یاد رہے خضر علیہ السلام علوم غیبیہ و امور تکوینیہ میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے عالم تھے جبکہ حامل تورات ہونے کے اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام علومِ شرعیہ میں خضر علیہ السلام سمیت سب سے بڑے عالم تھے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! وہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہاں تمہاری مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو وہ جگہ ہوگی جہاں تم اس سے ملو گے۔ اور بخاری ہی میں یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ایک مردہ مچھلی لے لو جہاں وہ زندہ ہو جائے وہ جگہ ہوگی۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ سفر پر نکل پڑے (وہ سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے)۔ ایک شاداب جگہ پر پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان کے سائے میں سو گئے۔ ادھر مچھلی میں حرکت ہوئی اور وہ ٹوکرے سے نکل کر سمندر میں کود گئی اور پانی میں سوراخ بناتی چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کو اس سے دور رکھا۔ حضرت یوشع نے آپ کو جگانا مناسب نہ جانا، مگر بعد میں انہیں آپ کو یہ بات بتانا ہی بھول گیا، بخاری کی یعلیٰ والی روایت کے مطابق آپ نیند سے اٹھ کر سفر پر چل پڑے۔ سارا دن اور رات سفر کیا۔ اگلے دن آپ نے حضرت یوشع سے کھانا مانگا۔ تب انہیں یاد آیا۔ انہوں نے کہا جب آپ چٹان کے سائے میں سوئے تھے تو مچھلی اچھل کر سمندر میں چلی گئی تھی اور اس نے پانی میں عجیب سرنگ نما راستہ بنالیا اور مجھے یہ بات شیطان نے بھلا دی، اب یاد آرہی ہے۔ (شیطان نہیں چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے ملیں اور علم حاصل کریں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہیں سے واپس پلٹ پڑے۔ جب اسی چٹان کے قریب پہنچے جہاں آپ نے آرام کیا تھا تو وہاں ایک شخص کو چادر اوڑھے لیٹے دیکھا۔ آپ نے سلام کہا۔ حضرت خضر نے کہا اس علاقہ میں سلام کہنے والا کون ہے۔ آپ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، کہا: کیا بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ (علیہ السلام)؟ کہا: ہاں، میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ حضرت خضر نے کہا: جو میرے پاس اللہ کا دیا ہوا علم ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو آپ کے پاس اللہ کا عطا کردہ علم ہے وہ میں نہیں جانتا۔ (یعنی آپ کے پاس علمِ شریعت ہے جس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں اور میرے پاس علمِ غیب ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ آپ نہیں جانتے)

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الکہف حدیث ۴۷۲۵)

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ ان بارہ نقباء میں سے تھے جن کو بنی اسرائیل کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا تھا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد وہ بنی اسرائیل کے نبی اور سربراہ تھے۔

مجمع البحرین

موسیٰ علیہ السلام اور خضر کی ملاقات

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ (الکہف:60/18)

"جب موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچوں گا گو مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔"

جائے وقوع مجمع البحرین

- خلیج عقبہ اور خلیج قلزم کا اتصال
- طنجہ، بحر زقاق (آبنائے جبل طارق)
- نیل ابیض اور نیل ازرق کا سنگم (خرطوم)

پرتگال
اشبیلیہ
اسپین (اندلس)
میورقہ
منورقہ
یابسہ
سارڈینیا
نیپلز
اطالیہ (اٹلی)
صقلیہ
سیراکیوز
مالٹا
تونس
الجزائر
رباط
المغرب (مراکش)
غردایہ
الجزائر
جربہ
طرابلس
غدامس
عین صالح
صحرائے اعظم
سبہا
مرزوق
بحیرۂ روم
کریٹ (اقریطش)
قبرص
بنغازی
برقہ
ھنبوب
لیبیا
سطح مرتفع تبستی
صحرائے اعظم
فاشر
دمشق
عمان
القدس
اسکندریہ
قاہرہ
سینا
مدین
مصر
بحیرۂ احمر
اقصر
دریائے نیل
صحرائے نوبیہ
دنقلہ
سوڈان
خرطوم
ابیض
نیل ازرق

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

پھر جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو آپ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا دوپہر کا کھانا لاؤ، اس سفر سے ہمیں تھکاوٹ ہوگئی ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ

خادم نے عرض کیا۔ ذرہ خیال کیجئے جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے

اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ

شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلایا کہ آپ سے اس کا ذکر کروں اور مچھلی نے سمندر میں عجیب راستہ بنالیا تھا۔ [60] آپ نے فرمایا

مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ

اُسی جگہ کو تو ہم ڈھونڈ تے تھے تو دونوں اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے واپس پلٹے۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے بندوں میں سے

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

ایک بندے (خضر علیہ السلام) کو پایا، [61] جن کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت اور علم عطا فرمایا تھا [62]

[60] دو سمندروں کے ملاپ کی جگہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک بحر سوئیس اور بحر عقبہ کا ملاپ ہے جن کے مابین صحرائے سینا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے غرقابی فرعون کے بعد زندگی کا اکثر حصہ اسی علاقہ میں گزارا تھا۔ اسی صحرا میں کوہ طور ہے جہاں آپ کو تورات دی گئی۔ راقم الحروف محمد طیب غفرلہ نے ۲۰۰۵ء میں اس علاقہ کا سفر کیا ہے۔ مذکورہ دو سمندروں کے سنگھم پر آج شرم الشیخ نامی شہر آباد ہے۔ ہم وہاں ساحل سمندر پر بھی گئے نماز فجر ساحل پر پڑھی مگر موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کی ملاقات کا مقام کہاں ہے یہ چیز وہاں کوئی بتانے والا نہیں۔

رہا یہ سوال کہ مچھلی نے سمندر میں سرنگ نما راستہ کیوں بنایا اور پانی اس کے قریب کیوں نہ آیا تو وہ اس لیے کہ مچھلی حکم الٰہی سے زندہ ہوئی یہ اس کی طبعی حیات نہ تھی مچھلی کی طبعی حیات پانی میں ہوتی ہے۔ اسے پانی کے بغیر زندہ رکھ کر بتایا گیا کہ وہ طبعی طور پر نہیں بلکہ نشان قدرت کے طور پر زندہ ہے۔ مگر یہ کہیں صراحت نہیں کہ وہ پانی میں سرنگ بنائے ہوئے کب تک زندہ رہی اور کہاں تک پھری؟ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ کچھ وقت ہی اس طرح زندہ رہی تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر نشان قدرت ظاہر ہو کہ جس طرح مچھلی کا واقعہ خرق عادت ہے اس طرح خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر مزید خرق عادت امور ظاہر ہونگے انہیں دیکھ کر آپ گھبرائیں نہیں۔

[61] حضرت موسیٰ علیہ السلام حصولِ علم کے لیے طویل سفر کر کے خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور سفر کی صعوبات برداشت کیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ کہ اس سفر سے ہمیں بہت تھکان ہوگئی ہے۔

حصولِ علم دین کے لیے سفر کرنے کی فضیلت

اس آیت کے تحت حضرت قتادہ نے فرمایا اگر علم سے اکتفا کیا جا سکتا تو موسیٰ علیہ السلام کر لیتے۔ اور حدیث میں ہے علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے (الموسوعہ لاطراف الحدیث النبوی جلد اول حرف الف) اور حدیث میں ہے فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

چنانچہ کثیر بن قیس کہتے ہیں میں مسجد دمشق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پاس ایک شخص حاضر ہوا، کہنے لگا: میں آپ کے پاس مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (طویل سفر کر کے) حاضر ہوا ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں، میرا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

''جس نے کوئی راستہ طے کیا جس میں وہ علم حاصل کرنا چاہتا تھا، اللہ اس کے لیے جنت کے راستوں میں سے کوئی راستہ آسان کردے گا، اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندر کی تہہ میں مچھلیاں بھی اور عالم کی فضیلت عابد کے اوپر ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور علماء دین وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑتے وہ اپنے پیچھے علم چھوڑتے ہیں، جس نے وہ لے لیا اس نے بہت بڑی دولت پالی۔'' (ابوداود کتاب العلم باب اول حدیث ۳۶۴۱)

یہ کیسی ایمان افروز بات ہے کہ سائل چونکہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طویل سفر کر کے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے آیا تھا، یعنی حصولِ علم کے لیے حاضر ہوا تھا۔ اس لیے آپ نے اسے وہی حدیث سنائی جس میں حصولِ علم کی بھرپور فضیلت بتائی گئی ہے۔

اس جگہ واقعۂ موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں زادِ سفر ساتھ ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کھانا ساتھ لے کر نکلے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حجاج سے فرمایا: وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی ۫ (بقرہ: ۱۹۷)

یہ بھی معلوم ہوا کہ لمبے سفر میں کسی ساتھی کا ساتھ ہونا اچھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصول علم کے لیے طویل سفر پہ نکلے تو یوشع بن نون علیہ السلام کو ساتھ لے لیا، کیونکہ سفر میں ہزار مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں، تاہم یہ ایک اچھا عمل ہے اگر اس کی ضرورت ہو تو اپنا لو ورنہ رہنے دو۔ آج کل چونکہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر ہوتا ہے جو چند گھنٹوں میں ختم ہوجاتا ہے، اس لیے ساتھی کے اہتمام کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

[62] یعنی خضر علیہ السلام جیسا کہ بخاری کی حدیث مذکور سے واضح ہوا، ان کا نسب یہ ہے خضر بن ملکان بن خالع بن عامر

بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام، اللہ تعالیٰ نے انہیں محیط ارض وسما کا علم دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: و کان رجلاً یعلم الغیب۔ وہ علم غیب رکھتے تھے۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خضر علیہ السلام کو خضر (سبز) اس لیے کہتے ہیں کہ جہاں وہ نماز پڑھتے وہ جگہ سرسبز وشاداب ہوجاتی تھی۔'' (ترمذی کتاب التفسیر سورہ کہف حدیث ۳۱۵۱) حضرت خضر زندہ ہیں یا فوت ہوگئے ہیں یہ بحث آگے آئے گی۔ حق یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں

اس جگہ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ کیونکہ کسی خاص انسان کے بارہ میں اللہ کا فرمانا کہ ہم نے اسے علم دیا یہ صرف انبیاء ہی کے لیے فرمایا جاتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ ''اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام نام سکھائے۔'' (بقرہ: ۳۰) داوٗد علیہ السلام کے بارے میں ہے: وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ''اور اسے اللہ نے جو چاہا علم دیا۔'' (بقرہ۔ ۲۵۱) عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، ''اور جب میں نے اے عیسیٰ تجھے کتاب وحکمت کا علم دیا۔'' (مائدہ۔ ۱۱۰)

لہٰذا اللہ رب العزت کا حضرت خضر کے بارے میں فرمانا کہ میں نے انہیں علم دیا یہ انکی نبوت کی دلیل ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کا حضرت خضر سے علم حاصل کرنا بھی حضرت خضر کی نبوت پر واضح دلیل ہے۔

اسی لیے امام قرطبی نے فرمایا: والخضر نبی عند الجمهور۔ جمہور کے نزدیک خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۶) امام ابوحیان اندلسی بھی فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ خضر علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں۔ (تفسیر البحر المحیط جلد ۷ صفحہ ۱۰۴)

یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ اہل تشیع بارہ اماموں کو انبیاء سے افضل جانتے ہیں، حالانکہ یہ گمراہی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دیکھو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو علم سکھایا، حضرت موسیٰ ان سے سیکھنے گئے۔ معلوم ہوا کہ غیر نبی نبی سے افضل ہوسکتا ہے، مگر جب خضر علیہ السلام نبی ہیں تو ان کی ساری دلیل ہی غلط ہے۔

شریعت کے باغی صوفیوں کا رد

پھر اس میں ان جاہل اور گمراہ صوفیاء کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ فقیروں کے پاس علمِ باطن ہوتا ہے جو علمِ ظاہر سے افضل ہے۔ اس لیے فقیروں کی بات اگر شریعت کے خلاف بھی ہو تو اس پہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کی باتیں علماء کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ فقیروں صوفیوں اور علماء کی مثال حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔ حضرت خضر ایک صوفی تھے اور موسیٰ علیہ السلام ایک عالم، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو جناب خضر کی باتیں سمجھ میں نہ آسکیں۔ اس لیے آج بھی علماء کو صوفیوں کی باتیں خلافِ شریعت لگتی ہیں اور وہ ان پہ فتوے لگاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مرید کو

اپنے پیر کی کوئی بات خلافِ شرع لگے تو وہ اس سے بدظن نہ ہو، بلکہ سمجھے کہ پیر کا خلافِ شرع کام بھی ایسے ہے جیسے خضر علیہ السلام کے کام تھے۔

مگر یہ سب جاہلانہ، ملحدانہ اور کافرانہ باتیں ہیں جو شریعت کی پابندیوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے گھڑی گئی ہیں، ایسے گمراہ و بددین پیر فقیر آج بھی ہیں، وہ نماز نہیں پڑھتے محرمات کے مرتکب ہیں اور علماء شریعت اسلامیہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خضر علیہ السلام خود ایک نبی مرسل تھے، انہوں نے جو کچھ کیا وحی الٰہی کے مطابق کیا، انہوں نے یتیم بچوں کی کفالت کرنے والی ایک کشتی توڑ دی، ایک لڑکے کو قتل کر دیا وغیرہ، مگر یہ سب کچھ حکم الٰہی سے تھا۔ جبکہ آج کوئی شخص وحی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر آج کوئی شخص شریعت کے خلاف حرکات کرے اور کہے کہ اس کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ہے تو وہ کافر ہے، کیونکہ وہ مدعی نبوت ہے۔ آج جس کو جو بھی کشف و الہام مل سکتا ہے وہ اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مل سکتا ہے۔

امام کبیر عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی متوفی ۱۱۴۳ھ فرماتے ہیں:

''کسی شخص پہ نور ایمان میں سے کچھ بھی اتباع سنت اور ترک بدعت کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتا اور کسی کا علم لدنی یا روحانی تب ہی معلوم ہو سکتا ہے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ساتھ موافق ہو، مزید وہ فرماتے ہیں:

فمن ادعیٰ انه مع محمد كالخضر مع موسیٰ او جوز ذلك لاحد من الامة فليجدد اسلامه فانه مفارق لدين الاسلام فضلا عن كونه من خاصة اولياء الله. لہٰذا جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر تو وہ دوبارہ کلمہ پڑھے کیونکہ وہ دین سے نکل گیا چہ جائیکہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہو۔ (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ جلد اول صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ فیصل آباد)

یہی گفتگو امام قسطلانی شارح بخاری متوفی ۹۲۳ھ نے ''المواہب اللدنیہ'' جلد سوم صفحہ ۲۹۷ مقصد ہفتم فصل اول میں فرمائی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کونسا علم لدنی تھا

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے خضر علیہ السلام کو اپنی طرف سے خصوصی علم عطا فرمایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کو علم غیب عطا فرمایا گیا تھا۔ (تفسیر الوسیط جلد ۳ صفحہ ۱۵۸) اسی طرح ابن جریر، قرطبی، بیضاوی، ابوحیان اندلسی اور آلوسی وغیرھم نے بھی ان کے علم کو علم غیب سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے دل کو احکامِ الٰہیہ کی اتباع کے ذریعہ انوار شریعت کے ساتھ روشن کر لیتا ہے تو اسکا دل مثل آئینہ بن جاتا ہے، جس میں لوح محفوظ کی تحریریں منعکس ہوتی ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، اسی کو علمِ باطن، علمِ لدنی اور علم غیب کہتے ہیں۔ یہ علم انبیاء و اولیاء کو عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہ علم رکھتے تھے، مگر خضر علیہ السلام سے کم۔ اس لیے انہیں خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا۔

مودودی صاحب کا خضر علیہ السلام کو فرشتہ بتانا اور اس کا رد

حضرت خضر علیہ السلام کے فرشتہ ہونے کا قول مردود اور قرآن وحدیث سے متصادم ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس قول کی صحت پر کافی زور دیا ہے کہ وہ فرشتہ ہیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔ پیچھے بخاری کے حوالے سے مذکور طویل حدیث میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا عالم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے بھیجا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا: ای الناس اعلم انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: انا۔ کہ میں سب انسانوں سے زیادہ عالم ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر باب ۲ حدیث ۴۷۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ کوئی انسان ان سے بڑھ کر عالم نہیں ہے آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ کی ساری مخلوق میں مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے تو یہ حدیث بخاری اس امر کی واضح دلیل ہے کہ خضر علیہ السلام فرشتہ نہیں انسان ہیں، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو انکے پاس اسی لیے بھیجا گیا تھا تاکہ آپ جانیں کہ دنیا میں ایسے انسان بھی ہیں جو ایسے علوم رکھتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں ہیں۔

پھر اسی واقعہ میں آگے آ رہا ہے: اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا، موسیٰ وخضر علیہما السلام نے بستی والوں سے کھانا مانگا۔ (کہف، ۷۷) اس میں کھانا مانگنے کو دونوں کی طرف منسوب کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کو کھانے کی حاجت تھی۔ گویا وہ دونوں انسانوں میں سے تھے۔

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰی هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا کیا میں آپ کی اتباع میں رہ سکتا ہوں تاکہ آپ کو جو علم دیا گیا ہے اس میں سے آپ کچھ مجھے سکھائیں۔

اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَكَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾

انہوں نے کہا آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے اور جس چیز پر آپ کا علم محیط نہیں اس پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں،

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِیۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ

حضرت موسیٰ نے کہا۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم سے نافرمانی نہیں کرونگا، انہوں نے کہا:

اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿۷۰﴾ ع

اگر آپ میری اتباع کریں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک میں خود آپ سے اسکا ذکر نہ کروں [63]

ع ۹ ۱۱ ۲۱

[63] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے نہایت مودبانہ انداز میں عرض کیا کہ میں آپ سے علم حاصل کرنے آیا ہوں کیا آپ مجھے اپنی شاگردی میں لے کر اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دیں گے تاکہ آپ مجھے وہ غیبی علم سکھائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جن امور کو اللہ نے مجھ پر بذریعہ وحی ظاہر فرمایا ہے اور آپ پر انہیں ظاہر نہیں فرمایا ان امور کے ظہور پر آپ کیسے خاموش رہ سکیں گے کیونکہ آپ کی شریعت میں وہ امور حرام ہیں۔ لہٰذا جب تک میں خود کسی چیز کی وضاحت نہ کروں آپ خاموش رہیں۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) استاذ کا احترام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں صاحب کتاب وصاحبِ شریعت نبی ہیں، مگر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خضر علیہ السلام سے وہ علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ تھا تو انہوں نے ان کے پاس حاضر ہو کر بڑے ادب کا مظاہرہ کیا اور کہا: هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ کیا میں آپ کی اتباع میں رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے اس میں سے کچھ سکھائیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ (کہف، ۶۶)

(۲) ایک نبی دوسرے نبی سے علم حاصل کرسکتا ہے۔

البتہ ایک نبی کسی غیر نبی سے اکتساب علم نہیں کرسکتا یعنی امورِ شرعیہ وعلومِ غیبیہ کا اکتساب۔ اس سے یہ مغالطہ بھی دور ہوگیا کہ کوئی غیر نبی کسی نبی سے افضل ہوسکتا ہے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ

تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو جناب خضر نے اس میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کیا آپ نے اس لیے

اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ

اس پر سوراخ کر دیا کہ اہل کشتی کو ڈبو دیں؟ آپ نے خطرناک کام کیا ہے انہوں نے کہا کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے

صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

ساتھ صبر نہ کرسکیں گے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ مجھ پر گرفت نہ کریں کیونکہ میں بھول گیا اور میرا معاملہ مجھ پر دشوار نہ بنائیں۔[64]

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ

پھر دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے خضر (علیہ السلام) نے اسے قتل کر دیا آپ نے فرمایا کیا آپ نے ایک بے قصور

نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

جانے بغیر کسی جان کے بدلے ماردی؟ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔[65]

خضر علیہ السلام کے تین کاموں پر موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض اور ان کی وضاحت

[64] حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو واپس بھیج دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل میں جا کر اقامتِ دین میں ہارون علیہ السلام کی مدد کریں۔ اسی لیے آئندہ بیان ہونے والے واقعات میں حضرت یوشع کا کہیں ذکر نہیں۔ تب موسیٰ و خضر علیہما السلام نے مل کر سفر شروع کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موسیٰ و خضر علیہما السلام سمندر کے کنارے پیدل سفر کر رہے تھے کہ قریب سے کشتی گزری، کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر اجرت سوار کر لیا۔ جب دونوں سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے کلہاڑے سے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف) ابو العالیہ (تابعی) کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نے خضر علیہ السلام کو کشتی کا تختہ اکھاڑتے نہ دیکھا، ورنہ کشتی والے انہیں ایسا نہ کرنے دیتے اور یہ اللہ کی قدرت ہے کہ ایک چیز کسی کو نظر آئے کسی کو نہ آئے۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کو جلال آ گیا۔ انہوں نے حضرت خضر سے کہا۔ کشتی والوں نے ہمیں بلا اجرت سوار کیا اور آپ ان کی کشتی ڈبونا چاہتے ہیں۔ (بخاری حوالہ مذکورہ) ایک روایت ہے کہ خضر علیہ السلام کے تختہ توڑنے کے باوجود کشتی میں پانی داخل نہ ہوا۔ (روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۷۸)

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو یاد دلایا کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک انہیں بتایا نہ جائے کہ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے تب تک وہ اس کے بارے میں سوال نہیں کریں گے، موسیٰ علیہ السلام نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ میں بھول گیا تھا لہٰذا میرا معاملہ دشوار نہ کریں یعنی میں طویل سفر کر کے آپ سے علم حاصل کرنے آیا ہوں تو آپ مجھے اپنی صحبت سے جدا نہ کریں۔

معلوم ہوا بھول معاف ہے۔ اس پر مواخذہ نہیں۔ لیکن یاد رہے اگر بھول سے کسی انسان کا جانی یا مالی نقصان کر دیا جائے تو اس کی تلافی لازم ہے۔ بھول کی معافی حقوق اللہ میں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بھول کر کسی سے وعدہ خلافی ہو جائے تو یاد آنے پر اس سے معذرت کرنی چاہیے۔

[65] پھر کشتی سے اتر کر حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام نے خشکی پر سفر شروع کر دیا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ دونوں حضرات بحر سوئیس کے کنارے سفر کر رہے تھے پھر کشتی پر سوار ہو کر سوئیس کے آخری کنارے تک پہنچے۔ یہاں سے دونوں خشکی کے راستے ترکی کے شہر انطاکیہ کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ آگے چل کر جس شہر والوں سے انہوں نے کھانا مانگا اور انہوں نے نہ دیا وہ احادیث کے مطابق ترکی کا ساحلی شہر انطاکیہ تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اس سفر میں کسی جگہ دونوں کو ایک لڑکا نظر آیا۔ خضر علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ انہوں نے لڑکے کو گردن سے پکڑا تو وہ خود ہی جسم سے الگ ہو گئی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف)

یعنی اس کے لیے آپ نے کسی آلہ قتل کا استعمال نہیں کیا، اسی لیے ابو العالیہ (تابعی) علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لڑکے کا قتل ہونا موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا اور ڈاکے ڈالتا تھا۔ کلبی کے مطابق وہ آس پاس کی بستیوں میں ڈکیتیاں کرتا تھا حالانکہ اس کے والدین معزز افراد تھے۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۱) گویا وہ چھوٹا بچہ نہیں بلکہ سمجھ دار بالغ لڑکا تھا۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ۝ قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ

انہوں نے کہا کیا میں نے پہلے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے، آپ نے کہا اگر میں اب آپ سے

عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ‌ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ۝

کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنی صحبت میں نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ٹھہر چکے [66]

فَانۡطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ قَرۡيَةِ ۨاسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ

پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے تو ان سے کھانا مانگا، انہوں نے ان کی مہمانداری سے

يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ‌ ؕ قَالَ لَوۡ

انکار کردیا[67] وہاں انہوں نے ایک دیوار پائی جو گرنا چاہ رہی تھی خضر (علیہ السلام) نے اسے کھڑا کردیا[68] موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا

شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنِكَ‌ۚ سَاُنَبِّئُكَ

اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے سکتے تھے۔ انہوں نے کہا یہ میرے اور آپ کے مابین جدائی کی جگہ ہے

بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ۝

اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کرسکے[69]

[66] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکے کے قتل پر بھول کر نہیں قصداً سوال کیا تھا۔ اسی لیے آپ نے اس موقع پر اپنے بھولنے کا ذکر نہ کیا بلکہ قتل جیسا عمل آپ برداشت نہ کرسکے کیونکہ آپ ان امورِ غیب پر مطلع نہ تھے جن پر حضرت خضر علیہ السلام آگاہ تھے۔ اس لیے آپ نے سوال کیا مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں دوبارہ کہا کہ آپ ان امور پر صبر نہیں کرسکتے تو آپ نے فرمایا اچھا اب اگر میں نے آپ کے کسی فعل پر سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ معلوم ہوا اگر ساتھی کسی وجہ سے اپنے وعدہ پر نہ چل سکے تو اسے ایک دوبار ضرور موقع دینا چاہیے۔

[67] لڑکے کے معاملہ سے فارغ ہوکر حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام آگے چل پڑے۔ آخر ایک شہر میں پہنچے اکثر روایات کے مطابق اس سے انطاکیہ (Antiack) مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ (مظہری جلد ٦ صفہ ٦٥) یہ جنوب مشرقی ترکی کا ساحلی شہر ہے جو بحیرہ روم کے ساحل سے چودہ میل دور واقع ہے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ٢٩٢ مطبوعہ مکتبہ الفیصل لاہور) یہاں پہنچے تو دونوں کو بھوک لگ رہی تھی اور زادِ راہ ختم ہوچکا تھا۔ دونوں نے اہل شہر سے کھانا

مانگا۔ مگر انہوں نے کھانا نہ دیا۔ امام بغوی نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ایک بدخلق اور بخیل بستی والوں کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ وہ مسافر اور بھوکے ہیں مگر کوئی شخص انہیں کھانا کھلانے پر تیار نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی بدخلقی سردمہری اور سنگ دلی پر بہت پُرملال ہوئے۔

حاجت مند مسافر اپنے لیے کھانا مانگ سکتا ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاجت مند مسافر اپنے لیے کھانا مانگ سکتا ہے اور ایسے مسافر کو کھانا نہ کھلانا ظلم ہے بلکہ ایسا مسافر چھین کر بھی کھانا لے سکتا ہے۔ ایسے ہی حاجت مند سائلین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،: وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ یعنی ''سوال کرنے والوں اور غلاموں کو مال دو۔'' (بقرہ، ۱۷۷) دوسری جگہ فرمایا گیا: وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ یعنی ''ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔'' (ذاریات، ۱۹) یہاں فاقہ زدہ حاجت مند سائل مراد ہے، نہ کہ پیشہ ور مانگنے والے۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سوال کرنے والے کا حق ہے۔ خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔'' (ابوداود کتاب کتاب الزکوۃ باب ۳۳، ترمذی کتاب القیامۃ باب ۴۱) یعنی ممکن ہے وہ گھوڑے پہ سفر کر رہا ہو اور اس کا زادراہ ختم ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ میں سے اس قدر دینا جائز ہے کہ وہ گھر پہنچ جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ میں فرمایا: وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ یعنی مسافر۔ (سورہ توبہ، آیت: ۶۰)

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے قبیصہ! تین آدمیوں کے سوا کسی کے لیے مانگنا جائز نہیں۔ اول: وہ مقروض جو قرض میں دب گیا اور ادائیگی کی کوئی صورت نہیں (ایسے مقروض کو قرآن میں زکوۃ دینا بھی جائز قرار دیا گیا ہے، فرمایا گیا: وَالْغٰرِمِيْنَ یعنی مقروضین، (سورہ توبہ، آیت: ۶۰) دوسرا: وہ آفت زدہ شخص کہ ناگہانی آفت نے اس کا مال تباہ کر دیا۔ تیسرا: وہ فاقہ زدہ شخص کہ تین آدمی اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دے دیں۔ (مسلم کتاب الزکوۃ حدیث ۱۰۴۴)

[68] وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے مروی ہے کہ وہ پانچ سو ہاتھ لمبی چوڑی اور تین سو ہاتھ اونچی تھی۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۲۲۳) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ دے کر کھڑا کر دیا تو وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف)

[69] حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر بول اٹھے اور حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ان کی دیوار مفت میں کھڑی کر دی۔ آپ نے ان سے اجرت کیوں نہیں لی تا کہ اس سے ہم اپنے لیے زادِ سفر کا انتظام کر لیتے۔ خضر علیہ السلام نے کہا: اب میرا اور آپ کا راستہ جدا ہے۔ یعنی آپ نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں تیسری بار سوال کروں تو مجھے صحبت سے الگ کر دیا جائے۔ البتہ

میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میں نے کشتی میں سوراخ کیوں کیا، لڑکے کا قتل کیوں کیا اور دیوار کو کھڑا کیوں کیا؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کر لیتے تو اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) سے مزید کئی عجیب باتیں دیکھتے مگر انہوں نے خود ہی کہہ دیا کہ اگر میں تیسرا سوال کروں تو مجھے صحبت سے الگ کر دیا جائے۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۵ صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ مکہ)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا

جہاں تک کشتی کا معاملہ ہے تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے ہیں، میں نے اسے عیب دار کرنا چاہا کیونکہ

وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح) کشتی (لوگوں سے) چھین لیتا تھا [70]

[70] حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے کشتی میں اس لیے سوراخ کیا کہ کشتی نے جہاں جا کر رکنا تھا وہاں ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی لوگوں سے چھین لیتا تھا اور چونکہ اس کشتی کے مالکان غریب و مسکین لوگ تھے تو میں نے کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ ظالم بادشاہ ان کی کشتی کو شکستہ و خراب دیکھ کر چھوڑ دے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کشتی دس مسکین بھائیوں کی تھی جو انہیں باپ سے وراثت میں ملی ان میں سے پانچ اپاہج تھے اور جو پانچ کشتی رانی کرتے تھے وہ بھی مختلف امراض کا شکار تھے کسی کو برص تھا تو کسی کو دائمی بخار۔

(قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) مال یتیم کی بہتری کے لیے اس میں نقصان کرنا جائز ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے مسکین لوگوں کی کشتی میں سوراخ کیا تاکہ کشتی بچ جائے۔ اسی طرح اگر کوئی ظالم یتیم کا سارا مال اٹھانا چاہتا ہے تو اس میں سے اسے کچھ دے کر باقی کو بچا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تاکہ وہ ظالم یتیم کے سارے مال کو نہ لے جائے۔

(۲) اچھی نیت گناہ کو نیکی بنا دیتی ہے۔

کسی کی کشتی میں سوراخ کرنا بظاہر ظلم ہے مگر جب کشتی بچانے کی نیت تھی تو یہ ظلم رحم بن گیا۔ اسی طرح جھوٹ بولنا باعثِ لعنت ہے مگر دو بھائیوں میں صلح کے لیے جھوٹ بولنا باعثِ رحمت ہے۔

وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا

رہا وہ لڑکا تو اس کے والدین اہل ایمان تھے تو ہم ڈرے کہ کہیں وہ انہیں سرکشی وکفر میں نہ ڈال دے۔

وَّكُفۡرًا‌ ۚ ﴿۸۰﴾ فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿۸۱﴾

چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب اس کے بدلہ میں انہیں پاکیزہ تر اور زیادہ رحمت کے لائق اولاد دے دے [71]

وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ

اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا

لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا‌ ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنۡ يَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا

اور ان کا (مرحوم) باپ ایک صالح آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختہ عمر کو پہنچیں

كَنۡزَهُمَا ‌ۖ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ‌ ۚ وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِىۡ‌ ؕ ذٰلِكَ تَاۡوِيۡلُ

اور خزانہ نکال لیں آپ کے رب کی رحمت سے اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے یہ ان باتوں کی حقیقت ہے

مَا لَمۡ تَسۡطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ؕ‏ ﴿۸۲﴾

جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ [72]

[71] حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے وہ لڑکا اس لیے قتل کیا کہ اس کے والدین اہل ایمان تھے اور وہ لڑکا انہیں سرکشی وکفر میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ لڑکا کافر تھا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف) اور ہم نے چاہا کہ اللہ اس لڑکے کی جگہ اس کے والدین کو پاکیزہ و لائق رحم اولاد عطا کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس غلام کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس کے دل پہ کفر کی مہر لگ گئی تھی اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین کو سرکشی وکفر کی وجہ سے گمراہ کر دیتا۔''

(سنن ابوداود کتاب السنۃ حدیث ۴۷۰۶)

یاد رہے حضرت خضر علیہ السلام کا یہ فعلِ قتل حکم الٰہی سے تھا کیونکہ آپ حامل وحی نبی تھے اور آپ نے خود فرمایا: وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِىۡ‌ ؕ کہ میں نے یہ سارے کام اپنی رائے سے نہیں کیے یعنی حکم الٰہی سے کیے ہیں۔ کسی شخص کا ناحق قتل ظلم اور حرام ہے مگر جب حکم الٰہی وارد ہو تو قتل لازم ہے جیسے قصاص، رجم اور جہاد اس کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح خضر

علیہ السلام نے بھی حکم ربی اور وحی الٰہی سے قتل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کے والدین کو اس کے بدلے لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک نبی نے نکاح کیا اور اس سے ایک نبی پیدا ہوا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت عطا فرمائی۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۳۷)

[72] حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے وہ دیوار اس لیے کھڑی کردی کہ وہ دو یتیم بچوں کی تھی اس کے نیچے ان کا خزانہ دبا ہوا تھا جو ان کا مرحوم باپ ان کے لیے چھوڑ گیا جو ایک صالح آدمی تھا اگر اتنی بڑی دیوار اس جگہ گر جاتی تو وہ یتیم بچے اپنا خزانہ وہاں سے کبھی نہ نکال سکتے یا مشکلات کا شکار ہوجاتے۔ تو اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کے رب نے چاہا (اور مجھے حکم دیا) کہ یہ دیوار کھڑی کردی جائے تاکہ وہ لڑکے بڑے ہوکر اپنا خزانہ بآسانی نکال سکیں اور میں نے یہ سب کام اپنی مرضی سے نہیں اللہ کی مرضی سے کیے ہیں۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ خزانہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر تقدیر میں ایمان اور دوزخ سے ڈرانے کی بات لکھی تھی اور آخر میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۹۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس جگہ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ کے تحت حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان دو یتیم بچوں کا باپ بہت امانت دار تھا وہ لوگوں کی امانتیں اور ودیعتیں ان تک پہنچاتا تھا، (اس لیے اللہ نے اس کے مال کی حفاظت کی) (ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۳۷۵ حدیث ۱۲۸۸۲) ایک روایت میں ہے ان کے باپ کا نام کاشح تھا۔ (قرطبی)

عیب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب دار کرنا اللہ ہی کے حکم سے تھا مگر آپ نے فرمایا: فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے کشتی کو عیب دار کرنا چاہا مگر جب اچھائی کی بات آئی تو آپ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا، تیرے رب نے چاہا کہ دونوں یتیم بچے بالغ ہوکر اپنا خزانہ وہاں سے نکال لیں۔ اس میں تعظیم الوہیت کا درس ہے۔

کمال عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادے کو ارادۂ خدا میں فنا کردے

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی بار کہا: فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا اس میں صرف اپنے ارادے کا ذکر ہے۔ دوسری بار کہا: فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا اس میں صرف اپنا ارادہ مذکور نہیں ساتھ میں اللہ کا ارادہ بھی مذکور ہے۔ یہ پہلے سے افضل درجہ ہے کہ آپ نے اپنے ارادے کو ارادہ الٰہی کے ساتھ ملا دیا۔ مگر آخری بار آپ نے فرمایا: فَاَرَادَ رَبُّكَ۔ اس میں صرف ارادۂ الٰہی ہی کا ذکر ہے۔ آپ نے اپنے ارادے کو اللہ کے ارادہ میں فنا کردیا اور یہ درجہ کمال ہے۔ گویا مومن کے درجات میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی ہے۔ پہلے درجہ میں وہ صرف اپنے ارادے پہ نظر کرتا ہے، دوسرے درجہ میں اس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھی دیکھتا ہے اور آخری درجہ میں صرف اللہ کے ارادے کو دیکھتا ہے اور اپنے ارادے کو اس میں گم

کر دیتا ہے۔

غصبِ باغِ فدک کا رَدّ

اللہ تعالیٰ نے ایک صالح آدمی کی میراث ضائع نہ ہونے دی اور موسیٰ وخضر علیہما السلام کو بھیجا کہ اس کے بچوں کے خزانہ پر گرنے والی دیوار کو نہ گرنے دیں تاکہ اس مرد صالح کی میراث ضائع نہ ہو جائے۔ اور امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ساتویں پشت میں ان کا باپ تھا اور صالح تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں پشت میں ان کا باپ تھا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۳۸ مطبوعہ داراحیاء بیروت) اب سوچیے! جب اللہ تعالیٰ ایک صالح شخص کی میراث اس کی ساتویں پشت میں جا کر بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔

لہٰذا اگر باغِ فدک حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی میراث ہوتی جو آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نصیب تھی جیسا کہ اہل تشیع سمجھتے ہیں تو اللہ رب العزت اسے کبھی ضائع نہ ہونے دیتا اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تک ضرور پہنچاتا۔ حق یہ ہے کہ کسی نبی کی مالی میراث ہوتی ہی نہیں نبی کی میراث اس کا دین ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کے ہاں چھٹے امام معصوم جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا: ''بیشک علماء انبیاء کے وارثین ہیں کیونکہ انبیاء اپنے پیچھے سونا چاندی چھوڑ کر نہیں جاتے وہ اپنے پیچھے اپنی احادیث چھوڑ کر جاتے ہیں جس نے ان کی احادیث حاصل کر لیں اس نے بڑا خزانہ حاصل کر لیا۔''
(اصول کافی کتاب العلم باب فضل العلم جلد اول صفحہ ۳۲ مطبوعہ تہران)

حضرت خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں علماء میں بہت اختلاف ہے۔ بعض ان کو زندہ مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ جمہور علماء ان کی جسمانی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک وہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ وہ اپنی طبعی زندگی گزار کر فوت ہو گئے۔ علامہ محمود آلوسی نے روح المعانی میں اس موضوع پہ بہت طویل کلام کیا ہے۔ ان کی وفات کے قائلین اور حیات کے قائلین دونوں کے دلائل بالتفصیل ذکر کیے ہیں اور آخر میں یہی نتیجہ نکالا ہے کہ قائلینِ وفات کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں ایک بار ہمیں نماز عشاء پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ''کیا آج کی رات کے بارے میں تم جانتے ہو؟'' پھر فرمایا: فان رأس مأة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد۔ ''اس رات سے لیکر سو برس تک کوئی شخص جو زمین کی پشت پہ زندہ ہے باقی نہیں رہے گا۔'' (بخاری کتاب العلم باب العلم والعظة باللیل حدیث ۱۱۵)

یہ حدیث اس بات پہ نص ہے کہ جو شخص بھی اس وقت زمین کی پشت پہ موجود تھا وہ سو برس تک زندہ نہ رہا۔ تو حضرت خضر کو اب تک زندہ کیسے مانا جا سکتا ہے اور یہ بخاری کی حدیث صحیح ہے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت خضر علیہ السلام کی حیات

کے بارے میں جو روایات وحکایات ہیں ان پہ جرح ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

اس عقدہ کو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے حل فرمایا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کو برزخی وروحانی حیات حاصل ہے جس کے ساتھ وہ دنیا میں آتے اور لوگوں سے ملتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو حضرت مجدد نے ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہاں میں (حضرت خضر علیہ السلام) اور حضرت الیاس علیہ السلام ہم دونوں فوت شدگان میں سے ہیں مگر ہماری ارواح کو وہ قوت حاصل ہے جس سے ہم زندوں والے افعال کرتے ہیں۔" (تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۲۶ مطبوعہ دہلی)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا
اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارہ میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیں میں ابھی تمہیں اس کا کچھ ذکر سناتا ہوں۔ ہم
مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝
نے اسے زمین میں حکومت دی اور ہر قسم کے اسباب زندگی عطا کیے تو اس نے ایک سفر کا ارادہ کیا۔ [73]

بادشاہ ذوالقرنین کے تین سفروں کا بیان

[73] سورہ کہف کے آغاز میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ سورت یہود کے تین سوالات کے جواب میں اتری تھی۔ ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ذوالقرنین کون تھا جس نے مشرق ومغرب کا سفر کیا تھا؟ تو اب ذوالقرنین کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے ہم نے زمین میں حکومت دی تھی اور ہر طرح کے اسبابِ زندگی یعنی وسائل سلطنت مہیا کیے تھے۔ جدید مفسرین کے خیال میں اس سے ایرانی سلطنت کا بانی کسریٰ مراد ہے جسے مختلف زبانوں میں خسرو، خورس اور انگلش میں (Serus) کہتے ہیں اور سب کا تلفظ قریب قریب ہے۔ یہود اسے اپنا محسن اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں اسی لیے انہوں نے اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یاد رہے جب ۵۹۸ قبل مسیح میں یہود کی بداعمالیوں کے سبب ان پر بخت نصر مسلط ہوا تو اس نے لاکھوں بنی اسرائیل قتل کر ڈالے۔ یروشلم سمیت ساری یہودی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور لاکھوں بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر اپنے پایہ سلطنت بابل (عراق) میں لے آیا۔ ان میں دانیال علیہ السلام بھی تھے اور نصف صدی تک انہیں قید و بند میں رکھا۔ پھر رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ بنی اسرائیل کا وقت امتحان ختم ہوا۔ اور ۵۴۹ قبل مسیح میں اللہ نے ایران سے شاہ کسریٰ کو اٹھایا جس

نے بابلی حکومت سے ٹکر لی اور ان کے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا۔ یہود کو آزادی دی اور یروشلم پر ان کی حکومت بحال کر دی۔ اس کے صلہ میں اللہ نے اس کی حکومت شرق و غرب میں پھیلا دی اور قریباً تمام متمدن دنیا اس کے زیر نگیں ہو گئی مغرب میں یونان اور مشرق میں قندھار و مکران تک اس کا جھنڈا لہراتا تھا۔ پھر تیسری صدی قبل مسیح میں یونان سے قیصری حکومت اٹھی اس نے اکثر بلادِ مغرب اور بلادِ عرب پر قبضہ کر کے انہیں ایرانی سلطنت سے الگ کر لیا۔ یوں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ مشرق میں ایرانی اور مغرب میں یونانی۔ آخر اسلام آیا اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں دونوں سلطنتیں ختم ہو کر دامنِ اسلام میں آ گئیں۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا زیر عنوان اسرائیل، مطبوعہ مکتبہ الفیصل، لاہور)

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ

ایرانی سلطنت کے بانی شاہ کسریٰ کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین کا معنی ہے دو سینگوں والا۔ اس نے پہلے مغرب کا رخ کیا اور فتوحات کرتا ہوا یونان تک جا پہنچا پھر مشرق کا رخ کیا اور ساحل مکران تک آ گیا تو اس نے خود کو ایسے طاقتور مینڈھے سے تشبیہ دی جس نے ایک سینگ سے مغرب کو اور دوسرے سینگ سے مشرق کو اپنی طرف کھینچ لیا چنانچہ وہ سر پر ایسا تاج پہنتا تھا جس پر دو سینگ بنے ہوئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں اصطخر کے کھنڈرات سے پتھر کی ایک تختی ملی ہے جس پر فارسی سلطنت کے بانی کسریٰ کی تصویر ہے جس کے سر پر مینڈھے کے دو سینگ ہیں۔ (تفسیر ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور)

اس کے علاوہ اسے اس لیے بھی دو سینگوں والا کہا گیا کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے بخت نصر کی قید میں خواب دیکھا کہ دریا کے کنارے دو سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہے جو اس قدر طاقتور ہے کہ مغرب و شمال و جنوب میں سینگ مارتا ہے۔ (کتاب دانیال مندرجہ بائبل صفحہ ۸۴۸ باب ۸ آیت ۳ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) اور اس خواب کی تعبیر کے مطابق کسریٰ نے بخت نصر کی حکومت کا خاتمہ کیا اور بنی اسرائیل کو آزادی دلائی۔ اس لیے بھی کسریٰ نے خود کو ذوالقرنین دو سینگوں والا قرار دیا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا

یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اسے ایک سیاہ جھیل میں ڈوبتے پایا[74] اور اس کے پاس

قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ

ایک قوم دیکھی ہم نے کہا اے ذوالقرنین! خواہ تم انہیں سزا دو اور خواہ ان سے حسن معاملہ کرو

حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ

اس نے کہا: جس نے ظلم کیا ہم اسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا

عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨ الْحُسْنٰى ۚ

تو وہ اسے بُرا عذاب دے گا [75] لیکن جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے اس کے لیے اچھی جزا ہے

وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿ؕ۸۸﴾

اور ہم عنقریب اس کے لیے آسانی کا حکم سنائیں گے[76]

[74] یعنی ذوالقرنین نے سفر کا ارادہ کیا اور مغرب کی جانب چلا۔ وہ فتوحات کرتا ہوا مغرب کی طرف بڑھتا گیا۔ اس وقت نور علم کم پھیلا تھا اور انسان یہی سمجھتا تھا کہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی کوئی خاص جگہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین (کسریٰ) پہلے مغرب کی طرف بڑھا ایک جگہ پہنچ کر اس نے سمجھا کہ آگے کوئی زمین نہیں ہے۔ وہاں اس نے سورج کو سیاہ رنگ سمندر میں ڈوبتے دیکھا اور سمجھا کہ یہی سورج کی جائے غروب ہے۔ یہ جگہ کون سی تھی اس کا کوئی تعین نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے وہ افریقہ کے آخری مغربی ملک مراکش کا مغربی ساحل ہو۔

[75] مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ مغرب میں جہاں کسریٰ پہنچا وہاں یونانی قوم سے اس کا واسطہ پڑا جو بداخلاق بدعہد لوگ تھے۔ ان سے کسریٰ نے بہت فیاضانہ سلوک کیا مگر جواب میں انہوں نے بدعہدی و بے وفائی کرتے ہوئے اس پر شب خون مارا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ان پر مکمل غلبہ دیا۔ ملخصاً (ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۰۴ مطبوعہ اسلامی اکادی لاہور) اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! خواہ تم انہیں سزا دو یا ان سے بھلائی کرو تمہیں اختیار ہے۔

اس جگہ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ ذوالقرنین نبی تھا کیونکہ اللہ نے اس سے براہ راست کلام کیا یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا آدم یا ابراھیم یا داؤد اور یا موسیٰ وغیرہ، مگر تحقیق یہی ہے کہ ذوالقرنین ایک مومن و صالح حاکم تھا مگر نبی نہ تھا رہا اللہ کا فرمانا: یٰذَا الْقَرْنَیْنِ۔ تو ممکن ہے یہ خطاب اسے

کسی نبی کے واسطہ سے ہوا ہو جیسے قرآن میں جا بجا یَآیُّھَا النَّاسُ ہے اور یہ حضور ﷺ کے واسطہ سے ہے اور بعض روایات کے مطابق کسریٰ کے لشکر میں حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ (روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۹۴) اور ممکن ہے حضرت دانیال علیہ السلام بھی اس کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ انہی کے خواب کی تکمیل میں ذوالقرنین نے مشرق ومغرب کا سفر شروع کیا تھا۔

[76] ذوالقرنین نے کہا جو لوگ اطاعت کی بجائے کفر اور ظلم کا راستہ اپنائیں گے۔ انہیں میں بھی سزا دوں گا اور روز قیامت اللہ بھی انہیں عذاب دے گا اور جو لوگ ایمان لے آئیں اور اچھے اعمال اپنائیں ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہترین جزا ہے اور میں بھی ان کے لیے آسانیاں کروں گا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ

پھر اس نے رختِ سفر باندھا یہاں تک کہ جب وہ طلوعِ آفتاب کی جگہ پہنچا تو اسے ایسی قوم پر طلوع کرتے پایا

لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ط وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

جن کے لیے ہم نے سورج کے بالمقابل کوئی آڑ نہ بنائی تھی۔ اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہمیں ان کی پوری خبر تھی [77]

[77] ذوالقرنین جب اس وقت مغرب میں دنیا کی انتہاء تک پہنچ گیا تو پھر اس نے مشرق کا رخ کیا اور فتوحات کرتا ہوا وہاں پہنچا جہاں اسے آگے کوئی دنیا نظر نہ آئی اور پھر کسی سمندر نے اس کا راستہ روک لیا۔ شائد وہ خلیج فارس ہو یا کوئی اور۔ تو اس نے سمجھا کہ اس نے مشرق کا آخری کنارہ پالیا ہے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایسی قوم کے پاس غروب ہو رہا ہے جو بالکل برہنہ تھے۔ ان کے اور سورج کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی گویا وہ تمدن وشہریت کے تصور سے یکسر محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ذوالقرنین کے پاس جو بھی اسبابِ سلطنت تھے وہ ہمیں معلوم تھے۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ

پھر اس نے رخت سفر باندھا، حتی کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ان سے ادھر ایک قوم پائی

لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ

جو کوئی بات سمجھ نہ سکتے تھے [78] وہ کہنے لگے اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج

مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا

کے لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں تو کیا ہم تمہارے لیے مال جمع کریں تاکہ تم ہمارے اور ان کے درمیان مضبوط

وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ

دیوار بنا دو؟ اس نے کہا میرے رب نے مجھے جو قوت دی ہے وہی بہتر ہے۔ تم بس (جسمانی) قوت سے میری مدد کرو تو میں

اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ ۙ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی

تمہارے اور ان کے درمیان آڑ باندھ دوں گا۔ تم میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ چنانچہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے

بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ

درمیان دیوار برابر کر دی تو کہا آگ جلاؤ یہاں تک کہ جب دیوار کو آگ بنا دیا تو کہا لاؤ میں اس پر

عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿۹۶﴾ؕ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾

تانبا انڈیل دوں۔ تب یاجوج ماجوج اس دیوار پر نہ چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ [79]

[78] مشرق و مغرب کی مہمات سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے شمال کا رخ کیا اور وہ کسی ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑی سلسلے آپس میں آ کر ملتے تھے اور ان کے مابین ایک دُرّہ تھا۔ درے سے آگے شمال کی طرف ایک خونخوار قوم یاجوج و ماجوج آباد تھی اور وہ اس دُرّے کے راستے جنوب کا رخ کرتے اور متمدن لوگوں میں قتل و غارت پھیلاتے رہتے تھے تو درے سے ادھر والے لوگوں نے ذوالقرنین سے اس خطرناک صورتحال کا ذکر کیا۔ وہ اگرچہ ذوالقرنین کی بات نہیں سمجھتے تھے نہ اپنی بات سمجھا سکتے تھے مگر کسی نہ کسی طرح ذوالقرنین ان کا مقصد سمجھ گیا۔

[79] انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم اپنے اوپر خراج (ٹیکس) لگا کر بہت سا مال جمع کریں تا کہ تم اس سے اس درّے کو ہمارے لیے بند کردو اور ہم یاجوج وماجوج کی فسادگری سے بچ جائیں؟ ذوالقرنین نے کہا: میرے پاس اللہ کا دیا ہوا مال بہت ہے میں تم پر کوئی ٹیکس نہیں لگانا چاہتا، البتہ تم جسمانی طور پر اس کام کی تکمیل میں میری مدد کرو تو میں یہ درّہ بند کردوں گا۔ تم لوہے کے تختے لاؤ جنہیں ایک دوسرے پر کھڑا کیا جائیگا۔ جب تختے کھڑے کردیئے گئے تو اس نے کہا اب تانبا پگھلا کر لاؤ جسے تختوں کے جوڑوں پر ڈالا جائے گا تا کہ وہ تختے آپس میں سخت پختہ جڑ جائیں چنانچہ ایسی مضبوط آہنی اور بلند دیوار کھڑی کی گئی کہ اس کے بعد یاجوج وماجوج نہ تو اس کے اوپر چڑھ سکے نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے یعنی اس دیوار کو کچھ بھی نقصان دینا ان کے بس سے باہر تھا۔

ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کہاں واقع ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین شمال میں اسی مقام تک پہنچا اور یہ دیوار بنا کر واپس آ گیا۔ ذوالقرنین کی دیوار کہاں واقع ہے؟ جدید مفسرین نے اندازہ کیا ہے کہ بحرِ اسود اور بحرِ حزر کے درمیان اونچے پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ میں کسی جگہ وہ درہ تھا جس کو ذوالقرنین نے دیوار سے بند کیا۔ چنانچہ بحرِ حزر (بحرِ قزوین) کے قریب ایک شہر ہے جسے دربند کہتے ہیں جب پہلی صدی میں مسلمانوں کا یہاں قبضہ ہوا تو اسے ''باب الابواب'' کا نام دیا۔ وہاں ایک عظیم آہنی دیوار کا پتہ چلا ہے اور اسی لیے اس جگہ کا نام دربند رکھا گیا ہے۔ اسی جگہ پہلی صدی عیسوی میں مشہور عبرانی مورخ جو زلفیس نے ایک آہنی دیوار کی نشان دہی کی ہے۔ (ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۳۸ مطبوعہ لاہور)

اسلامی مورخ علامہ ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کی آبادیاں ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں ان کے مابین کوہِ قاف کی حدِّ فاصل ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سدسکندری ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۷۹ بحوالہ معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۶۳۸)

یاد رہے بحرِ حزر اور بحرِ اسود سے جنوب میں ترکی واقع ہے اور مشہور ہے کہ اہل ترکی کو اس لیے اتراک کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ یاجوج وماجوج ہی کی وہ نسل ہے جو سدسکندری سے جنوب میں متمدن دنیا میں رہنے دی گئی، یعنی ترک کی گئی۔

ابن ابی حاتم، ابن منذر اور ابن اسحاق نے حضرت وہب بن منبہ (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ذوالقرنین نے جب شمال کا رخ کیا تو بلادِ ترکیہ کے آخری شمالی کنارہ پر پہنچ کر اس نے ایک وحشی قوم (یاجوج وماجوج) سے بچاؤ کے لیے دو پہاڑوں کے درمیان دیوار بنائی۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

امام ابن کثیر نے البدایہ میں مفصل لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ترکی میں جہاد شروع ہوا تو اسلامی لشکر کے امیر حضرت عبدالرحمان بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) نے ترکی امراء کے ذریعے سد ذوالقرنین کی تلاش میں لوگ بھیجے وہاں انہوں نے دیکھا کہ دو پہاڑیوں کے درمیان اونچی دیوار ہے۔ وہ پہاڑوں پر چڑھے تو دیکھا دیوار کی دوسری طرف

یاجوج وماجوج

﴿حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ﴾

"حتیٰ کہ جب یاجوج وماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے دوڑتے آئیں گے" (الانبیاء:96/21)

دور جدید کے محققین کے مطابق یاجوج وماجوج سے بچاؤ کے لیے ذوالقرنین (سائرس اعظم) نے جو دیوار تعمیر کی وہ دربند (داغستان) کے قریب تھی لہٰذا دیوار چین کو یاجوج ماجوج والی دیوار خیال کرنا درست نہیں۔

بحر منجمد شمالی
بحر اوقیانوس
برطانیہ
جرمنی
وی آنا
یورپ
دریائے ڈینیوب
قسطنطنیہ
بحیرہ اسود
ایشیائے کوچک
بحیرہ روم
شام
اسکندریہ
قاہرہ
مصر
خرطوم
سوڈان
ادیس ابابا
حبشہ
جھیل وکٹوریہ
ماسکو
قازان
دریائے وولگا
دریائے یورال
سائبیریا
قازقستان
تفلس
باکو
دربند
بغداد
خراسان
اصفہان
خوارزم
بخارا
سمرقند
جھیل بالکش
کابل
افغانستان
لاہور
دریائے سندھ
فارس
خلیج فارس
خلیج عمان
مسقط
جزیرہ نمائے عرب
مدینہ
مکہ
بحیرہ احمر
یمن
عدن
بحیرہ عرب
سقوطرہ
بحر ہند
دہلی
بنارس
بھارت
ممبئی
مدراس
خلیج بنگال
سراندیپ
کولمبو
(سیلون یا سری لنکا)
تبت
لاسا
دریائے برہم پتر
دریائے گنگا
سنکیانگ
ارمچی
منگولیا
قرہ قرم
اولان باتور
جھیل بیکال
چین
بیجنگ
دیوار چین
دریائے ہوانگ ہو
دریائے یانگسی
دریائے سی کیانگ
تائیوان
کوریا
جاپان
ٹوکیو
بحر الکاہل
فلپائن
بحیرہ چین جنوبی
ہینان
بنکاک
برونائی
سراوک
جزائر انڈونیشیا

گہری سیاہ خندق ہے جو اپنی گہرائی کی وجہ سے کالی رات سے بھی سیاہ نظر آتی ہے۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ دارالریان بیروت)

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ میں نے دیوار یاجوج وماجوج دیکھی ہے۔ آپ نے فرمایا بتاؤ وہ کیسی تھی؟ اس نے کہا جیسے دھاری دار چادر ہو ایک دھاری سرخ ایک دھاری سیاہ ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے واقعی صحیح دیکھا ہے۔ (کیونکہ اس میں سیاہ آہنی چادریں ہیں اور ان کے جوڑوں پر سرخ تانبہ کا لیپ ہے)۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

یاجوج وماجوج کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہیں اور ان کے بارے میں ڈراؤنی شکلوں والی روایات غلط اور ناقابلِ حجت ہیں اور اہل ترک انہی کی نسل سے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان کا اصل نام ''ماگ اور میگاگ'' تھا۔ یہ دو قومیں تھیں عربی میں یہ الفاظ یاجوج وماجوج بن گئے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ

ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو اسے زمین سے برابر کردے گا اور

وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي

میرے رب کا وعدہ سچا ہے اور ہم اس دن یاجوج و ماجوج کو چھوڑ دیں گے کہ موج در موج نکلیں گے اور صور میں

الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اچھی طرح جمع کریں گے اور اس دن جہنم کو کفار کے سامنے رکھ دیں گے

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

جن کی آنکھیں ہمارے ذکر سے پردۂ غفلت میں تھیں اور وہ کچھ سن نہ

سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

سکتے تھے [80]

ع ۱۹ ۱۱ ۲

[80] یعنی جب قیامت کا وعدہ آجائے گا تو اللہ رب العزت اس دیوار کو خود ہی ختم کردے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت ''یاجوج وماجوج'' موج در موج نکلیں گے پھر صور پھونکا جائے گا۔ پھر ہم سب انسانوں کو جمع کریں گے اور جہنم منکروں کے سامنے پیش کردی جائے گی۔ یعنی وہ لوگ جو جہنم کو نہیں مانتے تھے اور اللہ کے ذکر (قرآن اور دیگر

آسمانی کتابوں) کے قبول کرنے سے ان کی آنکھیں پردے میں تھیں یعنی ان پر تعصب اور ضد کا پردہ آ گیا تھا اور اپنے کانوں میں انہوں نے انگلیاں ٹھونس لی تھیں تو وہ حق سن نہیں سکتے تھے۔

کیا قوم یاجوج و ماجوج آج کہیں کسی دیوار کے پیچھے موجود ہے؟

یاد رہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ قیامت سے پہلے وہی یاجوج و ماجوج نکلیں گے جو ذوالقرنین کے زمانہ میں فساد کرتے تھے اور ان کا راستہ روکنے کے لیے دیوار بنائی گئی تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انہی کی نسل سے یا ان کی صفات والی کوئی خوفناک اور تباہ کن قوم قیامت سے قبل پیدا کی جائے گی جو یاجوج و ماجوج کہلائے گی اور سد ذوالقرنین گر جائے گی اور وہ قوم اسی راستہ سے نکل کر زمین پر پھیلیں گے اور حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کے مطابق اس سے قبل عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے پھر یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا اور وہ زمین میں فساد ڈالیں گے۔ تب حضرت عیسیٰ کی دعا سے اللہ ان کی گردنوں میں کیڑے ڈالے گا اور وہ سب مر جائیں گے اور فرشتے ان کی لاشوں کو جو زمین پر پھیلی ہوں گی اٹھا کر سمندروں میں پھینکیں گے۔ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۰)

اور جو حدیث ترمذی ہے کہ یاجوج و ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں حتیٰ کہ دوسری طرف سے انہیں سورج کی شعاع نظر آنے کے قریب ہوتی ہے تو کھودنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگلے دن وہ دیوار پہلے سے موٹی ہو چکی ہوتی ہے مگر قیامت کے قریب ان کا امیر کہے گا انشاء اللہ کل مزید کھودیں گے تو اگلے دن وہ موٹی نہ ہوگی اور وہ دیوار کو توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور ساری زمین کا پانی پی جائیں گے۔ اس حدیث کے متن اور سند میں غرابت و نکارت ہے۔ اس کے راویوں میں ایک شخص عبدالاعلیٰ ہے جسے امام احمد بن حنبل، ان کے بیٹے عبداللہ بن احمد اور امام ابوزرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام ابوحاتم اس کی مروی حدیث کو ناقابلِ حجت سمجھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۹۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

پھر یہ حدیث نصِ قرآن کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ ''یاجوج و ماجوج اس دیوار میں کوئی سوراخ تک نہ کر سکے۔'' (کہف: ۹۷)

یعنی وہ لوہے اور تانبے سے اس قدر مضبوط بنائی گئی کہ وہ اس کو کچھ نقصان نہ دے سکتے تھے حتیٰ کہ اس میں ذرہ سا سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے پھر یہ کہنا کہ وہ روزانہ اسے کھودتے ہوئے اتنا قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف سے سورج کی شعاعیں نظر آنے والی ہوتی ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں کس طرح قابل قبول ہے۔ کیا وہ دیوار مٹی کی بنی ہوئی ہے کہ اسے کھودتے ہوئے وہ اس کو گرانے کے قریب کر دیتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ دیوار کو اپنی زبانوں سے چاٹتے ہوئے اتنا باریک کر دیتے ہیں کہ دوسری طرف سے روشنی آنے لگتی ہے۔ حیرت ہے کیا وہ دیوار گڑ یا چاکلیٹ کی بنی ہوئی ہے کہ وہ اسے چاٹ چاٹ کر باریک کر دیتے ہیں؟ قرآن کے بقول وہ اس قدر مضبوط آہنی دیوار تھی کہ وہ اس میں ہلکا سا سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

لہٰذا امام ابن کثیر کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اس حدیث کا متن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے لیا ہوگا جو ان کے دوست تھے اور ان کے پاس اسرائیلیات کا ذخیرہ تھا۔ پھر کسی راوی نے غلط فہمی سے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ (اصل میں یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول تھا) (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ١١٠)

پھر جب اس دیوار کو حدیث و تاریخ کے شواہد کی روشنی میں بہت سے لوگ دیکھ چکے ہیں جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے اور اس علاقہ کا تعین ہو چکا ہے تو آج تک وہاں یاجوج و ماجوج کیوں نظر نہیں آئے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ

کیا کفار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ میرے مقابلہ میں میرے بندوں کو اپنے مددگار بنا لیں گے؟ ہم

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝١٠٢ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ

نے تو کفار کے لیے جہنم کی میزبانی تیار کر رکھی ہے [81] آپ فرمائیں کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کس کے اعمال سب سے زیادہ

اَعْمَالًا ۝١٠٣ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

خسارے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیوی زندگی میں رائیگاں ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ

يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝١٠٤ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ

بہت اچھا کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات سے انکار کیا تو ان کے اعمال

اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ

ضائع ہو گئے۔ ہم روز قیامت ان کا کچھ وزن نہ بنائیں گے [82] یہ ان کی سزائے جہنم اس لیے ہے کہ

بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝١٠٦

انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو نشانہ مذاق بنا لیا تھا [83]

روز قیامت مومنین کیلئے کیسی میزبانی ہوگی اور منکرین کیلئے کیسی؟

[81] گزشتہ آیت میں کہا گیا کہ روز قیامت کفار کے سامنے جہنم لا کر رکھ دی جائے گی اب اسی کی تفصیل بتائی جا رہی

ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار میرے مقابلہ میں میرے بندوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں تو کیا وہ اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، الٹا وہ اپنے لیے جہنم تیار کر رہے ہیں۔ یاد رہے سورہ کہف مکی ہے اور اہلِ مکہ نزولِ قرآن کے وقت بت پرستی میں مبتلا تھے تو یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے اور عبادی سے مراد بت ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے مقابلہ میں بتوں کو اپنے مددگار بنانے والے کفار کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس آیت کے تحت حضرت مقاتل (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الاصنام سمّاھا عباداً کما قال اللہ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتوں کو عباد (بندوں) کا نام دیا جیسے کہ اللہ فرماتا ہے ''جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں۔'' (اعراف: ۱۹۴) (بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۳۶)

البتہ اس آیت کے مفہوم میں یہود و نصاریٰ کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم جیسے بندگانِ خدا کو اللہ کے مقابلہ میں اپنا رب اور کارساز سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مقابلہ میں کون کسی کی مدد کر سکتا ہے؟ اس گفتگو سے معلوم ہوا اللہ کی رضا کے تحت کسی کو اپنا مددگار بنانا جائز ہے اور یہ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ میں داخل نہیں جیسے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی دعا نقل فرماتا ہے: وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ؁۷۵ ''اے اللہ! ہمارے لیے اپنی طرف سے حامی کار بنا اور اپنی طرف سے مددگار عطا فرما۔'' (نساء ۷۵)

بتوں کے حق میں اترنے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پہ چسپاں کرنے کی گمراہی

اس جگہ دورِ حاضر کے بعض انتہاء پسند نجدی فکر کے حامی لوگ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِيَآءَ کا یہ مفہوم لیتے ہیں کہ جو لوگ نبیوں ولیوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں ایسے کافروں کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عبادی کا لفظ پتھر کے بتوں پر نہیں بلکہ انسانوں پہ صادق آتا ہے اور وہ انسان انبیاء و اولیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ استدلال قطعی غلط اور انتہاء پسندی پہ مبنی ہے۔

اول: یہ کس نے کہا ہے کہ عبادی کا لفظ بتوں پہ صادق نہیں آ سکتا؟ قرآن کے مطابق ہر شئ اللہ کی عبد ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؁۹۳ ''زمین و آسمان میں جو بھی چیز ہے وہ رحمان کے پاس عبد بن کر حاضر ہوتی ہے۔'' (مریم، ۹۳)

دوم: یہ آیات ان کفار کے لیے نازل ہوئیں جو بت پرست تھے اور قیامت پہ ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ آگے فرمایا گیا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کو نہیں مانتے۔'' (کہف، ۱۰۵)

صاف معلوم ہوا کہ یہ آیات منکرینِ قیامت کے بارے میں نازل شدہ ہیں۔ انہیں مسلمانوں پہ چسپاں کرنا فتنہ

انگیزی کے سوا کچھ نہیں ہے۔کیا کوئی مسلمان ہے جو قیامت پہ ایمان نہیں رکھتا؟ سوم: بقول حضرت رضی اللہ عنہ مقاتل قرآن نے دوسری جگہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو عباد کہا ہے۔فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ۔
''بیشک تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔'' (اعراف، ۱۹۴)

[82] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت یہود و نصاریٰ کے لیے ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف باب ۵) یعنی ایمان کے بغیر جو لوگ نیکیاں کرتے ہیں جیسے نصاریٰ کے راہبین اور یہود کے ربیین بہت عبادت و ریاضت کرتے ہیں وہ سب برباد ہے کیونکہ وہ اللہ کی آیات (قرآن کریم) اور اللہ سے ملاقات (روز قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا ان کے اعمال ضائع ہیں اور روز قیامت ان کا اور ان کے اعمال کا کچھ وزن نہ ہوگا۔یہود و نصاریٰ اگر چہ بظاہر قیامت کو مانتے ہیں مگر ان کا کہنا کہ وہ اللہ کے محبوب اور اس کے بیٹے ہیں لہٰذا وہ ہر حال میں بخشے ہوئے ہیں۔یہ قیامت سے انکار کے مترادف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''روز قیامت ایک عظیم الجثہ (کافر) انسان آئے گا مگر اللہ کے ہاں اس کا وزن مچھر سے بھی کم ہوگا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا﴿۱۰۵﴾'' (بخاری کتاب التفسیر سورہ کہف باب ۶)

یونہی کفار کے اعمال دیکھنے میں پہاڑوں کے برابر ہونگے مگر ان کا وزن ذرہ برابر نہ ہوگا اور مومنین کے اعمال بظاہر ادنیٰ ہونگے مگر ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ان کا وزن پہاڑوں کے برابر ہوگا۔

[83] کفار اللہ کی آیات (آسمانی کتابوں) اور اس کے رسولوں سے انکار اور تمسخر کرتے رہے اس کے لیے ان کی سزا جہنم ٹھہری۔معلوم ہوا کسی آسمانی کتاب اور کسی رسول کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ

بے شک جو لوگ مومن ہوئے اور اچھے کام بجا لائے ان کے لیے باغاتِ فردوس کی میزبانی

نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا

ہو گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان سے کبھی تبادلہ نہ چاہیں گے [84] آپ فرما دیں اگر سمندر میرے رب کے

لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ

کلمات (کے لکھنے) کے لیے سیاہی ہو تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے قبل کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں خواہ ہم اس جیسا اور

مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ

سمندر لے آئیں [85] آپ فرما دیں میں تو (صورت میں) تمہارے جیسا بشر ہوں [86] مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے

فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ

تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا آرزو مند ہے وہ اچھا عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو

رَبِّہٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

شریک نہ بنائے۔ [87]

ع ۱۲ / ۲

[84] منکرین کفار کا انجام بتانے کے بعد مومنینِ ابرار کا انعام بتایا جا رہا ہے۔ تو فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے جنت الفردوس کی میزبانی ہے۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی وہاں سے ان کا دل نہ اکتائے گا کہ وہاں سے تبادلہ چاہیں۔ فردوس کیا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور بہترین حصہ ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۳۵)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں سو درجات ہیں ہر دو درجوں میں زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے اور فردوس ان سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کی چار نہریں پھوٹتی ہیں۔''
(ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۹)

[85] اللہ تعالیٰ کے کلمات سے مراد اس کی عظمتیں اور قدرتیں ہیں یا وہ تسبیحات و تحمیدات ہیں جو ساری مخلوق ہر وقت اللہ کے حضور پیش کرتی ہے ظاہر ہے لاکھوں سمندروں کی سیاہی سے بھی اللہ رب العزت کی عظمتوں کو احاطہ تحریر میں نہیں

لا یا جاسکتا اور نہ ہی مخلوق کی تسبیحات کو تمام سمندروں کی سیاہیاں لکھ سکتی ہیں۔

[86] سورہ کہف میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات بتانے کے بعد کہا جا رہا ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ کفار سے فرمادیں کہ میں اگرچہ دیکھنے میں تمہارے جیسا بشر ہوں مگر مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور یہ واقعات بھی میں وحی کے ذریعے تمہیں بتا رہا ہوں اور اللہ نے مجھے بذریعہ وحی حکم فرمایا ہے کہ میں توحید خداوندی کا اعلان کروں۔

رسول اللہ ﷺ کا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہنا از راہِ تواضع ہے

اس آیت سے استدلال کر کے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب خود اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو حکماً فرما رہا ہے کہ آپ کہہ دیں میں تمہارے جیسا بشر ہوں تو ہم کیوں نہ کہیں کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں۔ مگر ان کا یہ استدلال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم فرما کر آپ کو درسِ تواضع دیا ہے تاکہ آپ کفار کو اپنے قریب لائیں اور ان سے کہیں کہ مجھ سے دور نہ ہٹو میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں، میری بات سنو، ورنہ حقیقت میں آپ ہمارے جیسے بشر کب ہیں؟ ہماری بشریت اور آپ کی بشریت میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق ہے ''ہم تھوکیں تو وباء پھیلے آپ کا لعاب دہن پڑے تو شفاء پھیلے'' ''ہمارے سونے سے ہمارا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ کے سونے سے آپ کا وضو قائم رہتا ہے۔'' ''ہم ایک دن نہ کھائیں تو گر پڑیں آپ کئی دن نہ کھائیں تو آپ کو کچھ نہ ہو۔'' ''ہمارا پسینہ بدبودار اور باعثِ کراہت ہے آپ کا پسینہ مبارک مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار ہے۔'' پھر یہ کہنا کب جائز ہے کہ آپ ہمارے جیسے بشر ہیں۔

لہٰذا آپ کا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہنا از راہِ تواضع ہے مثلاً اگر ایک شیخ مرید کو خط میں لکھے از فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں، تو یہ از راہِ تواضع ہے اب اگر مرید اپنے شیخ کو جواب میں لکھے بخدمت فقیر حقیر پر تقصیر فلاں بن فلاں تو یہ اس کی بڑی گستاخی یا جہالت وحماقت ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا فرمانا: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ از راہِ تواضع ہے مگر ہمارا حق نہیں کہ (حضور ﷺ) کو انہی الفاظ سے یاد کریں۔ اسی لیے کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اپنے جیسا بشر یا مطلقاً بشر کہا ہو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ گہری حکمت پہ مبنی ہے

یاد رہے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ سے فرمانا کہ کہہ دو میں تمہارے جیسا ایک بشر ہوں، ایک گہری حکمت پہ مبنی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کی عظیم شان ومنزلت کارفرما ہے۔ دیکھیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چند مردے زندہ کیے، کچھ اندھوں کو بینا کیا اور کچھ کوڑھیوں کو شفا دی۔ پھر انہیں دوسرے آسمان پہ اٹھا لیا گیا۔ تو ان معجزات کو دیکھ کر عیسائیوں نے انہیں خدا بنا لیا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کئی گنا بڑے معجزات دکھائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ مردے زندہ

کیے جن میں پہلے روح تھی پھر نکل گئی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے وہ ''مردے زندہ کیے جن میں روح تھی ہی نہیں۔'' ''آپ ﷺ کے حکم سے کنکروں نے کلمہ پڑھا۔'' ''درخت چل پڑے۔'' اور'' آپ کے فراق میں ''استن حنانہ'' رو دیا۔'' پھر عیسی علیہ السلام نے چند لوگوں کو شفا دی جبکہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن ہر مرض کی شفا بن گیا، آپ ﷺ کا لباس ہر مرض کی شفا بن گیا، پھر عیسی علیہ السلام دوسرے آسمان پہ اٹھائے گئے اور قرب قیامت میں واپس اتریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ رات کے ایک حصہ میں لامکاں کی سیر کر کے واپس آ گئے۔ ایسے میں ممکن تھا کہ کوئی نا سمجھ آپ کو بھی خدا بنا لیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا اے پیارے رسول! آپ فرمادیں کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں۔ یعنی ہر گز مجھے کوئی خدا نہ بنائے۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ کے الفاظ سورہ فصلت کے پہلے رکوع میں بھی آئے ہیں۔ وہاں ان پہ تفصیلی گفتگو ہوگی ان شاء اللہ العزیز۔

[87] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے رب سے مسرت وانبساط والی ملاقات پائے وہ اچھے اعمال کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ یاد رہے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا حکم ماننا اسے اللہ کے برابر ٹھہرانا ہے۔ اسی لیے یہود و نصاری کے بارے میں فرمایا گیا: اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔ (توبہ:۳۱) تو معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر کسی کے حکم کو ترجیح نہ دی جائے۔ یہی مفہوم اسلام ہے۔

اس آیت کا معنی یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے تو اسے چاہیے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے نیک اعمال کرے اور اپنے اعمال میں دکھاوے اور ریا کاری کا شرک داخل نہ کرے، کیونکہ حدیث کے مطابق دکھاوا بھی چھوٹا شرک ہے۔

الحمد للہ آج ۱۴ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار رات ساڑھے گیارہ بجے سورہ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

سورہ مریم

ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی ۱۹ ویں اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے تینتالیسویں سورت ہے۔ اس میں چھ رکوعات، اٹھانوے آیات سات سو اَسی کلمات اور تین ہزار سات سو حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے اور قریباً سن بعثت پانچ میں یا اس سے قبل نازل ہوئی کیونکہ ہجرت حبشہ سن بعثت پانچ میں ہوئی اور شاہ حبشہ کے دربار میں سورہ مریم پڑھی گئی۔ اسے سورہ مریم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے احوال پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے جو کسی اور سورت میں نہیں ڈالی گئی اور سورتوں کے نام خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں۔

اس سورت کی فضیلت

اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے سن کر حبشہ (ایتھوپیا) کا بادشاہ نجاشی اپنے ارکانِ سلطنت سمیت اسلام لے آیا اور اس کے اسلام لانے سے اس کے ملک میں تیزی سے اسلام پھیلا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مکہ میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے قریباً ایک سو صحابہ حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کفار مکہ نے شاہ حبشہ کو پیغام بھجوایا کہ ان کے چند غلام بے دین ہو کر حبشہ کو بھاگ گئے ہیں اور وہ اہل حبشہ کے عقائد بھی خراب کر سکتے ہیں انہیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ شاہ حبشہ نے مہاجرین صحابہ کو بلایا اور ان کے نظریات کے بارہ میں ان سے سوال کیا۔

تب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار نجاشی میں سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ جسے سن کر شاہ نجاشی پر گریہ طاری ہو گیا اور آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا اس کلام میں اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کلام میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں۔ پھر اس نے مسلمانوں سے کہا تم میرے ملک میں جب تک چاہو رہو پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے اسلام قبول کرنے کی شہادت بھیجی۔

اس سورت کے مضامین

اس میں سب سے اہم تر یہ ہیں کہ اس کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعاء کرنا اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا کیا جانا مذکور ہوا۔ دوسرے رکوع میں سیدہ مریم کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا

ذکر ہے۔ تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغی مساعی پہ روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھے رکوع میں مختلف انبیاء کرام کا ذکر جمیل فرمایا گیا ہے۔ جبکہ آخری دو رکوعات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان، اس کے لیے اولاد ماننے کا رد اور جہنم کے عذابات کا بیان ہے۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ کہف ہے۔ اس میں انبیاء و اولیاء کا ذکر ہے، جیسے اصحاب کہف، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام، اور سورہ مریم میں بھی یہی سلسلہ ہے۔ جیسے سیدہ مریم کا ذکرِ خیر جو اولیاء اللہ میں سے ہیں اور ابراہیم، اسماعیل، ادریس، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتہا ۹۸ ۴۴ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۱۹ رکوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ۞ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۞ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً

کاف، ہا، یا، عین، صاد [1] یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اسنے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی جب انہوں نے اپنے رب کو

خَفِيًّا ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ

چھپ کر پکارا۔[2] عرض کیا اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی سفیدی سے چمک اٹھا ہے اور

اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۞

اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کرنے میں کبھی بے نصیب نہیں رہا۔[3]

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا

[1] یہ حروف مقطعات ہیں۔ اکثر کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ کے اشارات ہیں چنانچہ ''کاف'' کافی سے، ''ھا'' ھادی سے، ''یا'' حکیم کی یاء سے، ''عین'' علیم سے اور ''صاد'' صادق سے اشارہ ہے۔ اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یوں دعا کرتے تھے ''یا کٓھٰیٰعٓصٓ اغفر لی'' اے کاف ہا یا عین صاد میری بخشش فرمادے۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کٓھٰیٰعٓصٓ حٰمٓ یٰسٓ اور ایسے دیگر حروف اللہ کا اسم اعظم ہیں۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۲۷۸)

[2] حضرت زکریا علیہ السلام پر رحمت خاص ہوئی کہ انہیں بوڑھی عمر میں نبی بیٹا عطا فرمایا گیا۔ انہوں نے حصولِ اولاد کے لیے چھپ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کیونکہ تنہائی میں دعا زیادہ رقت آمیز اور پرتاثیر ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط ''اپنے رب کو عاجزی سے اور خفیہ پکارو۔'' (اعراف:۵۵)

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس لیے بھی خفیہ دعا مانگی تاکہ سخت بڑھاپے میں اولاد کی تمنا پر نادان و کم فہم لوگ ہنسی نہ کریں۔ آپ کے دل میں بڑھاپے میں اولاد کی تمنا اس لیے آئی کہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا آپ کی کفالت میں بیت المقدس کے

ایک حجرہ میں بند ہوکر عبادت کرتی تھیں آپ جب بھی ان کے پاس جاتے وہاں ایسے پھل موجود پاتے جن کا موسم نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ جب بھی زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے عبادت خانہ میں جاتے تو وہاں نیا پھل دیکھتے۔ (آل عمران: ۳۷) تو آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اے اللہ! اگر تو مریم کو بے موسم پھل دے سکتا ہے تو مجھے بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے آپ نے وہیں محراب مریم میں دعا کی۔ قرآن میں ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ ''وہیں زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔'' (آل عمران: ۳۸)

[3] یعنی اے اللہ! بظاہر میرے لیے اولاد ناممکن ہے کہ میری ہڈیاں کمزور اور میرا سر بالکل سفید ہوگیا ہے۔ (روایات کے مطابق آپ کی عمر اس وقت نوے برس تھی) مگر اے اللہ! اس سے قبل تجھے پکار کر میں کبھی نامراد نہیں رہا میں نے جو مانگا تو نے مجھے دیا۔ تو یقیناً مجھے بڑھاپے میں اولاد بھی ضرور دی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قبولیت کی امید بھی دعا کو پر اثر بناتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام بھی اپنی حاجات کے لیے اللہ کو پکارتے تھے تو اللہ ہی کو پکارنا چاہیے اور جو لوگ یا رسول اللہ یا علی اور یا غوث وغیرہ پکارتے ہیں وہ بھی بالواسطہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت غوث اعظم اور دیگر صالحین کی ارواح ان کی طرف متوجہ ہوکر ان کے لیے اللہ سے دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی حاجت پوری کردے اور مشکل کھول دے کیونکہ وہی قاضی الحاجات ودافع البلیات ہے اور ہر نبی ولی اپنی مشکلات میں اسی کو پکارتا ہے۔ یہی حقیقی دین ہے۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

اور میں اپنے بعد اپنے عم زادوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو اے اللہ! مجھے اپنی جناب سے وارث

لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

عطا فرما جو میرا اور اولاد یعقوب (کے علوم نبوت) کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اسے اپنا پسندیدہ بنا۔ [4]

[4] یعنی مجھے اپنے عمزادوں اور قریبی رشتہ داروں سے ڈر ہے کہ میرے بعد میرے تبلیغی مشن کو نقصان پہنچائیں گے کیونکہ انہیں وہ اخلاص وشعور حاصل نہیں جو اس کے لیے درکار ہے لہٰذا اے اللہ! مجھے ایک وارث عطا کر یعنی بیٹا عنایت فرما جو میرے اور آل یعقوب (خاندان نبوت) کے نبوی علوم کا وارث بنے اور وہ تیرا پسندیدہ بندہ ہو یعنی اسے نبوت کے علاوہ مقامات رفیعہ دیے جائیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ سب دعائیں قبول ہوئیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

انبیاء کرام کے لیے مالی میراث کے ہونے پر اہل تشیع کا غلط استدلال

اہل تشیع اس آیت میں یَّرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ سے استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء کی بھی مالی وراثت ہوتی ہے۔ اور اہل تشیع لکھتے ہیں کہ زکریا علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے بہت سے نذرانے ملتے تھے اور آپ کا بیٹا کوئی نہ تھا جو اس دولت کو سنبھال سکتا۔ اس لیے آپ نے بیٹے کی دعا کی۔ (تفسیر قمی جلد ۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ نجف تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۸۳ مطبوعہ تہران) مگر یہ سب غلط ہے انبیاء کرام نہ دولت دنیا جمع کرتے ہیں نہ اپنے پیچھے مال کا انبار چھوڑتے ہیں۔ بلکہ ایسا کہنا انبیاء کی توہین ہے۔ مگر اہل تشیع تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیچھے علاقہ خیبر میں فدک نامی بہت بڑی جاگیر چھوڑ کر گئے تھے جو وراثت میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ملنا چاہیے تھی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ انہیں نہ لینے دی۔ مگر یہ سب ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام، عباس بن عبدالمطلب اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہ واہل بیت کی موجودگی میں ان سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا لا نُوۡرَثُ ما ترکناہُ صدقۃٌ ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے؟ تو سب نے کہا: ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ (بخاری کتاب الفرائض صفحہ ۲۶۵) اور خود شیعہ کتب میں بھی انبیاء کی مالی میراث نہ ہونے پر احادیث ملتی ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہما سے اور وہ اپنے آباء کرام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص علم کے راستہ پر چلے تو اللہ اسے جنت کے راستہ پر چلائے گا۔" طالب علم کے لیے آسمان وزمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے اور عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر اور علماء وارثان انبیاء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم ودینار نہیں چھوڑتے ان کی میراث علم ہے جس نے ان کا علم لے لیا اسے بڑی دولت مل گئی۔ (امالی صدوق صفحہ ۳۷ مجلس ۱۵ مطبوعہ قم)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی میراث درہم ودینار نہیں ہے وہ اپنے پیچھے اپنی احادیث چھوڑ کر جاتے ہیں جس نے ان کی احادیث حاصل کرلیں اس نے بڑی چیز پالی (اصول کافی جلد اول صفحہ ۲۳ کتاب فضل العلم باب صفۃ العلم مطبوعہ تہران طبع حدید) تو الحمد للہ سنی شیعہ دونوں کی روایات سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔

رہا حضرت زکریا علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے اللہ! مجھے وارث عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے تو یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے علوم نبوت کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ آل یعقوب کا لفظ تمام بنی اسرائیل کو شامل ہے تو کیا زکریا علیہ السلام ایسا بیٹا مانگ رہے ہیں جو تمام قوم بنی اسرائیل کے مال پر قبضہ کرلے؟ نہیں بلکہ آپ آل یعقوب میں گزرنے والے انبیاء کے نبوی علوم کے وارث بیٹے کی دعا مانگ رہے ہیں۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

(اللہ نے فرمایا) اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے قبل ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔[5]

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ

انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی شدید کمزوری کو

الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ

پہنچ گیا ہوں۔[6] (فرشتہ نے کہا) ایسا ہی ہوگا آپ کا رب فرماتا ہے یہ کام آسان تر ہے میں نے اس سے قبل تمہیں پیدا کیا

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا

اور تم کچھ بھی نہ تھے۔[7] انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی بنا دے۔ اللہ نے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝

لوگوں سے تین رات تک کلام نہ کرسکو گے حالانکہ تمہیں مرض نہ ہوگی۔[8]

[5] اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم تمہیں بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے قبل اس نام کا کوئی انسان دنیا میں نہیں گزرا۔ ''یحییٰ'' کا معنی زندگی حاصل کرنے والا ہے۔ چونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی وجہ سے ان کی والدہ کا مردہ رحم زندہ ہوگیا اور ان کی وجہ سے بنی اسرائیل میں دین اسلام کو نئی زندگی ملی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے شروع سے ان کا نام یحییٰ رکھا۔

[6] حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ سوال اس لیے نہ تھا کہ آپ کو قدرت الٰہی پر یقین نہ تھا اگر یقین نہ ہوتا تو آپ اس بڑھاپے میں لڑکے کی دعا ہی کیوں کرتے؟ بلکہ آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ جب آپ سخت بوڑھے ہیں اور بیوی بانجھ ہے تو لڑکا کیسے ہوگا کیا آپ کو جوان کردیا جائیگا یا دوسری شادی سے لڑکا ہوگا یا آپ کے کلام کا یہ معنی ہے کہ آپ فرط مسرت سے کہہ رہے ہیں کہ کیا اس بڑھاپے میں ہمیں لڑکا ملے گا؟ سبحان اللہ۔ یاد رہے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشاع بنت فاقوذا حضرت سیدہ مریم کی والدہ حنہ بنت فاقوذا کی سگی بہن ہیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی اور سیدہ مریم باہم سگی بہنیں ہیں۔ پہلی روایت ہی قوی تر ہے۔

[7] فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا کہ اللہ فرماتا ہے اے زکریا! جب تم کچھ نہ تھے تو میں نے

تمہیں پیدا کر دیا تو کیا میں تمہاری بوڑھی عمر میں تم سے بیٹا پیدا نہیں کرسکتا؟

[8] حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! جب میری بیوی کے رحم میں علوق ٹھہرے اور وہ امید سے ہو تو مجھے اس کی کوئی نشانی واضح کر دی جائے تاکہ میں اسی وقت سے حمد و شکر میں لگ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے زکریا! اس کی نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک کسی سے بات نہ کرسکو گے یعنی تمہاری زبان صرف لوگوں سے گفتگو نہ کرسکے گی مگر اللہ کی حمد وثنا اور ذکر الٰہی اسی طرح کرتی رہے گی۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً

تو زکریا (علیہ السلام) اپنی قوم کے سامنے محراب عبادت سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح

وَّعَشِيًّا ۝۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ وَّحَنَانًا مِّنْ

کہتے رہو۔[9] اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے دانش اور اپنی طرف سے

لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴

رحمت اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ وہ پرہیزگار اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والے تھے اور سخت گیر و سرکش نہ تھے۔[10]

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ ع

سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ فوت ہونگے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔[11]

[9] چنانچہ اسی طرح ہوا جب حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ امید سے ہوئیں تو آپ کی زبان تین دن کے لیے لوگوں سے گفتگو سے رک گئی۔ آپ اپنے محراب سے لوگوں کے سامنے آئے اور تبلیغ کرنا چاہی تو زبان رک گئی۔ تب آپ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کہا کہ صبح و شام اللہ کا ذکر کیا کرو۔

[10] حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر بڑے ہوئے تو انہیں نبوت دی گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اے یحییٰ! اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو، اس سے تورات یا انجیل یا خود یحییٰ علیہ السلام کو عطا کردہ کوئی صحیفہ مراد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے کتاب اللہ کے تھامنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے دور میں یہود کے ایک سردار نے اپنی بھانجی سے نکاح کرنا چاہا تو آپ نے اسے سختی سے روکا اور اسے کتاب اللہ کے حکم پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے آپ کو شہید کروا دیا۔ گویا آپ علیہ السلام نے کتاب اللہ پر عمل داری کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی سے حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی اور رحمت بھرے اخلاق

اور پاکیزہ اوصاف سے نوازا تھا اور وہ اپنے اللہ سے بھی ڈرتے تھے اور اپنے والدین کی اطاعت بھی احسن طریق پر بجا لاتے تھے۔ معلوم ہوا والدین سے حسن سلوک وہ عظیم صفت ہے جو انبیاء کے لیے بھی باعث فضیلت ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی ہیں۔ امام زہری نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ ایک بار صحابہ کرام نے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ ودیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یحیی علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں کرتے جو شہید باپ کے شہید بیٹے ہیں۔ اور وہ اللہ کے خوف سے گدڑی پہنتے اور درختوں کے پتے کھاتے تھے۔

[11] جب یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ کی طرف سے فرمایا گیا ان کے لیے سلامتی ہے یعنی ان کی دنیوی زندگی ہر شیطانی اثر سے سلامت رہے گی۔ پھر موت کے وقت ان کے لیے سلامتی کا پیغام دے کر بتایا گیا کہ ان کی برزخی زندگی پر بہار ہے اور روز قیامت ان کے اٹھنے پر انہیں سلامتی کا پیغام دے کر بتایا جائے گا کہ ان کے لیے اخروی زندگی بھی گل وگلزار رہے۔ یعنی ان کی ہر زندگی پر رحمت کردگار ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ﴿١٦﴾

اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنے گھر والوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ [12]

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

اور ان سے پردہ پکڑ لیا، تب ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتہ روح الامین کو بھیجا وہ اس کے پاس مکمل بشر بن

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

کر آیا۔ [13] وہ کہنے لگی: میں تم سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم پرہیز گار ہو (تو مجھ سے دور رہو) [14]

وقف لازم

سیدہ مریم کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

[12] گزشتہ رکوع میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت بیان ہوئی جو اپنی جگہ ایک نشانِ قدرت ہے کہ بوڑھی بانجھ عورت سے نوے سالہ زکریا علیہ السلام کو بیٹا دیا گیا اور اب ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے جو اس سے بڑا نشان قدرت ہے کہ انہیں بن باپ پیدا کیا گیا۔ یہ دونوں نشانہائے قدرت سورہ آل عمران میں بھی اسی ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں۔ تو فرمایا کہ سیدہ مریم کو یاد کرو جب وہ اپنے گھر والوں سے کٹ کر بیت المقدس کے مشرقی حصہ میں اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے زیر نگرانی قیام پذیر ہو کر عبادت کے لیے معتکفہ ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسی لیے نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنالیا ہے۔ (چنانچہ آج ہر جگہ عیسائیوں کے گرجے رو بمشرق ہیں)۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۴۹۴)

[13] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سیدہ مریم کے حجرے میں بیت المقدس کے ایک نوجوان خادم یوسف کی شکل میں نمودار ہوئے۔ سیدہ مریم یوسف کو دیکھ کر ڈر گئیں کہ یہ ان کے مقفل کمرے میں کہاں سے داخل ہوا ہے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۵۴) یہاں اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو روحنا (ہماری روح) اس لیے کہا کہ روح سے مراد زندگی ہے۔ حضرت جبرائیل وحی لے کر ہر نبی کے پاس آئے جو دلوں کو زندگی بخشتی ہے۔ اس لیے وحی کو قرآن میں روح کہا گیا۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ۔ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح دے کر (وحی دے کر) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل کرتا ہے۔ (نحل: ۲) تو جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے حوالے سے سراپا روح قرار دیا گیا۔

یہاں سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب فرشتہ نور ہے (خُلقت الملائکۃُ من نورٍ, فرشتے نور سے پیدا کیے گئے۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۰) اور وہ بشری لباس میں آسکتے ہیں تو ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی'' حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق وہ نور ہیں جس سے ساری کائنات تخلیق کی گئی۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب الایمان حدیث ۱۸ مطبوعہ لاہور) تو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس بشر میں کیوں نہیں آسکتا؟

[14] سیدہ مریم بتول رضی اللہ عنہا نے گھبرا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم پرہیز گار ہو تو بھی میں تم سے پناہ مانگتی ہوں۔ تم میرے بند کمرے میں کیسے آ گئے؟

کوئی عورت کسی اجنبی و غیر محرم مرد کو اپنے پاس خلوت میں نہ آنے دے

سیدہ مریم کا اپنے حجرہ میں غیر محرم مرد کو دیکھ کر مذکورہ بات کہنا یہ دلالت کرتا ہے کہ کسی جوان عورت کے پاس تنہائی میں کسی غیر محرم مرد کا جانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی عورت کے پاس تنہائی میں کوئی اجنبی مرد آئے تو اسے یوں ہی ناگواری ہونی چاہیے جیسے سیدہ مریم نے محسوس فرمائی۔

اسی لیے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عورتوں کے پاس تنہائی میں مت جاؤ۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دیور کے بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا دیور تو نری موت ہے۔'' (بخاری کتاب النکاح باب ۲۱۱) مگر جبرائیل امین علیہ السلام چونکہ فرشتہ ہیں اور حکم الٰہی سے آئے تھے تو ان کے بشری صورت میں سیدہ مریم کے پاس تنہائی میں جانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ

فرشتے نے کہا میں تو تمہارے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ تمہیں پاکیزہ بیٹا دوں۔[15] وہ کہنے لگی، میرے ہاں

لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ

لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں، اس نے کہا ایسا ہی ہوگا تمہارے رب نے کہا ہے

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا

کہ یہ کام میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم اسے لوگوں کے لئے اپنی رحمت بنانا چاہتے ہیں اور یہ فیصلہ

مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

ہو چکا ہے۔[16] تب وہ بچے سے حاملہ ہوگئی، اور کسی دور والی جگہ چلی گئی۔[17]

[15] حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے مریم! گھبراؤ نہیں میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لیے آیا ہوں تا کہ تمہیں بن شوہر اور بن شادی بیٹا دیدوں جو پاکیزہ ہوگا یعنی نبی ہونے کی وجہ سے ہر گناہ سے پاک ہوگا۔

نسبتِ مجازی کا جواز

بیٹا دینے والا اللہ ہے مگر جبرائیل علیہ السلام لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ کہہ کر بیٹا دینے کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں لہٰذا اگر کہا جائے کہ فلاں بزرگ نے اپنی دعا سے میری یہ مشکل دور کردی یا مجھے اولاد دیدی (جبکہ ارادہ یہ ہو کہ اولاد دینے والا تو اللہ ہی ہے البتہ وہ بزرگ اپنی دعا کے حوالے سے وسیلہ بنا ہے) تو اسے شرک نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا یعقوب نانوتوی صدر مدرس دار العلوم دیو بند فوت ہوئے تو ان کی قبر کی مٹی سے لوگوں کو شفا ہونے لگی جو شخص ان کی قبر سے مٹی لے جا کر جسم سے باندھ لیتا اسے بخار وغیرہ سے آرام ہو جاتا حتیٰ کہ کئی مرتبہ قبر پر مٹی ڈالی گئی اور لوگ ساری مٹی لے گئے۔ آخر ان کے بیٹے نے قبر پر جا کر کہا۔ آپ کی کرامت ہوگئی اور ہمارے لیے مصیبت ہوگئی۔ تب سے شفا ختم ہوگئی۔ (ارواح ثلاثہ حکایت ٣٦٦ صفحہ ٢٠٣ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اب قبر کی مٹی کو باعثِ شفا کہنا نسبت مجازی ہی ہے۔ اگر یہ مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک جائز ہے تو اولیاء اللہ کی طرف مدد کرنے یا مشکل کے دور کرنے کی نسبت مجازی کے جواز میں کیا شک ہے۔ پھر جھگڑا ختم کرنا چاہیے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ ''وہ چیزیں جو زمین اُگاتی ہے۔'' (بقرہ، ٦٠) اب ہر چیز کا اگانے والا تو اللہ ہے۔ مگر اس کی نسبت زمین کی طرف کی گئی۔ یہ نسبت مجازی ہے۔ کیونکہ زمین اگانے کا ذریعہ

وسبب ہے تو سبب کی طرف نسبت کردی جاتی ہے۔اسی طرح اگر کسی نبی ولی کی دعاء سے کوئی مسئلہ حل ہوجائے تو گویا وہ اللہ کا محبوب بندہ اس کا ذریعہ وسبب بن گیا۔تو اسکی طرف اگر نسبت کردی جائے تو اس پہ شرک کا فتویٰ لگانا بڑی زیادتی ہے۔عجیب ہے جولوگ کسی انسان کو مشکل کشا کہنا شرک قرار دیتے ہیں وہ گولی کو قبض کشا مان لیتے ہیں حالانکہ وہ بھی نسبت مجازی ہی ہے۔

علم بلاغت کی کتابوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ اگر کافر یہ کہے: انبت الربیع البقل، بہار نے سبزہ اُگادیا۔تو یہ کلام حقیقت ہے کیونکہ کافر بہار ہی کو اگانے والا سمجھتا ہے۔اور اگر ایک مسلمان یہی الفاظ کہے تو وہ کلام مجاز ہے۔کیونکہ مسلمان کا ایمان ہے کہ اگانے والا اللہ ہے۔اس کا بہار کی طرف نسبت کرنا مجاز ہے۔(مختصر المعانی) اسی طرح وہابی ذہن رکھنے والوں کو بھی جاننا چاہیے کہ جو مسلمان کسی نبی ولی کو اپنا مددگار کہتا ہے تو یہ اس کی نسبت مجازی ہے۔کوئی مسلمان کسی غیر خدا کو مستقل از خود مدد کرنے والا نہیں سمجھتا۔سب انہیں وسیلہ وذریعہ ہی جانتے ہیں۔

[16] سیدہ مریم نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا جب مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں تو مجھ سے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا آپ کا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم آپ کے بیٹے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کا عظیم نشان بنانا چاہتے ہیں۔

مرزائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو نشان قدرت نہ ماننا

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ سے معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش عظیم قدرت خدا ہے۔مگر مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے اس میں کوئی عجیب نشان نہیں۔وہ لکھتا ہے:

و کم من دود فی الارض لیس لھا ابو ان، فای عجب یاخذ کم من خلق عیسیٰ یافتیان، یعنی زمین میں کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ پیدا ہوتے ہیں تو اے نوجوانو! عیسیٰ کی پیدائش میں تمہارے لیے کیا عجیب بات ہے۔(مواہب الرحمان مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ لندن)

مرزا قادیانی نے اس کلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو کیڑوں مکوڑوں کی پیدائش سے تشبیہ دیکر جہاں ایک جلیل القدر پیغمبر کی شدید توہین کی ہے۔وہاں اپنی جہالت کا ثبوت بھی دیا ہے۔کیڑوں کی والدین کے بغیر پیدائش واقعتاً قابل تعجب نہیں کیونکہ ان کا نظام تخلیق ہی یہی ہے کہ وہ کسی نر و مادہ کے ملاپ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔جبکہ ایک انسان کو بغیر باپ کے پیدا کرنا بیشک عظیم نشان قدرت خدا ہے۔پھر حیرت ہے کہ مرزائی لوگ ایسے شخص کو اپنا پیشوا بلکہ نبی مانتے ہیں جس کی نامعقولیت کا یہ عالم ہے۔

پھر مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا محمود نے اپنی کتاب تفسیر کبیر میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔چنگیز خاں بھی بن باپ پیدا ہوا تھا اس کی ماں نے خواب دیکھا کہ ایک نور اس کے جسم سے

آر پار ہوا ہے اس سے اس کے پیٹ میں حمل ہو گیا اور چنگیز خاں پیدا ہوا۔ اسی طرح چین کا ایک بادشاہ بھی بن باپ پیدا ہوا۔
(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ لندن طباعت ۱۹۵۸ء)

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے۔ تاریخ کے مطابق چنگیز خاں کے باپ کا نام بسوکائی تھا جو چنگیز خاں کو بچپن میں یتیم چھوڑ کر بذریعہ زہر خورانی دنیا سے چل بسا۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ ۷۸۰ مصنفہ سید قاسم محمود مطبوعہ مکتبہ الفیصل لاہور)

گویا مرزا محمود ایسا جاہل وزندیق انسان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو ایک عام سی چیز ٹھہرانے کے لیے قانونِ قدرت، نظامِ شریعت اور تاریخ سب کا منہ چڑا رہا ہے۔ بن باپ پیدائش صرف حضرت عیسیٰ کا خاصہ ہے کیونکہ یہ قرآن وحدیث میں آ گیا ہے تو اس پر ایمان لازم ہے۔ اس کے سوا جو عورت بغیر شوہر اولاد کا دعویٰ کرے وہ صرف زانیہ ہے۔ مگر مرزا محمود نے اپنی مرزائی جماعت کو گویا کھلی چھٹی دیدی ہے کہ مرزائی عورتیں بغیر شادی کے بچے جنیں اور کہہ دیں کہ وہ نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور حوالہ کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے کی کتاب تفسیر کبیر کا حوالہ دیدیں کہ اگر چنگیز خاں کی ماں کے ہاں صرف نور سے بیٹا پیدا ہو سکتا ہے تو ان کے ہاں کیوں نہیں ہو سکتا؟

مرزا قادیانی فضائل عیسیٰ علیہ السلام سے کیوں انکار کرتا تھا؟

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش بلاشبہ عظیم نشان قدرت ہے مگر مرزائی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل پر اس لیے پردے ڈالتی ہے کہ مرزا قادیانی نے خود کو مثیل مسیح قرار دیا۔ یعنی یہ کہا کہ جو احادیث میں آیا ہے کہ قرب قیامت میں عیسیٰ ابن مریم نازل ہونگے تو اس سے مراد میں مرزا قادیانی خود ہوں۔ میری ان سے شدید مشابہت کی وجہ سے مجھے عیسیٰ ابن مریم کا نام دیا گیا ہے

اب حیرت کی بات ہے کہ مرزا قادیانی کی عیسیٰ علیہ السلام سے کونسی مشابہت ہے؟ وہ تو بن باپ پیدا ہوئے، انہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا، وہ اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اب ان فضائل کی موجودگی میں مرزا قادیانی کس طرح مثلِ مسیح قرار پا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے آپ (علیہ السلام) کے بن باپ پیدا ہونے کو نشان قدرت ماننے سے انکار کیا۔ اور آپ کے اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کرنے سے انکار کیا۔ پھر بھی وہ مثیل مسیح نہیں بن سکتا۔

[17] سیدہ مریم کے گریبان میں جبرائیل علیہ السلام نے پھونک ماری تو ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام بحکم خدا پیدا ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم عن ابن عباس جلد ۷ صفحہ ۲۴۰۲ روایت ۱۳۰۷۹ مطبوعہ مکہ) سیدہ مریم اس وقت بیت المقدس میں تھیں۔ جب ان کے جسم میں بچے کی ولادت کے آثار نمودار ہوئے اور ان کو دردِ زہ شروع ہوا تو وہ اپنے پیٹ میں بچے کو اٹھائے بیت المقدس سے دور جنگل میں چلی گئیں۔ آج فلسطین میں بیت المقدس سے چند میل کے فاصلہ پر بستی ناصرہ ہے جہاں ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام مشہور ہے اسی بستی کی نسبت سے عیسائیوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ‌ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا

تب اسے دردِ زہ کھجور کے ایک خشک تنے کے پاس لے آیا۔ اس نے کہا: اے کاش! میں اس سے قبل

وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ۝٢٣ فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ

مرگئی ہوتی اور بھولی بسری چیز بن جاتی۔[18] فرشتے نے نشیب سے پکارا کہ غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے

تَحۡتَكِ سَرِيًّا ۝٢٤ وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا

نیچے چشمہ بنادیا دیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تو یہ تم پر تازہ کھجوریں برسائے

جَنِيًّا ۝٢٥ فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا‌ ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ

گا۔ [19] تم کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم کوئی انسان دیکھو تو اسے (اشارہ سے)

فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۝٢٦ ۚ

کہہ دو میں نے خدائے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے لہٰذا آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گی۔[20]

[18] جنگل میں جب دردِ زہ شدید ہوا تو سیدہ مریم کھجور کے ایک سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ وہیں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت سیدہ مریم انتہائی پریشانی میں کہہ رہی تھیں اے کاش میں اس سے قبل مرجاتی اور بھولی بسری چیز ہو جاتی کہ آج لوگ مجھے دیکھ کر کیا کہیں گے کہ بن شادی تجھے بچہ کیسے ہوگیا؟ شائد آپ نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ جب لوگ میرے ہاں بچے کی ولادت کی خبر سنیں گے تو میرے والدین کو گالیاں دیں گے۔ مجھے گالیاں دیں گے۔ اس لیے کہا کہ کاش میں اس سے قبل مرجاتی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی جنگ جمل کے واقعات کو یاد کر کے یہی الفاظ بولا کرتی تھیں، يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ۝٢٣ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ واقعہ جنگ جمل بہت سے لوگوں کے عقائد خراب کرے گا۔ اور امت الجھنوں کا شکار ہوجائے گی۔ دراصل آپ تو اصلاح کے لیے گئی تھیں مگر حالات نے کسی اور طرف رخ موڑ لیا۔

[19] حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں اس وقت دور سے پکار کر کہا اے مریم! غم نہ کرو آنکھیں کھول کر دیکھو تمہارے نیچے جو پتھر ہے جس پر تم نے اپنے نومولود کو لٹایا ہے اس سے میٹھا چشمہ ابل پڑا ہے اور کھجور کے جس سوکھے تنے سے تم نے ٹیک لگائی ہے اسے پکڑ کر اپنی طرف جھنجھوڑو تو اس سے تازہ کھجوریں برسیں گی۔

ولی کی کرامت برحق ہے

سوکھے درخت کو سیدہ مریم کا جھنجھوڑنا اور اس سے تازہ کھجوریں برسنا سیدہ مریم کے دست مبارک کی کرامت ہی تھی۔ ولی کی کرامت پہ وہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک ولی کامل حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ نے پلک جھپکنے کی دیر میں یمن سے ملکۂ بلقیس کا تخت حاضر کر دیا۔ (نمل، ۴۰) ابوروق سے مروی ہے کہ سیدہ مریم جس تنے کے پاس آئیں وہ خشک تھا۔ اس کا سر نہ تھا۔ اللہ نے اس پر سرا گایا (پتے لگائے) اور آپ نے اسے جھنجھوڑا تو اس سے تازہ کھجوریں گرنے لگیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۴۰۶ روایت ۱۳۱۱۱)

[20] جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے مریم! قدرتی چشمہ کا پانی پیو۔ قدرتی طور پر اگنے والی تازہ کھجوریں کھاؤ اور قدرت سے پیدا ہونے والے اپنے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اگر کوئی انسان تم سے بحث کرے تو اسے اشارے سے سمجھا دو کہ میں نے رضائے الٰہی کے لیے روزۂ خاموشی رکھا ہے تو میں کسی سے کلام نہ کروں گی۔ دراصل انکی شریعت میں ترک طعام کی طرح ترک کلام کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ ہر شریعت میں مختلف احکام آتے رہے ہیں۔ اگر ان کی شریعت میں اللہ کی رضا کے لیے ترک کلام کا روزہ ہو تو اس میں تعجب کا مقام نہیں۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡــًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخۡتَ

تو مریم اپنے بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئی، وہ کہنے لگے اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔[21] اے ہارون کی بہن!

هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖ ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتۡ

تمہارا باپ برا آدمی نہ تھا اور تمہاری ماں بھی بدکار عورت نہ تھی۔[22] تو سیدہ مریم نے بچے کی طرف

اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّىۡ

اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے ہم ماں کی گود میں موجود بچے سے کیسے بات کریں؟ تو (بچہ بولا)

عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۙ ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰرَكًا اَيۡنَ

میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔[23] اور مجھے برکت دی ہے

مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ۖ ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا ۢ

جہاں بھی رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے جب تک زندہ رہوں۔[24] اور مجھے اپنی والدہ سے

بِوَالِدَتِىۡ وَلَمۡ يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوۡمَ وُلِدْتُّ وَيَوۡمَ

بھلائی کرنے والا بنایا ہے اور سخت گیر و بدبخت نہیں بنایا۔[25] اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن

اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰ لِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ

میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔[26] یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم میں حق بات کہتا ہوں

الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

جس پر لوگ شک کرتے ہیں۔[27]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کی گود میں کلام فرمانا

[21] امام ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی روایت سے لکھا ہے کہ سیدہ مریم کے اہل خانہ ان کی تلاش میں نکلے وہ کہیں نہ

ملیں۔ایک جگہ انہیں ایک چرواہا ملا۔انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس شکل وصورت کی لڑکی تونہیں دیکھی؟ اس نے کہا:نہیں مگر میں نے یہ ماجرٰی دیکھا ہے کہ میری گائیں اس وادی کی طرف سجدہ کرتی ہیں اور میں نے اس وادی سے نور اٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔لوگ اس وادی کی طرف بڑھے تو انہیں آگے سے سیدہ مریم آتے دکھائی دیں۔اپنی قوم کو دیکھ کر سیدہ مریم شرم سے بیٹھ گئیں اور بچے کو گود میں بھینچ لیا لوگ آپ کے گرد کھڑے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

[22] قوم یہود نے سیدہ مریم سے کہا اے ہارون کی بہن! تمہارے ماں باپ تو بہت نیک تھے مگر تم نے یہ برا کام کیوں اور کیسے کیا؟ مروی ہے کہ ایک شخص آپ کو پتھر مارنے دوڑا تو اس کا بازو شل ہوگیا۔ایک نے کہنا چاہا کہ تو بدکار عورت ہے تو اس کی زبان گنگ ہوگئی۔

اس جگہ ''اے ہارون کی بہن'' کے الفاظ قابل تشریح ہیں۔اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ حضرت مریم کا ایک بھائی ہارون تھا جو بہت صالح ومتقی تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نجران بھیجا۔وہاں عیسائیوں نے مجھ سے پوچھا تم قرآن میں پڑھتے ہو: یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ حالانکہ ہارون علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان طویل زمانہ ہے۔کہتے ہیں میں نے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات عرض کی۔آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ لوگ اپنے پیغمبروں اور اولیاء کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔(ترمذی کتاب التفسیر سورہ مریم)

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ سیدہ مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی تھا جس کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر تھا۔اس لیے قوم نے کہا: یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ۔

یہود کی عیسیٰ علیہ السلام سے پکی دشمنی

یہود مردود مطرود نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بھی ان کی نسب مبارک کے طہارت پہ اعتراض کیا اور آپ کی والدہ سیدہ طیبہ طاہرہ مریم رضی اللہ عنہا کو بدکاری کا طعنہ دیا۔اور اس کے بعد بھی وہ آپ کے دشمن رہے۔حتی کہ سیدہ مریم ظالم یہودیوں سے اپنی جان بچانے کے لیے فلسطین چھوڑ کر اپنے بچے کو لیے مصر چلی گئیں اور جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان نہیں ہوگئے آپ وہیں رہیں۔پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے تیس برس کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا اور تورات میں حرام قرار دی گئی بعض چیزوں کو وحی الٰہی سے حلال قرار دیا تو یہود کی آپ سے دشمنی کی انتہاء نہ رہی اور وہ آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔حتی کہ معاذ اللہ آپ کو ملحد قرار دے کر اس وقت کے یہودی حاکم کے ذریعہ آپ کی پھانسی کا حکم نامہ حاصل کیا۔

جب وہ آپ کو گرفتار کرنے آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور جب آپ قرب قیامت میں نازل ہونگے تو سب یہود آپ کے مقابلہ میں دجال کے ساتھ کھڑے ہونگے۔گویا یہود اول وآخر حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے دشمن ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کے مابین تا قیامت عداوت و بغض ڈال دیا ہے۔ (مائدہ، ۱۴)

[23] جب قوم یہود کی چہ میگوئیاں بڑھیں تو حضرت مریم نے زبان سے کچھ بولے بغیر اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا یعنی کہا مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ میں یہ بچہ کہاں سے لائی ہوں۔ اس بچے سے پوچھو کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ یہود نے کہا اے مریم! ہم ماں کی گود میں چند گھنٹوں کے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ اور قریب تھا کہ ان کا غصہ آخری حد تک چلا جاتا کہ اچانک عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں معجزانہ بول اٹھے۔ مروی ہے کہ آپ ماں کی چھاتی سے لگ کر دودھ پی رہے تھے آپ نے اسی وقت دودھ چھوڑا لوگوں کی طرف توجہ کی اور دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا کر کہا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ (سورہ مریم، آیت: ۳۰) (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۲) یعنی جب میں نبی ہوں تو کسی نبی کی والدہ بدکار کیسے ہو سکتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سب سے پہلے کلام میں عیسائیوں کا رد کر دیا کہ آپ نے فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ یعنی نہ میں ابن اللہ ہوں نہ عین اللہ بلکہ عبد اللہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ ہی میں انجیل کے حافظ و عالم تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۴۰۸ روایت ۱۳۱۲۴) اسی لیے آپ نے فرمایا: اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ کہ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس تک اپنی نبوت کی خبر نہ تھی؟

اس جگہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام شروع ہی سے حاملینِ نبوت ہوتے ہیں جیسا کہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح ہی میں انہیں نبوت کے لیے منتخب کر لیا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا دستِ قدرت رکھا تو آپ کی ساری اولاد کی ارواح باہر نکل آئیں ان میں بعض ارواح بہت نورانی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم هم الانبياء من ذريتك یہ آپ کی اولاد میں سے انبیاء ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۵ صفحہ ۱۶۱۴ حدیث ۸۵۳۵ مطبوعہ مکہ) گویا انبیاء کرام روز میثاق ہی سے انبیاء تھے۔ اور یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس تک اپنی نبوت کی خبر نہ تھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام اپنی ولادت ہی سے اپنی نبوت کی خبر رکھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے چالیس برس تک کیوں بے خبر تھے؟

جبکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب (۱۳ برس کی عمر میں) اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام گئے تو راستہ میں ایک راہب ملا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا: هذا سيد العالمين هذا رسول رب العالمين و هذا يبعثه الله رحمة للعالمين۔ یہ تمام جہانوں کا سردار اور رب العالمین کا رسول ہے اسے اللہ نے رحمتہ للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۳) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن

غریب ہے اور امام حاکم نے اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح قرار دیا ہے۔ (حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ حدیث ۴۲۲۹ مطبوعہ بیروت)
جب آپ کی ۱۳ برس کی عمر میں وہ راہب آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کا رسول ہونا بتا رہا ہے (اور آپ بھی سن رہے ہیں) تو پھر یہ کہنا کیوں کر صحیح ہے کہ حضور ﷺ کو چالیس برس تک اپنی نبوت کی خبر نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کا پیدائشی نبی ہونا

اسی طرح یہاں ان لوگوں کا بھی رد ہوا جو اہل سنت میں سے یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چالیس برس تک نبی نہیں تھے۔ بلکہ ولی تھے۔ چالیس برس کے بعد آپ کو نبی بنایا گیا۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں بھول ہوئی۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ رسول اللہ ﷺ چالیس برس تک صرف ولی تھے۔ جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں فرما رہے ہیں: وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے تو سید المرسلین ﷺ پیدائشی نبی کیوں نہیں ہیں؟ حالانکہ آپ کا یہ ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا۔ یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة۔ آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ نے فرمایا: وجبت لی النبوة وآدم بین الروح والجسد، میرے لیے اس وقت نبوت واجب ہوگئی تھی جب آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے۔ (یعنی ان کے جسم میں ابھی روح داخل نہیں کی گئی تھی)۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۶) جب آپ کے لیے تب سے نبوت واجب ہوگئی تھی تو پیدائش کے بعد وہ آپ سے سلب کیسے ہوگئی تھی؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مذکورہ بالا میں یہ بھی ہے کہ قریش نے اس راہب سے پوچھا تم کیسے جانتے ہو کہ ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا جانے والا ہے؟ اس نے کہا: جب تم فلاں گھاٹی سے نمودار ہوئے تو میں نے دیکھا کہ کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ رہا جس نے ان کو سجدہ نہ کیا ہو۔ وما یسجدان الا لنبی، اور درخت اور پتھر کسی نبی ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ آگے اس حدیث میں مزید یہ ہے کہ ابھی یہ لوگ وہیں راہب کے پاس بیٹھے تھے کہ روم کی طرف سے سات آدمی آگئے۔ راہب نے ان سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا: جئنا ان هذا النبی خارج فی هذا الشهر، ہم اس لیے آئے ہیں کہ اسی ماہ میں یہ نبی (اس طرف) آنے والا ہے۔
(سنن ترمذی کتاب المناقب باب ۳ حدیث ۳۶۲۰)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حدیث حسن کہا ہے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچپن میں بھی نبی تھے۔ کیونکہ ہر شجر و حجر آپ کو سجدہ کرتا تھا اور یہ آپ کے وصف نبوت کی وجہ سے تھا۔ اور ایسی احادیث کتب حدیث و سیرت میں بہت ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو اعلان نبوت سے قبل نبی نہ ماننا محض سینہ زوری ہے۔

[24] یعنی میں جہاں جاؤں گا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے بدی مٹاؤں گا اور نیکی پھیلاؤں گا پھر میری برکت سے بیماروں کو شفا ملے گی تو میری وجہ سے ہر طرف روحانی و جسمانی برکت پھیلے گی۔ اور یوں بھی مقربین کا وجود

باعث برکت ہوتا ہے وہ جس جگہ بیٹھ جائیں وہ جگہ برکت والی ہو جاتی ہے بلکہ ان کے جسم سے لگنے والا لباس باعث برکت ہے جیسے قرآن کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اور اللہ نے مجھے نماز وزکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے یاد رہے عیسیٰ علیہ السلام پر خود تو کبھی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی مگر آپ کو حکم تھا کہ نماز وزکوٰۃ کا نظام قائم فرمائیں یہاں سے نماز وزکوٰۃ کی دین میں اہمیت اجاگر ہوئی۔

[25] یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ صرف اپنی والدہ سے حسن سلوک کرنیوالا بنایا ہے بلکہ مجھے سب لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا بھی بنایا ہے یہاں سے والدین سے حسن سلوک کی اہمیت واضح ہوئی کہ انبیاء بھی اس سے فضیلت پاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پہ ایک طائرانہ نظر

یاد رہے کہ ولادت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۷۱ برس قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت سیدہ مریم کی عمر صرف ۱۴ برس تھی۔ تیس برس کی عمر میں عیسیٰ علیہ السلام نے کار تبلیغ شروع کیا۔ جب آپ بچے ہی تھے تو آپ کی والدہ سیدہ مریم فلسطین کے یہودی حاکم ہیروڈیس کے خوف سے آپ کو لیکر فلسطین سے مصر چلی گئیں۔ جب حضرت عیسیٰ کی عمر بارہ برس ہوئی تو ہیروڈیس مر گیا۔ تب وہ آپ کو لے کر واپس آگئیں۔ (روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ بیروت)

یہ بھی معلوم رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تین برس دعوت وتبلیغ کا کام کیا اور ۳۳ برس کی عمر میں آپ کو آسمان پہ زندہ اٹھا لیا گیا۔ قرب قیامت میں آپ نازل ہونگے، امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے، دجال کو قتل کریں گے، سات برس دنیا میں رہیں گے، ساری دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے شادی کریں گے، آپ کے بچے ہونگے، پھر آپ کا وصال ہوگا اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔

[26] اس کا وہی مفہوم ہے جو گزشتہ رکوع میں وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ (مریم:۱۵) کے تحت ہم لکھ چکے۔ معلوم ہوا انبیاء کرام کا میلاد (واقعہ ولادت) بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ یہاں پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد بیان کیا گیا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد بتایا جا رہا ہے۔ اور آل عمران رکوع ۶ میں سیدہ مریم کا میلاد بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر جو نشانہائے قدرت ظاہر ہوئے اگر انہیں بیان کیا جائے تو وہ میلاد مصطفی ہے۔ اور اس کے لیے جلسہ یا محفل منعقد کرنے میں کیا حرج ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ میلاد کے آخر میں سلام پڑھنا یعنی انبیاء پر سلام بھیجنا بھی طریقہ الٰہیہ ہے۔ یحییٰ علیہ السلام کا میلاد بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا: وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ اور عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا: وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ اسی لیے آج محفل میلاد رسول کا اختتام سلام پر کیا جاتا ہے۔

میلادِ عیسیٰ علیہ السلام اور میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد ہوا تو یہ آثار قدرت ظاہر ہوئے، فرشتہ لباس بشر میں آیا، اسکی پھونک سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، خشک درخت خرما کو بار آور کر دیا گیا، زمین سے پانی کا چشمہ سیدہ مریم کے لیے نکالا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں کلام کیا، یہ عظمت میلادِ عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پر یہ آثار قدرت ظاہر ہوئے، آپکی ولادت مبارکہ سے چند برس قبل آب زمزم کا چشمہ جاری کر دیا گیا جو ایک طویل زمانہ سے بند ہو گیا تھا، پھر وہ ایسا جاری ہوا کہ آج تک بند نہیں ہوا۔

گویا میلادِ عیسیٰ علیہ السلام کی برکت صرف انکی والدہ کو ملی جبکہ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت تا قیامت تمام امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل رہی ہے۔ آپ کی ولادت سے صرف پچاس دن قبل کعبۃ اللہ کو مسمار کرنے کے لیے آنے والے لشکر ابرہہ کو ابابیل پرندوں کے ذریعے ہلاک کیا گیا گویا آج تک کعبۃ اللہ کا سالم ہونا بھی برکت میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

آپ کی ولادت کے وقت حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ شفاء رضی اللہ عنہا پاس موجود تھیں، وہ کہتی ہیں مجھے اسوقت ہر طرف نور ہی نور نظر آ رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ ستارے قریب آ رہے ہیں حتیٰ کہ مجھے یوں لگا جیسے وہ میرے اوپر گر پڑیں گے (ستارے جھک کر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی دنیا میں آمد پر سلام پیش کر رہے تھے)۔

(الخصائص الکبریٰ للسیوطی ج ۱ ص ۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت بروایت بیہقی، طبرانی، ابونعیم وابن عساکر)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے معاملہ کی ابتداء کیسے ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اور میری والدہ نے جب مجھے جنا تو وہ نور دیکھا جس سے ان پر شام کے محلات روشن ہو گئے۔'' (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہی ساری چیزیں اگر کسی مجلس میں بیان کی جائیں تو اسے محفل میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ چیزیں محفل ہی میں بیان کر رہے ہیں۔ گویا محفل میلاد کا آغاز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے

پھر جب قرآن عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات بڑے اہتمام سے بیان کر رہا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات میلاد کے بیان میں کیا حرج ہے۔ میلادِ عیسیٰ بیان کرنا قرآن ہے اور میلادِ مصطفیٰ بیان کرنا ہمارا ایمان ہے۔

[27] یہ جملہ معترضہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سارا واقعہ کس کے بارہ میں ہے اگر یہ نہ کہا جاتا تو ممکن تھا کوئی شخص اس سے عیسیٰ علیہ السلام کے مراد ہونے سے انکار کر دیتا۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

اللہ کے لئے شایاں نہیں کہ اولاد رکھے وہ اس سے پاک ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ لے تو بس اسے یہی کہتا ہے کہ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

ہو جا تو وہ ہوجاتا ہے۔[28] اور بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہے۔[29] پھر گروہوں نے باہم اختلاف کیا، تو کافروں کے لئے بڑے دن کی حاضری

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ

کے سبب ہلاکت ہے۔[30] وہ کس قدر سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے مگر

الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

آج ظالم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔[31] اور انہیں حسرت والے دن سے ڈرایئے۔[32] جب معاملہ نمٹایا

الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ

جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، بیشک ہم ہی زمین کے اور اس پر ہر بسنے والے کے وارث

وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

ہیں اور ہماری ہی طرف وہ لوٹیں گے۔[33]

وقف لازم

ع ۵ / ۲

[28] یہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔ آپ فرمارہے ہیں کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ اس کی اولاد ہو، اولاد کی خواہش تو انسان کو ہوتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اس کا ہاتھ بٹائے اور اس کے کام آسان کرے جبکہ اللہ تو کن کہتا ہے اور ہر چیز ہوجاتی ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت کسی کو اللہ کا بیٹا کہنا درست نہیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ کے لیے اولاد کے ماننے کی سختی سے تردید فرمارہے ہیں تو پھر انہی کو اللہ کا بیٹا کہنا کس قدر افسوسناک ہے۔

[29] حضرت عیسیٰ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہی میرا اور سب کا رب ہے اور وہی لائق عبادت ہے مگر افسوس! نصاریٰ نے آپ کی سچی تعلیمات سے انکار کرکے آپ کو اللہ یا اللہ کا بیٹا ٹھہرا لیا۔

[30] چنانچہ یہود نے آپ کی بن باپ پیدائش کو نہ مانا اور آپ کی والدہ کو آج تک بدکاری کا الزام دیتے ہیں جبکہ نصاریٰ نے کہہ دیا کہ جب کوئی انسان آپ کا باپ نہیں تو اللہ ہی آپ کا باپ ہے اور آپ اللہ کے بیٹے ہیں ایسے لوگ روز قیامت کی حاضری پر سخت ہلاکت کا شکار ہونگے۔

[31] یعنی آج وہ حق سننے اور دیکھنے کو تیار نہیں ہیں اور گمراہی میں رہنا چاہتے ہیں مگر روزِ قیامت وہ بہت سنیں اور دیکھیں گے مگر بے سود۔

[32] قیامت کے دن کفار ایمان نہ لانے پر، اشرار برے اعمال پر اور ابرار مزید نیکیوں کے نہ کرسکنے پر حسرت کریں گے اس لیے اسے یَوْمَ الْحَسْرَةِ کہتے ہیں۔

[33] یعنی زمین پر انسانوں کے قبضے عارضی ہیں وہ ہماری ہی طرف لوٹیں گے تو زمین کے بھی ہم ہی مالک ہیں اور اس پر رہنے والوں کے بھی ہم مالک ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۴۱ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور کتاب میں ابراھیم (علیہ السلام) کو یاد کیجیے، بے شک وہ راست باز نبی تھے۔[34] جب انہوں نے اپنے چچا سے کہا،

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝۴۲ يٰۤاَبَتِ

اے چچا! تم ان (بتوں) کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہیں کسی مصیبت سے بچا سکتے ہیں۔اے میرے چچا

اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا

میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا۔ تم میری پیروی کرو میں تمہیں سیدھے راستہ پر چلا

سَوِيًّا ۝۴۳ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۴۴

دوں گا۔[35] اے میرے چچا! شیطان کی عبادت نہ کرو بے شک شیطان خدائے رحمان سے نافرمان ہے۔[36]

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ

اے میرے چچا! مجھے ڈر ہے کہ تمہیں رحمان کی طرف سے عذاب آ پہنچے گا، پھر تم شیطان کے ساتھی بن

وَلِيًّا ۝۴۵ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ

جاؤ گے۔ چچا نے کہا اے ابراھیم! کیا تم مجھے میرے خداؤں سے متنفر کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو

لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝۴۶

میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور مجھ سے کچھ عرصہ دور رہو۔[37]

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تبلیغی مساعی اور آپ پر انعامات الٰہیہ کی بارش

[34] گزشتہ دو رکوعات میں یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش کے حوالے سے اللہ رب العزت نے اپنی قدرت بیان فرمائی۔ تاکہ بت پرستوں مشرکوں کو آگاہی ہو کہ اللہ کس قدر قادرِ مطلق ہے لہٰذا وہی مستحق عبادت ہے اسے چھوڑ کر بے جان بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونا سخت جہالت وحماقت ہے۔ اب مشرکوں کو وہ وعظ یاد دلایا جارہا ہے جو ابراھیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف فرمایا۔ تو فرمایا اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ! قرآن میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر شامل کیجیے۔ وہ بہت

راست باز نبی تھے۔ چنانچہ وہ سچ پر کھڑے رہے، انہوں نے آگ میں پھینکا جانا اور وطن سے غریب الوطن ہونا پسند کرلیا مگر حکمِ الٰہی سے سرموانحراف نہ کیا۔ لفظ صدیق قرآن میں انبیاء کے لیے بھی کہیں کہیں استعمال ہوا ہے مگر اس کی زیادہ شہرت انبیاء کے صحابہ کے لیے ہے۔ اسی لیے صدیقین کو انبیاء سے الگ ذکر کیا گیا۔ فرمایا: مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ۔ (نساء:۶۹)

[35] یا ابت اصل میں یا ابی تھایاء کو تاء سے بدل دیا تو یا ابت ہوگیا اور یہاں اَب بمعنی چچا ہے۔ اس کی تحقیق ہم وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ (انعام:۷۴) کے تحت تفصیلاً لکھ چکے ہیں وہیں دیکھیں۔ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام ''تارخ'' تھا اور عربی میں چچا کو اَبٌ کہہ دیتے ہیں بلکہ تمام خاندانی بزرگوں چچا، تایا، ماموں، نانا وغیرہ سب کو آباء کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بت گر چچا آزر کو سمجھایا کہ وہ بتوں کی عبادت نہ کرے وہ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ کوئی مشکل دور کرسکتے ہیں اور فرمایا اے چچا! میرے پاس علم نبوت آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا لہٰذا تم میری پیروی کرو مجھے اپنے پیچھے نہ چلاؤ۔ سیدھے راستہ پر میں ہوں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) خاندانی بزرگوں کو نام لے کر نہ پکارا جائے خواہ وہ گمراہ ہوں۔

آزر کافر ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے اسکا نام لے کر نہیں بلکہ یا ابت کہہ کر پکارتے ہیں جب کافر بزرگ کا یہ احترام ہے تو مومن بزرگوں کے احترام کا کیا عالم ہے۔

(۲) دعوتِ اسلام کے لیے حکیمانہ طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو دعوت دینے کے لیے میٹھا انداز اپنایا۔ آپ نے اسے جاہل و گمراہ نہیں کہا بلکہ پہلے یاابت کہہ کر پکارا پھر فرمایا کہ جو علم میرے پاس آیا ہے وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ یہی موثر طریقہ تبلیغ ہے۔

(۳) اگر خاندان کا کوئی بزرگ گمراہ ہو تو چھوٹے اسے سمجھائیں۔

ہدایت سال خوردگی سے نہیں، توفیقِ الٰہی سے ملتی ہے۔ اگر بڑا گمراہی پر چلتا ہو تو چھوٹے اسے سمجھائیں مگر احترام کے ساتھ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو احترام سے پکارا اور دعوتِ حق پیش کی۔

[36] معلوم ہوا شریعت کے خلاف کسی کی پیروی کرنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ آزر بظاہر شیطان کی عبادت نہیں کرتا تھا مگر اللہ کے حکم کے خلاف اس کی بات مانتا تھا تو اسے کہا گیا: لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ اسی لیے یہود و نصاریٰ کے بارہ میں کہا گیا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہ ''انہوں نے اپنے علماء و صوفیاء کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔'' (توبہ:۳۱)

[37] یعنی اے چچا! اگر تم نے شیطان کی پیروی نہ چھوڑی تو تم جہنم میں اس کے ساتھی بن جاؤ گے۔ آپ کے چچا

آزر نے آپ کی اس قدر حکیمانہ وشیریں تبلیغ حق کے جواب میں سخت جاہلانہ ومعاندانہ انداز اختیار کر کے کہا اے ابراہیم اگر تم اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا لہٰذا مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ آپ نے اسے ہر بار یا ابتِ کہا۔ اس نے یا ابنی اور یا ابن اخی وغیرہ کہنے کی بجائے یا ابراھیم کہا۔ گویا اس کی کافرانہ روش نے اسے بزرگانہ شفقت وحسن اخلاق سے بھی محروم کردیا تھا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

آپ علیہ السلام نے فرمایا تم پر سلام ہو۔ [38] میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا وہ مجھ پر مہربان ہے۔ [39] اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ

اور ان بتوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں۔ یقیناً میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد

رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ

نہیں ہونگا۔ پھر جب آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان بتوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے تو ہم نے انہیں

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا

اسحاق (علیہ السلام) جیسا بیٹا دیا اور یعقوب (علیہ السلام) جیسا پوتا اور ان سب کو نبی بنایا۔ [40] اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا فرمائی۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

اور ان کی سچی شہرت بلند کی۔ [41]

ع ٣ ٦

[38] یہ سلام "متارکہ" ہے یعنی کسی سے جان چھڑانے کو اسے سلام کہنا۔ یہ کافر کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ہے: وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ "جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوں تو وہ کہتے ہیں تمہیں سلام ہو۔" (فرقان: ٦٣) اور کافروں کو بھی جاہلین کہا گیا ہے جیسے: اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ (زمر: ٦٤) بلکہ یہاں امام قرطبی نے تحقیق فرمائی ہے کہ دعوت اسلام دینے اور کافروں کو دین سے قریب لانے کے لیے بھی انہیں سلام کہا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کافر کی تعظیم کے لیے اسے سلام نہ کہا جائے جیسا کہ مسلمان کی تعظیم کی جاتی ہے لیکن اگر اسے ہدایت پر لانے یا کسی دوسرے نیک مقصد کے لیے سلام کہا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ فقہاء احناف نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ (دیکھیے ردالمحتار ودرمختار جلد ٩ صفحہ ٥٠٦)

[39] یعنی اے چچا! میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہیں ہدایت دے کر قابل بخشش بنا دے۔

[40] چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چچا سے کہہ دیا کہ میں تمہارے طرز عمل سے بیزار ہو گیا ہوں۔ میں تمہیں تمہاری بت پرستی پر چھوڑ کر کہیں اور جا رہا ہوں جہاں لوگ میری بات مانیں اور دین کا کام آگے بڑھے۔ چنانچہ آپ اپنے آبائی وطن بابل (عراق) کو چھوڑ کر فلسطین میں مقام حبرون (کنعان) جا قیام پذیر ہوئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعوت خوب پھیلائی اور ہزاروں لوگ ہدایت پر آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسحاق و یعقوب علیہما السلام جیسا بیٹا و پوتا عطا فرمایا اور دونوں کو نبی بنایا۔ یہاں اسماعیل علیہ السلام کا نام نہ لیا گیا کیونکہ ان کا ذکر اگلے رکوع میں الگ آ رہا ہے اور ویسے بھی یہاں وہ انعام بتانا مقصود ہے جو آپ کی اولاد کو پشت در پشت دیا گیا۔

سیرت ابراہیمی اور سیرت محمدی میں باہمی مماثلت

سیرت ابراہیمی و سیرت محمدی کے مابین بہت مماثلتیں ہیں۔ جنکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا تو انہیں وطن سے نکال دیا گیا۔ اپنے وطن سے دور جا کر وعظ و تبلیغ کا کام کیا تو اس کے بہت اچھے نتائج نکلے۔ پھر زندگی کے آخری ایام میں آپ نے کعبۃ اللہ تعمیر فرمایا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی کے خلاف اپنے خاندان اور اہل وطن کو وعظ کیا تو آزر کی طرح آپ کا چچا ابولہب ہی آپ کا سب سے بڑا دشمن بن گیا پھر آپ نے ہجرت کی تو دیار غربت میں آپ کی تبلیغ خوب کامیاب رہی۔ پھر آپ نے زندگی کے آخری ایام میں کعبۃ اللہ سے بت پرستوں کا اقتدار ختم کر کے کعبۃ اللہ کی حرمت کو بحال کیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے بیٹے کے گلے پر اللہ کے حکم سے چھری رکھ کر اسکی قربانی دی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی دی جو اصل میں آپ ہی کی طرف سے تھی۔

[41] یعنی ہم نے ان انبیاء کی سچی شہرت کو بلند کیا۔ مطلب یہ کہ انبیاء کے حقیقی کردار اور سچی تعلیمات کو لوگوں پر واضح کیا اور ان کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط باتوں کو رد کیا۔ چنانچہ تورات میں انبیاء کرام کے بارے میں غلط باتیں ڈال دی گئیں تھیں۔ مثلاً ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑا بنا دیا تا کہ وہ اسے پوجیں۔ سلیمان علیہ السلام نے ایک شخص کی بیوی پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ لوط علیہ السلام نے اپنی سگی بیٹیوں کے ساتھ بدکاری کی (لا حول ولا قوة الا باللہ) اگر قرآن نہ اترتا تو انسانیت انبیاء کرام کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار رہتی۔ تو یہ ہے وہ لسانِ صدق جسے اللہ رب العزت نے انبیاء کرام کے لیے بلند کیا۔ خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کا ذکر تو اس قدر بلند کیا گیا کہ ہر نماز میں ان پہ درود پڑھا جاتا ہے۔

کیا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا سے حضرت علی مراد ہیں؟

اس جگہ اہل تشیع وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ کا معنی یوں کرتے ہیں کہ ہم نے انبیاء کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زبان صدق بنایا اور اس بارے میں وہ آئمہ اہل بیت سے جھوٹی روایات لاتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر البرہان،

تفسیر قمی اور تفسیر صافی وغیرہ میں کیا گیا ہے۔

مگر یہ من گھڑت تفسیر ہے چونکہ اہل تشیع اپنے بارہ[۱۲] ائمہ کو منصوص من اللہ سمجھتے ہیں مگر جب ان کو قرآن میں سے کوئی نص نہیں ملتی تو اس طرح کی غلط تفسیر کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا سادہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کے ذریعہ ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام و دیگر انبیاء کرام کی سچی تعلیمات اور سچے مناقب کو لوگوں تک پہنچایا اور ان کا ذکر رہتی دنیا تک بلند کر دیا۔ دراصل زبان بول کر تعریف مراد لی جاتی ہے کیونکہ زبان تعریف کا ذریعہ ہے اور یہی دعاء ابراہیم علیہ السلام نے خود کی تھی کہ پچھلے لوگوں میں ان کا سچا ذکر ہوتا رہے۔ انہوں نے کہا: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ ''اے اللہ! میرے لیے پچھلے لوگوں میں سچائی کی زبان بنا دے۔'' (شعراء، ۸۴) تو تفسیر قرآن بزبانِ قرآن کو چھوڑ کر اپنی طرف سے من گھڑت تفسیر بنانا الحاد ہے۔

اگر اسی طرح کسی اسم صفت یا فعل کو دیکھ کر اس سے کوئی شخصیت مراد لینے کا دروازہ کھول دیا جائے جیسے اہل تشیع نے لسان صدق علیا میں حضرت علی کو مراد لے لیا ہے تو کوئی گمراہ خارجی یزید کی فضیلت قرآن سے یوں ثابت کرے گا کہ اللہ نے فرمایا: وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ خارجی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت کا معنی یوں ہے: اور یزید اللہ کے فضل سے ہے۔ کیا اہل تشیع اس تفسیر کو مان لیں گے؟ اگر نہیں تو ایسی من گھڑت تفسیروں سے باز آنا چاہیے۔

خود شیعوں میں سے بعض سنجیدہ مفسرین نے اس آیت کا وہی درست ترجمہ کیا ہے جو ساری امت کرتی ہے، چنانچہ مشہور شیعہ مفسر ابو علی طبرسی متوفی ۶۰۰ ھ نے لسان صدق علیا کے تحت لکھا: ای ثناء حسنا في الناس، آگے اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف تمام اہلِ ادیان کرتے ہیں اور اہلِ اسلام نماز میں ان پہ اور ان کی آل پہ درود پڑھتے ہیں۔
(تفسیر مجمع البیان جلد ۶ صفحہ ۲۷ ۴ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

وَاذۡكُرۡ فِى الۡـكِتٰبِ مُوۡسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کرو بیشک وہ برگزیدہ تھے۔ اور رسول نبی تھے۔[42]

وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ

اور ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے پکارا اور انہیں رازداری کے لئے اپنے قریب کر لیا۔[43] اپنی رحمت سے انہیں

رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذۡكُرۡ فِى الۡـكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ اِنَّهٗ كَانَ

ہارون (علیہ السلام) کی شکل میں نبی بھائی عطا فرمایا۔[44] اور کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کریں۔ بیشک وہ وعدہ کے

صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

سچے اور رسول نبی تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم

وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ﴿۵۵﴾

فرماتے تھے اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔[45]

موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کا ذکر خیر

[42] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء کا ذکر خیر کیا جارہا ہے تو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا کتاب میں ذکر کریں یعنی ان کے بارے میں نازل کردہ آیات بھی قرآن میں پڑھیں۔ وہ اللہ کے چنے ہوئے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے اللہ نے کوہِ طور پر ان سے فرمایا: اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىۡ "اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی رسالات کے ساتھ چن لیا ہے۔" (اعراف:۱۴۴) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام رسول نبی تھے۔ دراصل کئی انبیاء رسول ہیں کئی رسول نہیں ہیں۔ نبی تو وہ برگزیدہ انسان ہے جسے اللہ نے بذریعہ وحی اقامتِ دین کے لیے منتخب فرمایا اور رسول وہ ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نئی کتاب، نئی شریعت یا نئے صحائف بھی عطا فرمائے گئے۔ اسی لیے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ان میں سے رسول تین سو تیرہ ہیں۔" (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶۶)

[43] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مدین میں دس برس رہ کر واپس مصر آ رہے تھے تو طور پہاڑ آپ کے دائیں جانب پڑا۔ آپ اس کے قریب سے گزرے تو اللہ رب العزت نے آپ کو درخت میں سے پکار کر قریب

بلایااور منصبِ نبوت عطافر مایا۔

[44] یعنی یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی صاحب نبوت بنایا۔

[45] یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں جو آیاتِ قرآن ہیں انہیں بھی پڑھیے تا کہ ان کی نبوت بھی واضح ہو کیونکہ یہود انہیں نبی نہیں مانتے صرف اس حسد میں کہ ان کی نسل سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ وعدے کے سچے اور رسول نبی تھے۔'' ان کے صادق الوعد ہونے کی یہ سب سے بڑی نشانی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا میں خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھتا ہوں۔ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا ابا جان! آپ رب کا حکم پورا کریں۔ آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے چنانچہ جب ان کے گلے پر چھری رکھی گئی تو انہوں نے جنبش تک نہ کی گویا وعدہ نبھانے کے لیے جان بھی پیش کردی۔ اور مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا آپ میرا انتظار کریں میں ابھی آتا ہوں۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے وہ گیا اور بھول گیا پھر ایک دن اور رات کے بعد اسے یاد آیا وہ واپس آیا تو دیکھا آپ وہیں کھڑے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۶ صفحہ ۷۲ مطبوعہ مکہ)

اس سے ایفاء عہد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ مروی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بنی جرھم کے لیے رسول تھے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ معلوم ہوا نماز و زکوٰۃ گزشتہ انبیاء کے زمانوں میں بھی لازم رہیں۔ قرآن میں ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ''ہم نے انبیاء کو اچھے اعمال بجالانے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا۔'' (انبیاء: ۷۳)

یہ بھی معلوم ہوا کہ تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہیے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ''آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سنائیں۔'' (شعراء، ۲۱۴) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ''اے مومنو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو نارِ جہنم سے بچاؤ۔'' (تحریم: ٦)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا

اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کریں وہ بہت راست باز نبی تھے اور ہم نے انہیں بلند مقام تک

عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق

رفعت دی۔[46] یہ وہ ہستیاں ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام جو اولاد آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

اور ان کی اولاد میں سے جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور وہ نسل ابراہیم ویعقوب (علیہم السلام) میں سے تھے۔[47] اور کچھ ان میں

وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔[48] اور جب ان پہ رحمان کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔[49]

السجدة ۵

[46] حضرت ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے قبل مبعوث ہوئے۔ وہ شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ ان پر تیس صحائف نازل ہوئے، دنیا میں سب سے اول انہی نے قلم سے لکھنے کا تصور پیش کیا۔ انہی نے سب سے پہلے کپڑے سیئے اور پہنے۔ ان سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں پہنتے تھے۔ انہی نے سب سے پہلے اسلحہ بنایا اور انہی نے سب سے اول علمِ نجوم و حساب ایجاد کیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۴ صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کے زندہ جنت میں جانے کی تردید

اس جگہ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کے تحت حضرت کعب الاحبار اور حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے بعض روایات منقول ہیں کہ ادریس علیہ السلام نے ایک فرشتے سے جنت کے دیکھنے کی خواہش کی وہ انہیں اٹھا کر جنت میں لے گیا۔ پھر اس نے کہا اب آپ جنت سے باہر نکل آئیں اور دنیا کی طرف چلیں مگر انہوں نے جنت سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے سے فرمایا انہیں جنت ہی میں رہنے دے تو اللہ تعالیٰ نے ایک آن کے لیے جنت میں ان کی روح قبض کی تا کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط کا دستور پورا ہو۔ پھر انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا تو وہ قیامت تک جنت ہی میں رہیں گے۔ یہ روایت بھی ہے کہ چھٹے آسمان پر ان کی روح قبض کر لی گئی تو ان کا جسم وہیں ہے۔

(درمنثور جلد ۵ صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابن کثیر کے مطابق یہ روایات اسرائیلیات میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اور اسرائیلی روایات اگر قرآن اور حدیثِ صحیح سے متصادم ہوں تو مردود ہیں۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ لوگ قیامت قائم

ہونے کے بعد جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ جیسے

(۱) اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ یعنی ''آج بادشاہی صرف اللہ کی ہے۔ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ تو ایمان لانے اور اچھے اعمال بجالانے والے نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔'' (حج،۵۶)

(۲) یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ۔ ''اس دن تم دیکھو گے کہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کے سامنے اور ان کے دائیں ان کا نور دوڑتا ہوگا۔'' (حدید،۱۲)

(۳) یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ ''جس دن اللہ تمہیں جمع والے دن میں اکٹھا کرے گا۔ وہ ہار جیت کا دن ہے۔'' (تغابن:۹)

اور ایسی آیات سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ لہٰذا ادریس علیہ السلام کا قیامت سے قبل جنت میں ہمیشہ کے لیے چلے جانا مذکورہ آیات سے متصادم ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا سے مراد اللہ تعالیٰ کا ادریس علیہ السلام کو دنیا میں نبوت کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرنا ہے۔ اور وہ جو بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پہ دیکھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ شب معراج آپ نے ان کو چوتھے آسمان پہ دیکھا اور شبِ معراج تو آپ نے متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھا تو کیا ان سب کے بارے میں یہ عقیدہ اپنایا جائے گا کہ ان کو ابھی تک موت نہیں آئی؟

[47] یعنی سورہ مریم میں جن ہستیوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے کچھ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامِ نبوت فرمایا۔ ان میں سے کچھ نسل آدم علیہ السلام سے ہیں یعنی جو نوح علیہ السلام سے قبل گزرے جیسے ادریس علیہ السلام، کچھ نسل نوح علیہ السلام سے ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام، کچھ نسل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں جیسے اسحاق و اسماعیل علیہما السلام اور کچھ نسل یعقوب علیہ السلام سے ہیں جیسے موسیٰ، عیسیٰ، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام۔

[48] اور سورہ مریم میں جن مقدس ہستیوں کا ذکر ہوا ان میں بعض وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت تو نہ دی البتہ ہدایت دی اور چن لیا جیسے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا۔

[49] یہ جو انبیاء کرام اور اللہ کے ہدایت یافتہ و برگزیدہ لوگ ہیں جب ان پر خدائے رحمان کی آیات پڑھی جاتیں تو وہ سجدہ کرتے اور روتے ہوئے اللہ کے آگے گر جاتے تھے۔ یاد رہے یہ آیت بھی آیت سجدہ ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ لازم ہے جسے سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو سجدے میں گر گئے۔ پھر فرمایا سجدہ تو ہم نے کر لیا مگر رونا کیسے آئے۔ (یعنی خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا پر مکمل عمل کیسے ہو)
(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۴۱۲ روایت ۱۳۱۵۲)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کے پیچھے پڑے

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

تو عنقریب وہ غی پر جاگریں گے۔[50] سوا ان کے جو توبہ کریں ایمان لائیں اور اچھا عمل کریں تو وہ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

جنت میں داخل ہونگے اور ان پر کچھ ظلم نہ ہو گا، یہ ابدی قیام کے باغات ہیں جن کا رحمان نے اپنے

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

بندوں سے (ان کے) بن دیکھے وعدہ فرمایا، بلاشبہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔[51]

[50] ان مقربین کا تو یہ عالم تھا کہ اللہ کی آیات سن کر سجدہ میں گر جاتے تھے مگر ان کے بعد ایسے نااہل لوگ آئے جنہوں نے سجدہ تو ایک طرف رہا نماز ہی ضائع کر دی اور خواہشات کے پیچھے پڑے رہے یعنی دنیا کمانے میں لگے رہے اور نماز کے لیے وقت ہی نہ نکال سکے۔ ایسے لوگ جہنم کے طبقہ غی میں ڈالے جائیں گے۔ یاد رہے کہ نماز کے ضائع کرنے میں اس کی فرضیت سے انکار، اس کا بے عذر ترک اور اسے غیر شرعی طریقہ پر پڑھنا سب داخل ہے۔

نماز میں غفلت کرنے والوں کے لیے عذابِ جہنم کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غی جہنم میں ایک وادی ہے جس میں (اہل جہنم کا) خون اور کچا لہو بہتا ہے اس کی تہہ بہت گہری اور اس کی بدبو سخت تر ہے۔ اس میں خواہشات کے پیروکار رکھے جائیں گے۔

(ابن ابی حاتم روایت ١٣١٦٢)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر دس اوقیہ وزنی پتھر جہنم کے کنارہ سے گرایا جائے تو وہ غی اور اثام میں ستر برس کے بعد جا کر پہنچے گا۔ ابوامامہ کہتے ہیں میں نے پوچھا: غی اور اثام کیا ہیں؟ فرمایا وہ جہنم کی تہہ میں دو نہریں ہیں جن میں اہل جہنم کا پیپ بہتا ہے۔" (درمنثور بروایت طبرانی جلد ۵ صفحہ ۵۲۷)

دوسری جگہ فرمایا گیا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ "ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔" (ماعون: ۵) اس کے تحت مروی ہے کہ ویل جہنم کا ایک طبقہ بھی ہے۔ گویا نماز کے بارے میں غفلت برتنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کے طبقات رکھے ہیں جن میں سے کسی کا

نام غی ہے اور کسی کا نام ویل ہے۔
اور حضور ﷺ نے شب معراج دیکھا کہ نماز میں غفلت کرنے والوں کو جہنم میں خوفناک سزائیں دی جارہی تھیں۔ مثلاً آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے توڑے جارہے ہیں، وہ چیختے ہیں۔ پھر ان کے سر درست ہوجاتے ہیں اور دوبارہ توڑے جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے لیے نہیں اٹھتے تھے۔
(درمنثور بروایت ابی یعلی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹، زیر آیت سبحان الذی اسری)

نماز کو اس طرح تیزی سے پڑھنا کہ اس میں کچھ خشوع وخضوع نہ ہو، نہ تلفظ صحیح ادا ہوں یہ بھی ضیاع نماز ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے تین بار نماز پڑھی۔ ہر بار رسول اللہ ﷺ اسے فرماتے تھے کہ جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ آخر وہ کہنے لگا میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا مجھے فرمائیں میں کیسے پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: جب تم نماز میں کھڑے ہو تو جس قدر میسر ہو قرآن پڑھو، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو پھر سکون کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو اور سجدے کے بعد اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر اطمینان کے ساتھ دوسرا سجدہ کرو اور اسی طرح نماز کو مکمل کرو۔ (بخاری کتاب الصلوۃ حدیث ۷۵۷، مسلم کتاب الصلوۃ حدیث ۳۹۷)

[51] یعنی جو لوگ پہلے نماز کو ضائع کرتے تھے پھر نادم ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے سچے دل سے مومن ہوئے اور اچھے اعمال بجالائے یعنی نماز کی پابندی کرنے لگے۔ ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا یعنی انکی کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ یہ وہ جنت ہے جس کا خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾
وہاں وہ کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام سنیں گے اور وہاں ان کے لئے صبح و شام رزق ہو گا۔[52]
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا
یہ وہ جنت ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے جو پرہیزگار ہو اسے اس کا وارث بناتے ہیں اور ہم (فرشتے) آپ کے رب
بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ
کے حکم کے بغیر نہیں اترتے، اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے اور جو پیچھے ہے اور اس کے درمیان ہے۔اور آپکا رب بھولنے
رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ
والا نہیں۔[53] وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے، کا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر
لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع
صبر رکھو کیا تم اللہ کا کوئی ہم نام جانتے ہو؟[54]

[52] اہل جنت جنت میں کوئی لغوبات جیسے گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت اور گانا وغیرہ نہیں سنیں گے وہاں ہر طرف سے سلام کی آواز آئے گی۔انہیں کہا جائے گا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ۔ (رعد:۲۴) وہاں انہیں صبح وشام یعنی ہر وقت نئے سے نیا رزق ملے گا۔

[53] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا آپ ہمارے پاس زیادہ آیا کریں۔تب یہ آیت اتری: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مریم) یہ حدیث مسلم ترمذی نسائی اور حاکم وغیرھم نے بھی روایت کی ہے۔ابن ابی حاتم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے زیادہ آپ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہوں مگر میں مامور ہوں۔(ابن ابی حاتم جلد ۷ صفحہ ۲۴۱۴ روایت ۱۳۱۷۰) یعنی جبرائیل علیہ السلام نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے رب کے حکم ہی کے ساتھ اترتے ہیں۔ہمارا اگلا پچھلا اور موجودہ وقت سب اللہ کی ملک ہے اور آپ کا رب بھولتا نہیں یعنی اگر کسی وقت میں تاخیر ہو جائے تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔

[54] آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے لہٰذا اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی پر صبر واستقامت دکھانا چاہیے کیا اللہ کا کوئی ہم نام ہے؟ یعنی کیا اللہ کے سوا کوئی ہستی ہے جس کا نام اللہ ہو اور اس کی

ذات وصفات اللہ جیسی ہوں۔ چنانچہ آج تک مشرکین کے کسی گروہ نے بھی اپنے کسی جھوٹے معبود کا نام اللہ نہیں رکھا۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ

وہ انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو کیا مجھے پھر زندہ کر کے (زمین سے) نکالا جائے گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں کہ

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ

ہم نے اس کو اس سے قبل پیدا کیا اور وہ کچھ نہ تھا۔[55] تو قسم ہے آپ کے رب کی ہم انہیں اور شیاطین کو اٹھا لائیں گے

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ

پھر انہیں جہنم کے گرد گروہ در گروہ جمع کریں گے پھر ہر گروہ میں سے کھینچ نکالیں گے کہ

اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا

ان میں سے کون رحمان کا زیادہ نافرمان ہے؟[56] پھر ہم خوب جانتے ہیں جو جہنم میں جانے سے

صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

زیادہ مستحق ہیں۔

منکرینِ قیامت کے شبہات کا ازالہ اور احوال قیامت کا بیان

[55] مروی ہے کہ ابی بن خلف کو چند پرانی انسانی ہڈیاں ملیں۔ اس نے انہیں اٹھا کر ہاتھ سے مروڑا اور کہا کیا محمد (ﷺ) نے سمجھا ہے کہ ہم موت کے بعد پھر اٹھائے جائیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوگا تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۱) اور صرف ابی بن خلف ہی نہیں ہر منکرِ قیامت کا یہی ذہن ہے بلکہ اگر توفیقِ الٰہی و وحی الٰہی کی مدد میسر نہ ہو تو ہر انسان کی یہی ذہنیت ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان اپنی مادی سوچ کے مطابق یہی کہتا ہے کہ جب اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اسے دوبارہ کس طرح زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا انسان اپنی اصلیت کو بھول گیا ہے؟ کیا اسے یاد نہیں کہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عدم سے وجود میں لا کر کھڑا کر دیا تو کیا وہ اس کی ہڈیوں پر دوبارہ گوشت پوست کا لباس چڑھا کر اس میں روح نہیں ڈال سکتا؟

[56] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ مجھے آپ کے رب کی قسم! یعنی مجھے اپنی قسم اس اعتبار سے کہ میں آپ کا رب ہوں۔ ہم تمام کفار کو اور ان شیاطین کو جنہوں نے انہیں کفر کی راہ پر ڈالا اکٹھے جہنم کے گرد گروہ در گروہ جمع

کریں گے۔کوئی یہود کا گروہ ہوگا کوئی نصاریٰ کا اور کوئی دوسرے کفار کا۔پھر ہر گروہ میں سے جو رحمان کے زیادہ نافرمان تھے۔(یعنی ہر گروہ کے جو سربراہ تھے) انہیں کھینچ کر الگ کرلیں گے اور انہیں جہنم میں پہلے گرائیں گے۔

لفظ شیعہ عموماً قرآن میں اللہ کے نافرمان گروہوں کے لیے استعمال ہوتا ہے

قرآن میں لفظ شیعہ اکثر اہلِ جہنم کے لیے اور دین کو ٹکڑے کرنے والوں یعنی کفار کے لیے استعمال کیا گیا ہے لہٰذا مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ اس لفظ کو اپنے لیے استعمال کریں۔مثلاً

(١) ایک جگہ فرمایا گیا: اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ ''جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کیے اور شیعہ ہوگئے (گروہ درگروہ ہوگئے) تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔(انعام،١٥٩)

(٢) اور فرمایا گیا: اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِیَعًا ۔ بیشک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو شیعہ بنادیا، (گروہوں میں بانٹ دیا)۔(قصص،٤)

(٣) مزید ارشاد ہوا: وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿١٠﴾ وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿١١﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے شیعوں (گروہوں) میں بھی رسول بھیجے اور جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔'' (حجر،١٠)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ شیعہ عموماً منکرینِ خدا و دشمنانِ دین کے لیے بولا گیا ہے۔لہٰذا اہلِ ایمان کو یہ لفظ اپنے لیے نہیں بولنا چاہیے۔

بلکہ تاریخ اسلام اور خود کتب شیعہ کے مطابق امام حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی کرنے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے بھی خود کو شیعہ کہتے تھے۔احتجاج طبرسی میں ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو لوگ خود کو میرے شیعہ (میرے مددگار) کہتے ہیں یہی لوگ میرے قتل کے درپے ہوئے، میرا اثاثہ لوٹ لیا اور میرا مال چھین لیا۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میرے حق میں ان لوگوں سے بہتر ہیں۔'' (احتجاج طبرسی ج ٢ ص ٢٩٠ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اور جب اہل کوفہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پھر وہ خود ہی آپ کو شہید کرنے کے لیے آپ کے سامنے آگئے تو آپ نے فرمایا: خذلتنا شیعتنا ۔ یعنی ہمیں ہمارے نام نہاد شیعوں (مددگاروں) نے رسوا کردیا۔
(جلاء العیون ج ٢ ص ٤٢٨ مطبوعہ دار المرتضی بیروت)

اس لیے بھی یہ لفظ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچا پیار کرنے والوں کو برا لگتا ہے۔قرآن میں صرف ایک جگہ لفظ شیعہ اچھے معنیٰ میں آیا ہے، وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِیۡمَ ﴿٨٣﴾ یعنی نوح علیہ السلام کے متبعین میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں۔(صافات، ٨٣) اس کے سوا قرآن کریم میں ہر جگہ یہ لفظ کافروں اور اللہ کے دشمنوں کے لیے آیا ہے۔تو اہل ایمان کو اپنا تعارف اس لفظ سے کروانا چاہیے جو صرف اہل اسلام کے لیے خاص ہو۔جیسے لفظ اہلِ سنت و جماعت ہے۔

لفظ اہلِ سنت وجماعت کی عمدگی کتب شیعہ میں سے

(۱) اہل تشیع کے مشہور مورخ اور سیرت نگار علامہ ابوالحسن اربلی نے عظمت اہل بیت میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

الا ومن مات علی حب آل محمد جعل الله قبره مزار الملائكة الا ومن مات علی حب آل محمد مات علی السنة والجماعة۔ ''جوشخص آل محمد ﷺ کی محبت میں فوت ہوا اللہ اس کی قبر کوفرشتوں کے لیے زیارت گاہ بنادے گا۔ اور جوشخص آل محمد ﷺ کی محبت میں فوت ہو وہ سنت وجماعت (کے طریقہ) پر مرتا ہے۔''
(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ تبریز)

(۲) اسی طرح اہل تشیع کا ایک اور مورخ علامہ ابومنصور طبرسی حضرت مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ نقل کرتا ہے جو انہوں نے بصرہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

اما اهل السنة فانا ومن اتبعنی۔۔ واما اهل الجماعة فالمتمسكون بما سنه الله لهم و رسوله۔ یعنی ''اہل جماعت تو میں اور میرے پیروکار ہیں اور اہل سنت وہ ہیں جو اس راستہ پہ چلیں جو ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے بنایا ہے۔'' (احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ نجف اشرف)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے نظریات وعقائد کے تعارف کے لیے سب سے اچھا نام اہل سنت وجماعت ہے۔ جس کی تعریف زبانِ رسالت اور زبانِ ولایت سے ثابت ہے اور کتب شیعہ اس پہ گواہ ہیں۔ جبکہ لفظ شیعہ قرآن میں اکثر اہل جہنم واہل کفر کے لیے آیا ہے اور قاتلانِ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما خود کو شیعہ کہتے تھے۔

اس جگہ فَوَرَبِّكَ کے الفاظ سے عظمت شان مصطفی ﷺ ظاہر ہے یعنی اللہ رب العزت نے اس بات کی قسم یاد فرمائی کہ وہ حضور ﷺ کا رب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کو آپ کا رب ہونے پر فخر ہے۔ وجہ یہی ہے کہ آپ اللہ کی صفتِ خلاّقیت کا مظہرِ اتم ہیں۔ آپ سے حسین تر اور افضل تر کوئی چیز کائنات میں نہیں ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۞ ثُمَّ نُنَجِّي

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کا حتمی طے شدہ فیصلہ ہے۔ پھر ہم

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۞ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

تقویٰ اختیار کرنے والوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو وہاں گروہ در گروہ چھوڑ دیں گے [57] اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

پڑھی جاتی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں ہم دونوں گروہوں میں سے کس کا مقام بہتر

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۞ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا

اور کس کی محفل زیادہ خوبصورت ہے؟ جبکہ ہم نے ان سے قبل کئی قومیں ہلاک کر دیں جو دولت و خوش نمائی میں

وَّرِءْيًا ۞ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا

ان سے بہتر تھیں۔ [58] آپ فرمائیں جو شخص گمراہی میں ہے تو چاہیے کہ رحمان اسکی رسی مزید دراز کر دے یہاں تک کہ جب وہ

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

دیکھ لیں گے جو اُن سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ عذاب یا قیامت تو تب وہ جان لیں کہ کس کا

مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۞

ٹھکانہ بُرا اور لشکر کمزور تر ہے۔ [59]

[57] یعنی اے انسانو! تم میں سے ہر کوئی جہنم پر ضرور وارد ہوگا کیونکہ سب کو پل صراط سے گزرنا ہوگا جو جہنم کے اوپر بنائی گئی ہے پھر جو تقویٰ والے ہیں یعنی اللہ کے خوف کے ساتھ کفر سے بچ کر ایمان لاتے اور گناہ سے بچ کر نیکی اختیار کرتے ہیں انہیں اللہ جہنم میں گرنے سے بچا لے گا اور اپنی جانوں پر کفر اور معصیت کے ساتھ ظلم کرنے والوں کو جہنم میں گرا دیا جائے گا جو گروہ در گروہ وہاں رہیں گے۔

پل صراط کا بیان حدیث سے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے تحت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''سب لوگ دوزخ کے اوپر سے گزریں گے پھر اپنے اعمال کے مطابق وہاں سے نکل جائیں گے۔ ایک گروہ بجلی کی تیزی سے، دوسرا گروہ ہوا کی تیزی سے، کوئی گروہ گھوڑے کی طرح، کوئی اونٹ کی طرح اور کوئی پیدل چلنے کے انداز میں گزر جائے گا۔'' (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۷ مطبوعہ دار الفکر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جہنم کی پشت پر پل بچھایا جائے گا۔ پھر مجھے اور میری امت کو سب سے پہلے پل سے گزارا جائے گا اور اس دن رسولوں کے سوا کوئی کلام نہ کر سکے گا اور رسولوں کی اس دن یہ دعا ہوگی۔ اللھم سلم اللھم سلم۔ اے اللہ! سلامتی سے گزار، اے اللہ سلامتی سے گزار۔''
(بخاری کتاب التوحید باب ۲۴ حدیث ۷۴۳۷۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ''روز قیامت لوگ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پھر حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جائیں گے مگر ان میں سے کوئی شفاعت کی حامی نہیں بھرے گا۔ آخر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے اور آپ اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کا حال بیان فرمایا: آپ فرماتے ہیں:

ونبیکم قائم علی الصراط یقول رب سلم رب سلم، اور تمہارا نبی پل صراط پہ کھڑا ہوگا اور کہے گا: اے اللہ! (میری امت کو) سلامتی سے گزار اے اللہ! سلامتی سے گزار۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹۵)

گویا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو لے کر سب سے پہلے پل سے گزریں گے اور سلامتی کی دعا فرماتے جائیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا۔ ؎

رضاء پل سے اب وجد کرتے گزریے ۔۔۔ کہ ہے رب سلم صدائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
پائے کو ہاں پل سے گزریں گے تیری آواز پر ۔۔۔ رب سلم کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے

[58] جب کفار مکہ توحید و رسالت اور اثباتِ قیامت پر قرآن کے واضح دلائل کے سامنے بے بس ہو جاتے تو مسلمانوں سے یہ کہنے لگتے دیکھو ہمارے مکانات اور مال و اسباب کیا خوب ہیں اور ہماری محفل میں کتنے بڑے لوگ آکر بیٹھتے ہیں۔ اگر تم سچے دین پر ہو تو اللہ نے تمہیں اس خستہ حالی میں کیوں رکھا ہے اور صحابہ کی اکثریت غریب طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ہم نے کفار مکہ سے قبل کئی قومیں تباہ کر ڈالی ہیں جو ان سے زیادہ دولت و خوش نمائی رکھتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ہمارے دین اور ہمارے رسولوں سے مخالفت کی تو ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے۔

معلوم ہوا کہ مال و دولت پر اکڑنا طریقہ کفار ہے۔ مگر آج یہ مرض مسلمانوں میں عام ہے۔ آج ملکِ جل جلالہٗ عزیز پاکستان چند دولت مند گھرانوں کی مٹھی میں آ گیا ہے اور وہ غریب عوام کی تقدیروں کے فیصلے کر رہے ہیں حالانکہ

اللہ نے غریب اور امیر کو یکساں حقوق دیئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ (آمین)

[59] کفار کے اس استدلال کہ ان کے پاس مال و دولت اور سیاسی غلبہ ہے۔ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گمراہ لوگوں کی رسی دراز کردی جاتی ہے۔ پھر جب ان کو دنیا میں عذاب نظر آئیگا جیسے کفار مکہ پر بدر میں خدائی پکڑ آئی یا جب قیامت آئے گی تو گمراہوں کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ہاں کس کا مقام برا ہے اور کس گروہ کا کمزور تر ہے لہٰذا کفار کو انکے وقتی سیاسی غلبہ اور مال کی کثرت سے اپنی صداقت کا زعم نہیں ہونا چاہیے اس میں موجودہ طاغوتی طاقتوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر اپنے سیاسی غلبہ پر نہ اترائیں یہ وقتی غلبہ ہے جبکہ اللہ کا دین ہی سچا ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝۷۶ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ

رب کے ہاں ثواب اور انعام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ [60] کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات سے انکار کرتا اور کہتا ہے

مَالًا وَّوَلَدًا ۝۷۷ۭ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝۷۸ۙ كَلَّا ۭ

کہ مجھے مال و اولاد ملیں گے، کیا اس نے غیب پر اطلاع پالی ہے یا رحمان کے ہاں عہد حاصل کر لیا ہے؟ ہرگز نہیں

سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝۷۹ۙ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ

جو وہ کہتا ہے ہم لکھ لیں گے اور اس کا عذاب بڑھا دیں گے۔ [61] اور جو مال وہ کہتا ہے وہ ہم اس سے لے لیں گے

وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝۸۰ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝۸۱ۙ كَلَّا ۭ

اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔ انہوں نے اللہ کے سوا کئی خدا بنا لئے تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا

سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝۸۲ع

وہ جھوٹے خدا انکی عبادت سے انکار کر دیں گے اور انکے مخالف ہو جائیں گے [62]

[60] یعنی جس طرح گمراہی کے راستہ پر بھاگنے والوں کی رسی دراز کردی جاتی ہے یونہی ہدایت والوں کی ہدایت میں اضافہ کیا جاتا ہے یعنی انہیں استقامت دی جاتی اور دلائلِ معرفت ان پر مزید واضح کیے جاتے ہیں اور اللہ کے ہاں دولت و سیاسی قد کاٹھ کی بجائے باقی رہنے والی نیکیوں یعنی ایمان اور حسنِ کردار کا ثواب اور انجام ہی خوب تر ہے۔ یعنی آخر کار یہی

لوگ کامیاب ہیں۔

[61] ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ (شہید محبت رسول) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں میں لوہا گری کا کام کرتا تھا مجھ سے عاص بن وائل نے کام کروایا اور پیسے نہ دیے میں اس سے پیسے لینے گیا اس نے کہا پہلے تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے انکار کرو۔ میں نے کہا جب تک تم مر کر دوبارہ نہ اٹھائے جاؤ میں دین سے انکار نہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں مرنے کے بعد بہت سا مال اور اولاد لے کر اٹھوں گا اور وہیں تمہارے پیسے بھی دوں گا۔ تب یہ آیات اتریں: اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مریم باب ۴ تا ۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس بات پر کہ اگر قیامت آئی تو وہ وہاں بھی مال و اولاد کی کثرت لے کر اٹھیں گے، کے جواب میں فرمایا کہ کیا انہوں نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ انہیں ہر جگہ دنیا و آخرت میں نعمتیں ہی ملیں گی یا انہیں غیب پر اطلاع ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ جو کفریات وہ بول رہے وہ ہم لکھ رہے ہیں اور اس طرح ان کا عذاب بڑھتا جا رہا ہے۔

[62] یعنی کفار نے جھوٹے خداؤں کی پرستش شروع کی تاکہ روز قیامت انہیں ان کے ذریعے اللہ کے ہاں عزت حاصل ہو کیونکہ شیطان نے انہیں یہی غلط سبق سکھایا جیسا کہ وہ کہتے تھے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ ''ہم ان کی عبادت صرف اسی لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔'' (زمر: ۳) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ان کے جھوٹے خدا روزِ قیامت ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے یعنی کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ کوئی ہماری عبادت کرتا تھا۔ قرآن میں ہے وہ کہیں گے: اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝۲۹ ''بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' (یونس: ۲۹)

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ
کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم نے کفار پر شیاطین مسلط کیے جو انہیں (گناہ پر) خوب ابھارتے ہیں۔ تو آپ ان کے بارے میں جلدی
عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ
نہ کریں ہم تو بس ان کی گنتی پوری کر رہے ہیں۔[63] وہ دن جب ہم پرہیز گاروں کو مہمانوں کی طرح خدائے رحمان کی
وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ
پاس حاضر کریں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔[64] اس دن لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے
اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾
سوا اس کے جس نے رحمان کے ہاں عہد شفاعت لے رکھا ہو۔[65]

وقف لازم

وقف لازم

احوال قیامت اور اللہ کیلئے اولاد ماننے کی برائی کا بیان

[63] گزشتہ رکوع میں کفار کے انکار قیامت کا رد فرمایا گیا۔ اب اسی بات پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے اور روزِ قیامت کفار کا انجام بتایا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ ہم کفار پر شیاطین مسلط کر دیتے ہیں جو انہیں نافرمانئ مولا پر ابھارتے ہیں تب ان پر جس قدر دلائل حق واضح کیے جائیں وہ بے سود ہے۔

دراصل یہ تب ہوتا ہے جب کفار حق کو سمجھ لینے کے باوجود محض اپنی برادری اور خاندان سے تعلق برقرار رکھنے کے لیے حق کو ٹھکراتے ہیں تو پھر ان پر شیاطین کو مستقل مسلط کر دیا جاتا ہے اور یہی معنی ہے اس بات کا کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کفار کے بارے میں جلدی نہ فرمائیں ہم ان کی گنتی پوری کر رہے ہیں یعنی آپ ان کی اسلام دشمنی سے گھبرا کر ان کے حق میں ہلاکت کی دعا نہ فرمائیں ہم ان کی زندگی کے لمحات گن رہے ہیں جس قدر انہیں زندگی دی گئی ہے اس سے زیادہ ایک لمحہ بھی انہیں جینے نہیں دیا جائے گا اور وہ جہنم رسید کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا آپ ان کے خلاف دعا نہ فرمائیں کیونکہ آپ کائنات کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں۔

رسول اللہ کی مقبولیت دعاء

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں آپ کی دعا کس قدر اہم ہے۔ یعنی اللہ رب العزت آپ کو روک رہا ہے کہ اے محبوب ٹھہریں، جلدی نہ فرمائیں، ان کی ہلاکت کی دعا نہ کریں تا کہ یہ ہلاک نہ ہوں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا، اے محبوب ﷺ کفار کو کچھ مہلت دیدیں۔ (سورہ طارق، آیت: ۱۷) یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر انسان کی زندگی کے سانس گنے ہوئے ہیں جس سے ایک لحہ کم وبیش نہیں ہوسکتا۔

[64] گزشتہ رکوع میں گزر رہا ہے کہ کفار مکہ اپنی دولت اور سیاسی غلبہ پر اکڑتے تھے وہ کہتے تھے۔ اَيُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ (مریم: ۷۳) اسی کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ روز قیامت ہم پرہیزگاروں یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کو خدائے رحمان کی طرف مہمانوں کی طرح عزت واحترام سے لائیں گے اور مجرموں یعنی کفار اور اشرار کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک کرلے جائیں گے۔ گویا متقین اللہ کی طرف لے جائے جائیں گے اور اللہ کے دیدار سے مشرف ہونگے اور مجرمین جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے اور دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے۔

عمرو بن قیس ملائی بیان کرتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک جمیل صورت اسکا استقبال کرے گی اور کہے گی: میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ میں دنیا میں تجھ پر سوار رہا۔ اب تم مجھ پر سوار ہوجاؤ۔ پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی:

يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ﴿۸۵﴾ (تفسیر ابن جریر طبری)

[65] یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کی شفاعت کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔ البتہ اللہ رب العزت جس کو شفاعت کا اختیار اور مرتبہ دے گا وہی شفاعت کرسکے گا جیسے فرمایا گیا: مَنۡ ذَا الَّذِيۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ ''اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کون شفاعت کرسکتا ہے۔'' (بقرہ، ۲۵۵) اور اللہ رب العزت کسی کو یہ اجازت نہ دیگا کہ کفار کی شفاعت کرے کیونکہ کفار کے لیے دائمی جہنم ہے۔ اللہ فرماتا ہے: وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ''جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا۔ وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (بقرہ، ۳۹)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

اور کفار کہتے ہیں رحمان اولاد رکھتا ہے، (اے کفار) تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ (اسکی وحشت سے) آسمان

يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا

پھٹ پڑیں۔ اورزمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے سے ڈھ (گر) جائیں۔ کہ انہوں نے رحمان کے لئے

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي

اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔ [66] حالانکہ اولاد رکھنا رحمان کے لائق ہی نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ

جو چیز بھی ہے وہ رحمان کے پاس بصورت بندہ حاضر ہونے والی ہے۔ اللہ نے بلاشبہ انہیں گھیر رکھا اور خوب

عَدًّا ؕ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

گن رکھا ہے۔ اور روز قیامت وہ سب اللہ کے ہاں تنہا حاضر ہونے والے ہیں۔ [67]

[66] کفار عرب کہتے تھے فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ''کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ تم بہت بڑی بات کہتے ہو؟'' (بنی اسرائیل، ۴۰) اسی طرح یہود و نصاریٰ بعض انبیاء کو اللہ کے بیٹے قرار دیتے ہیں۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ کے لیے اولاد ماننا اس قدر خوفناک بات ہے کہ قریب ہے اس کی دہشت سے آسمان و زمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور اونچے پہاڑ اس کے خوف سے گر پڑیں۔ دراصل جب کوئی انسان اللہ کے بارے میں بدزبانی کرتا ہے مثلاً اس کے لیے اولاد مانتا ہے تو زمین اس خوف سے کانپتی ہے کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ اتر آئے اور وہ اس کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔ اسی طرح اللہ کا جلال دیکھ کر آسمان بھی کانپنے لگتا ہے۔

[67] یعنی اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو، اولاد تو اس لیے حاصل کی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے والدین کا نام زندہ رہے یا اولاد والدین کا ہاتھ بٹائے اور ان کے کام آسان کرے۔ اسی طرح اولاد کے ذریعے انسان اپنے تعلقات رشتہ داریاں اور تعارف بڑھاتا ہے اور اللہ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ ہر چیز اللہ کا نام جپتی اور اس کے آگے سربندگی جھکاتی ہے۔ اور اللہ کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے اور ہر مخلوق روز قیامت اللہ کے حضور حاضر ہونے والی ہے۔ پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لیے اولاد ماننا گویا یہ ماننا ہے کہ اللہ بھی اپنا نام زندہ رکھنے کے لیے اولاد کا

محتاج ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہوتا کہ اس کا ہاتھ بٹائے تو اللہ کے لیے اولاد ماننا اللہ کو سخت ایذا دینا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں تو جلد رحمان ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔[68] تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا

ہم نے تو قرآن کو آپکی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اسکے ساتھ پرہیزگاروں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔[69]

قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾ ع

اور ہم نے ان سے قبل کئی قومیں ہلاک کر دیں۔کیا آپ ان میں سے کسی کا نشان محسوس کرتے ہیں یا انکی کوئی آواز سنتے ہیں؟[70]

ربع ۲ النصف

[68] کفار کو نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور اللہ و رسول کے احکام پر عمل کریں تو اللہ ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ چنانچہ جو لوگ کفر چھوڑ کر دامنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہو گئے قیامت تک اہل ایمان انہیں سلام عقیدت و محبت پیش کرتے رہیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کیلئے گھر سے نکلے مگر حاضر خدمت ہوئے تو ایمان لے آئے۔ آج ان کے ذکرِ خیر سے ساری دنیا کے منبر و محراب گونج رہے ہیں اور یہ قانون قدرت تا قیامت ہے جو مومن بھی نیک اعمال کمائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ کی محبت کیسے ڈالی جاتی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب اللہ کسی سے محبت فرماتا ہے تو کہتا ہے اے جبرائیل! میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اُس سے محبت کرو تو جبرائیل علیہ السلام! اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں شخص سے اللہ محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو تو تمام اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں پھر اہلِ زمین کے دلوں میں بھی اس بندۂ مومن کے لیے مقبولیت ڈال دی جاتی ہے۔"

(بخاری کتاب بدا الخلق باب ۶، مسلم کتاب البر حدیث ۱۵۷)

دیکھ لیں آج بزرگانِ دین کے مزارات پہ کس قدر ہجوم ہے۔ جبکہ بڑے بڑے بادشاہوں کی قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں۔

کہاں ہے سکندر کہاں قبر دارا   مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

آج بڑے بڑے نامی گرامی اور جاہ و جلال والے بادشاہوں کی قبریں موجود ہیں مگر وہاں کوئی فاتحہ پڑھنے نہیں جاتا، جبکہ شہر لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر چوبیس گھنٹے صبح شام سینکڑوں لوگ قرآن

پڑھتے نظر آتے ہیں۔ وجہ یہی ہے جو اللہ نے فرمایا: سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ کہ اللہ لوگوں کے دلوں میں اپنے دوستوں کی محبت ڈال دیتا ہے۔

[69] کفار کو چونکہ قرآن سے اختلاف تھا اور آج بھی کفار کو قرآن ہی سے اختلاف ہے۔ اگر وہ قرآن کو مان لیں تو سارے جھگڑے ختم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ! ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔ یعنی آپ کی زبانِ فیض ترجمان کی تفسیر سے قرآن آسان ہوگیا ہے اور اس قرآن کا مقصد یہ ہے کہ پرہیز گاروں کو جنت کی بشارت دی جائے اور جھگڑالو یعنی منکر لوگوں کو عذابِ جہنم سے ڈرایا جائے۔

حجّیتِ حدیث

يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ سے معلوم ہوا حدیث کے بغیر قرآن کا سمجھنا مشکل ہے اور بلاشبہ جنہوں نے حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا چاہا وہ گمراہی کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن میں ہے اقیموا الصلوة، نماز کو قائم کرو۔ اب نماز کب پڑھی جائے، دن میں کتنی بار پڑھی جائے اور کیسے پڑھی جائے یہ سب کچھ ہمیں حدیث ہی سے مل سکتا ہے۔ یہی حال زکوٰۃ، حج اور روزہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان چیزوں کا صرف حکم دیا۔ اب یہ احکام کیسے بجالائے جائیں یہ سارا بیان حدیث ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ کہ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان سے آسان فرمایا ہے۔ اور جو لوگ قرآن کو اپنے عقل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ضرور گمراہی میں جا گرتے ہیں۔

[70] یعنی جن قوموں نے اللہ کے دین سے دشمنی کی اور اہل ایمان پر مظالم توڑے اللہ نے ایسی قومیں تباہ کر ڈالیں۔ آج ان کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح قرآن اور دین اسلام کو جو قوم مٹانا چاہے گی اور اہل ایمان پر مظالم روا رکھے گی اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا اور اس کا حال کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ سے مختلف نہ ہوگا۔ اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاقتوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

الحمدللہ آج ذی قعدہ 1428ھ مطابق 4 دسمبر 2007ء بروز سوموار بعد نماز عشاء سورہ مریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

سورہ طٰہٰ

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی بیسویں (۲۰) سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے پنتالیسویں (۴۵) سورت، یہ مکی سورت ہے۔ اسے سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دل اسلام کے لئے نرم ہو گیا تھا گویا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل نازل ہو چکی تھی اور وہ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے بعد کسی موقع پر اسلام لائے تھے یعنی یہ ہجرت حبشہ کے دور میں نازل ہونے والی سورت ہے یہ ہجرت سن بعثت پانچ میں ظہور پذیر ہوئی۔

اس سورت کی فضیلت

اس کی فضیلت عظیم تر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تخلیق ارض و سما سے ایک ہزار سال قبل سورہ طٰہٰ و یاسین کو پڑھا (یعنی لوح محفوظ میں لکھا) جب فرشتوں نے یہ حصہ قرآن سنا تو کہا اس امت کو مبارک ہو جس پر یہ کلام اترے گا اور وہ سینے مبارک ہیں جو اسے اٹھائیں گے اور وہ زبانیں مبارک ہیں جو اس کی تلاوت کریں گی۔'' (سنن دارمی جلد دوم صفحہ ۴۵۶ کتاب فضائل القرآن مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس سورت کی یہ فضیلت بھی کیا کم ہے کہ اس کی برکت سے عمر بن خطاب کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنا دیا۔ آپ گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے نکلے۔ راستہ میں پتہ چلا کہ ان کے بہنوئی اور ان کی بہن دونوں اسلام لے آئے ہیں۔ تو آپ غصے سے ان کے گھر گئے اور انہیں زدوکوب کیا مگر جب ان سے سورہ طٰہٰ سنی تو دل سے کفر کا زنگ اتر گیا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔

اس سورت کے مضامین

اس سورت کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر خیر پہ مشتمل ہے۔ اس میں آپ کی ولادت، پھر آپ کا شیر خوارگی میں تابوت میں ڈال کر دریائے نیل میں بہایا جانا، فرعون کا اسے پکڑنا، پھر بڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی سمیت فرعون کے پاس جانا اور اسے دعوتِ اسلام دینا، اس کا انکار کرنا، پھر جادوگروں کے ساتھ حضرت موسیٰ کا مقابلہ، جس میں آپ کا کامیاب ہونا اور جادوگروں کا اسلام لانا اور شہادت پانا، پھر موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو لیکر راتوں رات

مصر سے نکلنا، فرعون کا پیچھا کرنا، موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سمیت نجات پانا اور فرعون کا غرقاب ہونا، پھر موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کا عطا فرمایا جانا وغیرہ۔ آخر میں وہ واقعہ بھی لایا گیا جب فرشتوں کو سجودِ آدم کا حکم ہوا تو سب نے سجدہ کیا اور شیطان نے تکبر کیا۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے پہلے سورہ مریم ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، تربیت اور ان کی تبلیغی مساعی کا بیان ہے جبکہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، نشوونما اور تبلیغی مساعی کا ذکرِ خیر ہے۔ گویا پیغمبرانِ گرامی کی دین کے لیے مساعیٔ جمیلہ کا ذکر کر کے داعیانِ اسلام کو راہِ حق میں آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتها ۱۳۵ ﴿۴۵﴾ سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۲۰ رکوعاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾

(اے پیارے حبیب ﷺ) [1] ہم نے آپ پر اس لئے قرآن نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑیں [2] یہ تو ہر ڈرنے والے کے لئے

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

نصیحت ہے یہ اس رب کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمان بنائے۔ [3]

قرآن اور ربِّ قرآن کی شان

[1] طٰہٰ حروف مقطعات میں ہے جن کا معنی اللہ اور اس کے رسول کے مابین راز ہے۔ یہ پہلا قول ہے اور یہی قوی تر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طٰہٰ حضور ﷺ کا لقب ہے جس کا معنی حبیب ہے۔ اسی لئے اس کے بعد مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ فرمایا گیا۔ معنی یہ ہوا کہ اے پیارے حبیب ﷺ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ طٰہٰ عرب کے قبیلہ بنی لعک کی لغت ہے اگر تم اس قبیلہ کے کسی شخص کو یا رجل کہو تو وہ متوجہ نہیں ہوتا اور یا طٰہٰ کہو تو فوراً متوجہ ہوگا کہ اس کا معنی ہے او پیارے۔ (درمنثور بروایت بیہقی فی دلائل النبوۃ جلد ۵ صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اسی قول کو کسی عاشق نے یوں ذکر کیا۔

دیکھو قرآن میں جا بجا مومنو کس طرح رب نے ان کو مخاطب کیا
کبھی یاسین کہا کبھی طه کہا نام لے کر خدا نے پکارا نہیں

[2] حضور سید عالم ﷺ کفار کو قرآن کا پیغام دیتے تھے وہ انکار کرتے جس سے آپ کو دل شکستگی ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے تسلی قلب کے لئے فرمایا اے محبوب! ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لئے قرآن نہیں اتارا۔ بلکہ جو شخص اللہ کا ڈر دل میں لانا چاہتا ہے یہ قرآن اس کے لئے نصیحت ہے یعنی جو اس سے نصیحت پکڑے آپ اسے نصیحت فرمائیں ورنہ خود کو مشکل میں نہ ڈالیں اور ہدایت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نمازِ

پنجگانہ کے فرض ہونے سے قبل نبی اکرم ﷺ طویل شب بیداری کرتے اور نوافل میں کثیر حصہ قرآن پڑھتے حتیٰ کہ آپ کے قدم ہائے مبارک متورّم ہو گئے اس بارے میں اللہ تعالیٰ! نے فرمایا اے پیارے محبوب (ﷺ) ہم نے آپ کو مشقت و مشکل میں ڈالنے کے لئے قرآن نہیں اتارا۔ لہٰذا آپ رات کو کچھ دیر آرام بھی فرمائیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ ”اے کمبل پوش محبوب! رات کو قیام فرمائیں مگر کچھ دیر چھوڑ بھی دیں۔“ (مزمل:۱)

قرآن کی وجہ سے کسی کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہئے

کچھ لوگ ہمارے وطن عزیز پاکستان میں رمضان اور شب براءت وغیرہ میں مساجد کے اندر شبینۂ قرآن کا اہتمام کرتے ہیں ان کی نیت اچھی ہے مگر طریقہ کار اذیت ناک ہے۔ وہ اونچی آواز میں سپیکر کے ذریعے قرآن پڑھ کر تمام اہل محلہ کو رات بھر سونے نہیں دیتے اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ گلیوں بازاروں میں ایک شور مچا ہوتا ہے مگر مسجد میں سننے والا ایک شخص بھی نہیں ہوتا۔ اب جو شخص رات بھر سو نہ سکے وہ صبح کام پر کیسے جا سکے گا شبینہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں رات بھر قرآن پڑھا جائے اور جسے شوق ہو وہ مسجد میں آ کر سنے۔ یہاں برطانیہ کی مساجد میں بھی رمضان المبارک میں محافل شبینہ ہوتی ہیں۔ حفاظ نوافل میں یا بیٹھ کر قرآن پڑھتے ہیں اور سامعین سے مسجد بھری ہوتی ہے۔

[3] یعنی جو رب آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرما سکتا ہے وہ اپنے بندۂ خاص محبوب کریم ﷺ پر قرآن کیوں نہیں اتار سکتا۔ اس میں منکرین کو کیا تعجب ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

رحمان نے عرش پر (اپنی شان کے مطابق) استویٰ فرمایا۔[4] اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ

اور جو ان کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے۔[5] اور اگر تم اونچی آواز میں بات کہو تو اللہ ہر بھید بلکہ اس سے مخفی تر

وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

بات بھی جانتا ہے[6] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کیلئے سب اچھے نام ہیں[7]

[4] رحمٰن کے عرش پر استویٰ کے بارے میں ہم اعراف ۵۴، یونس ۳ اور رعد ۲ کے تحت مفصل کلام کر چکے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لازم ہے۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

[5] الثَّرٰی کالغوی معنی گیلی مٹی ہے۔امام ضحاک (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الثَّرٰی وہ گیلی مٹی ہے جو زمین کے کھودنے پر نیچے سے نکلتی ہے۔دراصل اللہ تعالیٰ نے سطحِ زمین سے کچھ فٹ نیچے پانی کی ایک تہہ رکھی ہے۔قدرت نے انسان کے قدموں کے نیچے ہر جگہ میٹھے پانی کا خزانہ رکھا ہے۔چنانچہ جب بھی پانی کا نلکا لگانے کے لئے کھدائی کی جائے تو چند فٹ کے بعد گیلی مٹی نکل آتی ہے یہی الثَّرٰی ہے۔اس سے نیچے زمین میں سخت پتھروں اور گیسوں کی خوفناک تہیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔سطحِ زمین سے نیچے مرکز زمین تک چھ ہزار میل کا فاصلہ ہے اور آج تک زمین میں کھدائی چھ میل سے زیادہ نہیں کی جاسکی۔آگے کیا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

[6] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سِرّ (بھید) یہ ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے سے کوئی بات راز میں کہے۔اور اَخْفٰی (اس سے مخفی تر بات) یہ ہے کہ جو چیز کسی کے دل میں کھٹکے اور وہ کسی کو نہ بتائے۔معنی یہ ہوا کہ اللہ رب العزت ہماری باہمی راز داریوں اور ہمارے دلوں کے خطرات سے بھی آگاہ ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ''بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل کے خطرات جانتے ہیں۔'' (ق:۱۶)

[7] یعنی اللہ اس لئے معبود واحد ہے کہ سب تعریفات وصفات حمیدہ کے لائق اللہ ہی ہے اور اس کے اسماء اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں لہٰذا سب اچھے ناموں کا مالک وہی ہے۔کسی اور میں جو خوبی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ وعطا کردہ ہے لہٰذا وہی لائقِ عبادت ہوسکتا ہے۔

وقف لازم

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ

اور کیا تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کی بات پہنچی ہے[8] جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو میں نے

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ

آگ محسوس کی ہے۔ ممکن ہے میں تمہارے پاس اس سے ایک چنگاری لے آؤں یا آگ پر راہنمائی پالوں[9] جب آپ

اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ

وہاں گئے تو پکارا گیا اے موسیٰ! میں ہی تمہارا رب ہوں، تم اپنی جوتیاں اتار دو، بیشک تم مقدس

الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ

وادی طویٰ میں ہو۔[10] اور میں نے تمہیں چن لیا ہے تو جو وحی کی جائے اسے غور سے سنو۔ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی

اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝

معبود نہیں، تو میری عبادت کرو اور میری یاد میں نماز قائم کرو۔[11]

جب طور پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی

[8] حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ میں وہی حالات درپیش تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو مصر میں تھے۔ اس لئے قصہ موسیٰ علیہ السلام چھیڑا گیا تا کہ زمانہ ضعفِ اسلام میں مسلمانوں کا حوصلہ بلند کیا جائے اور جب بھی مسلمانوں پر کمزوری کا دور آئے گا یہ قصہ ان کی ہمت بندھائے گا کہ جو خدا دورِ موسوی کے فرعون کو غرق کرسکتا ہے وہ ہر دور کے فرعون کی کمر توڑ سکتا ہے اور ہر طاغوتی طاقت کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ اس قصہ کا آغاز کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے عطا کئے جانے سے کیا گیا۔ فرمایا گیا: وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے؟ یعنی ضرور پہنچی ہے جیسے فرمایا گیا: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ ''کیا انسان پر کوئی ایسا دور گزرا ہے کہ وہ کچھ قابل ذکر چیز نہ تھا (یعنی ضرور ایسا دور گزرا ہے)'' (دھر:۱)

[9] حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس رہے۔ اس دوران انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ دس برس بعد آپ اپنی بیوی کو لے کر وہاں سے واپس مصر لوٹے راستہ میں ایک جگہ کوہ طور کے قریب سخت تاریک اور سرد رات سے واسطہ پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ امید سے تھیں، سفر کٹھن تھا، اوپر سے

تیز اور سرد ہوا چل پڑی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں تتر بتر ہوگئیں اور آپ تاریکی میں راستہ بھی بھول گئے۔ آپ سخت پریشان تھے ایسے میں آپ کو تاریک رات میں دور سے آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنی زوجہ سے کہا ٹھہرو مجھے دور آگ دکھائی دیتی ہے میں آگ لاتا ہوں تاکہ کچھ روشنی اور گرمی حاصل ہو۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا سے معلوم ہوا کہ بیوی کو اہل بیت کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ لفظ اہل بیت جمع مذکر کے مفہوم میں ہے اس لیے اس کو جمع مذکر کے صیغوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں بھی امْكُثُوْٓا اور اٰتِيْكُمْ جمع مذکر کے صیغے اسی لیے لائے گئے ہیں۔ اسی لیے آیۂ تطہیر یعنی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞ (احزاب، ۳۳) میں اہل بیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں اور انہی کے لیے جمع مذکر کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔

[10] حضرت وہب بن منبہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف چل پڑے۔ قریب گئے تو ایک سرسبز درخت آگ سے شعلہ بار نظر آیا۔ مگر جیسے جیسے آگ بھڑکتی ہے درخت مزید سرسبز ہوتا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس کی ایک ٹہنی پکڑنا چاہی (تاکہ آگ حاصل کریں) تو آپ کی طرف شعلے لپکے آپ سمجھ گئے کہ یہ کوئی خدائی آگ ہے پھر اس سے سورج جیسا نور اٹھا جو آسمان کی طرف بلند ہوا آپ گھبرا کر زمین پر بیٹھ گئے پھر فرشتوں کی تسبیحات کی آوازیں آنے لگیں پھر درخت سے آواز آئی۔ اے موسیٰ! آپ نے کہا: اے بلانے والے تم کون ہو؟ آواز آئی اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً ادب سے کھڑے ہو گئے۔ (درمنثور بروایت عبد بن حمید و ابن منذر وغیرہ جلد ۵ صفحہ ۵۵۴) اللہ رب العزت نے مزید فرمایا ''اے موسیٰ! تم مقدس وادیٔ طویٰ میں ہو لہٰذا اپنی جوتیاں اتار دو۔''

اِذْ رَاٰ نَارًا کے تحت امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں درخت پر نار نہیں تھی نور تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو بصورت نار نظر آیا کیونکہ حدیث صحیح میں ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حجابه النور لو كشفه لاحترقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه. کہ ''اللہ کا حجاب نور ہے اگر اس کا حجاب کھل جائے تو اس کی ذات کی تابانیاں اس کی ساری مخلوق کو جلا کر رکھ دیں۔''

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ندا کیسے سنی؟

اس جگہ نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۞ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ کے تحت اگر سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ندا یعنی آواز کیسے سن لی آواز تو حلق اور زبان اور ہونٹوں سے ادا ہوتی ہے اور اللہ جسم سے پاک ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ندا بے کیف و کم تھی۔ جیسا اللہ نے چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شب معراج اللہ کا دیدار حاصل کیا اور اللہ رب العزت نے کلام فرمایا اور وہ بے کیف و کم تھا اور روز قیامت اہل جنت اللہ کا دیدار پائیں گے تو اس وقت بھی اللہ رب

العزت کی ذات اسی طرح تمام جسمانیات سے پاک ہوگی۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا دیدار کیسے پایا اور اللہ سے کیسے کلام کیا؟ وہ تو سنائی دینے یا دکھائی دینے سے پاک ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور عالم قصیدہ معراجیہ میں اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔ ؎

وہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے
زبان کو انتظار گفتن، تو کان کو حسرتِ شنیدن

اور غالباً مولانا رومی کا یہ کلام ہے آپ معراج میں اللہ تعالی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین گفتگو کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں۔ ؎

شنید آں جا کلامے نے بآوازے
معانی درمعانی راز باراز ے

یعنی وہاں جو کلام سنائی دیا وہ آواز کے بغیر تھا اور وہاں لفظوں سے گفتگو نہیں ہورہی تھی۔ بلکہ معنیٰ کی معنیٰ سے اور راز کی راز سے گفتگو تھی۔

مقدس جگہ پہ جوتی اتار دینی چاہیے

اس جگہ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ سے معلوم ہوا مقدس مقام کے احترام میں جوتی اتار دینا عنداللہ محبوب ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وادی ایمن چونکہ اس وقت مھبط وحی الٰہی بن چکی ہے تو اس کے تقدس میں جوتی اتار دیں، اسی لیے مسجد میں جوتی لے کر جانا ممنوع ہے۔ کیونکہ اللہ کا حکم ہے: طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ ''میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔'' (بقرہ، ۱۲۵) اب اگر مسجد میں جوتی پہن کر آنا جائز قرار دیا جائے تو ہر شخص جوتی لے کر مسجد میں آجائے گا اور جوتیوں کے ساتھ عموماً گندگی لگی ہوتی ہے۔ یوں مسجد رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک نہیں رہے گی۔ فقہاء نے بھی مسجد میں جوتے پہن کر آنا ممنوع قرار دیا ہے۔ (فتاوی عالم گیری کتاب الصلاۃ)

اور جہاں حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوتی کے ساتھ نماز پڑھائی ہے تو اس سے مراد مسجد سے باہر کسی جگہ نماز پڑھنا ہے اور وہ بھی ایسی جوتی کے ساتھ جو بالکل صاف ہو۔

[11] یہاں سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطاء نبوت کے بعد نماز کا حکم فرمایا۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخۡفِيۡهَا لِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا تَسۡعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا

بیشک قیامت آنیوالی ہے۔ میں اسے مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر جان کو اسکی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ [12] تو جسے

يَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ فَتَرۡدٰى ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلۡكَ

قیامت پر ایمان نہیں اور اپنی خواہش پر چلتا ہے وہ تمہیں اسکے ماننے سے روک نہ دے کہ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے [13] اور اے موسیٰ

بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِىَ عَصَاىَ‌ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى

تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کہا وہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس سے ٹیک لگاتا اور اپنی بکریوں پہ پتے

غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلۡقٰٮهَا فَاِذَا

جھاڑتا ہوں اور اسمیں مجھے دیگر فوائد بھی ہیں۔ [14] اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! اسے پھینک دو۔ انہوں نے اسے

هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ‌ وقفه سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿۲۱﴾

پھینکا تو وہاں ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا، اللہ نے فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ [15]

وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ﴿۲۲﴾ لا

اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں دباؤ تو وہ چمکتا ہوا نکلے گا۔ کسی بیماری کے بغیر، یہ دوسری نشانی ہے

لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ﴿۲۳﴾ ۚ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ ع

تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں، فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکش ہو گیا ہے۔ [16]

ع ۱۰

[12] امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں لفظ اَكَادُ زائد ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ میری حکمت یہ ہے کہ قیامت مخفی رکھی جائے۔ کیونکہ اگر اسے ظاہر رکھا جاتا تو انسانوں کے لئے زندگی محال ہو جاتی اور لوگ اس کے وقوع سے قبل ہی مرنے لگتے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ہر انسان پہ اس کی موت کا وقت مخفی رکھا گیا ہے۔ کہ اگر اسے بتا دیا جاتا تو اس کے آنے سے قبل ہی لوگوں کی زندگی معطل ہو جاتی۔ اللہ رب العزت چاہتا ہے کہ انسانی زندگی اپنی رفتار کے ساتھ رواں دواں رہے۔ اس میں کوئی تعطل نہ آئے اور قیامت اس لئے آنے والی ہے تا کہ ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دی جائے۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو کافر و مومن، نیک و بد، اور ظالم و مظلوم سب کا انجام ایک ہی ہو جاتا اور یہ ناانصافی ہے۔

[13] یعنی منکرینِ قیامت کی باتوں کی وجہ سے کوئی شخص قیامت سے غافل نہ ہو جائے جس نے ایسا کیا وہ تباہ ہو گیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو معجزۂ عصا اور یدِ بیضا عطا فرمایا گیا

[14] طور کے قریب وادی مقدس طویٰ میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل کیا تو آپ پر جلالِ الٰہی سے ہیبت طاری ہوئی جیسے پہلی وحی کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے تھے اور فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ ''مجھے کمبل اوڑھا دو۔'' اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کا خوف و رعب دور کرنے کے لئے فرمایا اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ! یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں یعنی اس کے سہارے لمبا سفر کر سکتا ہوں اور بکریاں چرانے کے لئے دیر تک کھڑا ہو لیتا ہوں اور میں اس کے ذریعے اپنی بکریوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور اس میں مجھے دیگر فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا کے ساتھ رسی اور ڈول باندھ کر گہرے کنوئیں سے پانی نکال لیتے تھے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے اس پر کپڑا ڈال کر اس کے سائے میں آرام کر لیتے تھے اور موذی جانوروں سے اپنا اور اپنی بکریوں کا دفاع بھی کرتے تھے۔ دورانِ خطبہ اسے اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اور سفر میں اس کے ساتھ اپنا توشہ دان اور ترکش وغیرہ باندھ کر اپنے کندھے پر لٹکا لیتے تھے۔

کبھی سوال سے زیادہ جواب دیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا جواب اتنا کافی تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے مگر انہوں نے اس کے جواب میں طویل کلام فرمایا گویا عندالضرورت طویل جواب دینے میں حرج نہیں۔ اسی لئے بعض علماء کسی سوال یا استفتاء کے جواب میں پوری کتاب لکھ دیتے ہیں۔

اس جگہ صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ مسجد اقصیٰ میں سوئے ہوئے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں تخت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور زمین پر کثیر انبیاء جلوہ افروز ہیں تاکہ حسین حلاج کے بارے میں آپ سے سفارش کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرماتے ہیں: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل. میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔ کیا آپ ان میں سے کوئی ہمیں دکھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ہے، اور اسی وقت روح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حاضر کر دی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی سے ایک سوال کیا انہوں نے اس کے دس جوابات پیش کئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے ایک سوال کیا تم نے دس جوابات دیئے اس کی کیا ضرورت تھی؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ نے آپ سے یہی پوچھا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے اس کے جواب میں طویل کلام فرمایا تھا۔ امام شاذلی فرماتے ہیں میں خواب میں حیران ہو رہا تھا کہ دیگر انبیاء پر

حضور ﷺ کو کس قدر بلندی حاصل ہے کہ آپ تخت پر ہیں اور وہ زمین پر، کہ اتنے میں مجھے خادمِ مسجد نے ٹھوکر سے جگا دیا اور کہا اس میں حیرانی کی بات نہیں۔ سب انبیاء آپ ہی کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ امام شاذلی فرماتے ہیں پھر وہ خادم مجھے کبھی نظر نہ آیا۔ (روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۷۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

لاٹھی رکھنا سنت انبیاء ہے

موسیٰ علیہ السلام لاٹھی رکھتے تھے۔ حضور ﷺ کا عصاء مبارک بھی مشہور ہے اور قرآن میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصاء کے سہارے (نماز میں) کھڑے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (سبا:۱۴) نبی اکرم ﷺ دوران خطبہ اپنا عصا اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ سفر میں بھی آپ کا عصاء مبارک ساتھ ہوتا، آپ اس کو نماز میں سترہ بناتے تھے اور جب آپ نماز عید کی ادائیگی کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر کھلی جگہ میں جاتے تو سامنے اپنا عصاء مبارک گاڑ لیتے۔ (سنن ابی داود کتاب الصلوۃ)

غلہ بانی سنتِ انبیاء ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' (بخاری کتاب الاجارہ باب ۲ مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۰۲) انبیاء اس لئے بچپن اور لڑکپن میں بکریاں چراتے تھے تاکہ انہیں شروع سے امر و نہی اور نگہداری خلق کا تجربہ ہو جائے۔

[15] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن کر دوڑنے لگا۔ روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا عظیم اژدھا بن کر بڑے بڑے پتھروں اور درختوں کو نگلنے لگا۔ آپ یہ خوفناک منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور الٹے پاؤں بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ گھبرائیں نہیں۔ اسے پکڑیں آپ نے اسے پکڑا تو وہ پھر پہلے والا عصا تھا۔ یاد رہے کہ عطاء نبوت کے موقع پر معجزۂ عصا کا عطا فرمایا جانا اس لئے تھا کہ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو حصول نبوت کا گہرا ایقان و اذعان ہو جائے۔ دوسرا: آپ کو جمع خاطر ہو کہ فرعون جیسے جابر حاکم سے ٹکر لینے کے لئے آپ کے پاس ایک بڑا ہتھیار موجود ہے جس سے آپ فرعونیوں کو خوفزدہ کر سکتے ہیں۔ تیسرا: آپ کو عصا کا اژدھا بننا اس لئے دکھا دیا گیا تاکہ جب دربار فرعون میں عصا اژدھا بنے تو سب فرعونی قوم گھبرا اٹھے مگر آپ مطمئن کھڑے رہیں کیونکہ ایک خوفناک چیز کے ایک بار دیکھ لینے کے بعد اسے دوبارہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

طبعی خوف باعثِ اعتراض نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کو اژدھا بنتے دیکھ کر گھبرائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَخَفْ یہ خوف طبعی چیز ہے جیسے بھوک پیاس طبعی چیزیں ہیں جو محلِ اعتراض نہیں ہیں۔ یہ طبعی خوف ہے۔ اسی طرح غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت گھبرائے جب کفار قریب تر آ گئے۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: لا تخف ان اللہ معنا، اہل تشیع اس جگہ سیرت صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ پر حرف گیری کرتے ہیں کہ وہ گھبرائے کیوں؟ مگر ہم کہتے ہیں یہ طبعی خوف ہے جو بسا اوقات انبیاء کرام کو بھی لاحق ہوسکتا ہے۔اگر وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لاحق ہوا تو اس پہ کیوں اعتراض ہے؟

فلسفۂ معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طویٰ میں عصا کا اژدھا بنتا دکھایا گیا تاکہ دربار فرعون میں آپ یہی منظر دیکھ کر نہ گھبرائیں۔اسی طرح شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت و نار سب کچھ دکھایا گیا۔اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (نجم:۱۸) تو آپ نے دوزخ کے خوفناک مناظر دیکھے اور یہ اس لئے ہوا کہ روز قیامت جب دوزخ سامنے لائی جائے گی تو سب لوگ حتیٰ کہ انبیاء بھی گھبرا اٹھیں گے اور نفسی نفسی پکاریں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کچھ پہلے دیکھ لیا ہے اس لئے آپ روز قیامت مطمئن ہوں گے اور نفسی نفسی کی جگہ امتی امتی پکاریں گے۔اگر موسیٰ علیہ السلام دربار فرعون میں گھبرا جاتے تو آپ کی شان رسالت ظاہر نہ ہوتی اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت گھبرا جاتے تو آپ کی شانِ شفاعت اور شانِ محبوبیت ظاہر نہ ہوتی۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا انبیاء سے توراثاً آرہا تھا یہ جنت سے آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارا گیا پھر انبیاء کے پاس ہوتے ہوئے شعیب علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے موسیٰ علیہ السلام کو ملا۔

[16] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ یہ دیا گیا کہ آپ اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر نکالتے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا اور اس سے ہاتھ میں کوئی خرابی نہ آتی پھر دوبارہ بغل میں دباتے تو وہ پہلے کی طرح ہو جاتا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ دو نشانیاں بطور مثال ہیں۔آگے چل کر ہم آپ کو مزید عظیم نشانیاں دکھائیں گے جیسے پتھر سے بارہ چشمے نکلنا، آسمان سے من وسلویٰ کا نزول اور سمندر کا پھٹنا وغیرہ۔

ید بیضا اور نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہاں سے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہوتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف ہاتھ چمکتا تھا اور وہ بھی چند بار چمکا۔جبکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سارا جسم مبارک نورانی ہے، دندان مبارک سے نور چمکتا ہے، بغلوں سے نور پھوٹتا ہے، پیشانی نور سے چمکتی ہے۔آپ کے تبسم سے وہ نور نکلتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں گم ہو جانے والی سلائی مل جاتی ہے۔پھر حدیث میں ہے کہ آپ کے دست مبارک کی برکت سے کئی صحابہ کی لاٹھیاں چراغ بن کر چمکنے لگیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے، میرا معاملہ مجھ پہ آسان کر دے اور میری زبان سے گرہ

لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾

نکال دے تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔[17] اور میرے اہل خانہ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ

اس سے میری پشت مضبوط کر اور اسے میرے معاملہ میں شریک فرما تا کہ ہم تیری تسبیح زیادہ کہیں اور تجھے

كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

زیادہ یاد کریں، بیشک تو ہمارا نگہدار ہے، اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! تمہیں تمہارا سوال دیا جاتا ہے۔ [18]

[17] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے سرکش و جابر اور مدعی الوہیت بادشاہ کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے عرض کیا اے اللہ! میرا سینہ نور معرفت سے کھول دے تا کہ میں کسی بڑی سے بڑی مادی قوت سے نہ گھبراؤں۔ اور میرا معاملہ آسان کر دے تا کہ میں قوم فرعون تک آسانی سے پیغام حق پہنچا سکوں اور میری زبان سے گرہ کھول دے۔

دراصل شیر خوارگی میں جب آپ فرعون کے گھر زیر پرورش تھے اس دوران ایک بار آپ نے فرعون کے سر میں لاٹھی دے ماری۔ فرعون گھبرا گیا کہ کہیں یہ وہی بچہ تو نہیں جس کے ہاتھ پر میری موت لکھی ہے۔ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ بچہ ہے جو سمجھ نہیں رکھتا۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا دو تھال منگوائے گئے ایک میں سرخ انگارے تھے دوسرے میں سرخ جواہر، اور دونوں آپ کے سامنے رکھ دیے گئے۔ آپ نے ایک انگارہ پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور بولنے میں ایک لکنت آ گئی۔ اس لئے آپ نے حصول نبوت کے موقع پر دعا کی اے اللہ! میری زبان سے گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور کوئی بدبخت میری لکنت کا مذاق نہ اڑائے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۶۸)

انبیاء کو کوئی ایسا جسمانی عیب نہیں لگایا جاتا کہ لوگ ان کا مذاق اڑائیں

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت انبیاء کرام کو کوئی ایسا جسمانی عیب لاحق نہیں کرتا جس پر لوگ ہنسی کر سکیں اور اگر ان میں پہلے سے ایسا کوئی عیب ہو بھی تو اعطاء نبوت کے ساتھ ہی اسے دور کر دیا جاتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پہ منصب نبوت کا تاج رکھتے ہی ان کی لکنت دور کر دی۔ تا کہ کوئی دشمن خدا ان کا

مذاق نہ اڑائے اور ان سے گھن نہ کرے۔ لہٰذا جسمِ ایوب علیہ السلام میں کیڑے پڑنے کی اسرائیلی روایات میں کوئی وزن نہیں۔ یونہی حضور ﷺ کے سامنے والے دانتوں کے احد میں ٹوٹ جانے کی روایات بھی نادرست ہیں۔ کیونکہ سامنے والے دانتوں کا ٹوٹنا ایک بدنمائی ہے۔ اس سے چہرہ انتہائی بدنما ہو جاتا ہے۔ بلکہ سیدھی طرح بات کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو تمام کائنات سے حسین تر بنایا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کے چہرہ میں ایسی بدنمائی ہو۔ ہاں روایت بخاری کے مطابق آپ کے سامنے والے دانت پر احد میں کفار کی سنگ باری کے باعث زخم آیا تھا اور روایات کے مطابق اس میں دندے بن گئے جن سے زیادہ نور چمکنے لگا اور آپ کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہو آپ کے دندان مبارک جنتی ہیرے ہیں اور ہیرے کو جتنا تراشو اتنا چمکتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جو عوام میں مشہور ہے کہ جب اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یمن میں خبر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے والے دانت شہید ہوئے ہیں تو انہوں نے پتھر مار مار کر اپنے دانت نکال دیے۔ یہ سب غلط ہے۔ اس پہ کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ پھر آگے اس سے شیعہ لوگوں نے دلیل بنانا شروع کر دی کہ جب اویس قرنی نے محبت رسول میں اپنے دانت شہید کیے ہیں تو ہم محبت نواسہ رسول (ﷺ) میں ماتم کر کے خود کو زخمی کیوں نہیں کر سکتے۔ مگر جب بنیاد ہی غلط ہے تو اس پہ کوئی عمارت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

[18] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وادی طویٰ میں حصول نبوت کے موقع پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لئے منصب نبوت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت کا بھی اعلان فرما دیا۔ جیسے قرآن میں ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ (مریم: ٥٣) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم نے جو مانگا ہم نے آپ کو دے دیا ہے۔ یعنی آپ کا سینہ صبر و استقامت کے لئے کھول دیا ہے آپ کی زبان سے لکنت دور کر دی ہے اور آپ کے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا کر دی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ

اور اے موسیٰ! ہم نے تم پر ایک اور بار احسان کیا، جب ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وہ الہام کیا جو الہام کرنا تھا کہ

اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

موسیٰ کو تابوت میں ڈال دو پھر تابوت کو دریا میں بہا دو تا کہ دریا اسے کنارے پر ڈال دے اور اسے میرا

يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ

اور اس کا دشمن (فرعون) پکڑ لے اور اے موسیٰ! میں نے تم پہ اپنی طرف سے محبت ڈالی تا کہ تمہیں میری حفاظت

عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾

میں پالا پوسا جائے۔[19]

اعطاءِ نبوت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی سابقہ نعمتوں کا یاد دلانا

[19] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! ہماری وہ نعمتیں یاد کرو جو ہم نے تم پر اس سے قبل فرمائیں جن میں سے سب سے پہلی نعمت یہ ہے کہ تمہاری پیدائش کے وقت فرعون بنی اسرائیل کے ہر نومولود بچے کو قتل کروا رہا تھا مگر ہم نے تمہیں قتل سے بچا لیا وہ اس طرح کہ ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اپنے نومولود بچے کو تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دو اور دریا اسے اس کنارے پر پہنچا دے گا جہاں میرا اور اس نومولود کا دشمن فرعون اسے اٹھا لے گا اور اپنے ہاتھوں سے اس کی پرورش کرے گا۔ چنانچہ تمہاری والدہ نے اسی طرح کیا اور جب فرعون نے تمہارا تابوت دریا کے کنارے سے پکڑ لیا تو وہ تمہیں قتل نہ کر سکا کیونکہ ہم نے تمہارے چہرے پر اپنی رحمت سے اس قدر محبوبیت ڈال دی تھی کہ اس کی بیوی نے تمہیں سینے سے چمٹا کر اپنا بیٹا بنا لیا اور فرعون تمہیں قتل نہ کر سکا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کیا تھا کہ ہماری قدرت ظاہر ہو کہ ہم نے اپنی حفاظت میں تمہارے دشمن کے گھر تمہاری پرورش کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعطائے نبوت کے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے سابقہ احسانات و انعامات یاد دلا رہا ہے۔ اس میں ہمارے لیے یہ درس ہدایت ہے کہ انسان کو اللہ کی نعمتیں یاد رکھنی چاہییں تا کہ اسے مستقبل میں ہمت و حوصلہ ملے۔

اس جگہ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ میں وحی بمعنی الہام ہے نہ کہ بمعنی وحی نبوت کیونکہ کسی عورت کو نبوت نہیں دی گئی۔ اللہ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ”اور آپ سے قبل ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا۔ ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“ (یوسف:۱۰۹) یہی مضمون سورہ نحل آیت ۴۳ اور سورہ انبیاء آیت ۷ میں بھی ہے۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک تابوت لے کر اس میں روئی بچھائی پھر آپ کو اس میں ڈال کر اس کا منہ سختی سے بند کیا اور تابوت کو دریائے نیل میں بہا دیا۔ دریا سے ایک نہر فرعون کے محل کی طرف جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے تابوت کو اس نہر میں ڈال دیا۔ فرعون نے دور سے ایک تابوت کو پانی پہ تیرتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا تو حکم دیا اسے نکال کر لایا جائے۔ جب تابوت کھولا گیا تو اس میں ایسا خوبصورت بچہ تھا کہ اس جیسی شکل کسی انسان کی نہ دیکھی گئی تھی۔ مروی ہے کہ فرعون کی ایک بیٹی تھی جسے برص تھا اور اہل نجوم نے اسے بتایا تھا کہ دریا میں سے ایک انسان کی شبیہ آئے گی جس کی تھوک سے اس لڑکی کا برص جاتا رہے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تابوت میں سے ملے تو اس لڑکی نے آپ کی تھوک اپنے برص زدہ حصوں پر لگائی تو اسے شفا ہو گئی۔ (تفسیر قرطبی جلد ١١ صفحہ ١٩٦) یوں فرعون کے اہل خانہ موسیٰ علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئے۔ فرعون کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں دریا میں کیوں بہایا گیا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں بہائے جانے میں حکمت یہ تھی کہ مُنجّمین نے فرعون کو بتایا تھا کہ بنو اسرائیل میں ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا تو اس نے بنی اسرائیل کے بچے قتل کرنا شروع کر دیئے۔ اور بنی اسرائیل مصر میں قیام پذیر تھے جبکہ دریائے نیل مصر میں باہر سے آتا ہے۔ دریائے نیل جنوبی افریقہ کی طرف سے بہتے ہوئے آتا ہے اور حبشہ وسوڈان میں سے گزرنے کے بعد مصر میں داخل ہوتا اور بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ تو فرعون کو سمجھایا گیا کہ یہ بچہ نہ جانے کہاں سے دریا میں بہتے ہوئے آیا ہے اس کے بنی اسرائیل میں سے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اس طرح فرعون کی توجہ آپ سے ہٹ گئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جس طرح اللہ نے بچپن میں آپ کو پانی میں بہنے سے بچایا وہ بعد میں بھی آپ کو بنی اسرائیل سمیت سمندر سے بچائے گا اور فرعون کو قوم سمیت اس میں غرق کرے گا۔

جو اللہ پہ بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہو جاتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کا حکم مانا اور اپنی ممتا کو رضاء حق پہ قربان کرتے ہوئے اپنے چاند سے نومولود بیٹے کو دریا میں بہا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمایا۔ کیونکہ دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③ ”جو اللہ پہ بھروسہ کرے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ رکھا ہے۔“ (طلاق، ٣)

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صبر سے کام لیا اور اللہ کی رضا پہ راضی رہیں اور چیخ و پکار نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا ایسا

میٹھا پھل دیا کہ ان کے گھر میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں۔ اللہ فرماتا ہے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ ''بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔'' (انشراح، ۵)

کبھی دشمنوں کے ذریعے دوستوں کی حفاظت کی جاتی ہے

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے قتل کیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ اسی فرعون کے گھر میں آپ کی پرورش کی۔ گویا اللہ کا حکم ہر چیز پہ غالب ہے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

یاد کرو جب تمہاری بہن (تابوت کے پیچھے) چلی پھر کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسی عورت کی خبر دوں جو اسکی دیکھ بھال کر سکے؟ تو

اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ

ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تا کہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے۔[20]

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ

اور تم نے ایک (ظالم) شخص کو قتل کر دیا پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور کئی آزمائشوں میں ڈالا پھر تم کئی برس اہل مدین

يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا

میں رہے پھر اے موسیٰ! تم ایک مدت پر واپس آئے[21] اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا۔[22] تم اور تمہارا بھائی

تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا

دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں کمی نہ رکھو۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے، تو اس سے نرم لہجہ

لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

میں بات کرو۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑ لے یا خوف کھائے۔[23]

[20] فرعون نے حکم دیا کہ کسی عورت کا انتظام کیا جائے جو موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے مگر جو عورت آپ کو اپنا دودھ پیش کرتی آپ اس کی چھاتی سے منہ پھیر لیتے۔ زوجۂ فرعون کو ڈر ہوا کہ بچہ بھوکا مر جائے گا۔ قرآن میں ہے: وَحَرَّمْنَا

عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ. ''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر دودھ پلانے والی عورتیں پہلے سے حرام کردی تھیں۔'' (قصص:١٢) ادھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بے قرار ہو رہی تھیں۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا جاؤ بچے کی خبر لو۔ اس نے آ کر دیکھا کہ عورتیں بچے کو دودھ پلانے سے عاجز آ چکی ہیں تو کہا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاتی ہوں جو اس بچے کی بہتر دیکھ بھال کر سکے گا پھر وہ آپ کی والدہ کو وہاں لے گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کی جھولی میں رکھا گیا تو آپ نے فوراً ان کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کی بیوی نے ان سے کہا تم میرے محل میں ٹھہر کر میرے بچے کو دودھ پلایا کرو۔ انہوں نے کہا میری دوسری گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں میں تمہارے محل میں نہیں ٹھہر سکتی۔ اگر تم اپنے بچے کو دودھ پلوانا چاہتی ہو تو اسے میرے گھر بھیج دو یوں آپ کی والدہ آپ کو لے کر اپنے گھر آ گئیں اور زوجہ فرعون نے آپ کے گھر پر انعامات کی بارش کر دی اور جب سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں اپنی والدہ کے گھر آئے تو فرعونیوں کا بنی اسرائیل پہ ظلم کم ہو گیا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام چلنے پھرنے لگے تو زوجہ فرعون نے آپ کی والدہ کو پیغام بھجوایا کہ میرے بیٹے کو مجھے لا کر دکھاؤ۔ جب وہ لائیں تو زوجہ فرعون نے اپنے عزیزوں خادموں اور سہیلیوں سے کہا آج ہر کوئی میرے بیٹے کے لیے تحفہ لائے۔ پھر وہ تمام تحائف آپ کی والدہ کو دے دیے گئے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۵۷)

[21] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے پہلے ان کے دورِ بچپن کی نعمتیں یاد دلائیں پھر دورِ جوانی کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تو فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام)! وہ وقت یاد کرو جب تم نے ایک ظالم فرعونی شخص کو مار دیا تو سب فرعونی تمہارے خون کے پیاسے ہو گئے تب ہم نے تمہیں نجات دی اس وقت ہم نے تمہیں کئی آزمائشوں میں ڈالا یعنی تمہیں ہر آزمائش میں کامیاب کیا۔ دراصل موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا اور ان پر ہر نعمت نچھاور کرتا تھا مگر اس قتل سے وہ سب نعمتیں چھین لی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام جان بچانے کے لئے روپوش ہو گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کچھ معذرت نہیں کی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! پھر تم مصر سے جان بچا کر اہل مدین کے پاس چلے گئے یعنی شعیب علیہ السلام کے ہاں جا کر پناہ لی اور وہاں ایک طویل عرصہ گزارا۔ پھر واپس مصر آئے۔

اس قتل کا واقعہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی عمر تیس برس تھی آپ نے ایک روز فرعونی دور کے دارالحکومت شہر ممفس میں ایک فرعونی شخص کو ایک اسرائیلی شخص پہ ظلم کرتے دیکھا۔ آپ کی پرورش اگرچہ خانۂ فرعون میں ہوئی تھی مگر آپ جانتے تھے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے ہیں اور فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو جبراً غلام بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے اس فرعونی کو ایسا مُکا رسید کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ آپ کا ارادۂ قتل نہ تھا نہ ہی مکے سے عموماً کوئی مرتا ہے۔ بہرحال اس کے بعد آپ مصر سے نکل کر مدین چلے گئے اور دس برس وہاں گزارے۔ اس دوران شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا اس کی مکمل تفصیل سورۃ قصص کے دوسرے رکوع میں آئے گی۔

[22] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے لئے یعنی اپنے دین

کی سربلندی، اپنی شریعت کے نفاذ اور اپنے دشمنوں سے جہاد کے لئے پیدا کیا ہے۔لہٰذا اب تمہارے میدان میں نکلنے کا وقت آگیا ہے۔

[23] تو اے موسیٰ! تم اور تمہارا بھائی دونوں فرعون کے پاس میری نشانیاں جیسے عصاء اور ید بیضاء لے کر جاؤ اور اسے سرکشی سے باز آنے کا کہو اور تم میرے ذکر میں کمی نہ رکھو یعنی اپنے ہر کام میں میری رضا چاہو اور فرعون سے نرمی سے بات کرو اور اسے دلائل سے سمجھاؤ تا کہ وہ نصیحت پکڑے اور خوش دلی سے ایمان لائے یا کم از کم عذاب آخرت سے ڈر کر ایمان قبول کرے۔

فرعون سے نرمی سے بات کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ فرعون نے آپ کو پالا پوسا تھا اور آپ پہ اس کے کچھ ظاہری احسانات تھے اور اس کے علاوہ تبلیغ دین کے لئے حکمت، خوش اسلوبی اور نرم خوئی درکار ہے۔اسی لئے ارشاد خداوندی ہے: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ بلاؤ۔(نحل:۱۲۵)

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ

دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پہ زیادتی کرے گا یا سرکش ہو گا۔[24] اللہ نے فرمایا ڈرو نہیں میں

اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا

تمہارے ساتھ سنتا دیکھتا ہوں تم اس کے پاس جاؤ اسے کہو ہم تمہارے رب کے رسول ہیں۔لہٰذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ

کو (آزاد کر کے) بھیج دے اور انہیں عذاب نہ دے ہم تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔

عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾

اور سلام ہے اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔[25]

[24] حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ ارشادات خداوندی سن کر کوہ طور سے مصر پہنچے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے ملے اور انہیں بتایا کہ اللہ نے ہم دونوں کو منصب نبوت کی ذمہ داریوں سے سرفراز کیا ہے۔لہٰذا فرعون کے پاس چلو تا کہ ہم اسے پیغام حق سنائیں۔انہوں نے مصر کے حالات سے موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ کس طرح فرعون نے دعویٰ خدائی کر رکھا ہے اور لوگوں سے اپنے حضور سجدے کروا رہا ہے اور حکم عدولی کرنے والوں پہ کیا کیا مظالم توڑ رہا ہے۔ایسا شخص ہماری بات کیسے

سنے گا؟ تب دونوں بھائیوں نے بارگاہِ خداوندی میں فریاد کی کہ اے اللہ! ہمیں ڈر ہے فرعون ہماری بات سننے کی بجائے ہم پر زیادتی کرے گا یا کم از کم ہماری بات نہیں مانے گا۔

یہاں اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَاۤ سے بھی معلوم ہوا کہ کفار کے مقابلہ میں نکلتے ہوئے کچھ دیر کے لئے طبعی خوف کا لاحق ہونا محل اعتراض نہیں یہ انبیاء کو بھی کچھ دیر لاحق ہوا پھر خدائی تسلی کے ذریعے ختم ہو گیا۔ لہذا اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں یہی طبعی خوف محسوس کریں تو اہل تشیع کو اس پہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ لا تخفف ان اللہ معنا کی تسلی کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حوصلہ پہاڑوں سے اونچا ہو گیا۔

[25] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں رب العالمین تمہارے ساتھ ہوں تمہاری ہر بات سنتا دیکھتا ہوں اور جس کے ساتھ اللہ کی حمایت ہو اسے کسی فرعون سے کیا ڈر ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا اے موسیٰ و ہارون! تم فرعون سے جا کر کہو کہ ہم دونوں اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کا یہ پیغام ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دو تاکہ ہم انہیں اپنے ساتھ اپنے آبائی وطن فلسطین لے جائیں اور ان پر مظالم کا سلسلہ بند کرو اور اگر تمہیں ہماری رسالت میں شک ہے تو ہم تمہارے پاس معجزات لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسے ہی ملتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر اسے کس طرح دعوت اسلام دی؟

قرآنِ مجید میں دوسری جگہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس اسی طرح کہا جیسے آپ کو حکم ہوا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالَ مُوۡسٰی یٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِبَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰیَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلۡقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں اور حق رکھتا ہوں کہ اللہ کے بارے میں سچی بات کے سوا کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لایا ہوں لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔ فرعون نے کہا اگر تم کوئی نشانی لائے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ آپ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن گیا اور اپنا دایاں ہاتھ کھینچ کر (بغل سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے چمکنے لگا۔'' (اعراف، آیت: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

حضرت سدی (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا اگر تم ایمان لے آؤ تو (حکم ربی سے) تم

پر کبھی بڑھاپا نہ آئے گا جوانوں کی طرح ہمیشہ صحت مند رہو گے اور موت کے سوا کوئی چیز تم سے تمہارا ملک نہ چھین سکے گی اور مرنے کے بعد جنت میں جاؤ گے۔ فرعون کو یہ باتیں اچھی لگیں۔ اس نے ہامان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا میں سمجھتا تھا تم میں کچھ عقل ہے مگر تم عقل سے عاری ہو۔ تم رب ہو اب کیا بندہ بننا چاہتے ہو؟ تمہاری عبادت کی جاتی ہے اب کیا تم کسی کی عبادت کرو گے؟ تو اس کی رائے فرعون کی رائے پر غالب آ گئی۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۷۰) اور یہ دردناک حقیقت ہے کہ بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے مشیروں ہی نے ان کی دنیا و آخرت برباد کی۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ
ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جو تکذیب و سرکشی کرے اس پر عذاب مسلط ہے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ
رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ
تم دونوں کا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو لباس تخلیق دیا پھر
هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ
راہنمائی فرمائی۔[26] اس نے کہا پہلی قوموں کا حال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کا علم میرے رب کے
كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا
پاس ہے، میرا رب نہ بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔[27] میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا
وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ
اور تمہارے لئے زمین میں راستے گزارے اور آسمان سے پانی برسایا۔ (اللہ فرماتا ہے) پھر ہم نے اس پانی سے پودوں کے
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
مختلف جوڑے (زمین سے) نکالے۔ (اے انسانو) کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ اس میں عقل والوں کے لئے
لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع
بڑی نشانیاں ہیں۔[28]

ع ۱۱ ۲

[26] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام! فرعون سے جا کر کہو ہمیں ہمارے رب نے وحی فرمائی ہے کہ اللہ کے

حکم کی تکذیب کرنے اور اس سے منہ موڑنے والوں کے لئے عذاب جہنم تیار ہے۔ فرعون نے یہ سن کر کہا رب تو میں ہوں۔ میرے سوا تمہارا رب کون ہے؟ قرآن میں ہے فرعون نے کہا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو تم جیل میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ (شعرآء:٢٩) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو تخلیق فرمایا پھر اسے اپنے کام کی راہنمائی فرمائی مثلاً اس نے کان کو سننا، آنکھ کو دیکھنا، پاؤں کو چلنا اور ہاتھ کو پکڑنا سکھایا۔ اس نے پتھروں کو جمود، درختوں کو نمو اور پرندوں کو پرواز اور جانوروں کو ان کے کام سکھائے۔

[27] فرعون نے پوچھا اے موسیٰ! پہلے لوگوں کا کیا حال ہے یعنی کیا ان کا رب بھی اللہ ہی تھا اور اگر ایسا ہی ہے تو جنہوں نے اسے نہیں مانا کیا ان سب کے لئے عذاب جہنم تیار ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے لوگوں کا حال اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یعنی وہاں لکھا ہوا ہے کہ کس نے کیا عمل کیا اور اس کا کیا انجام ہے؟ میرا رب نہ بہکتا ہے کہ کوئی چیز اسے دھوکہ دے دے اور وہ کسی نیکوکار کو بدکار یا بدکار کو نیکوکار سمجھ لے جیسا کہ دنیا کے بادشاہ دھوکہ کھا جاتے ہیں نہ میرا رب بھولتا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے نکل جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ فلاں شخص نے کیا عمل کیا تھا وہ کافر تھا یا مومن، لہٰذا اللہ روز قیامت ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق قرار واقعی جزا دے گا۔

[28] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ ہمارا معبود اس لئے ہے کہ اس نے ہمارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، ہمارے لئے زمین میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اس پانی سے زمین میں سے پودوں اور درختوں کے مختلف جوڑے نکالے مثلاً کوئی گرمیوں میں پھل دیتا ہے کوئی سردیوں میں کوئی زمین پر بچھا ہوا ہے کوئی تنے پر کھڑا ہے، کسی کا پھل میٹھا ہے کسی کا ترش، ایسے ہی سینکڑوں جوڑے ہیں، آخر درختوں میں یہ متضاد صفات و خصائل اللہ کے سوا کس نے بنائے تو اس کے سوا کون مستحق عبادت ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے انسانو! زمین میں سے ہماری پیدا کردہ نباتات و اجناس سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی حسب مزاج کھلاؤ اس میں اہل عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں کہ بعض اجناس صرف جانوروں کے کھانے کے لئے ہیں اگر انسان انہیں کھائیں تو مر جائیں جیسے درختوں کی جھاڑیاں اور چارہ وغیرہ اور بعض اجناس انسانوں ہی کی غذا ہیں جانور انہیں منہ تک نہیں لگاتے جیسے ہر طرح کے پکے ہوئے سالن۔ بلکہ مختلف جانوروں کی غذائیں مختلف ہیں۔ آخر یہ مختلف مزاجات اللہ کے سوا کس نے بنائے ہیں؟

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵ وَلَقَدْ

زمین ہی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری بار نکال لیں گے۔[29] اور بلاشبہ

اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝۵۶ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا

ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔[30] کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تم

بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝۵۷ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو سے ہماری سرزمین سے نکال دو؟ تو ہم بھی تمہارے سامنے ویسا ہی جادو

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝۵۸

لائیں گے تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھہرا لو کہ نہ ہم اس کی مخالفت کریں نہ تم' ایک کھلی جگہ ہو۔[31]

انسان کی ابتداء وانتہاء کا زمین سے تعلق

[29] اس سے قبل زمین کی بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تمہارے لئے زمین کا بچھونا بنایا اور اس سے مختلف نباتات پیدا کیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اے انسانو! تمہیں بھی زمین سے پیدا کیا اور مرنے کے بعد تمہیں زمین ہی میں لوٹائیں گے اور روز قیامت زمین ہی سے واپس نکال لیں گے۔

اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام کو زمین سے بنایا گیا پھر ان سے ان کی اولاد پھیلی تو واسطہ در واسطہ ان کی ساری اولاد زمین ہی سے پیدا شدہ ٹھہری۔ پھر اس کے مفہوم میں دوسری یہ بات بھی داخل ہے کہ ہم زمین سے اگنے والی غذا کھاتے ہیں اس سے ہمارا خون بنتا ہے خون سے نطفہ بنتا ہے پھر اسی نطفہ سے ہماری اولاد پیدا ہوتی ہے۔ تو اس طرح ہر انسان واسطہ در واسطہ زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عطاء خراسانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رحم مادر میں نطفہ ٹھہرتا ہے تو اللہ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس جگہ سے مٹی اٹھا کر لاتا ہے جہاں کسی نے دفن ہونا ہے اور اسے اس نطفہ پر چھڑک دیتا ہے تو وہ انسان اس نطفہ اور اس مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ۔ (درمنثور بروایت ابن منذر وعبد بن حمید جلد ۵ صفحہ ۵۸۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے

جب ہر انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کی مٹی اٹھائی گئی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی مٹی ایک ہی جگہ سے اٹھائی گئی اور یہ ان کی وہ فضیلت ہے جو خود زبان رسالت نے بیان فرمائی۔ چنانچہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر نومولود بچے کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا ہوا پھر جب اپنی آخری عمر کو پہنچتا ہے تو اسے اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جہاں سے وہ پیدا ہوا تھا اور اسے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔'' آگے آپ نے فرمایا:

''وَاِنِّیْ وَ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرَ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَ فِیْھَا نُدْفَنُ اور میں اور ابوبکر اور عمر ہم ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے اور اسی میں ہم دفن کئے جائیں گے۔'' اسے خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

(کنز العمال کتاب الموت جلد ۱۵ صفحہ ۶۹۲ حدیث ۴۲۷۶۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں اور ابوبکر اور عمر ہم ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔'' (کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۵۶۷ کتاب الفضائل حدیث ۳۲۶۸۴)

اور اس حقیقت کو اہل تشیع بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ راوی ابوعبداللہ قزوینی کہتا ہے میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا سبب ہے کہ ایک انسان پیدا کہیں ہوتا ہے اور دفن کہیں اور؟ امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا تو سب انسانوں کو تمام روئے زمین سے پیدا کیا، فمرجعُ کلِ انسانٍ الیٰ تُربته، تو ہر انسان اپنی مٹی ہی کی طرف لوٹتا ہے۔'' (علل الشرائع باب ۲۵۹ صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

اہل تشیع خاک کربلا کی ایک ٹکڑی دوران نماز اپنے سامنے رکھتے ہیں کیونکہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ مدفون ہیں۔ ہم کہتے ہیں جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ کے نانا سید المرسلین ﷺ مدفون ہیں اس جگہ کی بھی کوئی فضیلت ہے یا نہیں اور وہ فضیلت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے یا نہیں؟ یہ فیصلہ اہل تشیع کو کرنا چاہئے۔

[30] یعنی فرعون کو وہ سب نشانیاں دکھا دی گئیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئیں جیسے عصا کا سانپ بننا، وغیرہ

[31] فرعون نے کہا اے موسیٰ! ہم تیرے جادو کے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے تم مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ مقرر کرو کوئی میدان ہو جہاں سب لوگ دیکھیں۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تمہارا وعدہ روز جشن کا ہے اور سب لوگ دن چڑھے اکٹھے کر لئے جائیں۔[32] تو فرعون واپس پلٹا

فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

پھر اپنا داؤ فریب جمع کر کے آ گیا۔[33] حضرت موسیٰ نے (جادوگروں سے) کہا تم پہ افسوس! اللہ پر

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا

جھوٹ نہ گھڑو ورنہ وہ تمہیں عذاب کے ذریعے ہلاک کر دے گا اور جھوٹ گھڑنے والا ہی نامراد رہتا ہے۔[34] تو وہ

اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ

اپنے معاملہ میں باہم اختلاف کرنے لگے اور انہوں نے چپکے سے سرگوشی کی۔ کہنے لگے بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾

تمہیں اپنے جادو کے ذریعے تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارا مثالی طریقہ زندگی تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

تو تم اپنا داؤ فریب جمع کرو اور صف بستہ میدان میں آؤ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب آ گیا۔[35]

[32] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا زینت والا دن مقرر کرلو۔ مفسرین کے مطابق یہ دس محرم کا دن تھا اس دن اہل مصر عید مناتے، عمدہ لباس پہنتے اور زیب وزینت کرتے تھے اس لئے اسے يَوْمُ الزِّيْنَةِ فرمایا گیا۔

[33] يَوْمُ الزِّيْنَةِ کو چالیس دن باقی تھے فرعون نے ان چالیس ایام میں پوری مملکت مصر سے بڑے بڑے جادوگر بلا لئے وہ خود بھی جادوگر تھا اور جادو کی طاقت پہ حکومت کرتا تھا۔

[34] چنانچہ مقررہ دن پر تمام اہل مصر مقابلہ دیکھنے کو جمع ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ سب لوگوں پہ دعوت حق واضح کرنے کا بہترین موقع ہے۔ تو آپ نے جادوگروں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو یعنی فرعون کو معبود بنا کر اسے اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو اور اللہ کے عطا کردہ معجزہ کو جادو کہہ کر اللہ اور اس کے رسول پر جادوگری کا افتراء کیوں کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو تم پر اللہ کا تباہ کن عذاب آئے گا کیونکہ اللہ پر افتراء کا یہی انجام ہے۔

[35] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پُر اثر کلام سے جادوگروں میں اختلاف پڑا بعض نے کہا یہ کلام کسی جادوگر کا نہیں ہو سکتا جادوگر کو اللہ کی اطاعت سے کیا کام اور فکرِ آخرت سے کیا غرض۔ یہ کسی داعی حق کا کلام ہو سکتا ہے مگر دوسرے جادوگروں کی رائے غالب رہی۔ انہوں نے کہا موسیٰ و ہارون دو جادوگر ہی ہیں اور اپنی ساحرانہ طاقت سے تمہاری سرزمین پر قبضہ کے خواہاں ہیں اور تمہارا مثالی طریقہ زندگی تباہ کر کے اپنا نظام لانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اختلاف میں پڑے بغیر مکمل یک سو ہو کر میدان میں اترو۔

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ کی نحوی ترکیب پر اعتراض کا جواب

اِنّ حرف مشبہ بالفعل ہے جس کا اسم منصوب ہوتا ہے اور خبر مرفوع، تو یہاں هٰذینِ ہونا چاہیے تھا نہ کہ هٰذٰنِ، اس کا جواب یہ ہے کہ قراء سبعہ میں سے امام ابوعمر بصری رحمۃ اللہ علیہ اِنّ هٰذینِ لساحران ہی پڑھتے ہیں، جبکہ امام ابن کثیر مکی کی قراءت اور امام حفص کی روایت میں اِنْ هذانِ لساحرانِ ہے۔ اور باقی قراء اِنّ هذانِ لساحران پڑھتے ہیں۔ (الحمد للہ راقم الحروف قاری محمد طیب غفرلہ نے قرآن کریم کی قراءات سبعہ کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے اور الشاطبیہ کی اردو شرح بھی لکھی ہے) تو ابوعمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ کا هذین پڑھنا لغت معروفہ کی بنیاد پر ہے جبکہ باقی ائمہ قراءت کا هذان پڑھنا عرب کے قبیلہ بنی خثعم کی لغت پر ہے۔ یہ قبیلہ صیغہ تثنیہ کو ہمیشہ رفعی حالت ہی میں پڑھتا تھا۔ وہ یوں پڑھتا تھا: اتانی الرجلان، رأیت الرجلان، مررت بالرجلان۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۳۷) اور قرآن تمام لغات عرب کے مطابق اترا ہے اور تمام قراءات سبعہ متواترہ ہیں ان میں سے کسی سے انکار کفر ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ

کہنے لگے اے موسیٰ! یا تم ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ

اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا

تم پہلے ڈالو [36] تو اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کے جادو سے یوں لگیں کہ (سانپوں کی طرح)

تَسْعٰی ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

دوڑ رہی ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! ڈرو نہیں تم

الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ

ہی غالب ہو۔ [37] اور تمہارے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اسے پھینکو تو جو کچھ انہوں نے بناوٹ کی ہے اسے یہ نگل جائے گا۔

سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾

ان کی بناوٹ تو بس جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔ [38]

[36] جادوگروں نے میدان میں اتر کر موسیٰ علیہ السلام سے مہذبانہ ومودبانہ انداز تکلم اپناتے ہوئے کہا اے موسیٰ! تم پہلے میدان میں کچھ اتارو گے یا ہم پہلے اتاریں۔ ان کا یہ ادب ان کے لئے باعثِ ایمان ثابت ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم پہلے ڈالو۔

[37] جادوگر اپنے ساتھ ہزاروں رسیاں اور بڑی بڑی لاٹھیاں لائے تھے جو روایات کے مطابق اسی (۸۰) اونٹوں کا بوجھ تھا وہ انہوں نے میدان میں پھینکیں اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سمیت دیکھنے والوں پر یوں جادو کیا کہ انہیں یوں لگا جیسے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح میدان میں گھوم اور رینگ رہی ہیں۔ گویا لاٹھیوں اور رسیوں کی حقیقت میں فرق نہ آیا تھا صرف دیکھنے والوں کو جھوٹا منظر دکھایا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا کہ اس جادو سے خلق خدا بہت گمراہ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے موسیٰ ڈرو نہیں تم ہی غالب آؤ گے۔“

[38] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے ہاتھ والا عصا میدان میں پھینکیں تو وہ ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جائے گا۔ کیونکہ حق کے مقابلہ میں جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یعنی جادو کی حقیقت جلد کھل جاتی ہے۔ جادو گناہ کبیرہ ہے۔ جادوگر کا کیا حکم ہے اور جادو کی شرعی سزا کیا ہے اس بارے میں ہم سورہ بقرہ آیت ۱۰۲ کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں وہاں دیکھ لیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جادو میں کفر ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے جادو کی سزا مرتد کی سزا ہے،

یعنی قتل۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ

تو سب جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے وہ پکارے: ہم ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون نے

اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ

کہا تم میرے اجازت دینے سے قبل ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ وہ تمہارا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو

السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ

سکھایا ہے۔ تو میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ ڈالوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں پہ

فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ

سولی دوں گا اور تم جان جاؤ گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت تر اور دائمی ہے۔[39] وہ کہنے لگے اے فرعون! ہم تجھے

نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ

ان دلائل حق پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آئے ہیں اور نہ اس رب پر جس نے ہمیں پیدا کیا۔ اب تم نے جو

قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۷۲﴾ؕ

کرنا ہے کرلو۔ تم اس دنیوی زندگی ہی میں کچھ کر سکتے ہو۔[40]

[39] تو اسی طرح ہوا موسیٰ علیہ السلام کا عصا بہت بڑا اژدھا بن گیا اس نے منہ کھولا اور تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو ایک ہی لقمہ سے اپنے اندر نگل گیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہی پہلے والا چھوٹا سا عصا تھا۔ جادوگر یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس معجزہ اور خدائی طاقت ہے، جادو نہیں۔ کیونکہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلی جا سکتی صرف دیکھنے والوں کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تمام جادوگر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے پر اللہ کی طرف سے مجبور کر دیئے گئے تو وہ پکار اٹھے کہ ہم حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہاں حضرت ہارون کا نام پہلے لیا جانا اواخر آیات کی رعایت میں ہے تا کہ ہر آیت کا آخر وقف میں ایک جیسا ہو جائے۔ ورنہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا نام ہی پہلے لیا تھا کیونکہ دوسری جگہ قرآن میں ہے: قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (سورہ اعراف، آیت: ۱۲۱)
میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان عظمتوں کو ایک نظم میں جمع کیا ہے:

عالم میں کیا بلند ہے رتبہ کلیم کا
قرآں میں سب سے بڑھ کے ہے قصہ کلیم کا
میلاد موسیٰ مولا نے قرآں میں ہے لکھا
میرا خدا ہے چاہنے والا کلیم کا
خوں کے پیاسے دشمن کے گھر میں ہیں وہ پلے
قدرت کا اک نشان ہے جلوہ کلیم کا
اعجاز خوب تر ہے عصائے کلیم میں
ہے خوب معجزہ ید بیضا کلیم کا
حق نے نوازا ان کو شرف کلام سے
یوں مرتبہ خدا نے بڑھایا کلیم کا
دیتے تھے وہ بشارتِ سرکارِ کائنات
یہ بھی ہے ایک مرتبۂ بالا کلیم کا
اک مکے سے ہی قبطی ٹھکانے لگادیا
کس قدر زبردست ہے مُکّا کلیم کا
تھپڑ سے اک نکال دی آنکھ عزرائیل کی
ہے موت کو بھگاتا غصہ کلیم کا
ان کے حضور جھک گئے جادوگروں کے سر
اللہ نے ایسا ڈنکا بجایا کلیم کا
ہے فلک بحر مظہر اعجازِ موسوی
خالق نے یہ مقام بنایا کلیم کا
پتھر سے بارہ چشمے بہائے ہیں آپ نے
طیبؔ یہ حق نے رتبہ دکھایا کلیم کا

الغرض جادوگروں کے ایمان لانے سے فرعون سخت سٹپٹایا مگر وہ بہت شاطر و چالاک تھا اس نے کہا تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ہو لگتا ہے تم نے موسیٰ سے ساز باز کر رکھی ہے اور میرے ساتھ ڈرامہ کیا ہے۔ موسیٰ تمہارا بڑا استاذ ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے اب اگر تم اتباعِ موسیٰ سے باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں یا اس کے برعکس (یہ سزا کا ایک مروجہ طریقہ تھا) پھر تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دے دوں گا پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔ یہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کے جواب میں کہا جو آپ نے جادوگروں سے کہی تھی کہ اگر تم نے اللہ پر افتراء نہ چھوڑا تو اللہ کا عذاب تمہیں تباہ کر دے گا گویا فرعون کہہ رہا ہے کہ تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کا عذاب سخت ہے یا میرا (نعوذ باللہ)

[40] (سابق) جادوگروں نے فرعون سے کہا جب ہمارے پاس ہدایت کے واضح دلائل آ گئے ہیں اور ربِ حقیقی کی معرفت حاصل ہوگئی ہے تو اب اسے چھوڑ کر ہم تیری بات کیسے مان سکتے ہیں؟ اب تم ہمیں جو سزا دے سکتے ہو دے لو ہم ہر سختی برداشت کر سکتے ہیں مگر ایمان نہیں چھوڑ سکتے۔ انہوں نے مزید کہا اے فرعون! تم دنیوی زندگی ہی میں اپنا حکم نافذ کر سکتے ہو یعنی اگلا جہاں ہمارا ہے۔ معلوم ہوا ایمان ایسی طاقت ہے جو نہتے لوگوں کو وقت کے بڑے بڑے فرعونوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہنے کی جرأت دے دیتی ہے۔ اور حدیث میں ہے سب سے افضل جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ یہی سنتِ انبیاء ہے۔

اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کا رد

یہاں سے تقیہ کا رد بھی معلوم ہوا۔ تقیہ ایمان کا چھپانا ہے مگر اللہ رب العزت ایمان چھپانے والوں کی بات نہیں

کرتا۔ بلکہ جابر حاکموں کے سامنے ایمان ظاہر کرنے والوں کی شان میں قرآن اتارتا ہے۔ دراصل اہل تشیع خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو اپنی محفلوں میں گالیاں دیتے اور لعن طعن کرتے ہیں۔ جبکہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ انکی خلافت کو نہ صرف مانتے تھے۔ بلکہ ان کے سچے جان نثار ساتھی تھے۔ انہیں بہترین مشوروں سے نوازتے تھے۔ اس پر شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی تقیہ کرتے تھے یعنی حق کو چھپاتے تھے۔ تاکہ جان بچائے رکھیں اور تقیہ کرنا بڑی عبادت ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ دین کے دس حصوں میں سے نوں حصے تقیہ میں ہیں۔ جس نے تقیہ نہ کیا اس کا کوئی دین نہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۴۵۷ مطبوعہ دار المجتبی نجف اشرف)

بقول شیعہ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے ہمارا دین لوگوں پہ ظاہر کر دیا اس نے گویا ہمیں عمداً قتل کر دیا خطاءً نہیں۔ (جامع الاخبار صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ نجف اشرف) شیخ صدوق کہتا ہے: جب تک امام قائم ظاہر نہیں ہو جاتا تقیہ واجب ہے۔ جس نے اس سے قبل تقیہ چھوڑ دیا وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ کے دین سے نکل گیا وہ اللہ و رسول اور اماموں کا دشمن ہے۔

(اعتقادات صدوق باب ۳۹ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ تہران)

چنانچہ اسی تقیہ کی آڑ میں شیعہ لوگ لوگوں کے سامنے خلفاء راشدین کی تعریفیں کر دیتے ہیں اور چھپ کر انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اب ہم ان سے پوچھتے ہیں اگر تقیہ کے بغیر کوئی دین نہیں اور تقیہ کرنے والا اللہ کے دین سے نکل جاتا ہے اور دین کے دس حصوں میں سے نو تقیہ میں ہیں تو بتایئے پھر جادوگروں کی استقامت اور فرعون کے سامنے انکے ڈٹ جانے اور ڈنکے کی چوٹ پہ اظہارِ حق کی وجہ سے وہ مومن کہلائے یا تقیہ ترک کرنے کی وجہ سے دین سے نکل گئے؟ شیعہ لوگوں کو سیدھے طریقہ سے مان لینا چاہیے کہ تقیہ کے فضائل پہ ان کی بنائی ہوئی تمام روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں اور یہ بھی مان لینا چاہیے کہ مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ صدقِ دل سے خلفاء راشدین سے محبت رکھتے تھے۔

ہم شیعہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کیا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ میں قوم فرعون میں سے ایمان لانے والے جادوگروں جتنی جرأت و ہمت بھی نہ تھی؟ وہ تو ابھی ایمان لائے اور حق پہ ڈٹ گئے بلکہ اس راہ میں قتل کر دیے گئے مگر انہوں نے حق کا چھپانا گوارا نہ کیا۔ تو سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پل کر جوان ہونے والے علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری کا کیا عالم ہوگا؟ کیا وہ پچیس برس تک ظالم و غاصب حاکموں کے پیچھے ڈر کر نمازیں پڑھتے رہے؟

اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ

ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف کردے اور وہ جادو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ

خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا

ہی بہتر اور لازوال ہے۔ [41] بے شک جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے جہاں وہ نہ مرے گا

وَلَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ

نہ زندہ رہے گا۔ [42] اور جو اپنے رب کے پاس مومن بن کر آئے اور اس نے اچھے

الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

اعمال کئے ہوں، تو انہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ جو ہمیشگی کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ

فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی ﴿۷۶﴾

رہیں گے اور یہ اس کی جزاء ہے جو (برائی سے) پاک ہوا۔ [43]

[41] (سابق) جادوگروں نے مزید کہا: اے فرعون! ہم اس لئے ایمان لائے ہیں تا کہ اللہ زمانہ کفر کی ہماری ساری خطائیں معاف فرمادے اور تو نے ہم سے جو زبردستی جادو کروایا اس کی اللہ معافی عطا کردے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فرعون نے بنی اسرائیل میں سے چالیس لڑکے پکڑے اور انہیں جادو سکھایا پھر انہیں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں لایا گیا۔ انہی نے ایمان لانے کے بعد کہا: وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ (ابن ابی حاتم)

اسلام لانے کی برکت سے زمانہ کفر کے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں

یہاں لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کی برکت سے زمانۂ کفر کے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ "آپ کافروں سے فرمادیں اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔" (انفال، ۳۸) اور حدیث میں ہے: الاسلام یھدم ما قبلہ۔ اسلام لانے سے قبل والے تمام گناہ مٹادیے جاتے ہیں۔ (مسلم کتاب الایمان، حدیث ۱۹۲)

اور شیعہ کتب میں سے "ناسخ التواریخ" میں ہے کہ اسلام اور ہجرت اور حج کی برکت سے تمام سابقہ گناہ معاف

کردیے جاتے ہیں۔(ناسخ التواریخ احوال پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ تہران)

آج اہل تشیع حضرت عمر فاروق، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہم جیسے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل اسلام والی زندگی کے حوالے سے ان پر اعتراضات کرتے ہیں حالانکہ یہ بڑی زیادتی اور مسلمانوں کی دل آزاری ہے۔دیکھو جادوگروں نے اللہ کے رسول کا مقابلہ کیا اور ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ وہ اللہ و رسول کے دشمن بن کر میدان میں اترے۔مگر جب وہ ایمان لے آئے تو ان کی سب اسلام دشمنی معاف کردی گئی۔ جب برکتِ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عالم ہے تو برکت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا؟ کیا آپ پہ ایمان لانے والوں کی کوئی خطا معاف نہ ہوئی؟ آخر شیعہ لوگ بغضِ صحابہ سے باز کیوں نہیں آتے؟ اور کیوں وہ حضرت ابوسفیان، حضرت عمر فاروق، حضرت خالد بن ولید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبل از اسلام والی باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

[42] آیت ۷۴ سے ۷۶ تک کا کلام ایمان لانے والے جادوگروں کا بھی ہوسکتا ہے اور خود اللہ رب العزت کی طرف سے کلام بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں مجرم (کافر) بن کر جانے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا۔

مومنین پر جہنم میں ایک موت سی طاری کردی جائے گی

يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ سے معلوم ہوا کہ یہ کافروں کا معاملہ ہے کہ وہ جہنم میں نہ مریں گے نہ جئیں گے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ ''اور کافروں کے لئے نار جہنم ہے نہ ہی ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ انہیں موت آجائے نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی۔'' (فاطر:۳۶)

مزید فرمایا گیا: وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ جنت سے وہ بدبخت ترین شخص الگ رہے گا جس کے مقدر میں بڑی آگ میں جانا ہے۔ وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا۔ (اعلیٰ،۱۱ تا ۱۳) گویا یہ سزا کافروں کے لئے ہے۔مومن اگر جہنم میں گیا تو اسے ایک موت مار دیا جائے گا۔تاکہ جہنم اسے تکلیف نہ دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو لوگ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں (یعنی کفار) وہ وہاں نہ مریں گے نہ جئیں گے مگر کچھ لوگ اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جائیں گے (یعنی مومنین) اللہ انہیں وہاں ایک موت مار دے گا پھر ان کے لئے اذن شفاعت ہوگا اور وہ جنت کی طرف بھیجے جائیں گے۔

(مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۰۶ باب اثبات الشفاعۃ)

[43] یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے جنت میں بلند درجات ہیں وہاں ان کے لئے باغات عدن ہیں جن

کے نیچے نہریں بہتی ہیں (اور روایات کے مطابق جدھر وہ حکم دیں گے نہریں ادھر کا رخ کرلیں گی) یہ جزا اس آدمی کی ہے جس نے اپنے آپ کو (کفر اور گناہوں سے) پاک کرلیا۔

جنت میں ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مقام

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ کہ جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں ان کے لیے جنت میں بلند تر درجات ہیں۔ حدیث کے مطابق جنت میں لوگوں کے مختلف درجات ہوں گے۔ بعض اہل جنت کے لئے کتنے بلند درجات ہوں گے؟ تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں بلند تر درجات والوں کو نیچے والے یوں دیکھیں گے جیسے تم آسمان میں کوئی ستارہ دیکھتے ہو اور بے شک ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) انہی میں سے ہیں اور ان میں سب سے افضل ہیں۔'' (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق) گویا حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما ان آیات وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ کا سب سے بہترین مصداق ہیں۔ (طٰہٰ: آیت، ۷۵)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) لے چلو پھر ان کے لئے سمندر

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

میں خشک راستہ بناؤ نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہوگا نہ (ڈوبنے کا) ڈر۔ [44] تب فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

تو انہیں سمندر نے ڈھانپا جو ڈھانپا۔ [45] اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ دی۔ [46]

بنی اسرائیل کا فرعونی قوم سے نجات پانا اور انہیں تورات کا دیا جانا

[44] جب فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی اور جادوگر ایمان لے آئے تو اس نے بنی اسرائیل پر عرصۂ حیات سخت تنگ کر دیا کیونکہ اس واقعہ سے متاثر ہو کر تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جائیں۔ راستہ میں جب سمندر آئے تو اس پر اپنا عصاء ماریں جس سے سمندر میں خشک راستہ بن جائے گا نہ فرعون تمہیں پکڑ سکے گا اور نہ تمہیں ڈوبنے کا کوئی خطرہ ہوگا۔ یاد رہے جب جادوگر ایمان لائے تو جہاں پوری قوم بنی اسرائیل ایمان لائی وہاں فرعون کی بیوی سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا بھی ایمان لے

آئیں اور فرعون کے حکم سے ان پر بھاری پتھر گرا کر انہیں شہید کر دیا گیا۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۵) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر طوفان، مکڑیوں، جوؤں اور مینڈکوں کے عذابات بھیجے مگر وہ بد بخت ایمان نہ لائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کیا۔

کفار کے کن علاقوں سے مسلمانوں پہ ہجرت واجب ہے

یہاں اَسْرِ بِعِبَادِیْ سے معلوم ہوا جہاں دین پر عمل نہ ہو سکے وہاں سے ہجرت لازم ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے وہ اپنے دین پر برملا عمل نہ کر سکتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں سے ہجرت کا حکم فرمایا۔ مکہ میں صحابہ کرام کو وہی حالات درپیش تھے جو مصر میں بنی اسرائیل کو تھے لہٰذا صحابہ کو یہ واقعات بتائے گئے تاکہ وہ ہجرت پر تیار ہوں اور بعد میں انہیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو چل دیئے۔ گویا کفار کے جس علاقہ میں مسلمانوں کو ان کے دین پہ عمل کی اجازت ہو اور وہ برملا اپنے دین پہ عمل کرتے ہوں وہاں سے انہیں ہجرت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ وہ وہاں رہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ آج یورپ و امریکہ اور اکثر غیر مسلم ممالک کا حال ہے۔ وہاں وہ آزادی سے عمل کرتے ہیں۔

میں یہ تفسیر برطانیہ میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں مجھے یہاں رہتے ہوئے بائیس برس ہو گئے ہیں۔ یہاں ہم مسلمانوں نے بڑے بڑے دینی مراکز و مساجد کی تعمیر کی ہیں۔ برطانیہ میں اس وقت چار ہزار کے لگ بھگ مسجدیں بن چکی ہیں۔ انگریز لوگ اپنے مذہب کو عملاً چھوڑ چکے ہیں۔ ان کے چرچز (Churches) بند پڑے ہیں۔ وہ اپنے چرچوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی چرچ فروخت پہ لگتا ہے مسلمان اسے فوری خرید کر مسجد میں بدل دیتے ہیں۔ یوں سینکڑوں چرچز مساجد میں بدل گئے ہیں۔ بعض مساجد میں دس دس ہزار افراد بیک وقت نماز ادا کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ بکثرت حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ ابھی یہ کمزوری ہے کہ مسلمان قوم اپنے عمل سے غیر مسلموں کو متاثر نہیں کر رہی۔ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے پھیل رہا ہے۔ اگر ہم یہاں اچھے کردار کا مظاہرہ کریں تو اسلام مزید تیزی کے ساتھ پھیل سکتا ہے۔

[45] حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک رات بنی اسرائیل کو لے کر خاموشی سے مصر سے نکل گئے فرعون کو صبح علم ہوا تو وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر تعاقب میں نکلا جب سمندر کے کنارے پہنچا تو اس میں خشک راستہ بنا ہوا دیکھا۔ اس نے عبرت نہ پکڑی بلکہ اپنی قوم سمیت اس میں داخل ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے پانی کو باہم مل جانے کا حکم دیا۔ یوں پوری فرعونی قوم سمندر کی تہہ میں چلی گئی۔ اس خوفناک منظر کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے اس لئے مختصراً فرمایا گیا: فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی کے احوال

فرعونیوں کی غرقابی کیسے ہوئی اور بنی اسرائیل سمندر سے کیسے پار ہوئے؟ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو جادوگر ایمان لائے

انہیں شہید کر دیا گیا۔تب فرعونیوں پہ طرح طرح کے عذابات مسلط کیے گئے مگر انہیں عبرت نہ ہوئی۔آخر قدرت نے انہیں سمندر میں غرق کرنے کے اسباب پیدا کیے۔بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ وہ مصر چھوڑ کر یہاں سے نکل جائیں، تاکہ فرعون ان کا پیچھا کرے اور اسے سمندر میں قوم سمیت ڈبو یا جائے۔بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ مصر سے جاتے ہوئے یوسف علیہ السلام کا جسم مبارک بھی ساتھ لیتے جائیں۔اسوقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ ان کی قبر کہاں ہے کیونکہ ان کی قبر بہت عرصہ پہلے دریائے نیل کے نیچے چلی گئی تھی۔کیونکہ انہیں دریائے نیل کے کنارے یوں دفن کیا گیا تھا کہ پانی قبر کے ساتھ لگ کر گزرے تاکہ سب اہل مصر کو وہ برکت والا پانی ملے کیونکہ مصر کے ہر شہر کے لوگ چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاں دفن کیا جائے۔تب فیصلہ ہوا کہ انہیں دریائے نیل کے کنارے دفن کیا جائے۔پھر جب بنی اسرائیل میں بدعملی و بد اعتقادی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی قبر کو چھپا دیا اور وہ پانی کے نیچے چلی گئی۔موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اگر کسی کو ان کی قبر کا علم ہو تو بتائے۔ایک بوڑھی عورت نے کہا مجھے معلوم ہے مگر میں تب بتاؤں گی جب موسیٰ علیہ السلام مجھ سے وعدہ فرمائیں کہ وہ جنت میں مجھے اپنے ساتھ رکھیں گے، موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے۔تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس سے وعدہ فرمالیں۔تب اس کی نشان دہی پہ یوسف علیہ السلام کو وہاں سے نکالا گیا اور بنی اسرائیل انہیں ساتھ لے گئے اور انہیں فلسطین میں لے جا کر حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ دفن کیا۔اس کی تمام تفصیل سورہ یوسف کے آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے ضمن میں ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔

[46] فرعون اپنی قوم سے یہی کہتا تھا: مَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ ''میں تو تمہیں راہ ہدایت کے سوا کسی چیز کی راہنمائی نہیں کرتا۔'' (غافر:۲۹) اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ فرعون تو گمراہ کرنے والا ہے۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ

اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے طور کی دائیں جانب کا

الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

وعدہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔[47] ہم نے تمہیں جو پاک چیزیں دی ہیں، وہ کھاؤ اور اس میں سرکشی نہ

رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ

کرو کہ جس کے سبب سے تم پر میرا غضب اترے اور جس پر میرا غضب اترے وہ یقیناً (جہنم میں)

فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

جا گرا۔[48] اور میں اس شخص کو خوب بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، اچھا عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے۔[49]

[47] اللہ تعالیٰ نے دورِ نزولِ قرآن کے یہود کو بنی اسرائیل کہہ کر پکارا اور فرمایا کہ میری نعمت یاد کرو جب ہم نے تمہارے آباء کو تمہارے دشمن فرعون سے نجات دی اور تم سے وعدہ فرمایا کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد تم طور کی دائیں جانب آؤ میں تمہیں کتاب دوں گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے وہاں گئے اور اللہ تعالیٰ سے کتاب حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: اے بنی اسرائیل! جب تم نے حصولِ تورات کے بعد کفار سے جہاد سے انکار کیا تو تمہیں میدانِ تیہ میں بھوکا مارنے کی بجائے ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔ یہ تم پر اللہ کا احسان تھا۔

[48] من وسلویٰ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے یہود سے فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی پاک حلال نعمتیں کھاؤ اور سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترے وہ جہنم کی گہری وادی میں جا گرتا ہے۔ یہود سے یہ کلام اس لئے فرمایا گیا کہ وہ سخت سود خور ہیں آج بھی وہ پوری دنیا کی معیشت کو سود کے ذریعے اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ ''یہود بہت جھوٹ بولنے والے سخت حرام خور ہیں۔'' (مائدہ:۴۲) دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ ''ان کا سود کھانا جبکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے اور لوگوں کے اموال ناحق ہڑپ کرنا ان کے لئے باعث لعنت ہے۔'' (نساء:۱۶۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود سے فرمایا جو اللہ تم پر تیہ کے ریگستان میں آسمان سے من وسلویٰ اتار سکتا ہے کیا وہ تمہیں تمہارے گھروں میں رزق نہیں دے سکتا تو تم حرام خوری کیوں کرتے ہو؟ مگر یہود اس سے باز نہ آئے اور غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ فرماتا ہے: فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ ''یہود غضب پہ غضب کے سزاوار

ہوئے۔'' (بقرہ:۹۰) یہاں سے اکلِ حلال کی اہمیت واضح ہوئی۔

[49] اللہ تعالیٰ نے یہود سے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے اور اچھے اعمال بجا لائے یعنی حرام خوری کی بجائے حلال کھائے دوسروں کا مال نہ چھینے اور راہِ ہدایت پر قائم رہے تو اللہ ایسے شخص کو خوب بخشنے والا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) ایمان لانے سے زمانہ کفر کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ''آپ کافروں سے فرما دیں کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو ان کے سابقہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' (انفال، ۳۸)

(۲) اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری۔ معلوم ہوا سچی توبہ سے کفر بھی معاف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود کو غافر غفور اور غفار کہا ہے۔ اس لئے کہ بندہ ناشکری کر کے کافر کفور اور کفار بن جاتا ہے۔ تو توبہ کرنے کے بعد اسے اللہ کی مغفرت اسی قدر ملتی ہے جس قدر اس کی ناشکری ہو۔ اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ ''اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔'' (شوریٰ، ۲۵)

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ

اور اے موسیٰ (علیہ السلام) تم اپنی قوم سے جلدی کیوں چلے آئے انہوں نے عرض کیا وہ میرے پیچھے ہیں اور اے میرے

وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

رب! میں نے تیری طرف جلدی کی تاکہ تو راضی ہو۔[50] اللہ نے فرمایا ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈالا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ

اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔تو موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے واپس آئے۔کہا

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ

اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا؟ کیا تم پر مدت لمبی پڑ گئی یا تم نے خود چاہا کہ تم پر

اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿٨٦﴾

تمہارے رب کا غضب اترے تو تم نے میرے وعدہ کی مخالفت کی؟[51]

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ

کہنے لگے ہم نے اپنی مرضی سے آپ کے وعدہ کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ ہم پر قوم (فرعون) کے زیورات کے بوجھ لادے گئے

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ

تو ہم نے انہیں پھینک دیا تو اس طرح سامری نے انہیں (آگ میں) ڈالا پھر انکے لئے ایک بچھڑا نکال لایا، ایک بے جان دھڑ،

خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۚ فَنَسِىَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ

جس کی گائے جیسی آواز تھی لوگ بول اٹھے یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے تو موسیٰ بھول گیا ہے۔[52] کیا وہ نہ دیکھتے تھے کہ بچھڑا

اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

ان کی کسی بات کا جواب نہ دیتا تھا اور نہ ان کے کسی نفع کا مالک تھا نہ نقصان کا[53]

[50] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کتاب لینے طور پر گئے تو قوم کو ایک جگہ راستہ میں چھوڑا اور خود طور پر حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تم قوم کو ساتھ نہیں لائے عرض کیا وہ میرے پیچھے ہی ہیں اور میں تیری رضا کے لیے جلدی آ گیا۔

[51] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم نے تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری قوم کو آزمایا ہے کہ وہ اپنے عقیدہ میں کتنے پختہ ہیں اور وہ آزمائش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے وہ بچھڑا پرستی کرنے لگے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غم و غصہ کے ساتھ طور سے قوم کی طرف پلٹے۔ دیکھا کہ قوم کا اکثر حصہ سنہری بچھڑے کو پوج رہا ہے۔ آپ نے انہیں سخت سرزنش کی۔ فرمایا: اے قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک بہترین وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ تمہیں کتاب دی جائے گی اور میں طور پر تمہارے لئے کتاب لینے گیا تھا کیا میں بہت لمبا عرصہ وہاں رہ پڑا تھا کہ تم نے میری واپسی سے مایوس ہو کر اپنی راہ پکڑ لی؟ کیا تم خود چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے۔ اس لئے تم نے میرے وعدہ کی مخالفت کی؟

سامری کون تھا اور اسکا پس منظر کیا تھا؟

یاد رہے سامری بنی اسرائیل میں سے تھا۔ علاقہ سامرہ سے تعلق رکھتا تھا اس لئے سامری کہلایا۔ وہ نفاق سے ایمان لایا یعنی وہ منافق تھا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اسے بنی اسرائیل کے ساتھ غرقابی سے بچایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی سواری کے پاؤں تلے سے مٹی اٹھا کر سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی تو اس میں سے گائے کی سی آواز آنے لگی۔ سامری حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔ جب فرعون بنی اسرائیل کے بچے قتل کرتا تھا ان دنوں سامری پیدا ہوا اس کی ماں نے اسے ذبح سے بچانے کے لئے ایک غار میں چھپا کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام وہاں آ کر اسے اپنی انگلیوں کے ذریعے غذا مہیا کرتے تھے ایک انگلی سے دودھ، دوسری سے شہد اور تیسری سے مکھن کھلاتے پلاتے تھے اور جب تک وہ پل بڑھ نہ گیا آپ اسے کھلاتے پلاتے رہے۔
(در منثور جلد ۵ صفحہ ۵۹۳)

[52] بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بچھڑا پرستی میں مبتلا ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ ہمیں حالات نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا وہ اس طرح کہ قوم فرعون کے زیورات کا جو بوجھ ہم سے اٹھوایا گیا تھا وہ ہم نے ہارون علیہ السلام کے حکم پر ایک گڑھے میں پھینک دیا تھا۔ سامری نے اسے وہاں سے اٹھا کر آگ میں ڈال کر پگھلایا اور اس سے ایک بچھڑا (گائے کا بچہ) بنا کر ہمارے سامنے رکھا تو ہم اسے پوجنے لگے۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ بچھڑا ایک بے جان جسم تھا مگر اس میں سے گائے کی سی آواز آتی تھی تو سامری کے کہنے پر بنی اسرائیل بھی کہنے لگے کہ یہ ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ موسیٰ بھول کر خدا سے ملنے طور پر گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

یاد رہے مصر میں خواتینِ بنی اسرائیل نے فرعونی عورتوں سے کچھ زیورات عاریتاً لے رکھے تھے جب بنی اسرائیل کو

اچانک راتوں رات مصر سے نکلنا پڑا تو وہ زیورات واپس نہ لوٹا سکیں وہ ان کے ساتھ ہی تھے یہ کفار کا مالِ غنیمت تھا اور پہلی امتوں پر مالِ غنیمت حلال نہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تو ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لے کر ایک گڑھے میں پھینک دیئے۔ سامری نے انہیں اٹھا کر ایک بچھڑے کی شکل دے دی پھر اس میں سے زندہ گائے کی سی آواز کیوں آنے لگی اس کی وضاحت اگلے رکوع میں آرہی ہے۔

ملتِ اسلامیہ کی استقامت

بنی اسرائیل سے موسیٰ علیہ السلام صرف چالیس دن غائب ہوئے تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کو پوجنے لگے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے چودہ صدیوں سے زیادہ زمانہ بیت گیا اور الحمدللہ ملتِ اسلامیہ اب بھی عقیدۂ توحید و رسالت پر سختی سے قائم ہے۔ ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ابھی تمہارے نبی کا جنازہ دفنایا نہ گیا تھا کہ تم خلافت کے لئے باہم لڑنے لگے تھے۔ (حالانکہ وہ لڑے نہیں تھے۔ صرف ان کا باہمی مشورہ ہوا جو اتفاق پہ پہنچا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا حال اس سے بدتر ہے ابھی سمندر سے نکل کر تمہارے پاؤں خشک نہ ہوئے تھے کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا (اور ابھی موسیٰ علیہ السلام زندہ موجود تھے)۔

ذوالجناح پرستی کا رَدّ

دورِ حاضر میں اہلِ تشیع کی ذوالجناح نامی گھوڑے کی بے پناہ تعظیم و تکریم بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی سے مشابہ ہے۔ اس پر ہم سورہ بقرہ کے رکوع ۶ کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں وہاں دیکھیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی جیسے ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور اہلِ تشیع گھوڑے کو ذوالجناح کا نام دے کر اس کی تعظیم و تکریم اسی طرح بجالاتے ہیں جیسے وہ بچھڑا ہو یا ہندوؤں کی گائے اور کفار کی عبادات اور مذہبی رسومات سے تشبیہ حرام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیعہ لوگ ذوالجناح کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، جبکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کربلا میں گھوڑا تھا ہی نہیں، ان کے پاس اونٹنی تھی۔

خود شیعہ کتب اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ مثلاً فعزم الحسین علی المسیر الی العراق فاخذ محمد بن الحنفیۃ زمام ناقتہ۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے جانب کوفہ روانہ ہونے لگے تو محمد بن حنفیہ نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی۔ (ذبح عظیم صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور)

ثم اناخ راحلتہ۔ یعنی جب آپ کربلا میں پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ (مقتل ابی مخنف صفحہ ۵۵ مطبوعہ مکتبہ حیدریہ نجف اشرف) معلوم ہوا کہ شیعہ کتب کے مطابق کربلا میں امام حسین کے پاس اونٹنی تھی گھوڑے کا کہیں ذکر ہی نہیں تو شیعوں کا گھوڑے نکالنا کیا معنی رکھتا ہے؟

امتِ محمدیہ کے لیے مالِ غنیمت کا حلال ہونا

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا سے واضح ہوا کہ قوم موسیٰ علیہ السلام پہ مالِ غنیمت حلال نہیں تھا اسی لیے انہوں نے فرعونی قوم کے زیورات کو وِزۡر یعنی بوجھ سے تعبیر کیا اور اسے پھینک دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اُحِلّت لِیَ الغنائِمُ۔ میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب التیمم باب ۱) اور ایک حدیث میں ہے: احلت لامتی الغنائم۔ ''میری امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔''
(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[53] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا بنی اسرائیل نہ دیکھتے تھے کہ سونے کا بچھڑا نہ ان سے کلام کر سکتا تھا اور نہ انہیں کوئی نفع یا نقصان دے سکتا تھا پھر انہوں نے اسے معبود کیسے بنالیا؟ اس میں دورِ حاضر کے بت پرستوں کے لیے بھی ہدایت ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

اور بلاشبہ ہارون (علیہ السلام) نے انہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! تمہیں اسی بچھڑے کے ذریعے آزمایا گیا ہے۔

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ

اور تمہارا رب رحمان ہے تو میری اتباع کرو اور میرے حکم پر چلو۔ [54] وہ کہنے لگے ہم تو اسی کے گرد جمے رہیں گے

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾

جب تک موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس نہیں لوٹ آتے۔ [55] موسیٰ (علیہ السلام) نے (واپس آکر) کہا اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا؟

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا

کیا تم نے میرے حکم کی مخالفت کی؟ [56] انہوں نے کہا

بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ

اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑیں۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھے کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے

تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

حکم کا انتظار نہ کیا۔ [57]

[54] یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی پر غم وغصہ کا اظہار کیا اسی طرح آپ کی طور سے

واپسی سے قبل آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ قوم میں خلیفہ بنا کر طور پر کتاب لینے گئے تھے۔ جب قوم گمراہی میں پڑی تو ہارون علیہ السلام نے انہیں کہا اے میری قوم! سونے کے اس بچھڑے میں سے زندہ گائے کی آواز کا آنا تمہارے لئے ایک آزمائش ہے اس آواز کی وجہ سے یہ بے جان بچھڑا تمہارا رب کیسے بن گیا؟ تمہارا رب تو خدائے رحمن ہے۔ لہٰذا تم سامری کی بجائے میری اتباع کرو۔ ہارون علیہ السلام نے وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فرما کر قوم کو بتایا کہ اگر وہ اب بھی توبہ کر کے بچھڑا پرستی سے باز آ جائیں تو اللہ رحمان ہے معاف فرما دیگا۔

تورات میں ہارون علیہ السلام کو بت گر ظاہر کیا جانا

اس کے برعکس اس جگہ تورات بتاتی ہے کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑا بنا کر دیا تھا تورات کے الفاظ ہیں۔ ''ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں انہیں اتار کر میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ لے آئے اور ہارون نے انہیں لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور چھینی سے اس کی صورت ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل! یہی وہ تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو مصر سے نکال کر لایا۔'' **(استغفر اللہ)** (تورات کتاب خروج باب ۳۲ آیت ۱-۵ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) اندازہ کریں ایک نبی پر بت گری کا الزام کس قدر لرزہ خیز ہے۔ اگر قرآن نہ اترتا تو دنیا ہارون علیہ السلام کو ایک بت گر ہی سمجھتی رہتی قرآن نے آ کر انبیاء کی ناموسِ رسالت کا تحفظ کیا۔ اس پر مزید تحقیق ہم نے سورہ اعراف رکوع ۲۱ کے تحت کی ہے۔

[55] بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کو یہ جاہلانہ جواب دیا کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آ کر ہمیں نہیں بتاتے کہ آیا جس خدا کو وہ ملنے طور پر گئے تھے وہ انہیں وہاں ملا یا وہ اس بچھڑے میں آ سمایا تھا تب تک ہم اس بچھڑے کے گرد محوِ عبادت رہیں گے۔

[56] حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو سب سے قبل اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے پوچھا کہ جب بنی اسرائیل بچھڑا پرستی میں مبتلا ہوئے تھے اس وقت تم نے میرے طریقہ پر چل کر انہیں بزورِ طاقت روکنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ اور سورہ اعراف میں ہے کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کو ان کے سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا۔ اللہ فرماتا ہے: وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ اور موسیٰ (علیہ السلام) اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (اعراف: ۱۵۰)

[57] حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی اور سر کے بالوں کو چھوڑو۔ میں نے بچھڑا پوجنے والوں کے خلاف تلوار کی طاقت اس لئے نہ استعمال کی کہ یوں قوم میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ بچھڑا پرستی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان تلوار چل جاتی پھر آپ ہی مجھے فرماتے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ

کیوں ڈال دیا اور میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔

خطاء اجتہادی کا قابل گرفت نہ ہونا اور صحابہ کرام کے مشاجرات

اس جگہ واضح رہنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موقف ہی درست تھا۔ بنی اسرائیل صرف طاقت کی زبان ہی سمجھتے تھے اور جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر تلوار کی زبان میں بات کی تو بنی اسرائیل فوراً سیدھے ہو گئے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے میں خطاء اجتہادی تھی جو باعثِ اعتراض نہیں ہے بلکہ خطاء اجتہادی پر مجتہد کو ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی انبیاء وغیر انبیاء سب سے ہو سکتی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ انبیاء کو ان کی خطاء پر جلد متنبہ کر دیا جاتا ہے جیسے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا گیا اور غیر انبیاء کو متنبہ کیا جانا ضروری نہیں۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ جیسے حضرت امیر معاویہ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کے مابین محاربات میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور دوسرے صحابہ اجتہادی خطاء پر تھے لہٰذا ان پر زبان طعن دراز کرنا اپنا انجام خراب کرنا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مکتوبات'' دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱ میں، امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الیواقیت والجواہر'' جلد دوم صفحہ ۳۴۴ میں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح مسلم'' جلد دوم صفحہ ۲۷۲ میں اور سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''غنیۃ الطالبین'' میں یہی موقف اپنایا ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں اپنے اپنے اجتہاد پر تھے البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور امیر معاویہ مخطی۔ اس کی مزید مفصل تحقیق میرے والد گرامی شیخ الحدیث علامہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۶ء کی کتاب ''دشمنانِ امیر معاویہ کا علمی محاسبہ'' میں دیکھیں۔

انبیاء بقدر قبضہ داڑھی رکھتے تھے

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ سے معلوم ہوا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اتنی بڑی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں آ گئی اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دس چیزیں فطرت اسلام میں سے ہیں، قص الشارب واعفاء اللحیۃ، مونچھیں کترانا اور داڑھی بڑھانا، مزید چیزیں بھی بتائیں۔

(مسلم کتاب الطہارۃ باب ۱۶ حدیث ۵۶)

اب ظاہر ہے کہ سب انبیاء فطرتِ اسلام پہ تھے۔ اسی لیے اس حدیث کے تحت امام نووی نے فرمایا کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کترانا سب انبیاء کی سنت ہے۔

یہی انبیاء کی داڑھی تھی۔ تورات میں لکھا ہے:

''میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔تم نہ اپنے سر کی کنپٹیوں کے بال کاٹو نہ اپنی داڑھی کے کونے تراشو'' (بائبل کتاب ۲۱ باب اول آیت ۵) ایک اور جگہ لکھا ہے: خداوند نے موسیٰ سے کہا: وہ اپنے بال کاٹ کر سر میں گنجے نشان نہ بنائیں اور نہ ہی اپنی داڑھیوں کو تراشیں۔ (کتاب ۱۳۳ باب اول آیت ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی شریف بھی قدر قبضہ تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی سنت کے مطابق بقدر قبضہ داڑھی رکھتے تھے اور اس سے زائد کٹوا دیتے تھے۔حدیث میں ہے:

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: خالفوا المشرکین وفّروا اللحی واحفوا الشوارب و کان ابن عمر اذا حج اواعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ ادا کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔'' (بخاری کتاب اللباس حدیث ۵۸۹۲)

یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ داڑھی بڑھاؤ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔ ''مونچھیں کتراؤ اور داڑھی کو لمبا کرو۔'' (بخاری کتاب اللباس باب ۶۵، مسلم کتاب الطہارۃ حدیث ۵۲) یونہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جزّوا الشوارب وارخوا اللحی، خالفوا المشرکین۔ مونچھیں کتراؤ اور داڑھی بڑھاؤ، مشرکوں کی مخالفت کرو۔ (مسلم کتاب اللطہارۃ حدیث ۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام سے معلوم ہوا داڑھی کا بڑھانا واجب ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم جب کسی قرینہ صارفہ کے بغیر ہو تو وہ وجوب کے لئے ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ط ''جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا'' (اعراف:۱۲) گویا امر وجوب کے لئے ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار امر فرما رہے ہیں کہ وفّروا اللحی، ارخوا اللحی اور اعفوا اللحی تو پھر داڑھی رکھنے کے وجوب میں کیا شک باقی رہا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھی بقدر قبضہ تھی

جب واضح ہو گیا کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق داڑھی کا بڑھانا واجب ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ اس کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل کر رہا ہے کہ ان کی داڑھی قدر قبضہ تھی۔ چنانچہ ابھی حدیث بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل گزرا کہ وہ جب حج وعمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایسا کرنا اسی لیے تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی بقدر قبضہ تھی اور آپ قبضہ

سے زائد کاٹ دیتے تھے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اتباعِ سنت کے معاملہ میں تمام صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔
حضرت سدی فرماتے تھے میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو اتباع سنت رسول کرتے ہوئے نہیں دیکھا
انہوں نے ایک بار میدانِ عرفات میں ایک جگہ اونٹنی کو گھمایا پھر بٹھا دیا۔ لوگوں نے کہا یہ اونٹنی کا یہاں گھمانا کس لیے تھا؟
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے یہاں اپنی اونٹنی کو گھماتے دیکھا تھا۔ (الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۰ مطبوعہ دار صادر بیروت)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں: کان ابو هريرة يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶ کتاب الادب باب ۲۰ صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ دار الفکر)
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی داڑھی بے تحاشا لمبی دیکھی تو قینچی منگوائی اور اس کی داڑھی کو مٹھی سے پکڑا اور جو مٹھی سے زائد حصہ تھا اسے کاٹ دیا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب اللباس جلد ۲۲ صفحہ ۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
گویا جن صحابہ کرام نے یہ احادیث روایت کی ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ ان صحابہ نے ساتھ ان کی عملی طور پر تشریح بھی کر دی کہ کتنی بڑھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے داڑھی کو بقدر قبضہ پکڑ کر اس سے زائد کو کاٹ دیا اور بتادیا کہ یہی وہ مقدار ہے جو ان احادیث میں مطلوب ہے۔ بلکہ سب صحابہ کا یہی طریقہ تھا۔
چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية ان يؤخذ منها۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کی اجازت دیتے تھے کہ جو داڑھی قبضہ سے زائد ہو اسے کاٹ دیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶ صفحہ ۱۰۹ کتاب الادب باب ۲۰) معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قبضہ سے کم داڑھی کے کاٹنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

قبضہ سے کم داڑھی کا کاٹنا جائز نہیں ہے

اسی لئے فقہاء نے قدر قبضہ سے کم داڑھی کا کترانا ناجائز قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار امام حصکفی فرماتے ہیں: و اما الاخذ منها وهي دون ذالك فلم يبحه احد۔ رہا داڑھی کو مٹھی سے کم کاٹنا تو اسے کسی نے بھی جائز نہیں قرار دیا۔ (درمختار جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ کتاب الصوم مطبوعہ دار المصطفیٰ مصر)
یہی الفاظ ''ردالمحتار'' جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ میں ہیں، یہی الفاظ ''طحطاوی شرح مراقی الفلاح'' صفحہ ۳۷۲ میں ہیں اور یہی مضمون ''فتح القدیر شرح ھدایہ'' لابن ھمام کا ہے۔
اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
فرو گزاشتن ریش قدر یک مشت است چنانچہ کمتر ازیں نباید، یعنی داڑھی کا بڑھانا، اسکی مقدار ایک مٹھی ہے کہ اس سے کم تر جائز نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ مکتبہ رضویہ سکھر)
اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"داڑھی حد شرع سے کم نہ کترانا واجب اور حضور ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کی سنت دائمی اور اہل اسلام کے شعائر میں سے ہے۔" آگے فرماتے ہیں: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حلق کردن لحیہ حرام است وروش فرنج وہنود وجوالقیان کہ ایشاں را قلندریہ نیز گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است (داڑھی کا منڈوانا حرام ہے اور عیسائیوں ہندوؤں اور جوالقیوں جن کو قلندریہ بھی کہتے ہیں کی طرز کا اپنانا بھی حرام ہے اور قبضہ کے برابر داڑھی کا چھوڑنا واجب ہے)

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ کتاب الحضر والاباحۃ صفحہ ۵۵ مطبوعہ کراچی)

قَالَ فَمَا خَطۡبُكَ يٰسَامِرِیُّ ۝۹۵ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ

آپ نے فرمایا اے سامری! تمہارا کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو لوگ نہ دیکھ سکے

فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ

تو میں نے رسول (جبرائیل علیہ السلام) کے نشان قدم سے مٹھی اٹھا لی پھر اسے (بچھڑے کے منہ میں)

نَفۡسِیۡ ۝۹۶ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ص

ڈال دیا۔ اور یہی کچھ میرے جی کو بھایا۔[58] آپ نے فرمایا جاؤ تمہارے لئے زندگی بھر یہی (سزا) ہے کہ کہتے رہو

وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ج وَانۡظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ

مجھے کوئی نہ چھوئے اور تمہارے لئے (جزا کا) وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹالا نہ جائے گا۔[59] اور اپنے اس خدا کی

عَاكِفًا ط لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡيَمِّ نَسۡفًا ۝۹۷ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ

طرف دیکھو جس کے گرد تو نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ ہم ضرور اسے جلا ڈالیں گے پھر اسے ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے۔[60]

الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ۝۹۸ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ

تمہارا خدا تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اس کو ہر چیز کا علم وسیع ہے۔ (اے نبی ﷺ) اسی طرح ہم آپ کو گزشتہ زمانے کی

مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ج وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۝۹۹ ج

خبریں سناتے ہیں اور بلا شبہ ہم نے آپ کو اپنی طرف سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے۔[61]

[58] حضرت ہارون علیہ السلام سے گفتگو کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا تمہارا کیا

ماجریٰ ہے یعنی تم نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو کیوں گمراہ کیا؟ یا یہ کہ تم نے بچھڑے میں زندہ گائے کی آواز کیسے پیدا کی؟ اس بے شرم انسان نے کسی معذرت کے بغیر کہا جو مجھے بھایا وہ میں نے کیا۔ اس لئے کہ جو مجھے نظر آیا وہ لوگ نہ دیکھ سکے میں نے اللہ کے رسول (فرستادہ فرشتہ) جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں تلے سے مٹی کی مٹھی اٹھائی اسے بچھڑے کے منہ میں ڈالا تو اس میں سے آواز آنے لگی۔

مودودی صاحب کا فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا معنیٰ بدلنا

اس جگہ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا جو معنی ہم نے بتایا یہی معنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام آئے اور موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف لے گئے۔ سامری نے اس وقت وہ دیکھا جو لوگ نہ دیکھ سکے۔ فقبض قبضة من اثر الفرس۔ اس نے حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

حضرت مجاہد سے مروی ہے: قبض السامری قبضة من اثر الفرس۔ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشانِ قدم سے مٹی اٹھائی۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۵۹۶) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ معنی ایک اور روایت میں بھی مروی ہے۔ (مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۴۱۲ کتاب التفسیر سورہ طٰہٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور امام حاکم نے اس روایت کو شرط شیخین پر صحیح قرار دیا۔

امام خازن اور امام بغوی فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

قبضت قبضة من تراب اثر فرس جبرائیل فالقیتها فی فم العجل۔ میں نے جبرائیل کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اسے بچھڑے کے منہ میں ڈالا۔ (تفسیر بغوی و تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۲۷۹)

یہی تفسیر امام ابن کثیر، امام ابن جریر طبری، امام قرطبی، علامہ مظہری و دیگر اجلہ مفسرین نے فرمائی ہے۔

البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا یہ معنی کیا کہ سامری نے کہا: فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ یعنی میں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کچھ حصہ اٹھایا تو اسے پھینک دیا، وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ اور یہی میرے جی کو بھایا، اور بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ کا معنی یہ ہے کہ جو میری سمجھ میں آیا وہ دوسرے لوگ نہ دیکھ سکے اور آج کے اکثر جدید مفسرین یہی معنی لیتے ہیں جن کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں مگر یہ معنی کئی وجوہ سے درست نہیں۔

اول: یہ صحابہ کرام وتابعین سے مروی معنی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابھی واضح کیا ہے۔

دوم: اگر الرَّسُوۡلِ سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں تو سامری آپ ہی سے بات کر رہا تھا اسے یوں کہنا چاہئے تھا: فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِكَ میں نے آپ کی تعلیمات سے کچھ حصہ اٹھایا۔ سامری کا مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ الرَّسُوۡلِ سے مراد موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔

سوم: سامری موسیٰ علیہ السلام کو رسول مانتا ہی کب تھا وہ تو اللہ کی توحید بھی نہیں مانتا تھا جبھی تو اس نے بچھڑا بنایا اور قوم کو گمراہ کیا۔ لہٰذا وہی معنی درست ہے جو صحابہ وتابعین سے مروی ہے۔

[59] سامری کی اس ڈھٹائی و بے حیائی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور کہا او سامری! جاؤ تم ساری زندگی یہی چیختے رہو گے کہ لَا مِسَاسَ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ چنانچہ آپ نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص سامری سے تعلق نہ رکھے اور اسے قریب نہ آنے دے تو وہ جنگلوں میں وحشی جانوروں کے ساتھ رہنے لگا۔ جب اسے کوئی انسان نظر آتا تو وہ دور سے پکارتا لَا مِسَاسَ میرے قریب مت آنا۔ مروی ہے کہ جب وہ کسی انسان کو چھولیتا یا کوئی اسے چھولیتا تو دونوں کو تیز بخار ہو جاتا پھر اس کسمپرسی میں وہ جنگلوں میں ٹھوکریں کھاتا مر گیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۷۹)

[60] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا ہم تیرے بنائے ہوئے بچھڑے کو جلا کر ریزہ ریزہ کریں گے پھر اسے دریا میں بہائیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ دریا سے پیو تو جس کے دل میں بچھڑے کی محبت تھی اس کے ہونٹوں پہ بچھڑے والا سنہری رنگ آ گیا جو بدنما لگتا تھا۔ بنی اسرائیل میں سے صرف بارہ ہزار افراد نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی جبکہ باقی لاکھوں بنی اسرائیل اس کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ حکم ہوا کہ یہ بارہ ہزار ان تمام لاکھوں افراد کو قتل کریں جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا۔ قرآن میں ہے کہ حکم ہوا: فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ ''تم اپنے ہی لوگوں کو قتل کرو یہی تمہارے خالق کے ہاں بہتر ہے۔'' (بقرہ: ۵۴) چنانچہ انہوں نے بچھڑا پرستوں کو قتل کرنا شروع کیا جب ستر ہزار افراد قتل ہو گئے تو موسیٰ و ہارون علیہما السلام سجدے میں گر گئے اور عرض کیا: اے اللہ! معافی عطا فرما دے۔ چنانچہ جو قتل سے بچ گئے تھے انہیں معافی دے دی گئی۔

[61] بچھڑے کو ٹھکانے لگانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تمہارا معبود تو اللہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اس کا علم محیط کائنات ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! یوں ہم آپ کو گزشتہ زمانے کی خبریں بتاتے ہیں یعنی یہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہم نے آپ کو بتایا ہے۔ آپ اسے پہلے نہ جانتے تھے کیونکہ ہم نے آپ کو عظیم ذکر یعنی قرآن عطا فرمایا ہے جو آپ کو گزشتہ قوموں کے احوال بتاتا ہے۔ گویا قرآن اللہ کا عظیم تر ذکر ہے اسی لئے فرمایا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ''ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (حجر:۹) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ ''یہ مبارک ذکر ہے جو ہم نے نازل کیا۔'' (انبیاء:۵۰) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ''یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے ذکر ہی تو ہے۔'' (یوسف:۱۰۴)

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝۱۰۰ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ

جو اس ذکر سے اعراض کرے وہ روز قیامت بڑا بوجھ اٹھائے گا۔ یہ لوگ اس عذاب میں

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝۱۰۱ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

ہمیشہ رہیں گے اور روز قیامت ان کے لئے کیا ہی برا بوجھ ہوگا۔ [62] یاد کرو جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو یوں اٹھائیں گے

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝۱۰۲ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝۱۰۳ نَحْنُ اَعْلَمُ

کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ [63] باہم سرگوشی کریں گے کہ تم دنیا میں دس دن کے سوا نہ رہے تھے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝۱۰۴

جو وہ کہیں گے، جبکہ ان میں سے بہتر رائے والا کہے گا تم تو وہاں صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے۔ [64]

[62] یعنی جو آدمی اس عظیم ذکر، قرآن حکیم سے منہ موڑے اس طرح کہ اس کے کسی حکم سے انکار کر کے کفر میں مبتلا ہوا ایسا شخص روز قیامت بڑا بوجھ (عذاب) اٹھائے گا اور ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ معلوم ہوا قرآن ہی تا قیامت مدار نجات ہے جس نے اسے درست مان لیا وہ نجات پا گیا جس نے نہ مانا وہ ہلاک ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہ اترے گی یہ آخری کتاب ہے اور اس کا لانے والا نبی آخری نبی ہے۔

[63] مجرموں سے مراد کفار ہیں جو قرآن پہ ایمان نہیں رکھتے ان کی آنکھوں کا روز قیامت نیلا ہونا اس معنی میں ہے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوں گی دہشت زدہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ ''تب کافروں کی آنکھیں پتھرائی ہوں گی۔'' (انبیاء:۹۷)

[64] روز قیامت کی طوالت دیکھ کر بعض کفار باہم سرگوشی میں کہیں گے تم دنیا میں صرف دس دن ہی رہے تھے۔ قیامت کی پچاس ہزار سالہ طوالت کے آگے انہیں دنیا کی ستر سالہ یا سو سالہ زندگی دس دن کے برابر محسوس ہوگی۔ جبکہ ان میں سے زیادہ سمجھ دار لوگ کہیں گے: نہیں، تم دنیا میں صرف ایک دن رہے تھے حتیٰ کہ قرآن میں ہے کہ بعض کفار کو اس دن دنیا کی زندگی ایک لمحہ کے برابر محسوس ہوگی قرآن میں ہے: يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ''مجرم لوگ اس دن قسم اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی کے سوا نہ ٹھہرے تھے۔'' (روم:۵۵)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا
لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیں کہ میرا رب انہیں ہواؤں میں اُڑا دے گا پھر زمین کو کھلا چٹیل میدان بنا
صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا
دے گا جس میں نہ تم کوئی کجی دیکھو گے نہ گھاٹی [65] اُس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلتے جائیں گے اس چلنے
عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ
میں کوئی کجی نہ ہوگی اور خدائے رحمان کے آگے سب آوازیں پست ہو جائیں گی اور تم ہلکی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے۔[66] اس دن
لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا
سفارش کام نہ دے گی مگر اسے جس کے لئے رحمان اجازت دے اور اس کی بات پر راضی ہو۔[67] وہ ان کے پہلے
بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾
اور پچھلے سب حالات جانتا ہے اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔[68]

روز قیامت کا منظر اور اس دن کے جلال الٰہی کا بیان

[65] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنوثقیف کا ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! روز قیامت ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا (کیا یہ اسی طرح کھڑے رہیں گے؟) تب یہ آیت نازل ہوئی: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ۔ (بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۸۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ ان پہاڑوں کو ہوا میں اُڑا دے گا اور زمین صاف چٹیل میدان بن جائے گی نہ کہیں بلندی ہوگی نہ پستی۔ اور یہ گول زمین حدیث کے مطابق ایک روٹی کی طرح پھیلا دی جائے گی۔ قرآن میں ہے: وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ سورہ

(انشقاق:٣) میں اس کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے۔

[66] پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے قرآن میں ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ۝۶۸ پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (زمر:٦٨) تب ایک پکارنے والا پکارے گا تو جدھر سے پکار آئے گی سب لوگ اُدھر کو چل پڑیں گے کسی کو مجال نہ ہو گی کہ ٹیڑھا ہو اور چلنے سے انکار کرے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے کفار! آج تم میرے داعی محمد مصطفیٰ ﷺ کی پکار نہیں سنتے مگر قیامت میں میرے داعی کی پکار پر تمہیں ذرہ بھی ٹیڑھا چلنے کی مجال نہ ہوگی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن سب آوازیں اللہ کے حضور پست ہو جائیں گی اور ہلکی آہٹ کے سوا کچھ سنائی نہ دے گا۔ یعنی جب لوگ خدائی پکار کی طرف چلیں گے تو آپس میں اونچا کلام نہ کریں گے بلکہ وہ قدم بھی آہستہ رکھیں گے اور ہلکی چاپ کے سوا کچھ سنائی نہ دے گا کیونکہ سب پر خوف و ہراس طاری ہوگا۔

پست آوازی ادب کی نشانی ہے

وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ سے معلوم ہوا پست آوازی ادب کی نشانی ہے۔ روز قیامت جلال الٰہی کے ادب میں لوگ قدم بھی آہستہ رکھیں گے اور بات بھی صرف سرگوشی میں کریں گے اسی لئے اللہ نے فرمایا: لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ نبی (ﷺ) کی آواز پر اپنی آواز اونچی مت کرو۔ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ اور آپ کو اونچی آواز سے مت بلاؤ۔ (حجرات:٢) لہٰذا والدین اساتذہ اور مشائخ کے حضور بھی برائے ادب و تعظیم اونچا نہیں بولنا چاہئے۔ اسی لیے فرمایا گیا: فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ کہ والدین کو اف نہ کہو۔ (بنی اسرائیل، ٢٣) معنی یہ ہے کہ ان کے آگے اونچا نہ بولو۔

[67] کفار سمجھتے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ روز قیامت ان کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا روز قیامت کوئی سفارش کام نہ آئے گی البتہ جس کے لئے رب رحمن شفاعت کی اجازت دے اور جس کے قول پہ وہ راضی ہوا سے ہی شفاعت نفع دے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک رَضِىَ لَهٗ قَوۡلًا میں قول سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے یعنی جس نے اللہ کا یہ پسندیدہ قول کیا ہوگا اسے ہی شفاعت نفع دے گی گویا کافر کے حق میں کوئی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ (قرطبی جلد ١١ صفحہ ٢٤٧)

روز قیامت کون کس کی شفاعت کرے گا؟

معلوم ہوا مومن خواہ کتنا گناہ گار ہوا سے بہر حال انبیاء، اولیاء، شہداء، صلحاء اور دیگر اہل شفاعت کی شفاعت نفع دے گی۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی ”میری شفاعت میری امت میں سے

کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لئے ہوگی۔'' (ترمذی کتاب القیامۃ باب ۱۱ ابوداؤد کتاب السنۃ باب ۲۱، ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۷) اور حضور ﷺ نے فرمایا: ''کچھ لوگ بجلی کی تیزی سے، کچھ ہوا کی تیزی اور کچھ گھوڑے کی سی تیزی سے پل صراط سے گزر جائیں گے پھر وہ کہیں گے اے اللہ! ہمارے کچھ بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے وہ کہاں ہیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرمائے گا جاؤ تم جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان دیکھتے ہو اسے جہنم سے نکال لاؤ تب انبیاء ملائکہ اور اہل ایمان سب شفاعت کریں گے۔ (بخاری عن ابی ہریرہ کتاب التوحید باب ۲۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا (یعنی حلال پہ صبر اور حرام سے اجتناب کیا) اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا کرے گا اور اس کی شفاعت سے اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کو بھی جنت عطا کرے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔''
(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۱۳)

[68] یعنی اللہ انسانوں کے تمام دنیوی و اخروی احوال سے واقف ہے۔ یہ کہ اللہ جانتا ہے کہ ہر انسان ماضی میں کن اصلاب و ارحام سے منتقل ہو کر دنیا میں آیا اور آئندہ مرنے کے بعد اس کے جسم کے ذرے کہاں کہاں پڑیں گے یا یہ کہ اس کے سابقہ اعمال کیا تھے اور آئندہ کیا ہوں گے مگر انسان کا علم اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتا؟ دوسری جگہ فرمایا گیا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ''آنکھیں اسے گھیر نہیں سکتیں۔'' (انعام: ۱۰۳) گویا اللہ رب العزت نہ ہمارے حواس ظاہرہ میں آسکتا ہے نہ حواس باطنہ میں کیونکہ وہ غیب الغیوب ہے اور غیب کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو ہمارے حواس و عقل سے ورآء ہو۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ

اور سب چہرے اس زندہ وقائم رکھنے والے رب کے آگے جھک جائیں گے اور ظلم کا بوجھ اٹھانیوالا نامراد رہے گا۔[69] اور جو

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اچھے اعمال کرے اور مومن ہو تو وہ کسی زیادتی اور نقصان کا خوف نہ رکھے گا۔[70]

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر اتارا ہے اور اس میں ڈراوے بیان کئے ہیں۔ تا کہ لوگ (برائیوں سے) ڈریں

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ

یا قرآن ان کے لئے کوئی نصیحت پیدا کرے[71] تو بلند ہے اللہ بادشاہ حقیقی اور (اے نبی ﷺ) آپ قرآن پڑھنے میں

مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ

جلدی نہ کریں اس سے قبل کہ آپ پر اس کی وحی مکمل نہ کر دیجائے اور کہیے اے میرے رب! مجھے مزید علم دے[72] اور اس

عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

سے قبل ہم نے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے انکا ارادہ نہ پایا[73]

ع ٦ / ١٥

[69] یعنی جن لوگوں کے چہرے دنیا میں جھوٹے خداؤں کے آگے جھکتے تھے روز قیامت ان کے چہرے بھی اللہ کے حضور جھک جائیں گے مگر جن لوگوں نے دنیا میں کفر وشرک کا بوجھ اٹھایا ہوگا وہ نامراد ہی رہیں گے اور روز قیامت ان کے چہرے کا اللہ کے حضور جھکنا انہیں فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ اپنے ارادہ واختیار سے جھکنا نہ ہوگا۔

[70] اور جو شخص کفر وشرک سے پاک اور مومن ہو اور اچھے اعمال کرے یعنی دنیا میں اپنا چہرہ بصورت نماز اللہ کے حضور جھکائے اور دیگر احکامِ خداوندی بجالائے ایسے لوگ قیامت میں بامراد و کامیاب ہیں اس دن انہیں نہ یہ خوف ہوگا کہ کوئی ناکردہ گناہ ان کے ذمے ڈال دیا جائے نہ یہ ڈر ہوگا کہ ان کی کوئی نیکی رد کر دی جائے۔

[71] اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن اتارا اور اس میں لوگوں کو کفر وشرک اور گناہوں سے ڈرایا تا کہ وہ ان چیزوں سے باز آئیں یا گزشتہ قوموں کی ہلاکت کی خبریں سن کر عبرت پکڑیں۔ قرآن کو عربی کہہ کر اس لئے یاد کیا تا کہ کفارِ عرب کو احساس دلایا جائے کہ وہ بھی عربی ہیں مگر اس قرآن کی مثل ایک چھوٹی سورت بھی نہیں لا

سکتے تو پھر وہ اسے اللہ کا نازل کردہ کلام کیوں نہیں مان لیتے۔ اسی لئے قرآن کو بار بار عربی کہہ کر یاد کیا گیا جیسے سورہ یوسف آیت ٢، سورہ زمر آیت ٢٨، سورہ فصلت آیت ٣، سورہ شوریٰ آیت ٧ اور سورہ زخرف آیت ٣۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وہی ہے جو عربی میں ہو۔ اگر کسی اور زبان میں قرآن کا ترجمہ کر دیا جائے تو وہ قرآن نہیں بلکہ قرآن کا ترجمہ ہے، اسے نماز میں نہیں پڑھ سکتے۔

[72] ابتداء میں جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو نزول کے دوران ہی حضور ﷺ اسے ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش فرماتے تاکہ اسے جلد یاد کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! جب تک قرآنی آیت کی وحی مکمل نہ ہو جائے آپ اسے پڑھنے کی جلدی نہ کریں۔ پہلے اسے کامل طور پر خاموشی سے سن لیں تاکہ وہ آپ کے دل و دماغ میں خوب نقش ہو جائے پھر اسے پڑھیں اور دعا کیا کریں کہ اللہ آپ کے علم میں اضافہ کرتا رہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ''آپ قرآن کو جلد یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ بے شک اسے جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔'' (قیامہ:١٦)

تلاوتِ قرآن کے وقت اسے خاموشی سے سننا لازم ہے

حضور سید عالم ﷺ کو پہلے قرآن کو غور سے سننے اور بعد میں پڑھنے کا حکم دیا گیا معلوم ہوا جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سننا لازم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (اعراف:٢٠٤) البتہ حفظ قرآن کی کلاس میں سب بچوں کو اکٹھا قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر ان کا حفظ کرنا ممکن نہیں۔ اور اسی لیے امام کے پیچھے قرآن کا پڑھنا فقہ حنفی میں ممنوع ہے۔ یہ تعظیم قرآن کے لیے ہے۔ بلکہ مقتدی پہ لازم ہے کہ امام کے پیچھے دوران قراءت خاموش کھڑا رہے۔ اس کی مکمل تحقیق ہم نے اسی جگہ سورہ اعراف کے اس مقام پر لکھ دی ہے۔

فضیلتِ علم

نبی اکرم ﷺ کو دعا سکھائی گئی: رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ اور حضور ﷺ یہ دعا اکثر مانگا کرتے تھے۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ١٢٨) یاد رہے ہر وہ علم جو نیک مقصد کے لئے ہو علمِ نافع ہے اور اس کی زیادتی کی دعا کرنی چاہئے حتیٰ کہ جادوگروں کا جادو توڑنے کے لئے جادو سیکھنا ثواب ہے اور علماء ربانیین سے مقابلہ کے لئے علم دین کا سیکھنا بھی گناہ ہے۔ کیونکہ انما الاعمال بالنیات۔ اسی طرح طب وعلاج کی سہولیات کی فراہمی کے لیے میڈیکل سائنس کا جاننا ضروری ہے۔ آنے والے موسموں اور اوقات وتواریخ کے تعین کے لیے علم الافلاک یعنی آسٹرونومیکل سائنس کا جاننا ضروری ہے۔ بلکہ اس علم کے ساتھ عبادات کی ادائیگی بھی وابستہ ہے۔ یونہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگ انجینئر بنیں تاکہ تعمیر

عمارات اور سفری ضروریات وغیرہ میں انسان کو مدد ملے۔ یونہی انسان کا کھانا پینا اور لباس مہیا ہو سکے۔ یہ سب علوم وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ میں داخل ہیں۔

تاہم سب علوم سے افضل قرآن وسنت کا علم ہے۔ کیونکہ باقی علوم دنیوی بہتری کے لیے ہیں اور قرآن وسنت کا علم اخروی بہتری کے لیے ہے۔ تو جو آخرت کی فضیلت دنیا پہ ہے وہی علم قرآن وسنت کی فضیلت تمام علوم پہ ہے اور یہی علم وراثت انبیاء ہے۔ تو جو نبی کی فضیلت غیر نبی پہ ہے وہی قرآن وسنت کی فضیلت تمام علوم پہ ہے۔

[73] اس سے قبل عظمتِ قرآن بتائی گئی اب بتایا جا رہا ہے کہ شیطان سے بچ کر رہنا چاہئے وہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ جب اسے انسان اول آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تو اس نے پہلے انہیں اس چیز کے کھانے کا وسوسہ دیا جس کے کھانے سے انہیں جنت میں روکا گیا تھا۔ پھر وہ تا قیامت اولاد آدم کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ فلاں چیز کے قریب نہیں جانا۔ مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ گناہ یہ ہوتا ہے کہ قصداً اللہ کا حکم توڑا جائے۔ اور بھول جانا تو کوئی گناہ نہیں۔ جیسے روزہ دار بھول کر کھا پی لیتا ہے تو اس کے روزے میں فرق نہیں آتا۔ بلکہ حدیث کے مطابق اسے اللہ بھلا کر کھلاتا پلاتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کو اللہ نے بھلایا۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً انہیں زمین ہی میں رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور اللہ نے چاہا کہ ان کے زمین پہ بھیجے جانے کے اسباب بنیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بھولنے پہ بعض اعتراضات کا جواب

رہا یہ سوال کہ اگر بھول کر کوئی کام کر لینا گناہ نہیں تو آدم علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک روتے کیوں رہے؟ تو یاد رہے کہ آدم علیہ السلام کا رونا اور اپنی خطاء کی بخشش چاہنا اور اللہ تعالیٰ کا ان کی توبہ قبول کرنا اس لئے تھا کہ مقربین اپنی بھول کو بھی گناہ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا امتحان بھی زیادہ لیتا ہے۔ اسی طرح یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا اس ممنوعہ درخت سے بھول کر کھانا کیسے متصور ہے جبکہ قرآن فرماتا ہے کہ شیطان نے ان سے کہا: مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ "اللہ نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ اس سے کھا کر تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا یہاں ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔" (اعراف، ۲۰) گویا جب انہوں نے شیطان کے کہنے پر اس درخت سے کھایا تو پھر وہ بھول کر کیسے ہوا؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں طویل کلام کیا ہے۔ انہوں نے ان دونوں آیات میں تطبیق دی ہے۔ اس طرح کہ جب شیطان نے ان سے یہ بات کہی تو ان کے دل میں اس کے کھانے کی چاہت اور رغبت پیدا ہوگئی۔ مگر اس وقت انہوں نے نہ کھایا بعد میں وہ رغبت کسی وقت ان پہ غالب آئی اور وہ بھول گئے اور اسے کھا لیا۔ جیسے روزہ دار کو جب تک اپنا روزہ یاد ہوتا ہے وہ نہیں کھاتا مگر جس وقت اس پہ کھانے پینے کی خواہش غالب آجاتی ہے تو وہ بھول جاتا ہے اور کھا پی لیتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝١١٦ فَقُلْنَا

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔[74] تو ہم نے کہا

يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝١١٧

اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکال دے کہ پھر تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔[75]

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝١١٨ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝١١٩

تمہیں جنت میں یہ نعمت حاصل ہے کہ نہ بھوکے ہوتے ہو نہ ننگے اور تمہیں یہاں نہ پیاس لگتی ہے نہ دھوپ ستاتی ہے۔[76]

فرشتوں کو سجودِ آدم علیہ السلام کا حکم ہونا

[74] ابلیس فرشتہ نہ تھا مگر فرشتوں میں رہنے کی وجہ سے ملکوتی صفات اختیار کر چکا تھا اور ظاہراً فرشتوں جیسا ہو گیا تھا اس لئے جب فرشتوں کو سجدۂ آدم علیہ السلام کا حکم ہوا تو وہ بھی اس میں شامل تھا اس وقت سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ ''میں آدم سے بہتر ہوں۔'' خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝٧٦ ''اے اللہ! مجھے تو نے آگ سے بنایا اور آدم کو مٹی سے۔'' (ص:٧٦) پھر اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا: لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝٣٣ ''میں اس بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے اے اللہ! تو نے سیاہ بدبودار مٹی کے پتلے سے بنایا۔'' (حجر:٣٣) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم کیوں دیا اس میں چند حکمتیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا اور انسانوں کے بعد سب سے افضل مخلوق ملائکہ ہیں تو انہیں انسان کے آگے جھکا کر گویا تمام مخلوقات کو انسان کے آگے جھکا دیا گیا اور انسان اللہ کا خلیفہ ہے تو ساری خدائی کو خلیفہ کے آگے جھکایا گیا۔

[75] پھر حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہنے لگے ان کے پہلو سے ان کے لئے حضرت حوا کو پیدا کیا گیا۔ شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا اور وہ نارِ حسد میں جلنے بھننے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو آنے والے حالات کی سنگینی سے پیشگی آگاہ فرمایا کہ شیطان کو تم سے شدید حسد ہے وہ تمہیں جنت سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا تمہیں اس سے بچ کر رہنا چاہئے۔ اس میں اولادِ آدم کے لئے سبق ہے کہ شیطان ان کا دشمن ہے وہ آج تک اسی نارِ حسد میں جل رہا ہے اور اپنے جنت سے نکالے جانے کا بدلہ اولادِ آدم سے لے رہا ہے۔ لہٰذا انہیں شیطان سے بچ کر رہنا چاہئے۔ اس سے حسد کی برائی بھی معلوم ہوئی۔

[76] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم (علیہ السلام) جنت میں آپ کو نہ کھانے کا فکر ہے نہ لباس کا۔ جنتی نعمتیں کھانے کو اور جنتی لباس پہننے کو میسر ہے اور یہاں نہ پیاس کا خوف ہے نہ دھوپ کا۔ کیونکہ آبِ طہور کی نہریں اور جنتی درختوں کے گھنے سائے ہر طرف پھیلے ہیں۔ گویا فرمایا گیا اے آدم علیہ السلام! اگر شیطان کے پھسلانے سے تمہیں جنت سے نکلنا پڑا تو پھر زمین پہ جا کر تمہیں بھوک مٹانے کے لئے روٹی کمانا، جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑا بنانا اور دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے مکان تیار کرنا پڑے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتار دیئے گئے تو جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس کچھ بیج لے کر اترے اور کہا انہیں کاشت کرو۔ آپ نے انہیں زمین میں بویا پھر انہیں پانی دیا پھر انہیں کاٹ کر ان کے خوشوں کو چھانٹا اور گندم نکال کر اسے پیسا جب آٹا بن گیا تو اسے گوندھ کر پکایا اتنی جدوجہد کے بعد جب چپاتی کو کھانے بیٹھے تو وہ ہاتھ سے گر گئی اور پہاڑ سے نیچے جا گری۔ آپ اس کے پیچھے بھاگے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تمہیں اور تمہاری اولاد کو ایسی ہی مشکلات سے گزر کر رزق ملا کرے گا۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۲)

عورت اپنے شوہر کے تابع ہو کر رہتی ہے

اس جگہ آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ کہ اے آدم علیہ السلام آپ کی زندگی جنت میں شاہانہ ہے یہاں آپ کو نہ بھوک لگتی ہے نہ لباس کا فکر ہے نہ مکان کا، حالانکہ یہ سہولتیں جنت میں حضرت حوا کو بھی حاصل تھیں۔ مگر ان سے یہ خطاب نہ کیا گیا اور نہ ہی تثنیہ کے صیغے استعمال کیے گئے۔ حالانکہ اس سے قبل اور اس کے بعد والی آیات میں تثنیہ ہی کے صیغے ہیں۔ دراصل یہی بتانا مقصود ہے کہ عورت مرد کے تابع ہے۔ جنت میں حضرت حوا کا قیام جناب آدم کی وجہ سے تھا۔ اسی لیے فرمایا گیا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ کہ ''مرد عورتوں پہ حاکم ہیں۔'' (النساء، ۳۴)

اسی لیے فرمایا گیا: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ ''جہاں تم ٹھہرو وہاں اپنی بیویوں کو اپنی گنجائش کے مطابق ٹھہراؤ۔'' (طلاق، ۶) اسی لیے شریعت میں سفر و اقامت کے بارے میں شوہر کا ارادہ معتبر ہوتا ہے۔ نہ کہ عورت کا۔ یعنی اگر میاں بیوی دونوں سفر میں ہوں اور کسی جگہ مرد پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کر لے تو بیوی بھی مقیمہ بن جائے گی اور نماز مکمل پڑھے گی اور جب مرد کا ارادۂ سفر بن جائے گا تو بیوی بھی مسافرہ ہو جائے گی کیونکہ وہ شوہر کے تابع ہے۔ (عالمگیری)

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

تو ان کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا اور کہا اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ جینے کے درخت اور کبھی ماند نہ پڑنے والی

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝١٢٠ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

بادشاہت کی خبر نہ دوں؟[77] تو (آدم وحوا) دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تب ان پر ان کی شرمگاہیں برہنہ ہو گئیں

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝١٢١ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

اور وہ ان پر جنت کے پتے چپکانے لگے[78] اور آدم اپنے رب کا حکم پورا نہ کر پائے اور مقصد سے دور ہو گئے۔[79] پھر انکے رب

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝١٢٢ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

نے انہیں چن لیا، انکی توبہ قبول کی اور راہنمائی فرمائی۔[80] اللہ نے فرمایا تم دونوں اس جنت سے اتر جاؤ تم لوگ آپس میں ایک

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝١٢٣

دوسرے کے دشمن ہو گے پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ کبھی نہ گمراہ ہوگا نہ بدبخت۔[81]

[77] آخر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی شیطان نے کسی نہ کسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان سے کہا کہ تمہیں ایک دن اس جنت سے نکال دیا جائے گا لیکن اگر تم فلاں درخت کا پھل کھا لو تو تم ہمیشہ جنت میں رہنے والے بن جاؤ گے اور حوران وغلمان جنت پہ جو بادشاہت تمہیں میسر ہے یہ کبھی ختم نہ ہو گی۔ اس وسوسہ کے سبب آدم علیہ السلام کے دل میں اس درخت کا پھل کھانے کی چاہت پیدا ہو گئی۔ آخر ایک دن وہ چاہت غالب آئی اور آپ بھول گئے کہ اللہ نے آپ کو اس کے کھانے سے منع کیا ہوا ہے تو آپ نے اور حضرت حوا نے اسے بھول کر کھا لیا۔ جس طرح روزے دار پر کھانے کی چاہت غالب آتی ہے اور وہ بھول کر کھا لیتا ہے۔ معلوم ہوا اللہ کی تقدیر ہر چیز پر غالب ہے جو کام ہونا ہوتا ہے اس کے اسباب از خود بن جاتے ہیں۔

[78] اس کے کھانے کی دیر تھی کہ حضرت آدم وحوا دونوں کے جسموں سے جنتی لباس اتر گیا دونوں ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو گئے تب ان پر شرم غالب آئی اور وہ جنتی درختوں کے پتوں سے اپنی جائے ستر کو ڈھانپنے لگے اس سے قبل انہوں نے ایک دوسرے کا ستر کبھی نہ دیکھا تھا اس میں یہ درس ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے سامنے بے ضرورت ننگا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس یوں نہ جائے جیسے

گدھا گدھی کے پاس جاتا ہے۔(طبرانی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ)

[79] ہاں وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ سے مراد یہ ہے کہ بظاہر آدم علیہ السلام نے اپنے رب کا حکم پورا نہ کیا مگر حقیقت یہ تھی کہ آپ بھول گئے ابھی پیچھے آیت ۱۱۵ میں گزرا: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ کہ آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔اور غوی کا معنی ناکام رہنا اور محروم ہو جانا بھی ہے۔(منجد)

تشریح مقامِ عصمتِ انبیاء

اسی لئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا: فَغَوٰی یعنی ضل عن المطلوب، یعنی آدم علیہ السلام کی غوایت یہ ہے کہ وہ مطلوب سے ہٹ گئے۔(تفسیر مظہری) مطلوب سے مراد مکمل اطاعتِ الٰہی ہے جس میں بھول کر کسی حکم کا توڑنا بھی شامل نہ ہو کیونکہ اطاعتِ الٰہی ہی انسانی زندگی کا مطلوب حقیقی ہے۔امام رازی نے اس کا ایک معنی یہ بھی کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے ایک امر استحبابی کو پورا نہ کیا۔(تفسیر کبیر) لہٰذا وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ سے انبیاء کے غیر معصوم ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اور اہل سنت کا اس بات پہ اجماع ہے کہ انبیاء کرام قبل نبوت و بعد نبوت ہر طرح کے کبیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔رہے صغائر تو بعض علماء نے قبل نبوت ان کے انبیاء سے صدور کو ممکن بتایا ہے اور حق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبل نبوت صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں، چنانچہ ''الحدیقۃ الندیہ مع الطریقۃ المحمدیہ'' میں ہے:

الانبیاء مبرءون عن الکفر والکذب مطلقا وعن الکبائر والصغائر۔ یعنی انبیاء کرام کفر سے اور جھوٹ سے مطلقاً منزہ ہوتے ہیں اور تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

(الحدیقۃ الندیہ جلد اول صفحہ ۲۸۸ مطبوعہ بیروت)

اسی طرح ملا علی قاری فرماتے ہیں: الانبیاء منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح۔

''یعنی انبیاء کرام تمام صغائر و کبائر اور کفر اور تمام قبیح خصائل سے پاک ہوتے ہیں۔''

(منح الاروض الازہر صفحہ ۵۶ مطبوعہ باب المدینہ کراچی)

امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں: امام امالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک انبیاء کرام تمام صغائر و کبائر سے پاک ہوتے ہیں اور اگر ان سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا صدور ممکن ہو تو پھر ان کی اتباع و اقتداء لازم نہ رہی۔کیونکہ لوگ یہ تمیز نہیں کر سکتے کہ ان کا کونسا فعل عبادت ہے اور کون سا معصیت۔

(تفسیر قرطبی جلد اول صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رہا نسیان اور خطائے اجتہادی تو وہ فطرت انسانی ہے اس سے انبیاء کرام کی عصمت کا کوئی بھی مدعی نہیں ہے۔نہ ہی یہ چیزیں گناہ کے زمرہ میں ہیں نہ عصمت کے خلاف ہیں۔گناہ یہ ہے کہ انسان اغوائے شیطان یا اغوائے نفس سے عمداً

کوئی ایسا کام کرے جو شیطان کو خوش اور اللہ کو ناراض کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی کے خطرناک الفاظ

اس جگہ اس آیت میں وَعَصٰۤی اٰدَمُ کی تشریح میں بانی جماعت اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت خطرناک الفاظ لکھے ہیں:

''بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ان میں (آدم علیہ السلام میں) اُبھر آیا تھا۔ ان پہ ذھول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ طاعت کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ لاہور) ایک پیغمبر کے بارے میں کہنا کہ وہ طاعت کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرا بڑی جرأت ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ مودودی صاحب کی انہی بے احتیاطیوں اور انبیاء و اولیاء کے بارے میں جارحانہ اندازِ تکلم نے ان کے دامن کو داغدار کیا اور ان کی اپنی جماعت کے سوا تمام مسالک کے علماء و فقہاء نے ان کا رد کیا۔

[80] جب آدم علیہ السلام نے بھول کر وہ چیز کھالی تو آپ کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا۔ آپ عرصۂ دراز گریہ فرماتے رہے جس سے آپ کے درجات میں بہت بلندی ہوتی گئی بندہ جتنا جھکتا ہے اللہ رب العزت اسے اتنا اٹھاتا ہے۔ آخر آپ کی توبہ قبول ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے ایک بار عرش کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے مجھے ضرور بخشش عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''محمد کون ہیں؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! تیرا نام برکت والا ہے۔ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش پہ لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں نے جان لیا کہ جس ذات کا نام تو نے اپنے نام سے ملا کر لکھا ہے اس سے بڑھ کر تجھے کوئی معزز نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں آخری نبی ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تمہیں پیدا نہ کرتا۔ اسے طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۶ کتاب الفضائل مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

اور امام سیوطی فرماتے ہیں اسے حاکم، ابونعیم، بیہقی اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

(درمنثور جلد اول صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[81] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم و حوا! تم زمین پر اتر جاؤ وہاں تمہاری اولاد کے درمیان باہمی دشمنیاں ہوں گی۔ باہم جنگیں و خون ریزیاں ہوں گی ایسے میں ہم انبیاء کے ذریعے ان میں اپنی ہدایت اتار دیں گے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلے گا وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بدبخت نہ رہے گا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ

اور جس نے میرے ذکر (قرآن) سے اعراض کیا اس کے لئے تنگ زندگی ہے اور ہم روز قیامت

الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ

اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو بینا تھا؟ اللہ فرمائے گا

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ

جس طرح تمہارے پاس میری آیات آئیں تو تم نے انہیں بھلا دیا اسی طرح آج تمہیں بھلا دیا جائے گا۔[82] اسی طرح

نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

ہم اس کو سزا دیں گے جو حد سے بڑھا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا اور آخرت کا عذاب سخت تر

وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ

اور دائمی ہے[83] کیا انہیں اس بات نے ہدایت نہ دی کہ ہم نے ان سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جن کے ٹھکانوں میں

مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع

یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں[84]

[82] جب یہ کہا گیا کہ جو شخص اللہ کی ہدایت کی پیروی کرے وہ گمراہ و بد بخت نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان فرمائی۔ قرآن میرا ذکر ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ''ہم نے ذکر نازل فرمایا ہے۔'' (حجر:۹) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ ''بیشک قرآن تمام عالمین کے لیے ذکر ہے۔'' (یوسف:۱۰۴) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا یعنی اس سے انکار کیا اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور آخرت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

نہ صرف اندھا بلکہ قرآن کے مطابق کفار کو اندھا، گونگا اور بہرہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اللہ فرماتا ہے: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ ''اور روز قیامت ہم انہیں ان کے چہروں کے بل اندھے بہرے اور گونگے کر کے اٹھائیں گے۔'' (اسراء:۹۷) اور یہ قیامت میں کچھ عرصہ تک ہوگا سارا وقت ایسا نہ رہے گا۔ بعد میں کفار سے حساب و کتاب ہوگا اور انہیں ان کا اعمال نامہ دکھایا جائے گا۔ یعنی وہ اندھے، بہرے اور گونگے نہیں رہیں

گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں سے کہا جائے گا کہ تمہارے پاس اللہ کی آیات (کتابیں اور معجزات) آئیں تم نے انہیں بُھلا دیا آج تمہیں بُھلا دیا جائے گا۔

دنیا میں کفار کی زندگی تنگ کیسے ہے؟

رہا یہ سوال کہ دنیا میں کفار کی زندگی تنگ کیسے ہے؟ وہ تو آج مسلمانوں سے کہیں زیادہ خوش حال ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج دیکھ لیں اہل یورپ وامریکہ اخلاقی لحاظ سے کس طرح تباہ وبرباد ہیں وہاں نکاح کی اہمیت ختم ہوگئی ہے ہر ۱۰۰ میں سے تیس تا چالیس بچے حرامی پیدا ہورہے ہیں اور یہ تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ روحانی سکون ناپید ہے، بے حیائی کا سیلاب اس طرح اُمڈا ہے کہ تمام اخلاقیات خس وخاشاک کی طرح بہہ گئی ہیں۔ اولاد اور والدین کے درمیان محبت کا رشتہ ختم ہوگیا ہے، بچے عموماً اٹھارہ برس کے ہوتے ہی والدین کو چھوڑ جاتے ہیں اور والدین بڑھاپے کی زندگی گورنمنٹ کے بنائے ہوئے Flats میں یوں گزارتے ہیں جیسے دنیا میں ان کا کوئی نہیں ہے اور کئی بوڑھے انگریز اپنے فلیٹس میں تنہا مرگئے اور کئی دن تک ان کی لاشوں کو ان کے کتے کھاتے رہے۔ کیا یہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (تنگ زندگی) نہیں ہے؟ اور جو مسلمان کافرانہ زندگی اپنا کر قرآن سے دور ہوجاتے ہیں ان کا حال بھی منکرینِ قرآن جیسا ہو جاتا ہے اور ان کی زندگی بھی اس طرح تنگ کردی جاتی ہے جس میں حرص لالچ اور چاہت دنیا کی وجہ سے سخت بے سکونی کا غلبہ ہوتا ہے۔ آسان اور کشادہ زندگی انہی اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ کی ہے جن کے دل ذکرِ الٰہی اور نورِ قرآن سے معمور ہیں۔

مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی یہ تشریح بھی کی گئی ہے کہ کافر کی قبر کی زندگی یا آخرت کی زندگی تنگ کردی جائے گی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر ابن کثیر وغیرھما)

[83] یعنی کفار کو دنیا میں جو تنگ زندگی کا عذاب دیا جاتا ہے آخرت کا عذاب ان کے لئے اس سے کہیں سخت ہے اور دائمی ہے۔ یاد رہے کہ آج مغرب کے عیسائی ممالک میں جو اخلاقی خرابیاں ہیں انہیں وہاں قانونی حیثیت حاصل ہے، جیسے شراب نوشی، بدکاری، بے حیائی، لواطت وغیرہ۔ اور اگر مسلم معاشروں میں کہیں معاشرتی ناہمواری ہے یا عدل وانصاف کی کمی ہے تو وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کمزوری کا نتیجہ ہے اسکی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، جن مسلم معاشروں میں قانون کا ہاتھ مضبوط ہے وہاں عدل وانصاف کا ماحول کافی بہتر ہے۔ جیسے انڈونیشیا، ملائشیا وغیرہ۔

[84] یعنی دشمنانِ خدا ورسول اور قرآن کا مذاق اڑانے والوں کو دیکھنا چاہیئے کہ ان سے قبل کئی قومیں اللہ کا دین مٹانے کے لئے نکلیں مگر تباہ کردی گئیں کفار مکہ ان لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں میں آتے جاتے ہیں جیسے یمن میں قوم ہود کا علاقہ، منیٰ کے قریب وادی محصر اور تبوک کے قریب قوم صالح کی بستی حجر وغیرہ۔ تو کیا کفار ان کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ

اور اگر تمہارے رب کی طرف سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اور مدت مقررہ نہ ہوتی تو عذاب لازم تھا[85] تو جو کچھ

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح کہو طلوع شمس سے قبل اور غروب شمس سے قبل اور رات کی

غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

گھڑیوں میں تسبیح کہو اور دن کی اطراف میں، تاکہ تم راضی ہو۔[86]

دشمنان اسلام کو تنبیہ اور مومنوں کو نماز کا حکم

[85] گزشتہ آیت میں کہا گیا کہ دشمنانِ اسلام کو پہلی اسلام دشمن قوموں کی ہلاکت سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ہر اسلام دشمن قوم کی ہلاکت کا وقت مقرر ہے اگر یہ فیصلہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا اور وقت مقرر نہ ہوتا تو کفار مکہ پر عذاب آچکا ہوتا۔ چنانچہ کفار مکہ پر اللہ کی پکڑ کا وقت غزوۂ بدر کا موقعہ لکھا ہوا تھا جب وہ وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان وشوکت اور غرور تکبر کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ اسی طرح جب بھی کوئی قوم اسلام دشمنی پر اترتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کچھ وقت مہلت دیتا ہے جب ان کی مہلت گزر جاتی ہے تو اللہ انہیں پکڑ لیتا ہے۔

[86] سورہ طٰہٰ مکی سورت ہے اور مکہ میں مسلمانوں پر حالات بہت سنگین تھے ان کے دین اور ان کی کتاب کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور مسلمانوں کو ابھی میدان جنگ میں اتارنا ان کی قلت تعداد وقلت اسباب کے سبب مناسب نہ تھا اس لئے ہر مومن سے فرمایا گیا کہ وہ کفار کی باتوں پر صبر کرے اور نماز پنجگانہ سے روحانی وایمانی قوت حاصل کرتا رہے۔ تو فرمایا کہ طلوع شمس سے قبل اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہو یعنی نماز فجر پڑھو اور غروب شمس سے قبل تسبیح کہو یعنی نماز عصر ادا کرو اور رات کے پہروں میں تسبیح کہو یعنی مغرب وعشاء کی پابندی کرو اور دن کی اطراف میں تسبیح کہو یعنی نماز ظہر پڑھو۔ یہاں دن کی اطراف کا نام اس لئے لیا کہ ظہر کا وقت زوالِ شمس سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت دن کی ایک طرف ختم ہوتی اور دوسری شروع ہوتی ہے۔ گویا دونوں اطراف مل جاتی ہیں۔ اور یہ نماز پنجگانہ اس لئے قائم کرو کہ تم اللہ کی نعمتوں پر اور اس کی ہر تقدیر پر راضی ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام ایسا ہی کرتے رہے وہ مکہ میں راضی برضارہ کر ہر مشکل کا صبر سے مقابلہ کرتے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فراخی کے دروازے کھول دیئے اور وہ رضی اللہ عنہم ورضوانہ کے حقدار ہوئے۔

بعض مفسرین نے فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کو منسوخ قرار دیا ہے یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں یہ حکم تھا کہ کفار کی

ایذاءرسانیوں پہ صبر کیا جائے۔ پھر جب اللہ نے اسلام کو شوکت دیدی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب یہ حکم نہیں ہے کہ کفار کی ایذاءرسانیوں پہ صبر کیا جائے۔ بلکہ اب کفار سے جہاد کا حکم ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اسے منسوخ نہ سمجھا جائے بلکہ کہا جانا چاہیے کہ جب بھی مسلمانوں پہ وہ حالات ہوں جو مکی دور میں مسلمانوں پہ تھے تو انہیں اس آیت پہ عمل کرنا چاہیے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) دورِ مغلوبیت میں مسلمانوں کا لائحہ عمل۔ جب بھی مسلمانوں پر ایسا دورِ مغلوبیت ہو جو مکہ میں مسلمانوں پہ تھا تو انہیں فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کے مطابق صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور نماز کی پابندی کرنا چاہئے یعنی داخلی سطح پر مسلمانوں کی صف بندی کی جائے اور ان کا ایمان مضبوط کیا جائے اس دوران جہاد کے اسباب جمع کئے جاتے رہیں اور جب اسباب میسر آ جائیں تو جہاد شروع کیا جائے۔ آج امتِ مسلمہ جس قدر کفار کی اذیت رسانی کا شکار ہے ایسا کبھی نہ تھی۔ آج امت مسلمہ پہ جہاد فرض ہے مگر پہلے وہ باہمی اتحاد پیدا کریں۔ نماز میں یہی سبق ہے کہ قوم مسلم صف بستہ و متحد ہو اور ایک لیڈر کے پیچھے کھڑی ہو۔ جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہی ان کے غلبہ کا دن ہوگا۔

(۲) پانچ نمازوں کی فرضیت کا فلسفہ۔ اس آیت میں پانچ نمازوں کی فرضیت کو مختلف اوقات سے متعلق کیا گیا ہے۔ طلوع آفتاب سے قبل نماز فجر رکھی گئی اور غروب آفتاب سے قبل نماز عصر۔ گویا فجر اس شکرانہ میں ہے کہ اللہ نے رات پوری کی اور دن چڑھایا اور عصر اس شکرانہ میں کہ دن اختتام کے قریب آیا۔ اور رات کے پہروں میں مغرب لازم ہے کہ اللہ کی رحمت سے رات شروع ہوئی پھر سونے سے قبل نماز عشاء پڑھی گئی تا کہ رات خیر سے گزرے اور بندہ اللہ کے حضور سجدہ کر کے سوئے، غافل نہ سوئے۔ اور دن کے وسط میں نماز ظہر رکھی گئی تا کہ بندہ کاروبار دنیا میں ڈوب کر اپنے خالق سے غافل نہ ہو۔

(۳) نماز میں سورہ فاتحہ کا وجوب۔ نماز کی ادائیگی کو فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے تعبیر کر کے بتایا گیا۔ اس لیے کہ نماز میں اللہ کی حمد لازم ہے جو سورہ فاتحہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی صورت میں ادا کی جاتی ہے اسی لئے حدیث میں آیا: لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ یعنی اگر اکیلا نمازی ہو تو خود پڑھے اور اگر امام کے پیچھے ہو تو اس کا امام پڑھے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَیٰوةِ

اور اس ٹھاٹھ باٹھ کی طرف نگاہیں اٹھا کر مت دیکھو جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو اس لئے نوازا ہے تا کہ ہم اس کے ذریعے

الدُّنۡیَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِیۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ﴿۱۳۱﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ

انہیں آزمائیں اور تمہارے رب کا رزق ہی بہتر اور دائمی ہے[87] اور اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دو

بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ

اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو ہم تم سے کچھ رزق نہیں مانگتے۔(بلکہ) ہم تمہیں رزق دیتے ہیں

وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰی ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا یَاۡتِیۡنَا بِاٰیَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ

اور بہتر انجام تقویٰ کے سبب سے ہے۔[88] کفار کہتے ہیں یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے نشانی کیوں نہیں لاتا۔کیا ان کے

بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۳۳﴾

پاس پہلی کتابوں میں جو کچھ ہے، اُس کا واضح بیان نہیں آ گیا۔[89]

[87] کفار مکہ کے پاس دولت کی کثرت تھی اور مسلمان اکثر غریب لوگ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مومن سے فرمایا کہ مختلف ازواج (مختلف گروہوں) کے پاس دولت کی بہتات کی طرف نظر اٹھا کر مت دیکھو یہ ان کے لئے آزمائش ہے۔وہ اسے اپنی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں جبکہ ہم نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہے اور تمہارا رب تمہیں جو رزق دے وہی بہتر ہے خواہ تھوڑا ہو۔یا یہ معنی ہے کہ جو رزق تمہیں جنت میں تمہارا رب دے گا وہ بہتر ہے اور اس کا نفع دائمی ہے اور کفار اس سے محروم ہیں۔اس آیت اور اس مفہوم کی دیگر آیات نے صحابہ میں اس قدر زہد اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دی کہ ان کی ساری توجہ دنیا سے ہٹ کر آخرت پہ لگ گئی۔

نبی اکرم ﷺ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زہد و فقر کا رقت آمیز تذکرہ

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پہ سوئے ہیں اور آپ کے بدن مبارک پہ چٹائی کے نشانات پڑ گئے ہیں۔تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔کہنے لگے:"یا رسول اللہ ﷺ قیصر و کسریٰ تو بڑی نعمتوں میں رہتے ہیں، اور آپ مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"کفار کو انکی نعمتیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔" (بخاری کتاب المظالم باب ٢٥)

اسی طرح ایک بار آپ کے جسم پہ چٹائی کے نشانات دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ حکم فرمائیں تو ہم آپ کے لیے نرم بستر بچھا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرا دنیا سے کیا واسطہ؟ میری مثال اس مسافر کی طرح ہے جس نے کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لیے آرام کیا پھر وہاں سے چل دیا۔''

(ترمذی کتاب الزہد باب ۴۴، ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو اگلے دن حسب معمول بازار میں کپڑے بیچنے نکل پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا اگر آپ کاروبار میں لگ گئے تو کار خلافت کون چلائے گا۔ آپ نے فرمایا: تو پھر اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟، چنانچہ آپ کے لیے مختصر وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ جب آپ کا وقت وصال قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میری ضروریات سے جو زائد چیزیں گھر میں ہیں وہ بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد والے خلیفہ کو دی جائیں۔ وصال کے بعد دیکھا گیا تو وہ چیزیں صرف یہ تھیں۔ ایک پیالہ، ایک خادم اور ایک بچھونا، یہ چیزیں دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے ہمیں بڑی مشقت میں ڈال دیا ہے۔'' (یعنی ہم آپ والا تقویٰ کیسے لائیں گے؟) (الریاض النضرہ جلد اول)

پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ بعد میں حضرت علی المرتضیٰ، عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا کہ ان کا وظیفہ کم اور اخراجات زیادہ ہیں۔ تو ان کا وظیفہ کچھ زائد ہونا چاہیے۔ مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ آپ سے اس بارے میں بات کرے۔ آخر آپ کی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سہارا لیا گیا تاکہ وہ بات کریں اور ہم میں سے کسی کا نام نہ لیں۔ انہوں نے جا کر بات کی تو آپ کے چہرہ پہ غصہ کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا: یہ بات تم سے کسی اور نے کہی ہوگی۔ اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا مجھے نام بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ کون ہے تو میں اس کی خبر لوں۔ اے حفصہ! مجھے بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا کیسا تھا؟ عرض کیا جو کی خشک روٹی تھی۔ کبھی کبھار ہم اس پہ ہلکا سا گھی لگا دیتے تو آپ مزے سے تناول فرماتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا اے حفصہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اچھا بستر کیسا تھا؟ عرض کیا، ایک موٹا کپڑا تھا، گرمیوں میں آپ اسے دوہرا کر کے نیچے بچھاتے تھے اور سردیوں میں اسے آدھا نیچے اور آدھا اوپر لے لیتے تھے۔ پوچھا: آپ کا سب سے عمدہ لباس کونسا تھا؟ عرض کیا: گیروی رنگ کے دو کپڑے تھے جو آپ جمعہ کے لیے یا کسی وفد کے آنے پر پہنتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حفصہ! ان لوگوں کو جا کر بتا دو جو طرز عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنایا میں بھی اسی کی اتباع کروں گا۔ ہم تین ساتھی تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی پہ چلے اور آپ کے ساتھ جا ملے۔ اگر میں بھی انہی کا طریقہ اپناؤں گا تو انہی کے ساتھ جا ملوں گا۔ ورنہ ان سے کبھی نہ مل سکوں گا (الریاض النضرہ جلد اول احوال عمر فاروق رضی اللہ عنہ) پھر واقعۃً اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر

صدیق کے ساتھ ملا دیا۔

[88] اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حکم فرما رہا ہے کہ خود نمازی بننے کے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں اور جب وہ دس برس کے ہوں تو ترکِ نماز پہ انہیں سزا دو۔'' (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے یعنی تم سے یہ نہیں کہتے کہ اپنا رزق خود پیدا کرو بلکہ ہم تمہارے رزق کے کفیل ہیں لہٰذا تلاشِ رزق کی وجہ سے نماز ترک نہ کرو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہتر انجام تقویٰ کے ساتھ ہے یعنی تلاشِ رزق میں تقویٰ سے کام لینا چاہیے حرام کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے اور رزق کی وجہ سے نماز سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

[89] کفارِ مکہ کہتے تھے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے عصا سانپ بنا۔ صالح علیہ السلام کے لئے پہاڑ سے اونٹنی پیدا کی گئی اور دیگر انبیاء کو عظیم معجزات دیئے گئے ایسا کوئی معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں نہیں دکھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کیا کفار یہ معجزہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کی صورت میں ان کے پاس پہلی کتابوں کی تفصیل آ گئی ہے یعنی ایسے شخص نے قرآن پیش کیا جس نے بظاہر کوئی کتاب نہیں پڑھی قلم کو ہاتھ تک نہیں لگایا مگر قرآن نے وہ پیش کیا جو تمام گزشتہ آسمانی کتابوں کے علوم کا جامع ہے گویا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ''کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کتاب اتاری ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔'' (عنکبوت:۵۱) اس کا یہ معنی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف قرآن ہی کا معجزہ دیا گیا۔ آپ کے معجزات تو شمار میں نہیں آتے۔ قرآنِ مجید تو بطورِ مثال پیش کیا گیا۔ کیونکہ وہ آپ کا سب سے بڑا اور لازوال معجزہ ہے۔

وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا

اور اگر ہم انہیں اس سے قبل ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا۔

رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ

تا کہ ہم تیری آیات کی اتباع کرتے اس سے قبل کہ ہم ذلیل و رسوا ہوں؟ [90] آپ فرمادیں ہر کوئی منتظر ہے

فَتَرَبَّصُوۡا ۚ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ کون سیدھے راستہ والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہے۔ [91]

ع ۸ ۱۷

[90] یعنی کفارِ عرب کے اعمال تو شروع سے عذاب کے لائق تھے جیسے کفر و شرک، اللہ کے لئے اولاد ماننا، کعبہ کا

برہنہ طواف کرنا اور بچیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ مگر اللہ نے چاہا کہ پہلے ان کے پاس رسول بھیجے جو انہیں راہِ ہدایت دکھائے، پھر ان کو دنیا یا آخرت میں مبتلائے عذاب کرے۔ اگر وہ انہیں رسول کے بھیجنے سے قبل ہلاک کر دیتا تو روزِ قیامت وہ کہتے اے اللہ! تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم عذاب کی ذلت سے بچ جاتے۔ یعنی فرمایا گیا کہ اے کفار! تمہارے پاس رسول آ گیا ہے جس نے راہِ ہدایت واضح کر دی ہے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا اور عقل مندی یہی ہے کہ ایمان لے آؤ۔

[91] اگر کوئی اس کے باوجود ایمان نہیں لاتا تو وہ انتظار کرے کیونکہ ہر کوئی موت یا آخرت کا منتظر ہے پھر تم کو خوب علم ہو جائے گا سیدھا راستہ کون سا ہے اور اس پر چلنے والا کون ہے۔

میں بہت مسرت سے لکھ رہا ہوں کہ آج 7 ذی الحجہ 1428ھ (16 دسمبر 2007ء) ہے اور میں مکہ مکرمہ میں موجود ہوں رات کا پہر ہے تھوڑی دیر بعد ہم حج کا احرام باندھ کر منیٰ کی طرف روانہ ہونے والے ہیں ان شاء اللہ وہاں بھی تحریر کا سلسلہ جاری رہے گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ اللہ رب العزت اس تحریر کو قبول فرمائے اسے ہمیشہ نافع بنائے اور یہ میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ خیر خلقہٖ محمد و اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

سورہ انبیاء

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قران کریم کی 21ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 73ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے اس میں سات رکوعات، ایک سو بارہ (112) آیات، ایک ہزار ایک سو اڑسٹھ (1168) کلمات اور چار ہزار آٹھ سو نوے (4890) حروف ہیں۔

فضیلت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورہ بنی اسرائیل سے سورہ انبیاء تک یہ سورتیں آغازِ اسلام میں اُتریں اور یہ میرا پرانہ اثاثہ ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ انبیاء) حضرت عامر بن ربیعہ (صحابی رسول) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورہ انبیاء نے ہمیں ساری دنیا کی نعمتوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۱۵ بروایت ابن مردویہ وابونعیم وابن عساکر)

مضامین اور وجہ تسمیہ

اسے سورہ انبیاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اٹھارہ انبیاء کرام کا ذکر ہے۔ ابتداء میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید، قیامت کے اثبات، اطاعت گزاروں کے لیے انعامات اور منکرین کے لیے عذابات کا ذکر فرمایا ہے اور انسان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ اس کے بعد انبیائے کرام کا ذکرِ خیر شروع ہوا ہے۔ جیسے موسیٰ، ہارون، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سورت میں اثباتِ قیامت، فکرِ آخرت، مقامِ نبوت، عظمتِ الوہیت، ردِ شرک، اثباتِ توحید، تذکرۂ انبیاء سابقین ودیگر اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ طٰہٰ ہے۔ اس میں زیادہ تر موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے۔ جبکہ سورۂ انبیاء میں اس سلسلہ کو مزید کثیر انبیاء تک پھیلا دیا گیا اور یہ سورہ کہف، سورہ مریم اور سورہ انبیاء سب مکی ہیں اور عموماً مکی سورتوں میں انبیاء سابقین کا ذکرِ خیر

مدنی سورتوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مکہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی مکہ مکرمہ ہی میں گزاری ہے۔آپ حصول علم کے لیے کہیں نہیں نکلے۔صرف ایک دو بار چند دن کے لیے تجارت کا سفر کیا جو دوسرے قریشِ مکہ بھی کرتے تھے۔پھر آپ کو انبیاء سابقین کے احوال اور ان کی تعلیمات و مسائی دینیہ کا اس قدر تفصیلی علم کیسے حاصل ہوا؟ یقیناً یہ وحیِ الٰہی کا فیضان ہے۔یہ سبب تھا جس کے لیے مکی سورتوں میں انبیاء سابقین کا ذکر خیر زیادہ لایا گیا۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ١١٢ ٧٣ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ٢١ رکوعاتها ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

لوگوں کے لئے ان کا روزِ حساب قریب آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔[1] ان کے پاس ان کے

ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ

رب کی طرف سے جو بھی نیا ذکر آتا ہے تو اسے کھیلتے ہوئے ہی سنتے ہیں ان کے دل غافل ہیں۔[2]

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

اور ظلم کرنے والے باہم سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ شخص تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ

تو کیا تم جادو پر ایمان لاؤ گے اور دیکھتے بھی ہو؟[3] نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میرا رب آسمان اور زمین میں

وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

ہر بات جانتا ہے اور وہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔[4]

قرآن اور رسولِ رحمٰن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کفار کی بدگمانیوں کی تردید

[1] یعنی قیامت قریب آ گئی ہے اور لوگ اللہ کی نافرمانی میں پڑے ہوئے ہیں بعض کفر میں مبتلا ہیں اور بعض ایمان لانے کے باوجود بدعملی کا شکار ہیں۔ قیامت کا قریب آ جانا قرآن میں یوں بھی مذکور ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① ''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند پھٹ گیا۔'' (قمر:١) قیامت کے قریب آ جانے کا ایک معنی یہ ہے کہ موت قریب ہے کیونکہ موت قیامت کا دروازہ ہے جسے موت آ گئی گویا اس پر قیامت قائم ہوگئی۔ تو گویا موت کا آنا قیامت کا

آنا ہے۔دوسرا معنی یہ ہے کہ دنیا کا زیادہ زمانہ گزر چکا ہے اور تھوڑا رہ گیا ہے جب یہ ختم ہو جائے گا تو قیامت آ جائے گی۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پہلی امتوں کے وقت کے مقابلے میں تمہارا وقت اتنا ہے جتنا نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حقیقتِ دنیا وفکرِ آخرت

جب قیامت قریب ہے تو ہر انسان کو اس کی تیاری کی فکر کرنی چاہئے۔اس آیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس قدر اثر کیا کہ مروی ہے ایک صحابی دیوار بنا رہے تھے۔ دوسرے صحابی اُن کے قریب سے گزرے تو دیوار بنانے والے نے پوچھا آج قرآن مجید میں کیا نازل ہوا ہے؟ اس نے اسے یہ آیت سنائی۔اسے سنتے ہی اس صحابی رسول نے دیوار وہیں چھوڑ دی اور کہا جب روز حساب قریب آ گیا ہے تو ہمیں اس کی تیاری کرنی چاہئے۔ (قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۳) اور حساب کی تیاری یہ ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے جو حقوق ہم نے ضائع کئے ہیں ان کی بجا آوری کی فکر کی جائے۔
اور ابھی آپ نے پڑھا کہ قیامت کا قریب آنا اس معنی میں بھی ہے کہ موت قیامت کا دروازہ ہے، اور موت قریب ہے کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ مگر افسوس انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دنیوی خواہشات اسی قدر جوان ہو جاتی ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں جوان رہتا ہے۔'' حب الدنیا وطول الامل، ''دنیا کی محبت اور لمبی امید۔'' (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۲۰)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''یکبر ابن آدم ویکبر معه اثنتان حب المال وطول العمر۔ ''انسان بڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں بڑھ جاتی ہیں حب مال اور لمبی زندگی کی خواہش۔'' (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۲۱)
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: دنیا جا رہی ہے اور آخرت آ رہی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں (چاہنے والے ہیں) تو تم ابنائے آخرت بنو، ابنائے دنیا نہ بنو۔ کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں۔ کل حساب ہو گا عمل نہیں ہو گا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کندھے سے پکڑ کر فرمایا: کن فی الدنیا کأنك غریب او عابر سبیل۔ ''دنیا میں ایسے رہو جیسے غریب الوطن ہو یا مسافر۔'' (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۶۴۱۶)

ختمِ نبوت

قیامت کے قریب آنے میں یہ اشارہ ہے کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت ہی آئے گی کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ ''مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۹) یعنی جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان تیسری انگلی نہیں

یونہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا مجھے قیامت ہی میں بھیجا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب الفتن باب ۳۹) اس کی مزید وضاحت میری کتاب ''دلائل ختم نبوت مع ردقادیانیت'' (مطبوعہ: مکتبہ برہان القرآن، لاہور) میں ہے۔

[2] مطلب یہ کہ کفار پر جب بھی کوئی نئی نازل شدہ آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ انہیں سنجیدگی سے سننے کی بجائے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔ ان کے دل غافل ہیں کہ ان میں قرآن کا ادب واحترام نہیں۔
معلوم ہوا قرآن کو غفلت سے سننا کفار کا طریقہ ہے مومن قرآن کو کھیلتے ہوئے نہیں سنتا بلکہ کامل توجہ وانہماک اور خاموشی سے سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (اعراف: ۲۰۴) اسی لئے شرعی حکم ہے کہ جب لوگ بازار میں اپنے دنیوی معمولات اور کاروبار میں مصروف ہوں اور قرآن کی طرف متوجہ نہ ہوں ایسے میں بلند آواز سے تلاوت نہیں کرنی چاہئے تاکہ لوگ گنہگار نہ ہوں اور قرآن کی بے ادبی لازم نہ آئے۔

[3] کفار حضور ﷺ سے قرآن سن کر باہم سرگوشی میں کہتے تھے یہ شخص تمہارے ہی جیسا بشر ہے یعنی تمہاری طرح کھاتا، پیتا، شادی بیاہ کرتا اور بازاروں میں گھومتا ہے۔ اس میں اور تم میں کیا فرق ہے؟ ہاں یہ ایک کلام پڑھتا ہے جو ہمیں جادو منتر لگتا ہے کیونکہ وہ جادو کی طرح سننے والوں پر اثر کرتا ہے۔ تو کیا تم جادو پر ایمان لے آؤ گے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور تم دیکھتے بھی ہو؟ معلوم ہوا حضور ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے اور اس میں سوئے ادب ہے۔ مومنوں کو کفار کا طریقہ نہیں اپنانا چاہئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی حضور ﷺ کو اس طرح نہ پکارا تھا۔

[4] یعنی اللہ رب العزت کفار کی ان گستاخانہ سرگوشیوں سے واقف ہے کیونکہ وہ آسمان وزمین میں ہونے والے ہر قول سے واقف ہے کہ وہ سمیع وعلیم ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ

بلکہ انہوں نے کہا یہ پریشان خوابیں ہیں بلکہ یہ اسی نے گھڑا ہے، بلکہ وہ شاعر ہے تو وہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے

اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ

رسولوں کو (نشانیوں کے ساتھ) بھیجا گیا۔ان سے قبل ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی وہ ایمان نہ لائی تھی تو کیا یہ لوگ

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ

ایمان لائیں گے۔[5] اور ہم نے آپ (ﷺ) سے قبل مرد رسول ہی بھیجے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔تو تم ذکر

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ

والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔[6] اور ہم نے ان (انبیاء) کو بے جان جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا

الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ

نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔[7] پھر ہم نے ان سے وعدہ پورا کیا تو انہیں اور (ان کے ساتھ)

نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ

جن کو چاہا بچا لیا اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری جس میں تمہارے لئے ذکر ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۧ

تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔[8]

ع ١

[5] کفار نے اپنی سرگوشیوں میں قرآن کے بارے میں کہا کہ یہ جادو منتر ہی ہے بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہے (معاذ اللہ) یہ پریشان خوابوں جیسے بے معنی خیالات کا مجموعہ ہے۔ یہ کہہ کر کفار کو خود احساس ہوا کہ وہ غلط کہہ رہے ہیں کیونکہ پریشان خوابوں کا تو کوئی معنی نہیں ہوتا جبکہ قرآن تو گہری حقیقتوں سے پردہ اٹھاتا ہے اس کی ہر بات دانائی سے معمور ہے تو وہ کہنے لگے: نہیں بلکہ محمد (ﷺ) نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ معاذ اللہ پھر وہ کہنے لگے: نہیں! یہ بات بھی نہیں بلکہ وہ ایک شاعر ہے اور قرآن اشعار کا مجموعہ ہے۔ یعنی جس طرح بے بنیاد تصورات کو شاعرانہ مبالغہ آمیزی سے خوش نما کر کے پیش کیا جاتا ہے اسی طرح قرآن میں توحید و رسالت اور آخرت

جیسے باطل خیالات کو شاعرانہ انداز میں خوش نما کر کے پیش کیا گیا ہے۔(معاذ اللہ)

آخر میں کفار نے کہا: اس شخص (محمد عربی ﷺ) کو پہلے رسولوں جیسا کوئی معجزہ لانا چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''ہم نے اس سے قبل جن بستیوں کو ہلاک کیا ان کا یہی قصور تھا کہ جب ہم نے انہیں ان کے منہ مانگے نشانات ومعجزات پیش کر دیئے تو وہ پھر بھی ایمان نہ لائے نتیجتاً ہلاک کر دیئے گئے تو کیا کفار مکہ ایمان لے آئیں گے؟ ہرگز نہیں۔یعنی الثانیہ ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے رحمت والے رسول ﷺ کے دامنِ رحمة للعالمینی پر ان کی ہلاکت کا دھبہ آئے۔گویا آپ کی رحمت سے کفار کو بھی حصہ ملا کہ وہ دنیوی عذاب سے بچ گئے۔

[6] کفار مکہ کو یہ الجھن بھی تھی کہ ایک انسان کیسے رسول بن گیا وہ تو کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا اسی لئے ابھی پیچھے آیت ۳ میں گزرا کہ وہ بطورِ طعن کہتے تھے: هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۚ کہ یہ شخص تو تمہارے ہی جیسا بشر ہے یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ''اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول بھیجے وہ سب انسان اور مرد تھے یعنی کوئی فرشتہ رسول بنا کر انسانوں کے پاس کبھی نہیں بھیجا گیا۔اے کفار مکہ! اگر تم اس حقیقت سے ناواقف ہو تو اہلِ ذکر یعنی اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ان کے پاس تمام گزشتہ انبیاء کا ریکارڈ ہے۔

عورت شرعاً نبی، حاکم یا پیش امام نہیں ہو سکتی

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا سے معلوم ہوا کہ عورت صاحب نبوت نہیں ہو سکتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مردوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر وعظ کہنا اور شمعِ محفل بننا اللہ کو پسند نہیں یہ اس کی پردہ داری کے خلاف ہے۔تو اسی بنیاد پہ اس کا حاکم بننا بھی جائز نہیں کیونکہ اگر عورت حاکم ہو گی تو اس کو بھی ہر وقت مردوں کے جھرمٹ میں رہنا پڑے گا۔اسی لئے حدیث میں واضح آیا کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأة۔ ''وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہو گی جس نے اپنی امارت (حکومت) عورت کے ہاتھ دے دی۔'' (بخاری کتاب المغازی باب ۸۲، کتاب الفتن باب ۱۸۔ترمذی کتاب الفتن باب ۷۵۔مسند احمد ۵ صفحہ ۴۳)

اور اسی لئے عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں بن سکتی کاش آج کے سیاسی مسلمان یہ نقطہ سمجھیں۔

جوازِ تقلید شخصی

اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ سے معلوم ہوا جسے دین کا علم نہیں وہ علم والے سے پوچھے۔اس سے تقلیدِ شخصی کا جواز معلوم ہوا۔ہر مسلمان قرآن وحدیث سے احکامِ شرع کا استنباط نہیں کر سکتا تو اسے کسی فقیہ ومجتہد کے پیچھے چلنا پڑے گا اور صحابہ کرام بھی اپنے میں سے چند مجتہد افراد کی تقلید کرتے تھے۔

اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا۔انہوں نے مسئلہ بتایا۔اہل مدینہ نے کہا:

لا نأخذ بقولك وندع قول زيد۔ ہم آپ کی وجہ سے زید بن ثابت کا قول نہیں چھوڑ سکتے۔ (بخاری کتاب الحج، باب ۱۴۵، عورت کا طواف زیارت کے بعد حائضہ ہونا) گویا اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شخصی تقلید کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک فتویٰ دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے مختلف فتوی دیا جسے سن کر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے جب تک تم میں یہ تبحر عالم موجود ہے مجھ سے فتوی نہ لیا کرو۔ (بخاری کتاب الفرائض باب ۸، موطأ امام مالک کتاب الرضاع باب ۱۵، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴۶۴)

یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصی تقلید کی تاکید کی۔ پھر بعد کے ادوار میں چار مکاتبِ فقہ معرضِ وجود میں آ گئے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور امت کا اتفاق و اجماع قرار پایا کہ ان کے سوا کسی پانچویں فقہی مکتب کی پیروی نہ کی جائے۔ کیونکہ باقی مکاتب فقہ میں قرآن وسنت کی پیروی کم اور ہوائے نفس زیادہ ہے۔

اس کی ایک مثال فقہ جعفری ہے جس کو اہلِ تشیع نے اپنایا ہے۔ اس فقہ کی بنیاد ان جھوٹی روایات پہ ہے جو شیعہ راویوں نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دی ہیں جن میں انہوں نے جھوٹ اور افتراء کے انبار کھڑے کر دیے ہیں۔ قرآن کو محرف قرار دیا ہے۔ ائمہ اہل بیت کو تمام انبیاء ورسل سے افضل بنا دیا ہے اور ہر نماز کے بعد خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کو (معاذ اللہ) لعنت کرنا باعثِ ثواب بتایا ہے۔ یہ فقہ نہیں بلکہ تفرقہ ہے۔ استدلال نہیں استضلال ہے۔ الغرض ایمان وعمل کی سلامتی صرف چار مکاتب فقہ کی اتباع میں ہے۔

اس مسئلہ پر ہم پیچھے سورہ نحل آیت ۴۳ کے تحت بھی مفصل روشنی ڈال چکے ہیں۔ وہاں بھی دیکھ لیں۔

[7] یہ بھی کفار کے اس شبہ کا جواب ہے کہ یہ شخص (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرح کھاتا پیتا انسان ہے یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پہلے انبیاء کرام بھی کوئی بے روح جسم نہ تھے کہ کھاتے پیتے نہ ہوں۔ ان کے ساتھ بھی تمام لوازم بشریہ تھے جیسے بھوک پیاس، نیند وغیرہ۔ اور دیگر انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اگر وہ فرشتے ہوتے تو انہیں موت نہ آتی۔

وفاتِ مسیح پر مرزائیوں کے غلط استدلال کا جواب

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ سے مرزا محمود پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تفسیر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سمیت سب انبیاء فوت ہو چکے ہیں یعنی کوئی نبی دنیا میں ہمیشہ رہنے والا نہ تھا۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے اب تک موجود ہیں؟ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۸۶ مطبوعہ لندن) مگر یہ غلط استدلال ہے کیونکہ یہ آیت اکثر انبیاء کے اعتبار سے ہے عیسیٰ علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ''یہود نے یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔'' (نساء: ۱۵۸)

اور حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا کہ "عنقریب تم میں عیسیٰ ابن مریم اتریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ اٹھا دیں گے اور اتنا مال بہائیں گے کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا۔" (بخاری کتاب البیوع باب ۱۰۲، مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۴۲، ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۳۳، ترمذی کتاب الفتن باب ۵۴، ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

دوسرا جواب یہ ہے کہ مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ کا معنی یہ ہے کہ کوئی نبی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی حدیث کے مطابق قرب قیامت میں نزول کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے ساتھ قبر میں دفن کئے جائیں گے۔ میں نے اس موضوع پر "حیاتِ مسیح ابن مریم" کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے جو ابھی طبع نہیں ہوسکی۔ مگر عنقریب طبع ہوگی۔

[8] یعنی انبیاء کرام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ دین کے دشمنوں کو ہلاک کر کے دین کو غالب کیا جائے گا وہ اللہ نے پورا فرمایا۔ اسی طرح اے امت محمدیہ! تمہاری طرف ہم نے کتاب اتاری ہے اس میں تمہارے لئے نصیحت ہے تو تم عقل سے کام لے کر اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کردیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد دوسرے لوگ پیدا کردیئے۔ [9]

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى

چنانچہ جب انہیں ہمارے عذاب کا احساس ہوا تو وہ وہاں سے بھاگنے لگے۔ (حکم ہوا) بھاگو نہیں،

مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا

اپنی آرائش گاہوں اور گھروں کی طرف لوٹ آؤ تاکہ تم سے پوچھا جائے۔ کہنے لگے ہائے ہماری ہلاکت، بیشک ہم ہی

ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮

ظالم تھے۔ تو ان کی یہی چیخ و پکار رہی، یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹا ہوا بجھا ہوا کر کے رکھ دیا۔ [10]

گزشتہ اسلام دشمن قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑنے کی دعوت

[9] گزشتہ آیات میں انبیاء سابقین کا ذکر ہو رہا تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جن قوموں میں ہم نے انبیاء کرام بھیجے جب انہوں نے انبیاء کی دعوت ٹھکرا دی اور کفر و شرک جیسے ظلم کا طریقہ اپنایا اور اہل اسلام پر چیرہ دستی شروع کی تو ہم نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا اور ہم ان کی جگہ دوسری قومیں لے آئے۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے

آیا ہے اسے مٹانے والے خود مٹ جاتے ہیں۔ اس میں موجودہ اسلام دشمن مغربی طاقتوں کے لئے بھی درس عبرت ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر — ذکر اونچا ہے تیرا بول ہے بالا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھاتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

دیکھئے تاتاری قوم اسلام کو مٹانے نکلی تو خود دامن اسلام میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ فتنہ باطنیت اٹھا تو اپنی موت آپ مرگیا۔ دینِ اکبری کا فتنہ اٹھا اور ایک مردِ درویش مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ٹھوکر سے پاش پاش ہو گیا۔ پھر اشتراکیت کا سرخ عفریت پیدا ہوا جس نے کئی مسلم ریاستوں کا اسلامی تشخص ختم کر دیا مگر جلد ہی اس کی قوت کے ٹکڑے ہو گئے۔ اب یہود کے اشارے پر امریکہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے نکلا ہے مگر اللہ رب العزت کی پکڑ میں دیر نہیں ہے۔

[10] جب گزشتہ اسلام دشمن قوموں پر عذاب آتا تھا تو وہ اسے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کرتے تب انہیں کہا جاتا کہ اب بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی آرائش گاہوں میں جہاں اللہ نے تمہیں نعمتیں دے رکھی تھیں، بیٹھے رہو۔ فرشتوں کی یہ پکار سن کر وہ کہتے ہائے ہلاکت ہم ہی نے خود پر ظلم کیا مگر اس وقت ان کا یہ اعترافِ جرم ان کے کام نہ آتا اور اللہ کا عذاب انہیں کٹے ہوئے کھلیان اور بجھے ہوئے کوئلے بنا کر رکھ دیتا۔ کیونکہ عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا اسی لئے فرشتہ موت کے دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا قابلِ قبول نہیں۔ جیسا کہ فرعون کا ایمان بوقتِ موت قبول نہ کیا گیا۔ کیونکہ وہ ایمان بالغیب نہیں ہے۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ﴿۱۶﴾ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نَّـتَّخِذَ

اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے بطورِ کھیل تماشا نہیں بنایا۔ اگر ہم کوئی کھیل

لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ‌ۖ اِنۡ كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَـقِّ عَلَى

بنانا چاہتے تو اپنی طرف سے بنا لیتے۔اگر ہم نے ایسا کرنا ہوتا۔[11] بلکہ ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں

الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ‌ ؕ وَلَـكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ

تو وہ اس کا دماغ توڑ کر رکھ دیتا ہے اور وہ مٹ کر رہ جاتا ہے اور جو کچھ تم بتاتے ہو اس کی وجہ سے تمہارے لئے ہلاکت ہے۔[12] اور آسمانوں

مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ

اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

وَلَا يَسۡتَحۡسِرُوۡنَ‌ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوۡنَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾

اور نہ اس سے تھکتے ہیں۔ وہ رات دن اللہ کی تسبیح کہتے ہیں۔ اور رکتے نہیں۔[13]

[11] کفار مکہ قیامت سے منکر تھے اور آج بھی انسانوں کی بڑی آبادی اس سے منکر ہے۔ وہ کہتے ہیں بس یہی دنیوی زندگی ہے ہم زندہ ہوتے اور مرجاتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (جاثیہ:۲۴) اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہم نے یہ کائنات ارضی وسماوی بے مقصد اور محض کھیل کے طور پر نہیں بنائی۔ اگر ہم نے کھیل بنانا ہوتا تو اپنی طرف سے بنا لیتے۔ اس کے لئے اربوں انسانوں کے بنانے اور ان کی جانوں سے کھیلنے کی ضرورت نہ تھی۔ یعنی کائنات ارضی وسماوی کا ایک مقصد ہے وہ یہ کہ جب اللہ نے اشرف المخلوقات انسان کو بنانا چاہا تاکہ وہ اللہ کی ایسی عبادت کرے جو کوئی دوسری مخلوق نہیں کر سکتی تو انسان کے لئے زمین کا بچھونا، آسمان کا چھت اور شمس وقمر کی قندیلیں سجائی گئیں اور بارشیں برسا کر اس کے لئے زمین سے اناج اُگایا گیا اور اس کی خدمت کے لئے فرشتے اور دیگر مخلوقات پیدا کی گئیں۔ جیسے اللہ فرماتا ہے: الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّـكُمۡ‌ۚ (بقرہ:۲۲)

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کوئی چیز بیکار نہیں بنائی

اس جگہ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین میں کوئی چیز بیکار نہیں بنائی ہر چیز اپنے

اندر کئی مقاصد اور حکمتیں رکھتی ہے خواہ ہم اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ حتیٰ کہ کیڑوں مکوڑوں اور حشرات الارض کا بھی کوئی مقصد ہے۔ ایک اخبار میں کسی امریکی ریاست کی خبر چھپی تھی کہ وہاں کسان چڑیوں سے بہت تنگ تھے کہ وہ فصلوں کے دانے کھا جاتی ہیں۔ گورنمنٹ نے ان کی شکایت پہ ایک سخت سپرے کر کے چڑیاں ختم کر دیں۔ کچھ عرصہ بعد کسانوں کو احساس ہوا کہ فصلوں میں کیڑے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ چڑیاں کیڑے کھا جاتی تھیں جب چڑیاں نہ رہیں تو کیڑے بہت بڑھ گئے۔ تب گورنمنٹ کو کوشش کر کے دوبارہ چڑیوں کی افزائشِ نسل کرنا پڑی۔ گویا اللہ رب العزت نے ہر چیز کو توازن (Balance) کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔

[12] یعنی جب بھی باطل حق کے مقابلہ میں آتا ہے تا کہ اسے مٹا دے تو اللہ باطل کے سر پر حق کی ایسی ضرب لگاتا ہے کہ اس کا دماغ توڑ کر رکھ دیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے باطل مٹ جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱) بڑے بڑے فرعون و نمرود حق کے مقابلہ میں آئے اور یوں مٹ گئے کہ کوئی ان کا نام لینے والا باقی نہیں رہا مگر دین زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہے گا اور تعجب ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں کے باوجود اسلام پھیل رہا ہے اور اللہ کفار میں سے اسلام کے محافظین پیدا فرما رہا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے کفار! تم اللہ کے لئے جو کچھ بتاتے ہو کہ اس کی اولاد ہے اور اس کے شریک ہیں اس کی وجہ سے تمہارے لئے ہلاکت ہے۔

ردِّ شرک اور اثباتِ توحید کا بیان

[13] کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے تھے وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ جب آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو اسے اولاد پکڑنے کی کیا ضرورت ہے اور اللہ کے پاس جو ہر وقت حاضر رہنے والی مخلوق ہے یعنی فرشتے وہ اللہ کی عبادت سے خود کو بڑا نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو عبادت سے تھکتے ہی نہیں۔ صبح و شام یعنی ہر وقت اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور کبھی وقفہ نہیں کرتے۔ یہ باتیں اس لئے کہی گئی ہیں کہ کفار فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دے کر انہیں لائق عبادت کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتے تو خود ہر لمحہ مصروف عبادت ہیں وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتے ہیں؟ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ ''نہ ہی عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی عبادت سے کوئی عار رکھتے ہیں اور نہ ہی مقربین فرشتے۔'' (نساء، ۱۷۲)

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میں سنتا ہوں کیا تم سن رہے ہو؟ صحابہ نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا: میں آسمان کے چڑ چڑانے کی آواز سن رہا ہوں اور اسے چڑ چڑانا چاہیے۔ کیونکہ اس میں ایک بالشت بھی ایسی جگہ خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں اللہ کا ذکر نہیں کر رہا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۴)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يُسَبِّحُوۡنَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾

کہ فرشتے صبح وشام اللہ کی تسبیح کہتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ تو پھر وہ کلام، پیغام رسانی اور دوسرے کام کیسے کر لیتے ہیں؟
حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: تسبیح ان کے لیے ایسے ہے جیسے ہم سانس لیتے ہیں۔ انہیں تسبیح سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔
(تفسیر ابن کثیر حوالہ مذکورہ)

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

کیا کفار نے زمین میں ایسے خدا بنا لیے ہیں جو (اللہ کی طرح) تخلیق کرتے ہیں؟ [14] اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا

کئی خدا ہوتے تو یہ دونوں ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ [15] تو کفار جو بتاتے ہیں اللہ رب العرش اس سے پاک ہے۔

يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا

وہ جو بھی کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا اور دوسروں سے پوچھا جائے گا۔ [16] کیا انہوں نے اللہ کے سوا خدا بنا لئے؟ آپ فرمائیں

بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

کہ اپنی دلیل لاؤ۔ یہ (قرآن) میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے اور مجھ سے پہلوں کا ذکر ہے۔ [17] بلکہ ان میں سے

يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

اکثر حق جانتے ہی نہیں تو وہ منہ ہی پھیرنے والے ہیں اور ہم نے آپ سے قبل جو رسول بھی بھیجا اسے ہم یہی وحی کرتے تھے

اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ [18]

[14] اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ یعنی جن چیزوں کو کفار نے معبود مان لیا ہے کیا وہ اللہ کی طرح کوئی چیز پیدا کرتی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر انہیں ان کی معبودیت کا وہم کیوں ہو گیا؟

[15] اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین وآسمان ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ یاد رہے کسی ملک میں دو حاکم یوں نہیں چل سکتے کہ دونوں کا اختیار برابر ہو ورنہ اس ملک کے ٹکڑے ہو جائیں گے، کسی فوج کے دو جرنیل ایک جیسے اختیار کے مالک نہیں ہو سکتے ورنہ وہ فوج آپس میں لڑ کر مر جائے گی۔ اسی طرح کسی محکمہ کے دو سربراہان اعلیٰ یکساں اختیارات کے مالک نہیں ہو سکتے ورنہ وہ محکمہ تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ یہی حال نظامِ کائنات کا ہے اگر ایک سے زائد خدا

ہوتے تو کائنات درہم برہم ہو جاتی۔ ایک خدا کہتا سورج صبح آٹھ بجے نکلنا چاہئے تا کہ لوگ نیند پوری کر لیں دوسرا کہتا نہیں چھ بجے نکلنا چاہئے تا کہ لوگ زیادہ کام کر سکیں یوں دونوں خدا لڑ پڑتے اور سورج کے ٹکڑے کر دیتے ایک چھ بجے نکلتا دوسرا آٹھ بجے پھر ہر خدا دوسرے خدا کا ٹکڑا نکلنے سے روکتا۔ اسی طرح ایک خدا کہتا کہ آج دھوپ نکلے دوسرا کہتا آج بارش ہو یہ جھگڑا اتنا طول پکڑتا کہ نہ زمین رہتی نہ آسمان۔ اگر سوال کیا جائے کہ ممکن تھا دونوں خدا آپس میں مصالحت (Compromise) کر لیتے اور مل کر ایک نظام چلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر دونوں ایک دوسرے کے خوف سے نظام کے پابند رہتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ خوف زدہ ہو کر نظام کا پابند ہو اس کی شان یہ ہے: یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ ''وہ جو چاہے کرتا ہے وہ مختار ہے۔'' (قصص:٦٨)

[16] یعنی اللہ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اس نے یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا اس کے سوا ہر چیز اس کے آگے جواب دہ ہے۔ لہٰذا دو خدا ہونے کا امکان ہی نہیں۔

اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں

لَا یُسْئَلُ عَمَّا سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے معتزلہ سمجھتے تھے کہ اللہ پر صالحین کو جنت میں اور فاسقین کو دوزخ میں بھیجنا واجب ہے ورنہ وہ ظالم ٹھہرے گا مگر یہ آیت ان کا رد کر رہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ ''وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، وہ مختار ہے۔'' (قصص، ٦٨) اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے: فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۟ ''وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔'' (بروج، ١٦) چنانچہ ''الحدیقۃ الندیہ مع الطریقۃ المحمدیہ'' میں ہے۔

اللہ تعالیٰ پہ کوئی ثواب و عقاب لازم نہیں ہے۔ وہ فاعل عادل مختار ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اصفہانی کی شرح ''الطوالع'' میں ہے: ہمارے اصحاب (اہل سنت) کہتے ہیں: عبادت پہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور گناہ پہ سزا اسکا عدل اور اللہ پہ ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں۔ (الحدیقۃ الندیہ جلد اول صفحہ ٢٤٩ مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر اعتراض جائز نہیں

بندے پر لازم ہے کہ اللہ کا حکم مانے اعتراض نہ کرے خواہ اس کی سمجھ میں وہ بات آئے یا نہ آئے۔ کیونکہ اس کی شان ہے: لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ، یعنی بندے کی شان نہیں کہ مولیٰ سے پوچھے تو نے ایسا کیا کیا یا کیوں کہا؟ اس کا کام یہ ہے کہ مولیٰ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دے۔

[17] یعنی اے پیارے رسول! آپ فرمائیں کہ اللہ کے سوا دوسرے خدا بنانے والوں کے پاس کیا دلیل ہے؟ رہی اللہ کی توحید پر دلیل تو وہ قرآن ہے جو میرے ساتھیوں کا بھی ذکر ہے اور پہلے لوگوں کا بھی۔ یعنی اس میں موجود زمانے

والوں کو بھی درسِ توحید دیا گیا ہے اور پہلے انبیاء کی تعلیمات بھی یہی بتائی گئی ہیں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو مگر چونکہ اکثر لوگ انبیاء کی تعلیمات پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا اعراض ہی کرتے ہیں۔

[18] ہر نبی کو یہی وحی کی گئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ تورات وانجیل میں ہزار ہا تحریفات کے باوجود آج بھی درسِ توحید والی آیات موجود ہیں۔ تورات میں ہے: خداوند ہی خدا ہے اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ (تورات کتاب الاستثناء باب ۱۴ آیت ۳۵) اوپر آسمان میں نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے دوسرا کوئی نہیں۔ (تورات کتاب الاستثناء باب ۱۵ آیت ۷) اور انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اے اسرائیل سن! ہمارا خداوند ایک ہی خداوند ہے اور اپنے خداوند سے ساری عقل سارے دل اور ساری جان سے محبت رکھو۔ (انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۳۰) معلوم ہوا ہر نبی کی جملہ تعلیمات کا محور درسِ توحید ہی تھا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

کفار نے کہا رحمان نے اولاد بنا رکھی ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ فرشتے معزز بندے ہیں۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

بات نہیں کر سکتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ انکے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ

اور وہ اسی کے لئے سفارش کرتے ہیں جسکے لئے وہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے سہمے رہتے ہیں۔ [19] اور جو ان میں سے

مِنْهُمْ اِنِّىْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

یہ کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے یہی جہنم کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ [20]

[19] فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ماننے کے رد میں فرمایا جارہا ہے کہ فرشتے اللہ کے معزز بندے ہیں اللہ نے انہیں عزت دی کہ ہر گناہ سے محفوظ کر دیا مگر وہ حکم الٰہی کے پابند ہیں اس کے کسی حکم پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے بلکہ بے چوں وچرا اس کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمام گزشتہ وآئندہ احوال واعمال سے واقف ہے۔ لہٰذا وہ معبود نہیں ہو سکتے۔ وہ اللہ کے ہاں اسی شخص کے بارے میں شفاعت کر سکتے ہیں جس کے لئے اللہ کی طرف سے اجازت ہو اور وہ (شفاعت) صرف مومنین کے لئے ہے۔ لہٰذا کوئی فرشتہ کسی کافر کے لئے شفاعت نہیں کرے گا اس لئے کفار اس زعم میں نہ رہیں کہ فرشتے انہیں چھڑوالیں گے۔

[20] یعنی اگر بالفرض کوئی فرشتہ دعویٰ خدائی کرے تو وہ مستحق نار ہے۔ کیونکہ ایسے ظالموں کی یہی سزا ہے لہٰذا فرشتوں کو اللہ کی اولاد اور مستحقِ عبادت ماننا کفار کی سخت تر جہالت ہے۔ یہاں سے فرشتوں کا معصوم ہونا معلوم ہوا: وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ کے الفاظ اس مفہوم پر صاف دلالت کر رہے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ
کیا کفار نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین (پہلے) باہم ملے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں جدا کر دیا۔[21]
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ
اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔ تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے؟ [22] اور ہم نے زمین میں اونچے پہاڑ بنائے
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾
تا کہ وہ لوگوں کو لیکر لرزتی نہ رہے [23] اور ہم نے اسمیں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ راہ پائیں۔[24]
وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ
اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔[25] اور کفار اس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اللہ وہ ہے
الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾
جس نے رات دن اور سورج چاند بنائے۔[26] سب سیارے (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔[27]

تخلیقِ کائنات اور اس کے مختلف مراحل کا بیان

[21] رتق کا معنی جوڑنا ہے۔ اسی لیے رتاق ان دو کپڑوں کو کہتے ہیں جنکے کنارے باہم سی دیے گئے ہوں۔ (المنجد) اور فتق کا معنی کھولنا ہے۔ کہتے ہیں: فَتَقَ الثوب، اس نے کپڑے کو ادھیڑ دیا۔ (المنجد) معنی یہ ہوا کہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے اللہ نے انہیں الگ الگ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کانتا ملتصقتین۔ یعنی آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے اللہ نے ان کو الگ الگ کر دیا۔ (تفسیر ابن جریر) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کانت السموات والارضون ملتزقتین فرفع اللہ السماء وابتزها من الارض۔ یعنی آسمان اور زمینیں باہم ملے ہوئے تھے۔ اللہ نے آسمان کو زمین سے الگ کر کے بلند کر دیا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بگ بینگ کو اگر حکمِ الٰہی سے مانا جائے تو خلافِ اسلام نہیں ہے

اور ممکن ہے جب وہ جدا ہوئے تھے تو بہت بڑا دھما کہ ہوا ہو جسے آج سائنس (BIG BANG) یعنی بڑے دھماکے کا نام دیتی ہے۔ اہل سائنس کا کہنا ہے کہ کائنات میں بہت پہلے ایک گیس جمع ہوئی جو باہم بہت ملی ہوئی تھی (شاید اسی کو قرآن نے رَتْقًا فرمایا ہے) اس میں شدید گرمی تھی یعنی اندازاً دس پدم (۱۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰) پھر ایک دھماکے سے یہ گیس پھٹی (گویا اسی کو قرآن نے فَفَتَقْنٰهُمَا فرمایا ہے) اور اس نے گول چکر کھانا شروع کر دیا پھر اس گول چکر سے کہکشاؤں کا ایک مجموعہ بنا۔ ہر کہکشاں میں ہزاروں سیارے ستارے تھے ان میں سے ایک کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی موجود ہے یعنی سورج اور اس کے گرد گھومنے والے نو سیارے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۱۱ مطبوعہ انڈیا) گویا سائنس جو چیز آج بتا رہی ہے قرآن نے اسے چودہ سو برس قبل بتا دیا تھا۔

مذہب اور سائنس میں فرق

بس یہاں مذہب اور سائنس میں اتنا فرق باقی رہ گیا ہے کہ سائنس کے مطابق یہ بڑا دھماکہ از خود ہوا اور مذہب یہ کہتا ہے کہ یہ دھماکہ اللہ کے حکم سے ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَفَتَقْنٰهُمَا، کہ ہم نے زمین و آسمان کو الگ الگ کیا۔

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کو پھاڑ کر اس سے بارش برساتا ہے اور زمین کو پھاڑ کر اس میں سے نباتات کو اُگاتا ہے، تاہم یہ تفسیر قوی محسوس نہیں ہوتی، اگر یہی معنی ہوتا تو کانتا رتقین کہا جاتا۔ رَتْقًا صیغہ واحد کا استعمال بتاتا ہے کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے پھر اللہ نے ان کو الگ الگ کیا۔

[22] پانی سے ہر جاندار چیز کا پیدا کیا جانا دو مفہوم رکھتا ہے۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ ہر جاندار چیز پانی سے یعنی نطفہ سے پیدا کی گئی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ ''اللہ نے زمین پہ چلنے والی ہر چیز پانی (نطفہ) سے پیدا کی ہے۔'' (نور: ۴۵) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ شَيْءٍ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ۔ ''ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔'' (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۴۵۱ حدیث ۱۳۶۴۲ مطبوعہ مکہ)

اگر کہا جائے کہ کروڑوں کیڑے مکوڑے مکھیاں مچھر وغیرہ نطفہ کے بغیر محض حکم ربی سے پیدا ہو جاتے ہیں پھر ہر جاندار چیز کا نطفہ سے پیدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی تخلیق سے بھی پانی کا دخل ہے اگر چہ وہ مادۂ منویہ نہیں، مکھیاں مچھر اور کیڑے عموماً گندگی سے پیدا ہوتے ہیں اور گندگی پانی ہی سے ترکیب پاتی ہے۔ پانی نہ ہو تو کوئی مچھر مکھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ فرشتے بھی زندہ ہیں پھر یہ دعویٰ کہ ہر جاندار چیز پانی سے بنی ہے کیسے درست ہے فرشتے

تو نور سے بنے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں كُلَّ شَيۡءٍ سے ہر حسی و مرئی (Visible) چیز مراد ہے اسی لئے دوسری آیت میں كُلَّ دَآبَّةٍ فرمایا گیا یعنی ہر جاندار حسی چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے اور فرشتے عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں ان کا حیات سے کوئی تعلق نہیں۔ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ ؕ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ آسمان سے بارش برساتا ہے جس سے ہر جاندار چیز کی بقاء ہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان بلکہ ہر پودا و درخت بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اس میں بھی ایک حیات ہے اور وہ پانی ہی سے ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ یعنی کفار اللہ کی یہ سب قدرتیں دیکھ کر بھی ایک خدا پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

پانی کی قدر و قیمت اور اسکے ضیاع کا گناہ

اس آیت سے پانی کی قدر و قیمت معلوم ہوئی کہ پانی سے ہر جاندار کی تخلیق اور اس کی بقا ہے لہٰذا پانی کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بعض لوگ وضوء و غسل میں اتنا پانی بہا دیتے ہیں کہ اس سے کئی لوگ وضوء یا غسل کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ممکن ہے پانی کا کوئی قطرہ کسی کی جان بچالے۔ پانی کی قدر ان لوگوں سے پوچھو جو خشک علاقوں میں رہتے ہیں جہاں پانی کی قلت ہے، پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اسے وضوء اور غسل میں بے تحاشا ضائع کرنا بدترین اسراف و تبذیر ہے۔

[23] زمین گول ہے۔ اس پر تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خشکی پر پہاڑ کھڑے کئے اگر یہ نہ ہوتے تو سمندروں کے کروڑوں اربوں ٹن وزنی پانی کی حرکت سے خشک حصہ ٹوٹ پھوٹ جاتا یا کم از کم لرزتا رہتا اور انسان کے لئے جینا ناممکن ہو جاتا۔ بلکہ سمندروں کی تہہ میں بھی اونچے پہاڑی سلسلے رکھے گئے ہیں ان کا بھی یہی مقصد ہے کہ پانی کی حرکت کے باوجود زمین کا ٹھہراؤ برقرار رہے اور سمندروں میں ہر وقت حرکت جاری ہے۔ کیونکہ زمین کے مدوجزر کے باعث سمندروں کی شکل بدلتی رہتی ہے۔ اور یہ مدوجزر ہر قمری ماہ کے درمیان اور آخر میں ہوتا ہے۔

[24] اور پہاڑ اونچی دیواروں کی طرح کھڑے نہ کئے گئے کہ ہزاروں میل لمبی اونچی دیواریں ہوتیں اور انسان کا اِدھر سے اُدھر جانا ناممکن ہو جاتا۔ بلکہ پہاڑوں کے درمیان اللہ نے وادیاں رکھی ہیں جو کھلے راستے ہیں تاکہ لوگ راہ پا سکیں اور پہاڑوں کے ذریعے زمین پر وزن بھی رہے تاکہ زمین لرزے نہیں۔

[25] آسمان کا محفوظ چھت ہونا دو معنی میں ہے۔ ایک یہ کہ آسمان کو حکم ربی نے گرنے سے محفوظ کیا ہوا ہے جیسے فرمایا گیا: وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ ''اللہ نے آسمان کو روک رکھا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر زمین پہ نہ گرے۔'' (حج: ٦٥)

دوسرا معنی یہ ہے کہ آسمان پہ پہرے رکھے گئے ہیں تاکہ ان شیاطین کو شہاب ثاقب کے ذریعے مار بھگایا جائے جو آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ''اور ہم نے آسمان کو ہر مردود شیطان سے محفوظ کیا ہے۔'' (حجر: ١٧)

[26] اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ شب وروز بنایا اس طرح کہ شمس وقمر کو پیدا کیا سورج دن کو چمکتا ہے اور چاند رات کو اور دونوں کی گردش سے رات دن بنتے ہیں۔ سورج کی گردش سے بھی رات دن متعین کئے جاتے ہیں اور چاند کی گردش سے بھی۔ پہلی صورت میں شمسی تاریخیں وجود میں آتی ہیں اور دوسری صورت میں قمری تاریخیں اور یہ اللہ کی عظیم قدرت ہے۔ ان آیات میں لا مذہبیت (Secularism) کا خوب رد ہے۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں، یہ کائنات از خود پیدا ہوئی اور از خود چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام آیات میں خوب واضح فرمادیا کہ اللہ نے اس کائنات کو بنایا اور وہ اسی کے حکم سے چل رہی ہے۔ لہٰذا کوئی مسلمان لا مذہبیت اور دہریت کا شکار نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ آج یہود ونصاریٰ کی اکثریت اسکا شکار ہوکر اپنے مذہب اور اپنی کتابوں سے دست بردار ہوچکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا اپنی کتاب سے بہت گہرا قلبی تعلق ہے کیونکہ اس میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بائبل میں یہود ونصاریٰ تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کا اپنی کتابوں پہ ایمان بھی متزلزل ہوگیا ہے۔

[27] امام بغوی فرماتے ہیں: فَلَكٌ کلام عرب میں گول چیز کو کہتے ہیں اور یہاں فلک سے ہر سیارے کا وہ مدار مراد ہے جس میں وہ گھومتا ہے۔ (بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شمس وقمر اور دوسرے سب سیارے اپنے اپنے مدار پر ایسے گھوم رہے ہیں جیسے کشتی پانی پر تیرتی ہے۔ سائنس کے مطابق زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور ایک سال میں اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے اور اس کے مدار کی لمبائی چھپن کروڑ چھیانویں لاکھ دس ہزار (569,610,000m) میل یا پچانویں کروڑ نوے لاکھ (959,000,000) کلومیٹر ہے جس پر زمین کی گردش کی رفتار ۱۹ کلومیٹر فی سیکنڈ اور اڑسٹھ ہزار چار سو (68,400) کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔

اور اہل سائنس کے مطابق خود سورج بھی ایک مدار پر گھوم رہا ہے اور سورج کا مدار اتنا لمبا ہے کہ اسے ایک گردش پوری کرنے کے لئے بائیس کروڑ پچاس لاکھ سال درکار ہوتے ہیں۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۳۵) اور ابھی تک سورج نے اپنا ایک چکر بھی پورا نہیں کیا۔ گویا یہ وہی چیز ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ''اور سورج اپنی منزل کی طرف رواں ہے۔'' (یٰسین: ۳۸)

اور چاند کا مدار زمین کے گرد ہے اور وہ ایک ماہ میں اپنے مدار پر زمین کے گرد ایک گردش پوری کر لیتا ہے اس گردش کا دورانیہ 29 دن 12 گھنٹے 44 منٹ ہے اور چاند کی رفتار دو ہزار دو سو ستاسی (2,287) میل یا تین ہزار سات سو (3700km/hour) کلومیٹر فی گھنٹہ ہے اور زمین کے گرد چاند کے مدار کی لمبائی تیئس لاکھ ساٹھ ہزار (2,360,000km) کلومیٹر ہے۔ تو جس خالق کائنات نے اتنی وسیع دنیا بنائی ہے اس کے سوا کون لائق عبادت ہے؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کتاب سائنس بھی ہے۔ سائنس نے آج دریافت کیا کہ سورج، چاند، زمین و دیگر سیارے اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں اور قرآن نے یہ بات چودہ صدیاں پہلے بتادی تھی۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۞

اور ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا نہیں بنایا۔ اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا کفار ہمیشہ رہیں گے؟ [28]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں برائی اور اچھائی کے ساتھ آزماتے ہیں اور ہماری ہی طرف

تُرْجَعُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا

تم نے لوٹنا ہے [29] اور جب کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو بس نشانہ تضحیک ہی بنا لیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ شخص ہے

الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ خُلِقَ

جو تمہارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور وہ رحمان کے ذکر سے انکاری ہیں۔ [30] انسان کو

الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۞

جلد باز بنایا گیا ہے۔ہم تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دیں گے لہٰذا جلدی نہ کرو۔[31]

[28] کفار مکہ حضور ﷺ کے خلاف بُری تدبیریں سوچتے تھے ان کا کہنا تھا۔ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۞ ''ہم کو اس شخص کے بارے میں حوادثِ زمانہ کے وقوع کا انتظار ہے۔'' (طور:٣٠) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ سے قبل ہم نے کسی انسان کے لئے دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں لکھا۔تو جو انسان بھی دنیا میں آیا اسے ایک دن جانا ہی ہوگا۔اب اگر آپ دنیا سے پردہ کر جائیں تو کیا کفار دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ پھر وہ آپ کے لئے موت کے منتظر کیوں ہیں؟

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ سے وفاتِ مسیح پہ استدلال کا رد

اس آیت سے مرزا بشیر الدین محمود پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تفسیر میں استدلال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں کیونکہ حضور ﷺ سے قبل کسی بھی انسان کے لئے دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں لکھا گیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۹۹ مطبوعہ لندن) مگر اس استدلال کا بھونڈا پن ہر کسی پر ظاہر ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں خود قرآن نے فرمادیا: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ کہ ''اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔'' (نساء:١٥٨) اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ عیسیٰ ابن مریم تم پر نازل ہوں گے،صلیب کو توڑ دیں گے،خنزیر کو قتل کریں گے اور اتنا مال بہائیں گے کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔'' (بخاری،مسلم،ترمذی وغیرہ) اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں لکھا گیا۔حدیث کے مطابق جب وہ نازل

ہوں گے تو سات برس زندہ رہنے کے بعد ان کا وصال ہوگا اور وہ روضہ رسول ﷺ میں دفن کئے جائیں گے۔ (یہ الفاظ لکھتے ہوئے میرا قلم لرز رہا ہے کیونکہ میں 2007ء کے حج سے فراغت کے بعد حاضری مدینہ طیبہ کے دوران مسجد نبوی شریف میں روضہ رسول ﷺ کے قریب بیٹھ کر ہی یہ الفاظ لکھ رہا ہوں) گویا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ان کی حیات کے خلاف استدلال کا کوئی معنی نہیں ہے۔

[29] ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اللہ انسان کو زندگی میں اچھے برے حالات سے آزماتا ہے کہ وہ ہر حالت میں راضی برضائے خدا رہتا ہے یا نہیں۔ نیک لوگ اچھے حالات میں شکر اور بُرے حالات میں صبر سے کام لیتے ہیں اور بُرے لوگ اچھے حالات میں اللہ سے غافل ہوجاتے اور بُرے حالات میں اللہ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ یاد رہے ذائقہ اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی۔ صالحین کے لئے موت کا ذائقہ بہت لذیذ ہے اور فاسقین کے لئے بہت کڑوا۔ یہ آیت ہمیں موت کی تیاری کا فکر دلاتی ہے۔ کہ جب ایک دن مرنا ہے تو اسکی تیاری لازم ہے۔ مگر ہم اس سے قطعی غافل ہیں۔

[30] کفارِ مکہ نبی اکرم ﷺ کا مذاق اس لئے اُڑاتے تھے کہ آپ ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی کی تردید کرتے تھے جس سے آپ کو دلی صدمہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ کفار کو اپنی جہالت پر غور کرنا چاہئے کہ خود وہ خدائے رحمٰن کی عظمتوں سے منکر ہیں مگر حقیر بتوں سے انکار پر آپ کو نشانہ مذاق بناتے ہیں۔

[31] جب کفار کا حضور ﷺ سے مذاق کرنا طول پکڑ گیا اور ان پر کوئی عذاب نہ آیا تو وہ کہنے لگے اگر یہ اللہ کا سچا نبی ہے تو ابھی تک ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ انسان جلد باز ہے پھر فرمایا اے کُفار! میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا یعنی اگر تم باز نہ آئے تو میرے جلال وقہر کی تلوار تم پر چمکے گی جلدی نہ کرو چنانچہ بدر میں ان کو اللہ کی پکڑ نے آلیا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

کفار کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ عذاب کب آئے گا؟ اگر کفار جانتے کہ جب وہ نہ اپنے چہروں سے

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ

عذاب روک سکیں گے نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا

بلکہ ان پر آگ اچانک آ کر انہیں مبہوت کر دے گی پھر نہ وہ اسے خود سے دور کر سکیں گے اور نہ

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

انہیں مہلت دی جائے گی۔ [32] اور آپ سے قبل بھی رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا تو ان میں سے مذاق کرنے والوں کو

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ [33]

[32] کفار کہتے ہیں اے مسلمانو! اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو کہ دین اسلام کے دشمنوں اور رسول خدا کے مخالفین کے لئے عذاب مقرر ہے تو وہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر انہیں وہ منظر نظر آ جائے جب وہ جہنم کی لپیٹ میں آئیں گے اور نہ وہ اپنے آگے سے آگ کو روک سکیں گے نہ پیچھے سے۔ اور نہ کوئی دوسرا ان کی مدد کو آئے گا تا کہ ان سے آگ دور کر دے بلکہ آگ ان پر اچانک حملہ آور ہو گی تو پھر نہ ان میں طاقت ہو گی کہ اسے خود سے دور کر سکیں نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کچھ مہلت ملے گی۔

[33] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ سے قبل بھی رسولوں سے مذاق کیا گیا اور یہی کہا گیا کہ عذاب کب آئے گا؟ تو پھر اسی عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں کفار کا یہ طریقہ شروع سے ایسا ہی چلا آ رہا ہے۔

ختمِ نبوت کا اشارہ

یہاں ختم نبوت کا اشارہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ آپ سے پہلے رسولوں سے مذاق کیا گیا کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ سلسلہ مذاق مرسلین آپ سے پہلے بھی تھا اور آپ کے بعد بھی رہے گا ہمیشہ آپ سے قبل کی بات کی گئی

یہ اسی لئے ہے کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ کہ آپ انبیاء میں سے آخری نبی ہیں اور آپ کا ارشاد ہے: وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ مجھ پر سلسلۂ انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۲۲)

قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

آپ فرما دیں (اے کفار) تمہیں رات اور دن میں رحمان سے کون بچا سکتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

منہ موڑے ہوئے ہیں۔[34] کیا ان کے لئے ایسے خدا ہیں جو انہیں ہم سے بچا سکیں؟ وہ تو خود

نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ

اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہم سے بچایا جائے گا۔[35] بلکہ ہم انہیں اور ان کے باپ دادا کو سامان دنیا دیتے رہے

حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

یہاں تک کہ ان پر زمانہ گزر گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر ہر طرف سے زمین تنگ کرتے

اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

آ رہے ہیں؟ تو کیا وہ غالب آ سکتے ہیں؟[36]

ربُّ العالمین کا کفار کو مختلف طریقوں سے اپنے عذاب سے ڈرانا

[34] یعنی اے اسلام دشمنو! اگر تم پر صبح یا شام کو عذاب الٰہی آ جائے تو تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے تو تم اسلام دشمنی سے باز کیوں نہیں آتے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ یعنی ورنہ وہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس کا فرمان ہے: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ ﴿۱۲﴾ "بیشک تمہارے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔" (بروج، ۱۲)

[35] یعنی کیا دشمنان دین کے جھوٹے خدا انہیں اللہ کی پکڑ سے بچا سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا کہ اگر ان کے خداؤں کے آگے سے مکھی کوئی چیز اٹھا لے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ (حج: ۷۳) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو ہم سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ قرآن کے مطابق ان کے جھوٹے خداؤں کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ (انبیاء: ۹۹) مگر وہ جہنم میں عذاب سہنے کے لئے نہیں کفار کو عذاب دینے کے لئے ڈالے

جائیں گے۔قرآنِ مجید میں ہے کہ جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔(بقرہ: ۲۴) اور یہ ان بتوں کے پتھر ہوں گے جن کی پرستش کی جاتی تھی اور یہ پتھر جہنم میں تپا کر ان کے پجاریوں کو لگائے جائیں گے۔

[36] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان دشمنانِ اسلام کی ہٹ دھرمی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو طویل عرصہ اسباب دنیا کی فراوانی سے نواز رکھا ہے جس سے انہیں یہ گمان ہو گیا ہے کہ وہ حق پر ہیں مگر انہیں دیکھنا چاہیے کہ ہم ان کے گرد زمین تنگ کر رہے ہیں کسی پر زمین کا تنگ کیا جانا ایک محاورہ ہے جو ہر زبان میں مستعمل ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس کے فرار کی راہیں مسدود کی جا رہی ہیں اور اسے عنقریب پکڑ لیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم ان کے گرد زمین تنگ کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ جس چراغ اسلام کے بجھانے کی کوشش میں تھے اللہ نے وہ افریقہ کے اندر دربار نجاشی میں فروزاں کر دیا اور اہل مدینہ کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا۔ پھر سیدنا عمر بن خطاب و سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے نے کفار مکہ کی ہمتیں توڑ کر رکھ دیں۔ یہ ان کے لئے قدرت کے اشارے تھے کہ ان پر زمین تنگ ہو رہی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ نے سرزمین مکہ سے کفر و شرک کا ہر نام و نشان مٹا دیا۔اور اللہ نے ہر اسلام دشمن قوت کے ساتھ ہمیشہ یہی کیا ہے۔

آج امریکہ اسلام و اہل اسلام کو اپنے کنٹرول میں لانے کا ہر جتن کر رہا ہے مگر کیا وہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ اللہ ان کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔امریکی معیشت تیزی سے گر رہی ہے۔صاف نظر آ رہا ہے کہ امریکہ روس کے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ظلم و جبر کی جس روش نے روس کے ٹکڑے کیے امریکہ اسی روش پہ سختی سے چل رہا ہے۔لہٰذا اس کا انجام روس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا کفار غالب آ سکتے ہیں؟ یعنی ہرگز نہیں۔ کیونکہ وعدۂ الٰہی ہے: فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴿۵۶﴾ ''بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔'' (مائدہ، ۵۶) لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ''ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آتے ہیں۔'' (مجادلہ، ۲۱) اور حدیث ہے: الاسلامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى ''اسلام ہی غالب آتا ہے اسے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رکھا جا سکتا۔'' (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹)

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں میں توتمہیں وحی کے ساتھ ہی ڈراتا ہوں اور بہرے پکار نہیں سن سکتے۔ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے۔[37]

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کا کوئی حصہ آلے تو وہ پکار اٹھیں گے۔ہائے ہماری بربادی ہم ہی ظالم تھے۔[38]

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ

اور ہم روز قیامت انصاف کے ترازو رکھ دیں گے۔پھر کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔[39] اور اگر (کسی کا عمل)

كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

رائی کے دانہ برابر ہوگا۔تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔[40]

[37] یعنی اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمادیں اے کفار! میں تمہیں اپنی مرضی سے عذاب جہنم سے نہیں ڈراتا بلکہ مجھے جو وحی کی جاتی ہے وہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں مگر جن کے کان حق سننے سے بہرے ہو گئے ہیں وہ وحی کی پکار نہیں سن سکتے اور انہیں ڈرانا بیکار ہے۔

[38] اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق سننے سے ان بہرے لوگوں کی اعتقادی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ اگر آج ان پر عذاب کا کچھ حصہ آجائے تو ان کا سارا نشۂ شرک اتر جائے گا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری بربادی ہم ہی نے خود پر ظلم کیا۔تو پھر انہیں چاہئے کہ عذاب سے پہلے ہی بات مان لیں عذاب دیکھ کر ایمان لانا تو فائدہ نہیں دیتا۔

[39] یہاں المیزان کی بجائے اَلْمَوَازِيْنَ صیغۂ جمع لایا گیا اس لئے کہ قیامت میں مختلف طریقوں سے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔کبھی خود اعمال کو حسی اشکال میں لا کر تولا جائے گا،کبھی نیکی و بدی کے صحائف کا وزن ہوگا اور کبھی ان چیزوں کا وزن ہوگا جن کے ذریعے نیکی یا بدی کی گئی۔جیسے حدیث میں ہے کہ قربانی کا جانور اپنے بالوں اور کھروں کے ساتھ میزان میں رکھ دیا جائے گا۔اور حجاج جمرات کو جو کنکریاں مارتے ہیں وہ میزان میں رکھی جائیں گی۔اس موضوع پر ہم نے سورہ اعراف آیت ۸-۹ کے تحت مفصل کلام کیا ہے۔یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ روز قیامت کوئی حسی ترازو نہیں رکھا جائے گا بلکہ بس دیکھا جائے گا کہ ہر انسان کی حسنات زیادہ ہیں یا سیئات۔پہلی صورت میں جنت اور دوسری صورت میں جہنم لازم ہوجائے گی،وہ غلط کہتے ہیں۔حدیث کے مطابق باقاعدہ ایک میزان رکھا جائے گا جس کے دو پلے ہوں گے ایک پلے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں بدیاں۔

ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کی برائیوں کی ننانویں کتابیں میزان کے ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی پھر ایک کاغذ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا جس پر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ لکھا ہوگا تو وہ کاغذ بھاری ہوجائے گا۔ (ترمذی کتاب الایمان باب:۱۸)

مروی ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے میزان کے دیکھنے کی تمنا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو میزان دکھایا۔ اس کا ایک پلہ مشرق میں تھا دوسرا مغرب میں آپ علیہ السلام غش کھا کر گر گئے۔ افاقہ ہونے پر عرض کیا اے اللہ تعالیٰ اس کا پلہ کون بھر سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داود! جب میں اپنے بندے سے راضی ہوتا ہوں تو اسے ایک کھجور سے بھی بھر دیتا ہوں (کسی بھوکے کو دی جانے والی ایک کھجور بھی میزان کا پلہ بھر سکتی ہے)۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

روزِ قیامت میزان عدل کے قیام میں مومن کے لیے اشارہ ہے کہ اسے اپنے اعمال کو دنیا ہی میں محاسبہ کے ترازو میں تولتے رہنا چاہیے اور اپنی نیکیوں اور برائیوں کا باہم موازنہ کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ قیامت کے دن موازنہ کی صورت میں شرمندگی سے بچ جائے۔

[40] یعنی گندم کے دانہ برابر چھوٹی سی نیکی یا بدی کو بھی میزان میں لایا جائے گا۔ گویا کوئی عمل چھوڑا نہ جائے گا جس کا وزن نہ کیا جائے۔ معلوم ہوا کسی نیکی کو حقیر جان کر چھوڑنا اور کسی برائی کو معمولی سمجھ کر اپنانا نہیں چاہیے۔ ممکن ہے حقیر نیکی سے نیکی کا پلہ بھاری ہوجائے اور حقیر برائی سے بدی کا پلہ بھاری ہوجائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کو حق و باطل میں تفریق دی اور پرہیزگاروں کے لئے روشنی اور ذکر عطا فرمایا۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا

جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔ [41] اور یہ (قرآن)

ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

مبارک ذکر ہے جو ہم نے نازل کیا تو کیا وہ اس سے منکر ہیں؟ [42]

[41] یعنی قرآن کوئی نئی کتاب ہدایت نہیں ہے اس سے قبل موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو تورات دی گئی جو حق و باطل میں تمیز کرتی تھی اور متقین کے لئے روشنی اور ذکر تھی اور متقین وہ ہیں جو اللہ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور انہیں روزِ قیامت کا خوف لاحق رہتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قرآن کے بارے میں فرمایا گیا: الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقرہ:۲)

[42] قرآن برکت والی کتاب ہے اس کا ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اس کی تلاوت کرنے والا روزِ قیامت اس کی شفاعت پائے گا تو اے کافرو! تم ایسی بابرکت کتاب سے انکار کیوں کرتے ہو؟ اس سے کھانے پر قرآن کے پڑھنے کا جواز معلوم ہوا۔ کیونکہ جب قرآن باعثِ برکت ہے تو کھانے پر ان کا پڑھنا یقینا کھانے میں برکت کا سبب ہے اس لئے حدیث کے مطابق بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ جب بِسْمِ اللّٰہِ کی یہ برکت ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (سورہ فاتحہ) اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ (سورہ اخلاص) کی برکت کا کیا عالم ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو پہلے ہی سے ان کی سیدھی راہ دکھا دی تھی اور ہم انہیں خوب جانتے تھے۔ [43] جب انہوں نے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ

اپنے (عرفی) باپ (آزر) اور اپنی قوم سے کہا: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے گرد تم ڈیرہ جمائے ہو؟ [44] کہنے لگے ہم نے

اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾

اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے پایا ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔ [45]

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی سچائی لائے ہو یا یونہی کھیل بنا رہے ہو؟ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ تمہارا رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾

تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور میں اس کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ [46]

بت پرستی کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد اور آپ پر نار کا گلزار بننا

[43] موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر لایا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں پہلے ہی سے یعنی بچپن ہی سے راہ رشد سے بہرہ ور کر دیا تھا۔ چنانچہ روایات کے مطابق آپ زندگی کے ابتدائی ایام ایک غار میں گزارنے کے بعد جب پہلی بار قوم میں آئے اور لوگوں کو ستاروں، چاند اور سورج کو پوجتے دیکھا تو ان کا رد فرمایا۔ اس کا مفصل بیان ہم انعام ۷۹ کے تحت لکھ آئے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اللہ رب العزت کی ذات وصفات کی معرفت بچپن ہی سے حاصل تھی اور یہی حال ہر پیغمبر کا ہے۔

معلوم ہوا انبیاء پر راہِ رشد بچپن ہی سے واضح ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا: وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ "ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت دے دی تھی۔" (مریم:۱۲) اور عیسیٰ علیہ السلام نے آغوشِ مادر میں کہا: اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ (مریم:۳۰) لہٰذا انبیاء کی قبل از نبوت زندگی کو کفر و معاصی سے داغدار بتانے والی اسرائیلی روایات من گھڑت ہیں۔

[44] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر سے (جو حقیقت میں آپ کا چچا تھا) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ ان بے جان مورتیوں کے گرد تمہارا ڈیرہ جمانا کیا معنی رکھتا ہے؟

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا والد نہیں اور آپ کے والد مسلمان تھے

یاد رہے آزر ابراہیم علیہ السلام کا عرف میں باپ کہلاتا تھا کیونکہ اس نے آپ کو پالا پوسا تھا اور عربی میں چچا کو بھی اب (باپ) کہہ دیتے ہیں جیسے قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ۔ (بقرہ:۱۳۳) میں اسماعیل علیہ السلام کو بھی یعقوب علیہ السلام کے آباء میں شامل کرنا اسی بنیاد پہ ہے کہ چچا بھی عربی میں اب کہلاتا ہے۔ اور پورے قرآن میں کہیں مذکور نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو والد کہا ہو کیونکہ والد سگے باپ ہی کو کہتے ہیں۔ اور یہ اسی لیے ہے کہ آزر آپ کا سگا باپ نہ تھا اور آزر کی موت کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زندگی کے آخری ایام میں تعمیر کعبہ کے وقت دعا کرنا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ۔ "اے اللہ! میری اور میرے والدین کی بخشش فرما۔" (ابراہیم:۴۱) بتاتا ہے کہ آپ کا سگا باپ آزر نہیں کوئی اور تھا اور تورات اور تاریخ ان کا نام "تارخ" بتاتی ہے اور یہ دعاء ابراہیمی ان کے ایمان والا پر دلالت کرتی ہے۔

کیونکہ نصِ قرآن کے مطابق جب آزر کفر پہ مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کا طلب کرنا چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ جب ابراہیم (علیہ السلام) پہ واضح ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس کے لیے استغفار سے باز آ گئے۔ (براءت، ۱۱۴) پھر اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ فرمانا بتاتا ہے کہ آپ سگے والد "تارخ" ایمان پہ فوت ہوئے تھے۔ ورنہ آپ ان کے لیے استغفار ہرگز نہ کرتے۔

یہ بات ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد تا آدم علیہ السلام سب اہل ایمان تھے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ آپ کی ساری اصل مبارک میں کوئی کافر و مشرک آئے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ "اور ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نسل درنسل سجدہ گزاروں میں منتقل ہونا دیکھتے تھے۔" (شعراء، ۲۱۹)

[45] قوم نے کہا اے ابراہیم! ہمارے پاس بت پرستی کے صحیح ہونے کی یہی دلیل ہے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہ تھے۔ معلوم ہوا دینی حکم کے خلاف قوم کی کثرت رائے یا اتفاق رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔ آج کل جمہوریت Democracy کا شور ہے لیکن اگر کسی اسلامی ملک

کی پارلیمنٹ قرآن وحدیث کی کسی واضح نص کے خلاف قانون پاس کرتی ہے تو اس کا ماننا مسلمانوں کے لئے ہرگز جائز نہیں نہ اس کی کچھ حیثیت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف خاندان کی تقلید جائز نہیں۔

[46] قوم نے تعجب سے کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)! کیا تم مذاق کر رہے ہو یا واقعی کوئی سچی اور سنجیدہ بات لائے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ بے جان بت تمہارے رب نہیں ہیں تمہارا رب تو خالق ارض وسماء ہے اور میں اس کی ربوبیت پر دل سے گواہی دیتا ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا

اور اللہ کی قسم! میں تمہارے پلٹ کر جانے کے بعد تمہارے بتوں کے خلاف ضرور تدبیر کروں گا۔ تو آپ نے ان کے ٹکڑے کر دیئے۔

كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

سوا ان کے بڑے بت کے، تا کہ وہ اُس کی طرف پلٹیں۔ [47] کہنے لگے، ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حشر کس نے کیا بے شک

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾

وہ بڑا ظالم ہے ؟۔ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو ان کی برائی کرتے سنا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾

کہنے لگے: اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ (اس کے خلاف) گواہی دیں۔ [48]

[47] ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری قوم کسی میلہ پر جانے پر تیار ہوئی اور آپ کو ساتھ چلنے کو کہا۔ قرآن مجید میں ہے آپ نے کہا: اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ ''میں بیمار ہوں۔'' (صافات: ۸۹)
مطلب یہ تھا کہ تمہارے کفر وشرک کی وجہ سے میرا دل زخمی ہے اور میں سخت پریشان ہوں۔ جب قوم جانے لگی تو آپ علیہ السلام نے دل میں کہا میں تمہارے جانے کے بعد تمہارے بتوں کے خلاف کوئی تدبیر ضرور کروں گا۔ چنانچہ قوم کے جانے کے بعد آپ بت خانہ گئے آپ نے دیکھا کہ آگے سب سے بڑا بت کھڑا ہے اس کے پیچھے اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا یوں 72 بتوں کی قطار تھی اور ان کے سامنے طرح طرح کے کھانے پڑے تھے جو قوم وہاں رکھ گئی تھی تا کہ ان کے زعم میں کھانے برکت والے ہو جائیں۔ قرآن میں ہے آپ نے بتوں سے فرمایا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ ''تم کھاتے کیوں نہیں۔'' بت کیا جواب دیتے؟ آپ نے فرمایا: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ ''تمہیں کیا ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو؟'' (صافات: ۹۲) یہ آپ کا اظہار غصہ تھا پھر آپ نے بتوں کے ٹکڑے کر ڈالے مگر ان میں سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔

اور مروی ہے کہ آپ نے اس کے کندھے پر وہ کلہاڑا رکھ دیا جس سے آپ نے بت توڑے تھے تا کہ جب لوگ واپس آئیں تو آپ کی طرف رجوع کریں اور پوچھیں کہ آپ نے بت کیوں توڑے ہیں، لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴿۵۸﴾ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں یہ کیا ہوا اور جب وہ جواب نہ دے سکے تو لوگوں کو اپنی بت پرستی پر ندامت آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکسیرِ اصنام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکسیرِ اصنام میں فرق

یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بت توڑے اور فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بت توڑے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خفیہ طور پہ بت توڑے مگر ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شان سے بت توڑے کہ سارا زمانہ دیکھ رہا تھا مگر کسی میں مجال دم زدن نہ تھی۔ پھر آپ کی بت شکنی کی اعجازی شان تھی آپ اپنی چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ از خود منہ کے بل زمین پر آ گرتا۔ (دلائل النبوہ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۶۶۶)

بلکہ کتب سیرت میں ہے کہ جس رات آپ پیدا ہوئے حرم کعبہ میں رکھے گئے بت از خود زمین پہ اوندھے منہ گر پڑے۔ (مدارج النبوت جلد دوم، ذکر ولادت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تیرا آنا تھا کہ اصنامِ حرم ٹوٹ گئے — تیرے رعب سے شاہ زوروں کے دم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا ایک باب بھی پورا نہ ہوا — ہو گئیں زندگیاں ختم اور قلم ٹوٹ گئے

[48] جب قوم میلہ سے واپس آئی تو اپنے بتوں کے ٹکڑے دیکھ کر ان کے غصے کی حد نہ رہی۔ کہنے لگے: ہمارے خداؤں کا یہ حشر کس نے کر ڈالا؟ وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ یعنی اسے ان بے زبان معصوموں پر کچھ بھی رحم نہیں آیا ان بیچاروں نے اس کا کیا بگاڑا تھا اور یہ کسی کا بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ ایک نوجوان کا نام ابراہیم ہے وہ تمہارے ان (جھوٹے) خداؤں کی بُرائی کرتا رہتا ہے یہ اسی نے کیا ہوگا۔ سب کہنے لگے اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ لوگ اپنے کانوں سے سنیں اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ وہ کیا نظریات رکھتا ہے تا کہ نمرود کے دربار میں اس کے خلاف گواہی دے سکیں۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ

(جب ابراہیم علیہ السلام آئے تو) لوگوں نے کہا اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حشر تم نے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے۔ انہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں۔ [49] تو وہ اپنے دلوں کی طرف پلٹے

فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ

اور (خود سے) کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو۔ پھر ان کے دماغ الٹے ہو گئے۔ (کہنے لگے)

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

تم جانتے ہی ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔ [50]

[49] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دربار نمرود میں بلایا گیا پوری قوم آپ کے خلاف غصے سے بھری ہوئی ہے مگر اللہ کے خلیل بے خوف و خطر دربار نمرود میں جلوہ فرما ہوئے۔ پوچھا گیا اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کا یہ حشر تم نے کیا ہے؟ آپ نے کہا یہ ان میں سے بڑے بت نے کیا ہے۔ یعنی دیکھو اس کے کندھے پر کلہاڑا لٹک رہا ہے لگتا یہ ہے کہ تمہارے چھوٹے خدا آپس میں شرارتیں کرتے اور لڑتے تھے بڑے کو غصہ آیا اس نے کلہاڑے سے ان کے ٹکڑے کر دیئے۔ تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ انہیں کس نے توڑا ہے خود ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے توڑا ہے اگر یہ جواب دے سکتے ہیں تو تمہیں بتائیں گے؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا سچا نبی اظہار حق میں کس قدر بے باک اور نڈر ہوتا ہے۔

اہلِ تشیع کے عقیدۂ تقیہ کا رد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا دین چھپایا نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار کیا معلوم ہوا جو شخص تقیہ کے فضائل بتاتا ہے وہ تعلیمات نبوت سے ناواقف ہے۔ شیعہ کتب (کی جھوٹی روایات) کے مطابق امام باقر نے کہا: تقیہ میں دین کے نو حصے ہیں اور باقی سارا دین دسویں حصہ میں ہے۔ اور جس نے تقیہ نہ کیا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان صفحہ ۴۵۷) وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ مومن کا ہر گناہ معاف کر دے گا مگر تقیہ کا ترک کرنا معاف نہیں کرے گا۔ (تفسیر امام حسن عسکری صفحہ ۲۹۷ مطبوعہ منشورات ذوی القربیٰ قم) اب شیعہ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین کہاں گیا؟ کیا معاذ اللہ وہ بھی دین سے ہاتھ دھو بیٹھے؟ شیعہ لوگ یہ جھوٹی روایات اس لیے گھڑتے ہیں تا کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کی طرف تقیہ کو منسوب کر سکیں اور

کہہ سکیں کہ انہوں نے تقیہ کے طور پر خلفاء راشدین کی بیعت کی تھی۔

کلام میں تعریض جائز ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا تھا تعریض کی تھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہنا بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہ اس بڑے بت نے بت توڑے ہیں۔ بظاہر درست نہیں لگتا۔ مگر بباطن بہترین دعوت حق ہے۔ اسے تعریض کہتے ہیں جیسے اگر کسی ماہر کاتب کی تحریر پر ایک جاہل اعتراض کرتے ہوئے کہے کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ تو وہ جواب دے گا نہیں بلکہ تم نے لکھا ہے۔ یہ تعریض ہے یعنی شرم دلانا اور چپ کرانا۔ مطلب یہ کہ تم تو لکھ ہی نہیں سکتے پھر جان لو کہ میں نے ہی لکھا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا مطلب بھی یہی تھا کہ یہ بت تو کچھ کر ہی نہیں سکتا لہٰذا جان لو کہ میں نے ہی بت توڑے ہیں ایسا معرّضانہ کلام جائز ہے۔ یہ جھوٹ نہیں ہوتا۔

اگر کسی کلام میں تعریض کو بھی جھوٹ کہا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جھوٹ کو منسوب کرنا پڑے گا، مثلاً جہنم میں جلنے والے کافر سے کہا جائے گا: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ ''یہ عذاب چکھو، تم بہت معزز و مکرم ہو۔'' (دخان، ۴۹) اب یہ ایک تعریض ہے۔ یعنی کافر کو شرم دلانا مقصود ہے کہ اگر تم معزز و مکرم ہوتے تو جہنم میں یوں نہ جلتے۔ جب اللہ کے کلام میں تعریض جائز ہے تو پیغمبر کے کلام میں تعریض کیوں جائز نہیں۔

اس جگہ اہل تشیع سوال کرتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام بوقت ضرورت جھوٹ بول لیا کرتے تھے۔ اور وہ بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے تین بار کے سوا کبھی جھوٹ نہ بولا۔ ایک بار کہا: اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ ''میں بیمار ہوں۔'' (صافات: ۸۹) دوسری بار کہا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہ ''اس بت نے یہ کیا ہے۔'' (انبیاء: ۶۳) اور تیسری بار ظالم بادشاہ سے اپنی بیوی کے بارہ میں کہا: هذه اختی۔ ''یہ میری بہن ہے۔'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ۸) مزید اہل تشیع گستاخی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے صدیق بنایا (اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ سورہ مریم) اور جب بقولِ بخاری اللہ کا بنایا ہوا صدیق تین جھوٹ بولتا ہے تو انسانوں کا بنایا ہوا صدیق نہ جانے کتنے جھوٹ بولتا ہوگا۔ (معاذ اللہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں کہ ابراہیم نے جھوٹ بولا بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین بار ایسی بات کہی جو تعریض تھی یعنی وہ لوگوں کی نظر میں جھوٹ تھی مگر حقیقت میں جھوٹ نہ تھی بلکہ وہ تعریض تھی یا توریہ تھی۔ مثلاً اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ کا معنی یہ تھا کہ میں کفار کے کفر و شرک کی وجہ سے دلی طور پر غمزدہ ہوں اور بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا مقصد تعریض تھا جیسے ابھی بیان ہوا۔ اور وہ ظالم بادشاہ کسی مسافر کی خوبصورت بیوی اس سے چھین لیتا تھا لیکن اگر اس کے ساتھ اس کی بہن ہوتی تو اسے کچھ نہ کہتا اور آپ کا مطلب یہ تھا کہ یہ دین میں میری بہن ہے اور بخاری میں ہے کہ آپ نے اس وقت اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا آج زمین پہ میرے اور تمہارے سوا

کوئی مومن نہیں لہٰذا تم میری ایمانی بہن ہو۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۸) بخاری شریف کی اس وضاحت کے باوجود اہل تشیع کا مذکورہ اعتراض محض کج بحثی ہے۔

اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عام انسانوں نے صدیق نہیں بنایا۔ ان کو زبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو ٹھوکر مار کر فرمایا: ٹھہر جا! تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں اور اس وقت احد پہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی نہ تھا۔ (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۳۶۳۸) اور یہ حدیث اہلِ تشیع کی معتبر کتاب ''احتجاج طبرسی'' جلد اول صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت میں بھی موجود ہے۔ اب اس حدیث میں نبی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں۔ صدیق سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور دو شہیدوں سے مراد عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہما ہیں۔

[50] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس مجاہدانہ للکار نے کہ اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھو انہیں کس نے توڑا ہے، ساری قوم کے سر ندامت سے جھکا دیئے اور وہ خود کو ملامت کرتے ہوئے اپنے دلوں میں کہنے لگے کہ ظالم تو تم ہی ہو تم نے ایسے پتھروں کو خدا مان لیا جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تو تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ مگر پھر ان کے دماغ اُلٹے ہو گئے اور وہ ڈھٹائی کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے یہ بت تو بول نہیں سکتے ہم ان سے کیسے پوچھیں کہ انہیں کس نے توڑا ہے یعنی تم ہی نے انہیں توڑا ہے لہٰذا سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ؕ﴿۶۶﴾ اُفٍّ

آپ نے فرمایا تو کیا تم اللہ کے سوا اسے پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان؟ افسوس ہے تم پر

لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور ان بتوں پر جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ [51] کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کہنے لگے اسے زندہ جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو۔ [52]

[51] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا تف ہے تمہاری عقلوں پہ اور تمہارے جھوٹے خداؤں پہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو کسی نفع و نقصان کی مالک نہیں ہیں۔ مگر قوم پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا معلوم ہوا ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

[52] جب قومِ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ہر طرح لاجواب ہوگئی تو سب نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو زندہ جلا کر اپنے

خداؤں کی مدد کی جائے تا کہ دوبارہ کوئی انہیں توڑنے کی جرأت نہ کرے۔معلوم ہوا جھوٹا آدمی لاجواب ہونے کے بعد دست درازی وایذاءرسانی پر اتر آتا ہے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔ انہوں نے آپ سے داؤ کرنا چاہا تو ہم نے انہیں
الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾
سخت نامراد کر کے رکھ دیا۔[53]

[53] چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کرلیا گیا۔ پھر آپ کہ جلانے کے لئے بڑا آتش کدہ بنایا گیا روایات کے مطابق اس کا محلِ وقوع عراق کے شہر بابل کے قریب بستی کوثی تھی۔ پوری قوم اس آتش کدے میں لکڑیاں ڈالنے لگی حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بیمار پڑتا تو وہ نذر مانتا کہ اگر اسے شفا مل جائے تو وہ اس آتش کدے میں اتنی لکڑیاں ڈالے گا۔ اس کی تپش اس قدر تھی کہ فضا میں اڑنے والے پرندے اس کی حدّت سے جھلس کر زمین پر گرنے لگے۔ سات دن آگ بھڑکائی گئی۔ پھر وہ جانتے نہ تھے کہ آپ کو اس قدر بڑے آتش کدے میں کیسے پھینکیں کیونکہ جو اس کے قریب جاتا وہ جھلس جاتا تھا۔ تب شیطان نے ان کے دل میں بات ڈالی کہ ایک منجنیق بنا کر آپ علیہ السلام کو اس میں ڈالو پھر اس کو زور سے گھماؤ، یوں آپ کو دور سے آگ میں پھینک دو۔

جب منجنیق کو گھمایا گیا تو آسمان وزمین چیخ پڑے اور جن وانس کے سوا ساری مخلوق سے شور اٹھا کہ اے اللہ! تیرے خلیل کو آگ میں پھینکا جارہا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا اے اللہ! ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی مدد کی اجازت فرما۔ اللہ نے فرمایا اگر میرا خلیل تم سے مدد چاہے تو ضرور اس کی مدد کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا اے ابراہیم! اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو بتائیے آپ نے فرمایا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا تم سے میری کوئی حاجت وابستہ نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا پھر آپ اللہ ہی سے سوال کیجئے۔ آپ نے فرمایا: حَسْبِيْ مِنْ سَوَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ، اللہ کا میرے حال سے واقف ہونا مجھے سوال سے بے نیاز کرتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ ''اے آگ! ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر اللہ وَّسَلٰمًا نہ فرماتا تو ابراہیم علیہ السلام آگ کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے۔ (اللہ اکبر) (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

یہاں ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے دعاء نہ کرنا اس لیے تھا کہ آپ اس وقت توکل اور استقامت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور یہ آپ کے امتحان کا وقت تھا اور آپ چاہتے تھے کہ امتحان ٹل نہ جائے بلکہ آپ امتحان میں اعلیٰ درجہ کے ساتھ کامیاب ہوں۔ اور اللہ رب العزت چاہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں اہل دنیا کو دین کے لیے جان کی بازی لگانے کا

اعلیٰ نمونہ دکھایا جائے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ کربلا میں آپ کی آل کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا جائے گا۔ مگر آپ (ﷺ) نے ہرگز یہ دعا نہ کی کہ اللہ اس واقعہ کو ٹال دے۔ کیونکہ آپ (ﷺ) جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی آل کے ذریعے امت کو قربانی واستقامت کا عظیم عملی نمونہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور آپ (ﷺ) کی آل کو اس عظیم قربانی کے بدلے جنت کے اعلیٰ ترین درجات سے نوازنے والا ہے۔ دیکھیں! ہمارے بچے کا امتحان ہوتا ہے تو ہم یہ دعا نہیں کرتے کہ بچے کا امتحان ٹل جائے۔ بلکہ یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ اسے امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔ یہی حال ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔

حضرت سدی کہتے ہیں فرشتوں نے آپ علیہ السلام کو بازوؤں سے پکڑ کر زمین پہ بٹھا دیا۔ مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو ایک ریشمی قمیص پہنائی جو وہ جنت سے لائے تھے۔ کیونکہ نمرودیوں نے آپ کے جسم سے قمیص اتار لی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہاں آگ کی بجائے گلاب ونرجس کے پھول مہک رہے تھے اور ٹھنڈا میٹھا چشمہ بہہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سات دن رہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے جو عیش وعشرت کے دن آگ میں گزارے وہ زندگی میں پھر کبھی نہ ملے۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲) یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کے جسم سے کفار نے قمیص اتاری تاکہ آپ کو تکلیف پہنچائیں۔ اس لیے حدیث کے مطابق روز قیامت سب سے پہلے آپ کو لباس پہنایا جائے گا۔

مرزائیوں کی طرف سے یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا کی ملحدانہ تاویلات

اس جگہ مرزا محمود پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جاہلانہ تفسیر میں لکھا کہ بارش برسا کر نارِ نمرود کو بجھا دیا گیا تھا۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۳۲ مطبوعہ لندن) اور مولوی محمد علی مرزائی نے لکھا کہ اللہ نے کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے سے قبل وہاں سے بھاگنے کا موقع دے دیا۔ (ترجمہ قرآن مصنفہ مولوی محمد علی صفحہ ۶۲۴ مطبوعہ مطبع کریمی لاہور) مگر یہ سب گمراہ کن ملحدانہ مرزائی تاویلات ہیں جن کا مقصد مرسلانِ گرامی کی عظمتوں سے انکار کر کے انہیں مرزا قادیانی کی سطح پر لا کر دکھانا ہے۔ تاکہ سچے انبیاء کے لیے کوئی غیر معمولی عظمت اور کوئی معجزہ نہ مانا جائے اور یوں ان کے اور جھوٹے مرزا قادیانی کے درمیان کوئی فرق نہ رہے۔ مگر ان کے رد کے لئے قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ کے الفاظ ہی کافی ہیں جو بتا رہے ہیں کہ حکم الٰہی نے ابراہیم علیہ السلام پر نار کو گلزار بنایا، نہ آپ وہاں سے بھاگے نہ بارش ہوئی۔ بلکہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو بارش پہ مقرر فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے برسانے کی اجازت مانگی۔ مگر اس سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا اور ارشاد ہوا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۴۳ حدیث ۲۴۶۶۹)

رسول اللہ ﷺ کے لیے آگ کا ٹھنڈا کیا جانا

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ ٹھنڈی کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی اس مفہوم کے معجزات ثابت ہیں۔ مثلاً شب معراج آپ اس کرۂ ناریہ میں سے سلامتی سے گزر گئے جو آسمان دنیا کے نیچے ہے اور اس کی آگ آپ کو جلا نہ سکی، پھر ابراہیم علیہ السلام تو آگ میں گئے تو وہ ٹھنڈی ہوئی۔ جبکہ جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو ایران کا وہ آتش کدہ خود بخود بجھ گیا جو ہزار برس سے مسلسل جل رہا تھا، کبھی نہ بجھا تھا اور وہ ایسا بجھا کہ پھر جل نہ سکا اور ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین'' میں امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے متعدد واقعات لکھے ہیں جو اس مفہوم پر دال ہیں۔ مثلاً ابن سعد کی روایت سے لکھا ہے کہ جب کفار نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ میں پھینکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یانارُ کونی بردا وسلاما علی عمار کما کنت علی ابراھیم۔ اے آگ! عمار پہ ایسے سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا جیسے تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی تھی۔ تو وہ اسی طرح ٹھنڈی ہوگئی۔ پھر ابونعیم کی روایت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس وہ رومال تھا جس سے رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ مبارک صاف فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ میلا ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ صاف ہو کر باہر نکلتا (گویا آگ اس کپڑے پر بھی ٹھنڈی ہوگئی جو جسم رسول ﷺ سے مس ہو گیا تھا)۔ (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صفحہ ١٦ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ

اور ہم نے آپ کو اور لوط (علیہ السلام) کو اس سرزمین کی طرف راہ نجات دی جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکت رکھی ہے۔[54]

اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) دیئے اور یعقوب (علیہ السلام) اس پر زیادہ اور ہم نے سب کو نیکوکار بنایا۔[55] اور ہم نے

يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ

انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت دیتے تھے اور ہم نے انہیں وحی کی کہ اچھے کام کیے جائیں نماز قائم کی جائے

الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ۙ

اور زکوۃ دی جائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار بندے تھے۔[56]

[54] نار کے گلزار بننے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام حکم الٰہی سے بابل سے ہجرت کر کے براستہ مصر فلسطین چلے گئے آپ علیہ السلام کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ فلسطین میں اللہ رب العزت نے یہ برکات رکھی ہیں کہ وہاں

نہروں، چشموں، آبشاروں اور باغات کی کثرت ہے۔ پھر اس علاقہ میں کثیر انبیاء کرام بھیجے گئے اور آسمانی کتابیں اتاری گئیں اسی لئے یہاں کثیر انبیاء کے مزارات ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شام میں ایک ہزار سات سو انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۳۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بقیہ زندگی فلسطین میں گزاری۔ ہزاروں لوگ آپ علیہ السلام پہ ایمان لائے۔ اسی دوران آپ کو حکم ہوا کہ اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو وہاں چھوڑ آئیں جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ تعمیر فرمایا۔ پھر آپ واپس فلسطین چلے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ آج وہاں بستی الخلیل میں آپ کا مزار مقدس ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اہل بابل پہ اللہ تعالیٰ کا عذاب

جب حضرت ابرہیم علیہ السلام بابل (عراق) سے ہجرت کر کے فلسطین چلے گئے تو اہل بابل پہ اللہ کا عذاب آیا ان پہ مچھر مسلط ہو گئے، جو ان کی چمڑیاں کھا گئے اور خون چوس گئے۔ ایک مچھر نمرود کے دماغ میں گھس گیا اس کے پھڑ پھڑانے سے اسے تکلیف ہوتی۔ تب کوئی شخص اس کے سر پہ کوئی چیز زور سے مارتا تو مچھر کچھ دیر کے لیے ساکن ہو جاتا۔ نمرود نے خادم مقرر کر لیے جو باری باری اس کے سر میں جوتے مارتے رہتے (یعنی خدائی کے دعویدار کے سر میں اللہ تعالیٰ نے اس کے نوکروں کے ذریعہ جوتے مروائے) ایک بار ایک خادم ساری رات جوتے مارتے مارتے تھک گیا۔ تب اس نے نمرود کے سر پہ ڈنڈا دے مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

[55] بت شکنی کا عظیم کارنامہ کرنے اور وطن کی قربانی دینے کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دعا قبول کرتے ہوئے حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا نبی بیٹا عطا فرمایا اور مزید اپنی طرف سے یعقوب علیہ السلام جیسا نبی پوتا بھی عطا فرمایا اور یہ سب انبیاء صالحین تھے کیونکہ انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں۔ لہٰذا اس سے انبیاء کا معصوم ہونا معلوم ہوا۔

[56] انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ نے نیکی پھیلانے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا اور وہ اللہ کا ہر حکم پورا کرنیوالے اور اللہ کی عبادت و طاعت کا حق بجالانے والے تھے اس سے بھی انبیاء کا معصوم ہونا معلوم ہوا۔ اس آیت سے نماز و زکوٰۃ کی اہمیت بھی معلوم ہوئی۔ گویا ہر نبی کی تعلیمات میں نماز و زکوٰۃ شامل تھیں۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب ہم نے انہیں حکمت اور علم دیا اور اس بستی سے نجات دی جو

الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ

بُرے کام کرتی تھی۔ بے شک وہ بُری قوم اور بدکردار لوگ تھے۔ اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بیشک

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔[57]

[57] جب حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے فلسطین آئے تو انہیں نبوت دے کر وہاں کی ایک بستی سدوم میں برائے تبلیغ بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبرانہ علم وحکمت سے نوازا۔ اہلِ سدوم کفر وشرک کے علاوہ ہم جنس پرستی (Homo sex) جیسی خبیث عادت میں مبتلا تھے۔ جب لوط علیہ السلام کی تبلیغ کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو انہیں تباہ کر دیا گیا ان کی بستی اُلٹ دی گئی اور لوط علیہ السلام کو بچا کر نکال لیا گیا اور رحمتِ الٰہی سے نوازا گیا کیونکہ وہ اسی انعام کی اہلیت وصالحیت رکھتے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ

اور نوح (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اس سے قبل ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں اور ان کی گھر والوں کو بڑے

الْعَظِيْمِ ۚ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ

دکھ سے نجات دی۔[58] اور اس قوم کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بے شک وہ بدکردار

سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

لوگ تھے۔ تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔[59]

مختلف انبیاء کرام کا اجمالی ذکر خیر

[58] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر خیر لایا جا رہا ہے جو اگرچہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل گزرے ہیں اسی لئے فرمایا: اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت وفضیلت کے سبب ان کا ذکر پہلے کیا گیا۔ تو فرمایا کہ

نوح علیہ السلام نے جناب ابراہیم سے قبل اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب! میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما۔ (قمر:۱۰) تو ہم نے انہیں عظیم دکھ سے نجات دے دی۔ عظیم دکھ یہ ہے کہ انہوں نے ساڑھے نو سو برس بت پرست قوم کی مخالفت اور ایذاء رسانی سہی۔

[59] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے اہل وعیال اور مومن ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے نجات دے دی اور سب کفار کو پانی میں غرق کر دیا۔ کیونکہ وہ اللہ اس کے رسول اور اس کے دین کے دشمن تھے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

اور داؤد وسلیمان (علیہما السلام) کو یاد کرو جب وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرتے تھے جب اس میں رات کے وقت لوگوں کی بکریاں چر گئیں

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫

اور ہم ان کا فیصلہ دیکھتے تھے [60] تو ہم نے فیصلے کی بہتر صورت سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھائی اور دونوں کو ہم نے حکومت اور علم سے نوازا تھا۔ [61]

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑ تابع کر دیئے جو تسبیح کہتے تھے اور پرندے تابع کر دیئے اور ہم سب کام کرنے والے تھے۔ [62]

[60] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس داخل ہوئے ایک کھیتی والا تھا دوسرا بکریوں والا۔ کھیتی والے نے کہا: اس شخص نے رات کو اپنی بکریاں میری کھیتی میں چھوڑ دی تھیں (نفش ینفش کا معنی جانوروں کا رات کو چرنا ہے) اور کھیتی کی کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا جاؤ یہ سب بکریاں تمہاری ہیں (کیونکہ آپ کے نزدیک بکریوں کی قیمت کھیت کی مالیت کے برابر تھی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس فیصلہ کا علم ہوا تو وہ اپنے والد داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور عرض کیا کہ آپ کے فیصلے سے بہتر فیصلہ بھی ہے۔ پوچھا: وہ کیسے؟ سلیمان علیہ السلام نے کہا: کھیتی کی سالانہ آمدن اس کے مالک پر مخفی نہیں ہوتی اسے چاہئے کہ بکریاں اپنے قبضہ میں لے کر ان کا دودھ، اون اور ان کے بچے حاصل کرے جب اس کا نقصان پورا ہو جائے تو بکریاں ان کے مالک کو واپس کر دے اور اپنی کھیتی اپنے پاس رکھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تم نے درست کہا یہی بہتر فیصلہ ہے۔ تو یہ فیصلے کی وہ بہتر صورت تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھائی۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اگر جانور کسی کی کھیتی کو از خود اجاڑ دیں تو کوئی تاوان نہیں ہے

یاد رہے کہ اس روایت کے مطابق بکریوں والے شخص نے خود وہ بکریاں اس کھیتی میں چھوڑ دی تھیں، اس لیے اسے

کھیتی کا تاوان دینا پڑا۔ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور ازخود کسی کا کچھ نقصان کر دے جس میں اس کے مالک کا ارادہ و عمل شامل نہ ہو تو مالک پہ کوئی تاوان نہیں آتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العجماء جرحها جبار والبئر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس۔ ''اگر مویشی کسی کو زخمی کر دیں تو تاوان معاف ہے، کنوئیں میں گرنے کا تاوان معاف ہے، کان میں دبنے کا تاوان معاف ہے اور خفیہ خزانہ ملنے میں خمس لازم ہے۔'' (بخاری کتاب الدیات باب ٢٨ حدیث ٦٩١٢)

[61] یعنی حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کا علم و حکم اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ تھا مگر سلیمان علیہ السلام کو اس فیصلے کی بہتر صورت سے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔

یعنی اللہ رب العزت جس پہ علم و حکمت کا جو خزانہ کھولنا چاہے کھول سکتا ہے۔ اس میں عمر یا چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہے۔ آج فقہ حنفی میں بہت سے مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے ان کے شاگرد صاحبین کے قول پہ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا قول ان معاملات میں زیادہ قوی ہے۔ جیسے تکبیر تشریق کی انتہاء بارہ ذی الحجہ کی نماز عصر کی بجائے تیرہ کی عصر تک ہے۔ اگر جرابیں اتنی موٹی ہوں کہ ان پہ مسح کرنے سے پانی اندر پاؤں تک نہ جائے تو ان پہ مسح جائز ہے خواہ وہ چمڑے کی نہ ہوں وغیرہ۔

[62] حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں اور وادیوں میں اپنی پیاری آواز سے حمدِ الٰہی کے اشعار پڑھتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ وہی تسبیح و حمد پڑھنے لگتے اور ممکن ہے داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح سنتے بھی ہوں اسی لئے پہاڑوں کا آپ کے لئے مسخر کیا جانا مذکور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے پرندے آپ کے تابع کر دیئے تھے کہ آپ انہیں جو حکم دیتے وہ پورا کرتے جیسے آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو پرندوں پر حکومت دی گئی اور قرآن میں ہدہد کا واقعہ مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِيِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ ''ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑ تابع کر دیئے جو شام و سحر تسبیح کہتے تھے اور پرندے ان کے گرد جمع کر دیئے سب ان کا حکم مانتے تھے۔'' (ص:١٩)

یاد رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورت آواز عطا فرمائی تھی۔ جس کے ساتھ آپ اللہ کی حمد و ثناء میں خوبصورت اشعار ترنم سے پڑھتے تھے۔ جو اس قدر وجد آور ہوتے کہ پہاڑ بھی آپ کے ساتھ حمد و تسبیح کہنے لگتے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو مزامیر داود علیہ السلام میں سے حصہ دیا گیا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل)

مرزائیوں کا ملحدانہ تاویلات کے ذریعہ انبیاء کے معجزات سے انکار

اس جگہ مرزا محمود پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ پہاڑوں سے اس زمانہ کے بڑے سردار مراد ہیں یعنی اللہ نے اس زمانہ کے بڑے حکمرانوں اور سرداروں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا اور پرندوں سے آپ کے تابع فرمان مسلمان مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۴۳ مطبوعہ لندن) ان ملحدانہ مرزائی تاویلات کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء کرام کے معجزات و مقاماتِ رفیعہ سے انکار کر کے انہیں مرزا قادیانی کی سطح پر لایا جائے۔ ورنہ انبیاء کرام اور مرزا قادیانی کے مابین اتنا فرق ہے جتنا آفتاب اور چمگادڑ کے مابین۔ اللہ تعالیٰ یہاں داؤد علیہ السلام کی پیغمبرانہ خصوصیت بیان فرما رہا ہے۔ جبکہ کسی کے آگے حکمرانوں اور سرداروں کے تابع کئے جانے میں کون سی پیغمبرانہ خصوصیت ہے؟ آج امریکہ کے آگے بھی سب حکمران جھکے ہوئے ہیں تو کیا امریکہ کو پیغمبرانہ خصوصیت وعظمت حاصل ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مرزا قادیانی نے ملحدانہ تاویلات کے سہارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے انکار کیا اور کہا: حق بات یہ ہے کہ آپ سے (عیسیٰ علیہ السلام سے) کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ (حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۶ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۰)

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

اور ہم نے انہیں تمہاری خاطر زرہ گری سکھائی۔ تا کہ یہ زرہیں تمہیں تمہاری باہمی مار سے بچائیں، تو کیا

شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

تم شکر گزار ہو؟ [63] اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا تابع کر دی، جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جسمیں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ

ہم نے برکت رکھی ہے۔ [64] اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں اور کچھ جنات ان کے لئے

يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ لا

غوطہ خوری کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگران تھے۔ [65]

[63] سب سے قبل حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ علم سکھایا۔ قرآن میں ہے: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ "ہم نے ان کے لئے لوہا نرم (موم) کر دیا تھا" (سبا: ۱۰) یعنی وہ ہاتھ سے لوہے کو جدھر چاہتے ڈھال لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے زرہیں ڈھالیں اور دیگر ہتھیار بنائے جن کے ذریعے جہاد کیا گیا اور آپ نے جالوت اور دیگر کافر حکمرانوں کو قتل کر کے مضبوط اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسانو! ہم نے داؤد علیہ السلام کو یہ زرہ گری

تمہاری خاطر سکھائی تاکہ تم جنگوں میں زرہوں سے اپنا بچاؤ کر سکو۔

شانِ داؤدی اور شانِ محمدی میں فرق

یاد رہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی شان ہے کہ ان کے لیے لوہا نرم کیا گیا اور واقعی لوہے کا یوں ہاتھ میں نرم ہو جانا ایک معجزہ ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ کے لیے پتھر پگھل گئے، کئی پتھروں میں آپ کے نشان قدم پڑ گئے، کنکروں نے آپ کے لیے کلمہ پڑھا اور احد پہاڑ آپ کی محبت میں لرزنے لگا۔ لوہے کو تو آگ بھی پگھلا دیتی ہے مگر پتھر کا پگھلنا اور لرزنا لوہے کے نرم ہونے سے بڑا معجزہ ہے۔

ہاتھ سے کما کر کھانے کی فضیلت

حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہ گری کرنا ہاتھ سے کما کر کھانے کی فضیلت پہ دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی روزی نہیں ہے اور داؤد علیہ السلام ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔'' (بخاری کتاب البیوع باب ١٥) گویا حضرت داؤد علیہ السلام زرہ گری پہ صرف ہونے والے اپنے وقت کا عوض سرکاری خزانہ سے وصول کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص محنت مزدوری کرتے کرتے تھک گیا حتی کہ شام ہوگئی تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔''

(مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۶۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

کسی پیشے سے تعلق رکھنا عیب نہیں ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہاروں والا کام کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوہے کی زرہیں بنانا داؤد علیہ السلام نے ایجاد کیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ١٦٨) لہٰذا لوہار، ترکھان، موچی، درزی، حجام وغیرہ ہونا انسان کے لئے عیب نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے ہیں بلکہ یہ سب پیشے ہیں جن کی ہر انسان کو ضرورت ہے۔ یہاں ہمارے ہاں برطانیہ و یورپ وغیرہ میں کسی پیشے کو بُرا نہیں جانا جاتا۔ کیونکہ یہ مادی لحاظ سے تعلیم یافتہ قومیں ہیں۔ گویا کسی پیشے کو بُرا جاننا جہالت کے باعث ہے۔

[64] ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھی آپ کے حکم سے ہوا آپ کا تخت بابل سے اُڑا کر برکت والی سرزمین (فلسطین) کی طرف لے جاتی جہاں بیت المقدس ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کہ ''ہم نے اس کے گرد برکتیں رکھیں ہیں۔'' (بنی اسرائیل: ١) ان برکتوں سے مزاراتِ انبیاء مراد ہیں جیسا کہ ہم بنی اسرائیل آیت نمبر ایک کے تحت واضح کر آئے ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ ''ہم نے ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم پہ خراماں چلتی جدھر وہ چاہتے۔'' (ص، ٣٦)

اس جگہ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ کے تحت مرزا بشیر الدین پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۴۸ میں اس بات پہ بہت زور دیا ہے کہ بِاَمۡرِہٖۤ کی ضمیر واحد غائب اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہوا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کے لیے چلتی تھی۔ اس میں انکے ارادہ کا دخل نہ ہوتا تھا۔ یہ بھی مرزا بشیر الدین کی ملحدانہ تاویل ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تجری بامرنا ہونا چاہیے تھا کیونکہ پیچھے سخّرنا، ففھمنا اور علّمنا جیسے جمع متکلم کے صیغے آرہے ہیں اور یوں بھی اس طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے تسخیرِ ہوا کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا اور اللہ کا کلام بے مقصد ہوجاتا ہے۔

[65] حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات سمندروں کی تہہ میں غوطہ زن ہوکر ہیرے و جواہرات نکال لاتے اور دوسرے بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان جنات کی نگرانی کرتے تھے کیونکہ جنات کام مکمل کر کے اسے بگاڑ دیتے ہیں مگر ہم سلیمان علیہ السلام کے خدمت گزار جنات کو ایسا نہیں کرنے دیتے تھے۔ گویا کفار جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ضرور ہوئے مگر کفار ہی رہے۔ اسی لیے ان کو شیاطین کہا گیا (ومن الشیاطین من یغوصون لہ) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جنات نے جیسے ہی قرآن سنا تو وہ ایمان لے آئے۔ یہ ہے کمال اتباع۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ فرمادیں مجھے وحی کی گئی ہے کہ کچھ جنات نے قرآن سنا تو بولے ہم نے بہت پُراثر قرآن سنا ہے جو راہِ ہدایت دکھاتا ہے تو ہم اس پہ ایمان لے آئے۔'' (جن،۱)

وَاَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف آ پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَکَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَیۡنٰہُ اَہۡلَہٗ وَمِثۡلَہُمۡ مَّعَہُمۡ

تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور انہیں جو تکلیف تھی دور کردی۔ [66] اور انہیں ان کے گھر والے دے دیئے اور ان کے ساتھ اتنے اور دیدیئے،

رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِکۡرٰی لِلۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِدۡرِیۡسَ وَذَا الۡکِفۡلِ ؕ

اپنی طرف سے رحمت اور عبادت گزاروں کے لئے نصیحت کے طور پر۔ [67] اور اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یاد کرو۔

کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

وہ سب صبر کرنے والوں میں سے ہیں ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا وہ سب نیکوکار ہیں۔ [68]

[66] حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ 1500 قبل مسیح ہے آپ دمشق کے قریب ایک بستی میں مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مثالی حسن و جمال، اولاد اور اموال سے نوازا تھا۔ شیطان نے کہا: اے اللہ! تو نے ایوب کو بہت نعمتیں دی ہیں اس

لئے وہ تیری بہت عبادت کرتا ہے اگر اس سے یہ سب کچھ چھن جائے تو وہ تیری عبادت نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے شیطان! تم اس پر جس قدر وار کرلو وہ کسی صورت میری عبادت سے منہ نہ موڑے گا۔ شیطان نے رات کو آپ کے مکان کی چھت گرادی آپ کے تمام بیٹے اس کے نیچے دب کر فوت ہو گئے مکان بھی گر گیا۔ پھر شیطان کی پھونک سے آپ کو تیز بخار ہو گیا جو سات برس تک رہا۔ بیوی بھی ساتھ چھوڑ گئی مگر آپ کے صبر و ذکر میں فرق نہ آیا۔ آخر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴿٤٢﴾ ''آپ زمین پر پاؤں ماریں تو یہ پانی کا چشمہ غسل اور پینے کے لئے موجود ہے۔'' (ص:٤٢) آپ نے پاؤں مارا تو ٹھنڈا میٹھا چشمہ نکل آیا جس کے پینے سے بیماری چلی گئی اور صحت لوٹ آئی۔

[67] حضرت ایوب علیہ السلام کے اموال و اسباب بھی لوٹ آئے آپ کے دو کھیت تھے جو سوکھ گئے تھے ان پر سیم و زر کی بارش ہوئی اور آپ کے جتنے بچے فوت ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس سے دوگنا عطا فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یہ ایوب علیہ السلام پر ہماری رحمت تھی اور عابدین کے لئے نصیحت کہ جو اللہ کی اطاعت سے کسی حال میں منہ نہ موڑے اللہ نہ صرف اس کی تکلیف دور کرتا ہے بلکہ پہلے سے زیادہ رحمت فرما دیتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارہ میں جو مشہور ہے کہ ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے اور سخت بدبو آنے لگی۔ حتیٰ کہ کوئی ان کے قریب کھڑا نہ ہو سکتا تھا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اللہ رب العزت انبیاء کو ایسی بیماری لاحق نہیں کرتا جس کے سبب لوگ ان سے نفرت کریں اور دور بھاگیں۔ اسی لئے کوئی نبی اندھا، اپاہج اور معذور وغیرہ نہیں گزرا۔ انبیاء ظاہری و باطنی حسن و جمال کا مرقع ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کسی اندھے، لنگڑے، اپاہج یا خارش زدہ شخص کو کسی ملک میں اپنا سفیر بنا کر نہیں بھیجتا، کیونکہ لوگ نہ صرف ایسے شخص کا مذاق اُڑاتے ہیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں اور وہ بہتر حقِ سفارت ادا نہیں کرسکتا، تو اللہ تعالیٰ کسی معذور و مفلوک الحال شخص کو نبی بنا کر بھیجے۔ یہ بھی عقل و خرد کے خلاف ہے۔

[68] ذوالکفل کسی نبی کا نام ہونا چاہئے کیونکہ انہیں انبیاء کی فہرست میں ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے کون ہے جو صبح و شام عبادت، ہمیشہ روزہ داری اور لوگوں کی ایذاء پر صبر کا کفل (بوجھ) اٹھائے۔ ایک نوجوان نے حامی بھری۔ چنانچہ نبی کے وصال پر اس نوجوان کو نبی کا جانشین بنایا گیا پھر شیطان نے اُس نوجوان کو سخت تکالیف میں ڈالا مگر اس کے پائے صبر میں لغزش نہ آئی۔ تو اسے ذوالکفل (بڑا بوجھ اٹھانے والا) کہا گیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۷۰ مطبوعہ مکہ) اور حدیث میں ہے کہ ''پہلے ہر نبی کے بعد اُن کا جانشین نبی ہوتا تھا مگر میرے بعد انبیاء نہیں خلفاء ہیں۔'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۰) معلوم ہوا حضرت ذوالکفل علیہ السلام نبی ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ نبی کے جانشین ہیں۔

وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادٰى فِى

اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کو یاد کرو جب وہ (قوم پر) غضبناک ہو کر چل دیئے اور سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے تو

الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ‌ۖ ﴿۸۷﴾

انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں ہی خود پر زیادتی کرنے والا تھا۔

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے انکی دعا سن لی اور انہیں غم سے نجات دیدی اور ہم مومنوں کو ایسے ہی نجات دیتے ہیں۔[69]

[69] حضرت یونس علیہ السلام چار صدی قبل مسیح عراق کے شہر موصل کے قریب ایک بستی نینوا میں نبی بنائے گئے۔ سورہ یونس آیت 98 کے تحت آپ کا مفصل ذکر گزر چکا ہے وہاں دیکھیں اور آگے سورہ صافات رکوع 5 میں بھی آپ کا خصوصی ذکر آئے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مختصر واقعہ

آپ کی عرصۂ دراز تبلیغ کے باوجود قوم ایمان نہ لائی تو آپ نے بحکمِ الٰہی انہیں بتا دیا کہ تین دن تک عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسرے دن عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو قوم سجدے میں گر کر ایمان لے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب اٹھالیا ادھر یونس علیہ السلام تین دن سے قبل ہی قوم پر غصہ رکھتے ہوئے شہر سے نکل گئے۔ آپ کا علم یہ تھا کہ تین دن بعد قوم پر بہر حال عذاب آنے ہی والا ہے اور آپ کو اللہ کسی تنگی میں نہ ڈالے گا یعنی اس عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

مگر معاملہ اُلٹ ہو گیا۔ قوم سے عذاب ٹل گیا کیونکہ وہ ایمان لے آئے اور آپ پر وقت ابتلاء آ گیا کیونکہ آپ وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر تین دن سے قبل ہی شہر سے نکل گئے تھے۔ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے، کشتی ڈولنے لگی۔ کشتی بان نے کہا اس کشتی میں اپنے مالک سے کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ قرعہ ڈالا گیا، قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تا کہ آپ کی وجہ سے دوسرے لوگ ہلاک نہ ہوں۔ تب ایک بڑی مچھلی نے بحکمِ الٰہی آپ کو نگل لیا۔ آپ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے مگر آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ مچھلی کے پیٹ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو یوں پکارا: لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ‌ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو ساحل پر پھینک دیا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۲۶۴) آخر آپ قوم میں تشریف لائے۔ قوم آپ کے قدموں پر گر پڑی اور دل و جان سے اطاعت گزار ہوئی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کی برکات

حضرت یونس علیہ السلام کا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ پڑھنا تین تاریکیوں میں تھا مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، سمندر کی تہہ کی اندھیری اور رات کی تاریکی، یعنی مشکل در مشکل میں تھا، مگر ان کلمات کی برکت سے سب مشکلات دور ہوگئیں۔ یہاں سے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۷﴾ کو مصائب میں پڑھنے کی افادیت معلوم ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمام انبیاء مشکل میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا وظیفہ کرتے تھے اور ظلمت شکم ماہی میں یونس علیہ السلام نے بھی یہی وظیفہ کیا۔'' (درمنثور بروایت دیلمی جلد ۵ صفحہ ۶۶۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو مسلمان کسی مرض میں چالیس دن لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پڑھے اگر وہ اس میں فوت ہوگیا تو شہید ہے اگر شفایاب ہوا تو مغفور ہے۔ (مستدرک للحاکم جلد ۱ صفحہ ۵۰۶) معلوم ہوا کسی کا جتنا بڑا مقام ہوا اس کا اتنا بڑا امتحان ہوتا ہے انبیاء کا مقام سب سے بلند ہے تو انہیں سب سے بڑے امتحانات میں ڈالا گیا۔ لہٰذا مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

اہلِ تشیع کا غلو اور گستاخی انبیاء

اس جگہ اہل تشیع کا کہنا ہے کہ یونس علیہ السلام نے بارہ ائمہ اہل بیت کی امامت کے ماننے سے انکار کیا اس لئے اللہ نے انہیں شکم ماہی میں ڈالا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کا بطن ماہی میں جانا اس لیے تھا کہ انہوں نے امامت حضرت علی کے ماننے سے انکار کردیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں ایسے ہی ہے، ابن عمر نے کہا: مجھے اس کی کوئی نشانی دکھائیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سمندر پہ لے گئے۔ اور آواز دی تو ایک عظیم مچھلی نے سر نکالا جو پہاڑ کی طرح تھا۔ پھر وہ فصیح عربی میں کہنے لگی کہ میں یونس علیہ السلام والی مچھلی ہوں۔ اللہ نے جس نبی کو بھی دنیا میں بھیجا اس سے ائمہ اہل بیت کی امامت کے ماننے کا اقرار لیا جس نے تسلیم کیا وہ نجات پاگیا، جس نے انکار کیا اسے اللہ نے کسی نہ کسی مصیبت میں ڈال دیا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کا خطاء کرنا، ابراہیم علیہ السلام کا نار نمرود میں گرایا جانا، یوسف علیہ السلام کا چاہِ کنعان میں پھینکا جانا اور ایوب علیہ السلام کا مبتلائے بلا ہونا یہ سب اس لئے تھا کہ ان انبیاء نے ولایتِ اہل بیت کے ماننے سے انکار کیا آخر میں انہوں نے توبہ کرکے ولایت تسلیم کی تو اللہ نے ان کی مشکلات دور کردیں جب یونس علیہ السلام نے حضرت علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ کی امامت سے توقف کیا تو اللہ نے مجھے حکم فرمایا کہ یونس کو نگل لوں مگر اس کی کوئی ہڈی نہ توڑوں۔ تب انہوں نے تاریکیوں میں اللہ کو پکارا اور کہا یااللہ! میں علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد میں سے اماموں کی امامت کو قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ مجھے اللہ نے حکم فرمایا کہ

یونس کو ساحل پہ پھینک دوں تو میں نے پھینک دیا۔ اس کے بعد امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے مچھلی کو واپس جانے کا حکم دیا تو واپس چلی گئی۔ (انوار نعمانیہ جلد ا صفحہ ۲۵ نور علوی مطبوعہ دار القاری، بیروت) (معاذ اللہ)

مگر یہ اہل تشیع کا محبت اہل بیت میں ملحدانہ غلو ہے اور یہ محبت نہیں ضلالت اور کفر ہے۔ بلکہ یہ انبیاء کرام کی شدید گستاخی ہے۔ اللہ تعالی انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ "ہم نے انبیاء کو تمام جہانوں پہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔" (انعام، ۸۶) اللہ تعالی ہر مسلمان کو ایسی ضلالت سے محفوظ رکھے۔ حیرت ہے کہ اہل تشیع نے من گھڑت طریقہ سے ائمہ اہل بیت کو معصوم مان لیا ہے، اور وہ انبیاء کرام کو معصوم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انبیاء کرام کے بارہ میں وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ائمہ اہل بیت کی امامت کے ماننے سے انکار کیا (جو ان کے نزدیک کفر ہے) تو اللہ نے انہیں طرح طرح کے عذابات میں مبتلا کیا۔ (معاذ اللہ)

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور انہیں یحییٰ (علیہ السلام) (جیسا بیٹا) دیدیا اور ان کی بیوی ان کی خاطر تندرست کر دی۔ [70]

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

یہ لوگ نیک کاموں میں سبقت لے جاتے تھے اور ہمیں خوف و امید کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکنے والے تھے۔ [71]

[70] حضرت زکریا علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم علیہا السلام کے سگے ماموں ہیں آپ کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے دعا کی اے اللہ! مجھے تنہا یعنی بے اولاد نہ چھوڑ، کہ تو بہترین وارث یعنی مالک ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں یحییٰ علیہ السلام جیسا نبی بیٹا عطا فرمایا اور زکریا علیہ السلام کی بیوی بچہ جننے کی عمر سے ڈھل گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جوانی اور صحت عطا فرما دی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر سورہ آل عمران رکوع 4 اور سورہ مریم رکوع اول میں تفصیلاً ہے۔

معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام مشکلات میں اللہ رب العزت کو گڑگڑا کر پکارتے تھے یہی سنت انبیاء ہے اور اللہ رب العزت ہی مشکلات کا دور کرنے والا ہے۔ تاہم اس کے نیک بندوں کا وسیلہ اس کے حضور پیش کرنا چاہیے۔ گزشتہ آیات میں تفصیلاً بتایا گیا کہ ایوب علیہ السلام نے بیماری میں اللہ کو گڑگڑا کر پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف دور فرمائی۔ (آیت ۸۳)

یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا تو اللہ کی مدد آ پہنچی۔ (آیت ۸۷) اور زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی۔ (آیت ۹۰) معلوم ہوا کہ مشکلات میں اللہ کو پکارنا یہی سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جب کوئی مشکل آتی تو آپ دوڑ کر نماز میں کھڑے ہو جاتے۔ میدان بدر میں آپ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے والہانہ پکارتے ہیں۔ اس میں ہمارے لیے بہت سا سامانِ ہدایت ہے۔ البتہ دعا میں اللہ کے محبوب بندوں کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے اور جو لوگ مصائب میں انبیاء و اولیاء کو مدد کے لیے پکارتے ہیں تو وہ بھی ان سے وسیلہ پکڑنے کی ایک صورت ہے۔ یعنی اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان انبیاء و اولیاء کی ارواح متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیں تا کہ اللہ ان کی مصیبت دور کر دے، کیونکہ وہی مصائب کا دور کرنے والا ہے۔ مصائب و آلام اللہ ہی کے حکم سے آتے ہیں اور اسی کے حکم سے ٹلتے ہیں۔

[71] یعنی یہ انبیاء کرام نیکیوں میں سبقت لے جاتے تھے۔ وہ اللہ کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے اور اس کے سامنے عجز و نیاز سے کھڑے ہوتے تھے۔ معلوم ہوا انبیاء کرام ہر گناہ سے معصوم اور ہر نیکی سے موسوم تھے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً

اور اس بندی (مریم) کو یاد کرو جس نے اپنی عصمت محفوظ رکھی ہم نے اس میں اپنی (بنائی ہوئی) روح پھونکی اور اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

کے لئے نشانی بنا دیا۔ [72] بیشک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔ [73]

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾

جبکہ کفار نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے، سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔ [74]

[72] یعنی سیدہ مریم کا نکاح نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم میں اپنی پیدا کردہ روحوں میں سے ایک روح (روح عیسیٰ علیہ السلام) پھونکی اور بغیر شادی کے سیدہ مریم کو بیٹا دے کر انہیں اور ان کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لئے قدرتِ ربانی کی عظیم نشانی بنا دیا۔ معلوم ہوا سیدہ مریم کے سوا کوئی عورت بغیر شادی حلالی بچہ جننے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ان کو ہی تمام جہان والوں کے لئے نشان بنایا گیا۔

اس جگہ مرزا قادیانی اور اس کے بیٹے مرزا محمود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی اعجازی شان سے انکار کرتے ہوئے ملحدانہ تاویلات کا سہارا لیا۔ اس کی تفصیل ہم سورہ مریم کے دوسرے رکوع کے تحت دے چکے ہیں۔

[73] یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سب انبیاء ایک ہی امت یعنی ایک ہی جماعت ہیں سب کا ایک

ہی دین ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو، اسی کی عبادت کرو اور عبادت کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اللہ کے ہر حکم کو جو وہ اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو دے اسے لوگ دل و جان سے تسلیم کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں اسی مفہوم کو لفظ اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[74] مگر کفار نے اللہ کے اس دین کے ٹکڑے کر دیئے جو اللہ نے ان کے لئے بھیجا اور اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے انسانوں، جانوروں، پتھروں اور ستاروں کی پرستش شروع کر دی۔ مگر سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے جو ان کا حساب لے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ

پھر جو شخص اچھے اعمال کرے اور وہ مومن ہو تو اس کی کوشش سے کچھ انکار نہ کیا جائے گا اور ہم اس کی کوشش

كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا

لکھ رہے ہیں۔[75] اور جس بستی کو ہم ہلاک کریں اس پر یہ بات لازم ہے کہ وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔[76] یہاں تک کہ

فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

جب یاجوج و ماجوج کو کھولا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے اُمڈتے آئیں گے۔[77]

ایمان کے فوائد، کفر کے نقصانات اور احوالِ قیامت کا بیان

[75] یعنی مومن کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ کی جائے گی اور کافر کی زندگی بھر کی نیکیاں برباد ہیں کیونکہ لمبے بھر کا کفر زندگی بھر کی سب نیکیوں پر بھاری ہے اور جو زندگی بھر کافر رہے اور کفر پہ مرے اس کی بربادی و بدبختی کا کیا عالم ہے؟ اس سے ایمان کی قدر و قیمت معلوم ہوئی اور کفر کی سنگینی کا پتہ چلا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں بندے کا ایمان اور اس کی نیکی دیکھی جاتی ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کس قبیلہ، خاندان، علاقہ یا زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ یاد رہے بعض نیکیاں دکھاوے اور احسان جتلانے کے سبب ضائع ہو جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی وہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے ہو، دکھاوے کی نیکی، نیکی نہیں منافقت ہے۔

[76] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ حَرٰمٌ حبشی لغت میں واجب کے معنی میں ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ٨ صفحہ ٢٤٦٧ روایت ١٣٧٢٥ مطبوعہ مکہ) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان پر لازم ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ کر نہ آئیں گے یعنی وہ قومیں دوبارہ آباد نہ ہوں گی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ ''کیا انہوں نہ دیکھا کہ ان سے قبل ہم نے کئی

تو میں ہلاک کر دیں تو وہ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گی۔'' (یٰسین: ۳۱) یا یہ معنی ہے کہ جو ایک بار مر جاتا ہے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا کہ اسے پھر نیکی کرنے کا موقع دیا جائے۔

شیعہ فرقہ کے عقیدۂ رجعت کا تعارف اور اس کا رد

اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ میں ہندو عقیدے اواگون کی بھی تردید ہے اور شیعوں کے عقیدہ رجعت کا بھی رد ہے۔ شیعہ فرقہ سمجھتا ہے کہ حضور ﷺ اور بارہ ائمہ اہل بیت امام مہدی کے ساتھ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ دنیا میں پچاس ہزار برس (50,000 years) تک رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چالیس ہزار برس (40,000 years) تک رہیں گے اور امام مہدی اسی ہزار برس (80,000 years) تک حکومت کریں گے اس وقت ہر شیعہ ایک ہزار برس (1000 years) سے زیادہ مدت تک جیئے گا اور ہر برس اس کے ہاں ایک ایک ہزار بچہ پیدا ہوگا (یعنی ہر شیعہ کے ہاں دس دس لاکھ بچے پیدا ہونگے۔ یہ کس قدر احمقانہ بات ہے، اگر ایک شخص کی تین بیویاں ہوں اور ہر بیوی روزانہ ایک بچہ جنے تب سال میں ایک ہزار بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ تو کیا اس وقت شیعہ عورتیں بچے دیں گی یا انڈے دیں گی؟ اور کیا شیعہ لوگ ان دنوں انسان ہی ہوں گے یا مرغے مرغیاں بن جائیں گے؟ حماقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے)

آگے یہ لکھا ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ اس وقت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کو انکی قبروں سے نکال کر زندہ کرے گا۔ انہیں ہر دن میں سو سو بار سولی دیگا پھر ان کی لاشوں کو جلائے گا اور ان کی خاک کو سمندر میں بہادے گا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ (''انوار نعمانیہ'' جلد ۲ صفحہ ۵۹ نور رجعت مطبوعہ دار القاری بیروت)

اہل تشیع کا یہی عقیدہ ملا باقر مجلسی نے ''حق الیقین'' صفحہ 305 مطبوعہ انوار الہدی قم میں بیان کیا ہے۔ مگر اہل تشیع کا یہ عقیدہ نہایت گستاخانہ اور سخت مضحکہ خیز ہے۔ کوئی عقل مند اسے قبول نہیں کر سکتا۔ پیش نظر آیت بھی اس کا رد کر رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ الخ یعنی جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں ان کا دوبارہ دنیا میں آنا ممکن نہیں۔

اور یہ آیہ قرآنیہ بھی اس کے رد کے لیے کافی ہے جو اللہ فرماتا ہے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ''کافر مرتے ہوئے کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس دنیا میں بھیج، تاکہ میں وہاں نیک اعمال کروں جو مجھ سے رہ گئے۔ ہرگز نہیں۔ بس یہ ایک بات ہے جسے وہ منہ سے کہتا ہے (عملاً وہ ایسا نہیں کرے گا) اور ان کے پیچھے برزخی زندگی ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔'' (مؤمنون، ۱۰۰) اس آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو شخص مرجاتا ہے وہ روز قیامت تک برزخ ہی میں رہتا ہے اسے واپس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا۔

اسی طرح اللہ رب العزت فرماتا ہے:
كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ''تم بے جان (نطفہ کی صورت میں) تھے۔ پھر اس نے تمہیں زندہ کیا (پیدا کیا) پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر (روز قیامت) زندہ کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (بقرہ،۲۸)

اسی طرح فرمایا:
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا، بیشک انسان ناشکرا ہے۔'' (حج،۶۶)

ان آیات کے مطابق انسان مرنے کے بعد ایک ہی بار قیامت میں زندہ کیا جائے گا۔لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے کہ بارہ امام جو ایک بار فوت ہو گئے ہیں دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے پھر فوت ہوں گے پھر زندہ ہوں گے۔

[77] یعنی یہ مومنین کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کے رد کا سلسلہ قیام قیامت تک جاری رہے گا جب یاجوج و ماجوج کو نکالا جائے گا۔حدیث کے مطابق قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک یاجوج و ماجوج کا خروج بھی ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے ابھی وہ اس سے فارغ ہی ہوئے ہوں گے کہ یاجوج و ماجوج ظاہر ہو جائیں گے وہ ہر بلندی سے اُڈتے آئیں گے جس پانی پر سے گزریں گے وہ سارا پی جائیں گے ہر چیز تباہ کر دیں گے آخر اللہ تعالیٰ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہلاک کر دے گا۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۳۳)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے دمشق کے مشرق میں سفید منارے پر اتریں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے، پھر یاجوج و ماجوج ظاہر ہو کر زمین میں فساد کریں گے۔تب عیسیٰ علیہ السلام مومن ساتھیوں کو لے کر طور پر چڑھ جائیں گے پھر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں کیڑے پیدا کرے گا جس سے وہ مر جائیں گے پھر لمبی گردنوں والے پرندے (فرشتے) ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینکیں گے۔تب عیسیٰ علیہ السلام طور سے اتریں گے (ملخصاً)۔ (مسلم شریف کتاب الفتن حدیث ۱۱۰) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج فلسطین اور اس کے آس پاس علاقہ میں ظاہر ہوں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا، تو تب کفر کرنے والوں کی آنکھیں پتھرائی ہوں گی۔ [78]

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا

(وہ کہیں گے) ہائے ہماری ہلاکت! ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ہی خود پر ظلم کرنے والے تھے۔ تم اور جن کی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ

تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں تم وہاں اترنے والے ہو۔ اگر یہ خدا ہوتے

هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ

تو اس میں نہ اترتے اور (ان) سب نے وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ [79] وہاں ان کی گدھوں کی طرح چیخیں ہوں گی اور وہ

فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

وہاں کچھ نہ سنتے ہوں گے۔ [80]

[78] یعنی روز قیامت کفار کی آنکھیں خوف و دہشت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جب وہ جہنم کو دیکھیں گے تو پلک جھپکنا بھول جائیں گے تب انہیں اپنی دنیوی زندگی پر ندامت آئے گی مگر اس وقت ندامت بے سود ہوگی۔

[79] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے کفار! تم اور تمہارے جھوٹے معبود جہنم کا ایندھن ہیں۔ روز قیامت جب وہ تمہارے ساتھ جہنم میں جائیں گے تب تمہیں احساس ہوگا کہ اگر یہ خدا ہوتے تو تمہارے ساتھ جہنم میں نہ جلتے ہوتے۔ یاد رہے معبودانِ باطلہ جہنم میں اس لئے ڈالے جائیں گے تاکہ ان کے پرستاروں کو ان کے ذریعے عذاب دیا جائے چنانچہ جن پتھروں کو پوجا گیا انہیں جہنم میں گرم کر کے ان کے ذریعے بت پرستوں کے جسم داغے جائیں گے۔ سورج اور ستارے جہنم میں جا کر اپنی حدّت (تپش) سے اپنے پرستاروں کو جلائیں گے۔

[80] کفار جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے تکلیف سے پورے زور کے ساتھ یوں چلائیں گے جیسے گدھا چلاتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ''کفار کو جہنم میں چلانا اور ہینگنا ہوگا'' (ھود:۱۰۶) اسی لئے گدھے کی آواز سن کر لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا ''جب تم گدھے کا ہنہنانا سنو تو شیطان لعین سے اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔''

(بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۱۵، مسلم کتاب الذکر حدیث ۸۲)

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا

بے شک جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔[81] وہ

یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا

اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں (قیامت کی)

یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ

عظیم گھبراہٹ بھی پریشان نہ کرے گی۔ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ وہ تمہارا دن ہے جس کا

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔[82]

[81] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ کے نزول سے کفار کو سخت تکلیف ہوئی۔ ان کے ایک نمائندے ابن زبعری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور قبیلہ بنی ملیح کے لوگ فرشتوں کو خدا مانتے ہیں تو کیا عیسیٰ وعزیر اور فرشتے بھی جہنم میں جائیں گے؟ کفار مکہ اس سوال سے بہت محظوظ ہوئے تب یہ آیت اتری: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۷۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے پہلے سے بھلائی یعنی جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے جیسے عزیر وعیسیٰ علیہما السلام اور فرشتے۔ لہٰذا وہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ کے تحت داخل نہیں ہیں۔ اسی لئے بعض اہل علم نے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ کو الا الذین سبقت لهم منا الحسنی کے معنی میں لیا ہے۔(بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۲۴)

مفسرین کے نزدیک کفار کا یہ سوال عربی لغت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں حرفِ مَا غیر ذوی العقول کے لئے ہے جبکہ حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما السلام اور فرشتے ذوی العقول میں سے ہیں۔

یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام سعید روحوں کو شامل ہے جن کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے جنت لکھ دی ہے۔ اس میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سبھی شامل ہیں اسی لئے صحابہ کے بارے میں فرمایا گیا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ ان سب کے لئے اللہ نے

بھلائی (جنت) کا وعدہ فرمالیا ہے۔

[82] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب جنت یا جہنم میں جانے والوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ٦٨٢) یعنی جب اہل ایمان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا تو وہاں ان کے لیے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی نہ پریشانی۔ رہا قیامت میں سب کا گھبرانا حتیٰ کہ انبیاء کا نفسی نفسی کہنا تو یہ قیامت کے ابتدائی احوال ہیں لہٰذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ
یعنی جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے جیسے سجل (فرشتہ) اعمال نامے لپیٹ دیتا ہے۔[83] ہم نے جیسے پہلی بار انسان کو بنایا
نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝١٠٤ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ
ہم اسے ویسے ہی پھیر دیں گے، یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے ہم اسے پورا کریں گے۔[84] اور ہم نے زبور میں
بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝١٠٥ اِنَّ فِيْ هٰذَا
اپنے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ میرے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے۔ بیشک اس میں عبادت
لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝١٠٦ ؕ
گزار لوگوں کے لئے بڑا پیغام ہے۔[85]

[83] حضرت عبداللہ ابن عباس، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن عمرو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق سجل وہ فرشتہ ہے جو اعمال ناموں پر مقرر ہے جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو وہ اس کا اعمال نامہ لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب قیامت بپا ہوگی یعنی نظام ارض و سماء کی موت آئے گی تو ہم انہیں یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے سجل فرشتہ اعمال نامے لپیٹتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ "ساری زمین قیامت کے دن اس کے قبضہ میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے۔" (زمر:٦٨)

[84] ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم روز قیامت برہنہ پا ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔ سیدہ عائشہ کہتی ہیں انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے (کہ سب مرد و زن برہنہ ہوں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ پھر فرمایا روز قیامت سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔" (تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ٩٦) اس آیت میں درسِ زہد ہے کہ انسان خالی ہاتھ پیدا ہوا اور قیامت

میں خالی ہاتھ اٹھے گا دنیا کا مال دنیا میں رہ جائے گا۔ انسان کے ساتھ اس کا ایمان اور اعمال صالحہ جائیں گے۔

[85] اللہ رب العزت اپنے نیک بندوں کی عظمت بتا رہا ہے کہ زبور میں لکھے گئے ہمارے فیصلے کے مطابق ہمارے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہیں یعنی اللہ کی زمین پر اقتدار کا حق اللہ کے اطاعت گزار بندوں ہی کو ہے چنانچہ آج بھی زبور میں لکھا ہے: ''بدکردار لوگ کاٹے جائیں گے لیکن جن کو خدا کی آس ہے وہی ملک کے وارث ہوں گے...... صادق لوگ زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (بائبل کتاب زبور باب ۳۷ آیت ۹-۱۱)

اگر کہا جائے کہ پھر آج زمین پر کفار کو غلبہ حاصل ہے یہ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ قانون بتایا گیا ہے کہ زمین اس لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس پر اللہ کے مومن و مطیع بندے اللہ کا دین نافذ کریں یہ انہی کی وراثت ہے مگر جب اطاعت گزار بندے اپنی وراثت کا خیال نہ رکھیں تو اللہ کے منکرین کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر کی حفاظت نہ کرے تو دوسرے لوگ اس پہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس میں یہ درس ہے کہ مومنوں کو زمین پر غلبہ پانے کے لئے صالحیت کی شرط پوری کرنا ہوگی، یعنی جب بھی وہ صالحیت کو صحیح طرح اپنا لیں گے تو ان کی وراثت ان کے پاس آجائے گی۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ ''اگر تم مومن ہو تو تمہی کامیاب ہو۔'' (آل عمران، ۱۳۹)

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے، یعنی سرزمین جنت کے وارث اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اسی لیے جب اہل جنت، جنت میں جائیں گے تو وہ ان الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کریں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ''اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں سرزمین جنت کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں ٹھہریں۔'' (زمر، ۷۴) بہرحال یہ دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ جب اہل ایمان اللہ کی درست اطاعت کریں تو دونوں جہان انہی کے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور اے پیارے محبوب! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ [86]

[86] سورۂ انبیاء میں مختلف انبیاء کرام کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ کا ذکر خیر لایا گیا اور بتایا گیا کہ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ گویا جس جس ذرے کے لئے اللہ رب ہے اس کے لئے آپ رحمت ہیں۔ اس کے تین معانی ہیں۔ اول: آپ کے صدقہ میں ساری کائنات معرضِ وجود میں آئی۔ دوم: تمام جہان آپ کے نور سے پیدا کیا گیا۔ سوم: آپ ساری کائنات کے

لیے رسول ہیں۔ اب ہم ان تینوں امور کی وضاحت کرتے ہیں۔

ساری کائنات رسول اللہ ﷺ کے نور سے معرض وجود میں آئی

اول: ساری کائنات آپ کی وجہ سے معرض وجود میں کیسے آئی ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول ﷺ میں نے تمہاری کرامت دکھانے کو دنیا بنائی ہے: ولولاك لما خلقت الدنیا ۔ اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا۔ (تاریخ دمشق بحوالہ جامع الاحادیث جلد ۴ صفحہ ۳۴۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا نہ جنت و نار کو بناتا۔ جب عرش کو بنایا گیا تو وہ مضطرب تھا اس پر میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔ (متدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۶۷۲) جب ساری کائنات آپ ﷺ کے سبب وجود میں آئی ہے تو بلاشبہ آپ ﷺ ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے اپنی خطاء کی معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کیسے جانا جب کہ ابھی میں نے انہیں پیدا نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح ڈالی تو میں نے ساق عرش پہ یہ لکھا دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں نے جان لیا کہ محمد ﷺ سے بڑھ کر تجھے کوئی ذات محبوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ہاں! تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے محبوب تر ہیں۔ آگے فرمایا:

ولو لا محمد ما خلقتك، اور اے آدم! اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہرگز پیدا نہ کرتا۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) گویا حضور ﷺ اس لیے تمام جہانوں کے واسطے رحمت ہیں کہ آپ کی وجہ سے تمام جہاں بنائے گئے اور کائنات کی ہر چیز کو آپ ﷺ کی وجہ سے نعمت وجود ملی۔

دوم: یہ بھی حقیقت ہے کہ ساری کائنات آپ ﷺ کے نور سے معرض وجود میں آئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ سب سے اول اللہ نے کیا بنایا؟ آپ نے فرمایا:

هُوَ نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ۔ ''اے جابر! وہ تمہارے نبی کا نور تھا۔ پھر اس نور کے چار حصے کئے گئے ایک حصہ سے عرش و کرسی کو بنایا گیا اور دوسرے حصوں سے باقی مخلوق۔'' (المصنف للحافظ عبدالرزاق حدیث ۱۸ جلد اول صفحہ ۶۳ کتاب الایمان)

سوم: آپ ﷺ ساری کائنات کے رسول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أُرسِلتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث ۵) حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ شَيْئٍ إِلَّا يَعْلَمُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ۔ ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (طبرانی کبیر جلد ۲۲ حدیث ۶۷۲ صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) جب آپ ﷺ ساری

کائنات کے لئے رسول ہیں تو رسالت سے بڑی رحمت کیا ہوسکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی رحمت ہیں

چنانچہ جب آپ ساری کائنات اور تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں تو آپ ﷺ رسولوں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ کیونکہ عالمین میں مرسلین بھی آتے ہیں۔ اسی لیے روز میثاق سب انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا: لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ (آل عمران:٨١) اور رسولوں کے لئے آپ کی رحمت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے انبیاء پر تورات و انجیل میں زنا، شراب نوشی، قتل، بت گری، جادوسازی اور دیگر برائیوں کے اتہامات لگا کر ان کی شخصیات کو داغدار کر دیا تھا۔ تب حضور ﷺ کے ذریعے قرآن و حدیث میں ان تمام اتہامات کا ازالہ کیا گیا۔ تو اس سے بڑی رحمت کیا ہے کہ کسی کا دامن اتہامات کے دھبوں سے پاک ہو جائے۔ یونہی روز قیامت جب انبیاء سابقین کی امتیں ان کی تبلیغی مساعی سے انکار کر دیں گی تو آپ ﷺ انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے اور ان کے لیے رحمت ثابت ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ''یونہی ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پہ گواہ بنو اور رسول اللہ (ﷺ) تم پہ گواہ بنیں۔'' (بقرہ، ۱۴۳) اس کی تفسیر میں سارا مضمون موجود ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ فرشتوں کے بھی رسول ہیں۔ اسی لئے سب فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور بدلے میں اللہ تعالیٰ ان پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ یوں وہ آپ ﷺ کی رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ کفار کے لئے بھی رسول ہیں اور انہیں آپ کی رحمت سے یہ حصہ ملا کہ دنیا میں ان پر گزشتہ قوموں جیسے تباہ کن عذابات کی آمد ختم کر دی گئی۔ آپ ﷺ جانوروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ آپ نے جانوروں کے حقوق بیان فرمائے اور ان سے ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ فرمایا۔ اسی لئے جانور آپ ﷺ کے پاس شکایات لے کر آتے اور آپ ﷺ ان کا ازالہ فرماتے تھے۔

شانِ ختمِ نبوت

یہ آیت آپ کی شانِ ختمِ نبوت بھی بیان کرتی ہے۔ جب آپ ساری کائنات کے رسول ہیں تو ہر زمان و مکان آپ ﷺ کی رسالت کے زیر سایہ ہے لہٰذا آپ ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں۔ پہلے انبیاء کرام نبوت کے ستارے تھے۔ آپ ﷺ آفتاب نبوت ہیں۔ آفتاب سے سارا جہان چمک جاتا ہے پھر کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اسی لئے آپ کے بارے میں فرمایا گیا: وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝٤٦ آپ ﷺ چمکا دینے والا آفتاب ہیں۔ (احزاب:۴۶)

حیرت ہے کہ یہی بات مرزا قادیانی نے سن 1893ء میں اس وقت لکھی جب اس نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ تو اس نے اپنے عربی رسالہ ''الحمامۃ البشریٰ'' میں یوں کہا:

ولاحاجة لنا الی نبی بعد محمد ﷺ وقد احاطت برکاتہ کل ازمنة وفیوضه واردة علی قلوب الاولیاء والاقطاب والمحدثین بل علی الخلق کلهم۔

یعنی محمد ﷺ کے بعد ہمیں کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی برکات نے تمام زمانوں کو گھیر لیا ہے اور آپ ﷺ کے فیوض اولیاء واقطاب اور محدثین کے قلوب پر وارد ہو رہے ہیں بلکہ تمام خلق خدا پہ وارد ہو رہے ہیں۔

(حمامۃ البشریٰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ لندن)

یعنی مرزا قادیانی نے بھی تسلیم کیا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ تمام زمانوں کے لیے رسول بن کر آئے ہیں اور آپ ﷺ کے فیوض آج بھی ساری مخلوق پہ وارد ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ مگر اسی مرزا قادیانی نے اپنی ہی کہی ہوئی سب باتوں کی مخالفت کرتے ہوئے الٹی قلابازی کھائی اور سن 1901ء میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' نامی کتاب لکھ کر اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کر دیا۔ تو اب اس ڈھٹائی اور بیحیائی کا کیا علاج ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

آپ فرمائیں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے تو کیا تم اطاعت اختیار کرتے ہو

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا

پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرما دیں کہ میں نے تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تم سے جو وعدہ

تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ

کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور، اللہ اونچی آواز کی بات بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی، اور میں نہیں جانتا، شائد یہ تاخیر

اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ

تمہارے لئے آزمائش ہو اور کچھ مدت تک برتاؤ ہو۔[87] نبی نے فرمایا اے پروردگار! حق کا فیصلہ کر دے

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر ہماری اپنے رب رحمان ہی سے فریاد ہے۔[88]

النصف ع ۷

[87] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ فرما دیں اے کفار! تمہیں دعوتِ توحید دے دی گئی اب اگر تم منہ پھیرتے ہو تو تمہاری مرضی میری ذمہ داری پوری ہوگئی ہے۔ رہا یہ کہ تم پر اللہ کی پکڑ کا جو وعدہ ہے وہ کب پورا ہوگا تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ جلد ہے یا بدیر۔ اللہ تمہارے ہر قول سے واقف ہے خواہ وہ بلند آوازی سے ہو یا خفیہ ہو۔ وہ جب چاہے گا تم پر پکڑ

فرمائے گا چنانچہ کفار پر بدر میں پکڑ آ گئی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی! فرمادیں اے کفار! تم سے عذاب کی تاخیر، ممکن ہے تمہارے لئے آزمائش ہو۔ یعنی ممکن ہے اللہ تمہیں کچھ دیر تک زمین میں برتاوا دے کر اچانک پکڑ لینا چاہتا ہو۔

[88] نبی اکرم ﷺ نے کفار کو گزشتہ آیت میں مذکور پیغام خداوندی وارننگ دی مگر وہ باز نہ آئے تب آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے اور فرمایا اے کافرو! تم ہمارے دین کا مذاق اڑانے میں جو کچھ کہتے ہو اس پر ہم اپنے خدائے رحمن ہی سے فریاد کرتے ہیں۔

الحمدللہ، آج 3 محرم الحرام 1429ھ مطابق 12 جنوری 2008ء بروز ہفتہ نماز فجر کے بعد بوقتِ اشراق سورہ انبیاء کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ الحج

یہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 22ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 103ویں سورت ہے۔ اس میں دس رکوعات، اٹھہتر (78) آیات، ایک ہزار دوسو اکانویں (1291) کلمات اور پانچ ہزار پچھتر (5075) حروف ہیں۔ اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مکی لکھا ہے اور بعض نے مدنی۔ کیونکہ اس کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض مدنی، چونکہ اس کی اکثر آیات مدنی ہیں یعنی رکوع 3 سے 8 تک سارا حصہ مدنی ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مدنی و مکی سورتوں کی فہرست میں اسے مدنی سورت شمار کیا گیا ہے۔

(تفسیر الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسے سورۂ حج کہنا اس لئے ہے کہ اس میں حج کا بیان ہے۔ حج کے آداب و مقاصد بیان کئے گئے اور حج میں جانوروں کی قربانی کا معنی واضح کیا گیا ہے۔

اس سورت کے مضامین

ابتداء میں قیام قیامت کا منظر نامہ پیش کیا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو کیسا خوفناک زلزلہ آئے گا۔ پھر قیام قیامت کی حقانیت پہ دلائل قائم کیے گئے ہیں۔ پھر عقیدہ توحید کو قاہر دلائل سے روشن کیا گیا۔ پھر اہل ایمان کے لیے جنتی انعامات اور کفار کے لیے جہنم کے عذابات کا سلسلۂ ذکر چلا۔ پھر حج کا ذکر شروع ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں کعبۃ اللہ کی تعمیر ہوئی۔ پھر انہی کی زبان سے پہلی بار حکم حج جاری کیا گیا۔ پھر حج کے مقاصد بتائے گئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم و تکریم سکھائی گئی ہے۔ جیسے کعبۃ اللہ، صفا و مروہ، قربانیاں وغیرہ یہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں اور حج کے ذریعہ مالی و جانی قربانی دی جاتی ہے جس سے مومن کے دل میں جذبۂ قربانی بیدار ہوتا ہے اور حج میں تجارت کا پہلو بھی ہے۔

حج کے بعد گزشتہ اقوام کی نافرمانیوں اور ان پہ آنے والے عذابات کا ذکر لایا گیا۔ پھر راہِ خدا میں ہجرت اور ترکِ وطن کی فضیلت بتائی گئی تاکہ مومنین ہجرت کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں۔ چنانچہ جب حکمِ ہجرت ہوا تو ہر مومن فوراً پئے ہجرت استادہ ہوگیا۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کو درسِ توحید عطا فرمایا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ انبیاء ہے، جس میں مختلف انبیاء کرام کی دعوت الی الحق بیان کی گئی ہے۔ جس کا مرکزی نقطہ اثبات توحید اور ردِ شرک ہے اور سورۂ حج میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اسی دعوت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر سورہ انبیاء میں انبیائے کرام کا دین کے لیے ہجرت کرنا بیان کیا گیا اور سورہ حج میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کا ذہن دیا گیا۔ الغرض ان دونوں سورتوں میں کئی مناسبات ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

اٰیاتها ٧٨ ﴿١٠٣﴾ سُوۡرَةُ الۡحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ٢٢ رکوعاتها ١٠

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ① يَوۡمَ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ جب تم

تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ

اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی جسے دودھ پلاتی ہے اسے بھول جائے گی اور ہر حمل والی

حَمۡلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ

اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہونگے مگر اللہ کا عذاب

شَدِيۡدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ

بڑا سخت ہے۔[1] اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں لاعلمی کے باوجود جھگڑتا ہے اور ہر سرکش شیطان کی

شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍ ③ كُتِبَ عَلَيۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهۡدِيۡهِ اِلٰى

پیروی کرتا ہے حالانکہ شیطان کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس سے دوستی رکھے اسے وہ گمراہ کر دیتا اور عذاب جہنم کی

عَذَابِ السَّعِيۡرِ ④

راہ دکھاتا ہے۔[2]

قیامت کی ہولناکی اور اس کی حقانیت کے دلائل

[1] جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو زمین جس طرح شدید زلزلے کے جھٹکوں سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگی وہ بہت خوفناک منظر ہوگا۔ دودھ پلانے والی عورتیں اور مادہ جانور اپنے دودھ پیتے بچوں کو چھوڑ کر بھاگ اٹھیں گے اور حمل

والیوں کے حمل خوف ودہشت سے گر جائیں گے اور لوگ نشے میں نہ ہونے کے باوجود نشے میں نظر آئیں گے یعنی خوف و ہراس سے دیوانے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ ''جب زمین خوب تھرتھرائے گی اور اپنے بوجھ اُگل دے گی۔'' (زلزال:۱، ۲) اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶ ''جب زمین دہلنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور بکھرے ہوئے ذرے بن جائیں گے۔'' (واقعہ: ۴ تا ۶)

اس جگہ حدیث میں مذکور ہے کہ اس آیت کے نزول پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اس دن ہزار میں سے صرف ایک جنتی ہوگا باقی جہنمی۔ یہ سن کر صحابہ رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر نبی سے قبل جاہلیت تھی تو باقی لوگ دور جاہلیت سے لئے جائیں گے اور اہل جنت کی تعداد (اہل جہنم کے مقابلہ میں) جانور کے بازو پر ایک باریک داغ کی طرح ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا تم (امت محمدیہ) اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہوگے پھر فرمایا امید ہے تم تہائی حصہ ہوگے پھر فرمایا امید ہے نصف حصہ ہوگے اور ہر بار صحابہ کرام تکبیر کہتے جاتے تھے۔ راوی کہتا ہے مجھے گمان ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اہل جنت کا دوتہائی حصہ ہوگے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۂ حج)

میں محمد طیب عرض کرتا ہوں کہ راوی کا گمان بالکل صحیح ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی (۸۰) صفیں ہماری ہوں گی باقی دوسری امتوں سے۔ (دارمی کتاب الرقاق باب ۱۱۱) تو صاف معلوم ہوگیا کہ امت محمدیہ کی تعداد اہل جنت میں دوتہائی ہوگی۔ اس جگہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر تمام نسلِ انسانی کو مخاطب کیا گیا جو عمومیت رسالت محمدیہ کی دلیل ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام نسل انسانی کے لیے رسول ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ان تمام احادیث کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے اپنی طرف سے یہ ہانک دیا ہے کہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ سے مراد فتح مکہ ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۷) اس کی وجہ یہی ہے کہ مرزائیوں کو حدیث پہ ایمان ہی نہیں ہے۔ مرزا قادیانی نے خود کہا کہ لوگ مجھے حدیثوں سے ناپتے ہیں حالانکہ حدیثوں کو میرے ساتھ ناپنا چاہیے تھا۔ استغفر اللہ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۲ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ سرے لندن)

[2] یعنی قیامت کا آنا برحق ہے مگر کچھ لوگ اللہ کے بارہ میں علم نہ ہونے کے باوجود جھگڑتے ہیں یعنی سمجھتے ہیں کہ اللہ قیامت بپا نہیں کرسکتا۔ وہ شیطان کے پیروکار ہیں حالانکہ شیطان کے بارے میں فیصلہ کردیا گیا ہے کہ جو اس سے محبت رکھے وہ اسے ضرور گمراہ کرکے جہنم کے راستہ پر ڈال دے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ

اے لوگو! اگر تم دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں کسی شک میں ہو تو بیشک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ

پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو نقشہ دار ہوتی ہے اور بے نقشہ بھی۔

لِّنُبَيِّنَ لَـكُمۡ‌ؕ وَنُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ

تاکہ ہم تمہیں (اپنی قدرت) بتائیں [3] اور ہم جسے چاہیں رحموں میں مقرر مدت تک ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں بچہ بنا کر

طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ‌ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى

نکالتے ہیں۔ تاکہ تم اپنی پختہ عمر کو پہنچو اور تم میں سے کوئی (اس سے قبل) مار دیا جاتا ہے اور تم میں سے

اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـئًا‌ؕ وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً

کوئی کمزور تر عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ [4] اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو

فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۞

پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی اور نمو پاتی ہے اور ہر طرح کا خوبصورت جوڑا اُگاتی ہے۔ [5]

[3] منکرینِ قیامت سے کہا جا رہا ہے کہ وہ خود اپنی ذات میں غور کریں انہیں قیامت کی دلیل مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر مٹی سے نطفہ بنایا (انسان کی غذا مٹی سے نکلتی ہے اور اس کے پیٹ میں جا کر خون بنتی ہے اور اس سے نطفہ بنتا ہے جس سے اگلے انسان پیدا ہوتے ہیں) پھر نطفہ کو رحم مادر میں ڈال کر اسے خون کا لوتھڑا بنایا پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی کی شکل دی، پھر گوشت کی بوٹی پر انسانی اعضاء اور انسانی صورت کا نقشہ ترتیب دیا اور کبھی نقشہ مکمل ہونے سے قبل حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بیشک تم میں سے ہر کسی کی تخلیق رحم مادر میں چالیس دن تک نطفہ کی صورت میں رہتی ہے پھر اسے چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رکھا جاتا ہے، پھر اسے چالیس دن تک گوشت کا ٹکڑا بنا دیا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آ کر اس میں روح پھونکتا ہے اور چار باتیں لکھ

کراس کے گلے میں ڈال دیتا ہے، اس کا رزق، اسکی عمر، اس کا عمل اور اس کی بدبختی یا نیک بختی۔''
(بخاری کتاب بدأ الخلق باب ۶، مسلم کتاب القدر حدیث ۱، ترمذی کا تب القدر باب ۴)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ ہم تمہیں اپنی قدرت بتائیں کہ جب ہم نے مٹی سے انسان کو پہلی بار پیدا کر دیا تو دوبارہ اس کی ہڈیوں کو زندہ کر کے اسے روز قیامت کیوں کھڑا نہیں کر سکتے؟

معلوم ہوا قرآن کتاب سائنس بھی ہے۔ رحم مادر میں نطفہ کا خون، خون کا گوشت اور گوشت کا انسان بننا آج سائنس پر منکشف ہو رہا ہے مگر قرآن نے یہ حقیقت چودہ صدیاں قبل بتا دی تھی۔ اسوقت انسان اس قابل نہ تھا کہ خود معلوم کر سکے کہ رحم مادر میں نطفہ سے انسان کیسے بنتا ہے، اسوقت قرآنِ مجید کا یہ باتیں بتانا اس کے منزل من اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔

[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم رحم مادر میں جسے چاہیں مقررہ مدت تک ٹھہراتے ہیں۔ مقررہ مدت سے مراد نو ماہ ہیں۔ تا کہ وہ مقررہ مدت پر پیدا ہو یعنی بعض کو ہم اس سے قبل ہی ساقط کر دیتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر رحم مادر سے نکال کر دنیا میں لاتے ہیں تا کہ تم دنیا میں پرورش پا کر اپنی پختہ عمر تک پہنچو اور تم میں سے بعض کو اس سے قبل موت دے دی جاتی ہے یعنی شیر خوارگی یا بچپن ہی میں مار دیا جاتا ہے اور کسی کو بہت لمبی عمر دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ اس قدر کمزور تر صحت کو پہنچ جاتا ہے کہ جاننے کے باوجود کچھ نہیں جانتا۔ عموماً یہ حالت ساٹھ یا ستر برس کی عمر کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس سے یہ درس ملتا ہے کہ بوڑھے والدین کی تلخ باتوں کا برا نہیں ماننا چاہیے کیونکہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ وہ خود نہیں جانتے کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے فرمایا کہ بوڑھے والدین کے سامنے اف نہ کہو اور انہیں مت جھڑکو اور ان سے نرمی کی بات کہو۔ (بنی اسرائیل، ۲۳)

اَرۡذَلِ الۡعُمُر کے بارہ میں ایک تحقیق

یاد رہے بڑھاپے کی اس کمزور تر عمر کو اَرۡذَلِ الۡعُمُر کہنا جسمانی اعتبار سے ہے مگر روحانی و ایمانی اعتبار سے یہ افضل العمر ہے۔ اس عمر میں شیطانی خواہشات بہت گھٹ جاتی ہیں اور طبیعت نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس عمر میں عبادت مشکل سے ادا کی جاتی ہے لہٰذا اس کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے اور اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے۔ مگر اس کی شرط یہ ہے کہ عقل سلامت رہے۔ اگر اس عمر میں عقل سلامت نہ رہے تو حدیث میں ایسی اَرۡذَلِ الۡعُمُر سے پناہ مانگی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعاء مانگا کرتے تھے: و اعوذبك من ان اُردَّ الی ارذلِ العُمُر، ''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں کمزور تر عمر کی طرف لوٹا یا جاؤں۔'' (بخاری کتاب الجہاد باب ۲۵) اور اس عمر میں عقل کا سلامت رہنا یہ نعمت انبیاء کرام اور انکے نائبین علماء کو دی جاتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ علماء ربانیین زندگی کے آخری دن تک دینی و علمی تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور حدیث و تفسیر یا عقائد و فقہ کے میدان میں ان کا اشہبِ قلم تیز تر دوڑتا رہتا ہے،

بلکہ جس قدر وہ بوڑھے ہوتے ہیں ان کا علم جوان ہوتا جاتا ہے۔

میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے تریسٹھ برس کی عمر میں اپنی زندگی کے آخری دن میں شدید علالت کے باوجود صحابیت کی تعریف اور صحابیت کی شرائط پہ ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ ان دنوں خوارج کی طرف سے کہا گیا تھا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما صحابی نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ عہدِ رسالت میں بالغ نہیں تھے اور صحابی کے لیے بلوغت شرط ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق سے ثابت کیا کہ صحابیت کے لیے بلوغت شرط نہیں ہے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما شرفِ صحابیت سے بھی بہرہ ور ہیں۔ یہ مقالہ ظہر کے وقت مکمل ہوا اور مغرب کی نماز کے بعد والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ اللہ جل مجدہٗ الکریم ان کی قبر پہ تا قیامت باران رحمت فرمائے اور ان کے طفیل اللہ رب العزت ہمیں بھی تا دم آخر خدمت دین میں مصروف رکھے۔ آمین!

[5] قیامِ قیامت کی دوسری دلیل دی جا رہی ہے کہ زمین بارشیں نہ ہونے سے خشک اور مردہ ہو جاتی ہیں پھر اللہ بارش سے اسے زندہ کر دیتا ہے یعنی وہ لہلہانے لگتی ہے اس میں نمو آ جاتی ہے اور اس سے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جوڑوں سے مراد یہ ہے کہ کچے پکے، میٹھے پھیکے، چھلکے والے اور چھلکے کے بغیر اور گرمی و سردی کے پھل وغیرہ۔ تو جو رب خشک زمین میں سے خشک گٹھلی کو لہلہاتے درخت میں بدل دیتا ہے کیا وہ رب خشک ہڈیوں کو دوبارہ انسانوں کا روپ دے کر قیامت بپا نہیں کر سکتا؟

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۙ﴿۶﴾

یہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی خدائے برحق ہے اور وہ مردے زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿۷﴾

اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ اہل قبور کو دوبارہ اٹھائے گا

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر

مُّنِيۡرٍۙ ﴿۸﴾ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ لَهٗ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ

جھگڑتا ہے۔ پہلو پھیر کر چل دیتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے۔اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے

وَّنُذِيۡقُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ يَدٰكَ وَاَنَّ

اور روز قیامت ہم اسے جلانے والا عذاب چکھائیں گے۔ (کہا جائے گا) یہ اس کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھ کر چکے اور

اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۰﴾

اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔ [6]

[6] یہ آیات نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئیں وہ اسلام کے خلاف بڑے جھگڑے کرتا تھا۔فرشتوں کا اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ اسی نے رائج کیا۔وہ روم و فارس کی طرف سفر کرتا اور وہاں کے بادشاہوں کی کہانیاں مکہ والوں کو سنا کر کہتا تھا کہ محمد (ﷺ) اچھے قصے سناتا ہے یا میں؟ وہ قیامت اور بعث بعد الموت کا مذاق اڑاتا تھا۔اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ علم و ہدایت اور کتاب روشن کے بغیر جھگڑتا ہے۔یہاں علم سے سلامت فکر، ہدایت سے استدلالی علم اور کتاب مبین سے الہامی علم مراد ہے۔یعنی نہ وہ اپنی سلامت فکر اور استدلال سے راہِ ہدایت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ راہِ حق دکھانے والی کتاب قرآن کی پیروی کرتا ہے پھر اسے راہ حق کیسے ملے۔جب اسے پیغامِ حق سنایا جائے تو پہلو پھیر کر چل دیتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹائے۔اس کے لئے دنیا میں ذلت و عار اور آخرت میں عذاب نار ہے۔چنانچہ یہ نضر بن حارث بدر میں گرفتار ہوا باقی سب قیدی رہا کر دیئے گئے مگر اس کا سر قلم کر دیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جو نضر بن حارث کی طرح دینِ اسلام سے دشمنی کرے اور

اسلام کے مقابلہ میں گمراہ کن نظریات رائج کرے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب سے دوچار کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۣ اطْمَاَنَّ

لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو کسی مقصد پر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔اگر اسے بھلائی ملے تو اس پر

بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۣ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ

مطمئن ہوتا ہے اور اگر اسے آزمائش آئے تو منہ پھیر لیتا ہے۔ اس نے دنیا و آخرت میں نقصان اٹھایا۔

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا

یہی بڑا خسارہ ہے۔[7] وہ اللہ کو چھوڑ کر اسے پوجتا ہے جو اسے نہ نقصان دے نہ

يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ

نفع پہنچائے، یہی دور کی گمراہی ہے ۔وہ اسے پکارتا ہے کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے جلد تر ہے، تو وہ

نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

کیا ہی بُرا آقا اور کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔[8]

ایمان کی فضیلت اور منافقت وشرک کا رد

[7] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگ مدینہ طیبہ میں آکر اسلام قبول کر لیتے پھر اگر ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا اور جانوروں میں کثرت آتی تو وہ کہتے یہ دین تو بہت اچھا ہے اور اگر ان کے ہاں اولاد نہ ہوتی اور جانوروں میں کثرت نہ آتی تو وہ کہتے یہ بُرا دین ہے۔ایسے منافقین کے بارے میں یہ آیت مبارکہ اتری۔
(بخاری کتاب التفسیر سورہ حج باب ٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی اسلام لایا تو اس کی نظر جاتی رہی اور اولاد و مال میں کمی آگئی۔اس نے اس نحوست کا سبب اسلام کو قرار دیا۔وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا میرا اسلام واپس لے لیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہ واپس نہیں لیا جاتا۔وہ کہنے لگا مجھے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ملی، میرا مال چلا گیا، میری اولاد مر گئی اور میری نظر جاتی رہی۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اسلام کھوٹے اور کھرے کو جدا کر دیتا ہے، جیسے آگ لوہے اور سونے چاندی کا کھوٹ الگ کر دیتی ہے۔(درمنثور بروایت ابن مردویہ جلد ٦ صفحہ ١٤)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں اگر مقصد مل جائے تو مطمئن ہیں ورنہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں ان کے لئے دنیوی خسارہ بھی ہے کہ برائی نے آلیا اور اخروی خسارہ بھی کہ جہنم پکی ہوگئی اور یہ کتنا کھلا خسارہ ہے۔معلوم ہوا دنیوی مقاصد کے لئے دین پر عمل کرنا منافقین کا کام ہے۔بعض سیاسی لیڈر ووٹ لینے کے لئے مسجد میں آنے لگتے ہیں اور ووٹ کا زمانہ گزر جانے کے بعد مسجد کا راستہ ہی بھول جاتے ہیں اور کئی علماء و مشائخ لوگوں کے سامنے لمبی نمازیں پڑھتے اور اپنی پارسائی دکھاتے ہیں اور تنہائی میں ان کا حال مختلف ہوتا ہے ایسے لوگ اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں۔

[8] یعنی جو لوگ اپنے مقصد کے تحت ایمان لاتے تھے جب ان کا مقصد پورا نہ ہوتا تو وہ منہ پھیر کر چل دیتے اور واپس انہی جھوٹے خداؤں کی پوجا شروع کر دیتے جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں حالانکہ یہ دور کی گمراہی ہے۔ جھوٹے خداؤں کی عبادت کا نفع تو موہوم ہے جو مشرکین کے وہم میں بیٹھا ہے کہ ان کے جھوٹے خدا روز قیامت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور انہیں اللہ سے زبردستی چھڑوالیں گے مگر اس کا نقصان جلد تر ہے کہ دنیا خراب ہوگی اور موت کے ساتھ ہی جہنم کا عذاب تیار ہے۔لہٰذا اگر جھوٹے خداؤں کو مددگار اور ساتھی مانا جائے تو وہ بہت بُرے مددگار اور بُرے ساتھی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان جنتی باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ

نہریں بہتی ہیں بے شک اللہ جو چاہے کرے۔[9] جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ اپنے نبی (ﷺ) کی

يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ

دنیاو آخرت میں مدد نہیں کرے گا، اسے چاہیے کہ اوپر کو رسی لٹکائے پھر (اس سے) اپنی زندگی ختم کر لے پھر

لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ

دیکھے کیا اس کے داؤ نے اس کا غصہ مٹا دیا ہے؟ [10] اسی طرح ہم نے قرآن کو واضح نشانیاں بنا کر

بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

اُتارا ہے اور اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔[11] بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو

هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ

ستارہ پرست اور عیسائی اور آتش پرست ہیں اور جنہوں نے شرک کیا، اللہ

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

ان کے درمیان روزِ قیامت فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ [12]

[9] یعنی گزشتہ آیات کے مضمون کے برعکس جو شخص سچے دل سے ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کو جنتی باغات عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں مگر اللہ جو چاہے کرتا ہے اس پر لازم نہیں کہ عمل خیر والوں کو بہرحال جنت بھیجے جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا بلکہ اللہ مختار ہے وہ جسے جنت عطا فرماتا ہے اپنی رحمت سے فرماتا ہے اس پر کچھ لازم نہیں۔

[10] اس آیت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابن زید اور قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یَنْصُرَهٗ کی ضمیر مفعول حضور ﷺ کی طرف راجع ہے (ابن ابی حاتم) جن کا ذکر پیچھے لفظ ایمان میں ضمناً آ گیا ہے کیونکہ اللہ و رسول کے ماننے

ہی کا نام ایمان ہے۔ کفار عرب اور یہود مدینہ فتح مکہ تک یہی سمجھتے تھے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ضرور ناکام ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا جو شخص سمجھتا ہے کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا اسے چاہئے کہ کسی بلند جگہ سے رسی باندھ کر اس سے لٹک جائے اور اپنی زندگی ختم کر لے پھر دیکھے کہ کیا اس کے دل کا غیظ وغضب ختم ہوا یا نہیں۔ یعنی محبوب خدا ﷺ سے بغض رکھنے والوں کو گلے میں پھندا لے کر مرجانا چاہئے کیونکہ اللہ اپنے حبیب کی عظمت بڑھاتا ہی رہے گا۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا — پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر — ذکر اونچا ہے تیرا بول ہے بالا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

[11] یعنی قرآن کی ہر آیت ہدایت کی واضح نشانی ہے مگر ہدایت اسے ہی ملتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہے۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت دینے کا ارادہ نہیں فرماتا یعنی جو لوگ جان بوجھ کر دین خداوندی سے دشمنی کرتے اور اس کے رسول ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں حالانکہ ان پر راہ حق واضح کر دی گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

[12] دنیا میں مومنین بھی ہیں اور دوسری قومیں بھی جیسے ستارہ پرست، عیسائی، یہودی، آتش پرست اور مشرکین، اللہ تعالیٰ روز قیامت فیصلہ کردے گا کہ ان میں کون سچائی پر ہے۔ یہاں مومنین کا پہلے ذکر کر کے ان کی حقانیت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ فیصلہ تو اللہ نے دنیا ہی میں اپنی کتابوں میں کر دیا ہے مگر کفار اسے مانتے نہیں ہیں جبکہ روز قیامت انہیں فیصلہ ماننا پڑے گا اور اپنے کیئے کی سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کے لئے ہر وہ چیز سجدہ کرتی ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور شمس
وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ
و قمر اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔[13]
وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ
جبکہ بہت سے لوگوں پہ عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جسے اللہ رسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دینے والا۔ اور اللہ
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ۩ ﴿١٨﴾
جو چاہے کرتا ہے۔[14]

السجدۃ ٦

[13] کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی اور اسی کے حکم سے ختم ہونے والی ہے اور اس کے حکم کے آگے بے بس ہے۔ یہ اس کا زبان حال سے اللہ کے حضور سجدہ ہی ہے۔ شمس و قمر کا اپنے اپنے مدار میں گھومنا اور مشرق سے اُبھر کر مغرب میں ڈوبنا سجدۂ ایزدی ہے یہی حال دوسرے ستاروں کا ہے۔ پہاڑوں اور درختوں کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں: يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ ''سب چیزوں کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔'' (نحل:۴۸) جانوروں کا زمین پہ پیشانی جھکا کر اپنی غذا کھانا اللہ کے حضور سجدہ ہے۔ پرندوں کا ہوا میں اوپر جانا مثل قیام ہے اور نیچے آنا مثل سجود ہے یہی حال سمندر کی مچھلیوں کے اوپر آنے اور نیچے جانے کا ہے۔ گویا ہر چیز کسی نہ کسی انداز میں اللہ تعالیٰ کے حضور زبان حال سے سجدہ کر رہی ہے۔

ان چیزوں کا نام یہاں قرآن میں خصوصاً اس لئے لیا گیا کہ ستاروں پہاڑوں بعض درختوں اور بعض جانوروں کی پوجا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ چیزیں تو خود اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اس آیت میں انسان کے لئے درس نماز ہے کہ جب کائنات کی ہر چیز اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے تو انسان اس سے کیوں غافل ہے؟ آخر میں فرمایا گیا کہ بہت سے انسان بھی اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہیں یعنی مؤمنین جو نماز اور سجدۂ تلاوت کی شکل میں اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

اسی لئے اس آیت پر سجدۂ تلاوت کا حکم ہے تاکہ مومن سجدہ کر کے خود کو سجدہ گزاروں میں ثابت کرے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آیت سجدہ پڑھتے یا سنتے ہی فوراً سجدہ کرے۔ تاہم اگر وہ بے وضوء ہو یا سواری پر ہو یا کوئی دوسرا عارضہ ہو تو بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ سجدہ واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب

آیت سجدہ پڑھ کر ابن آدم سجدہ کرتا ہے تو شیطان کو گریہ آتا ہے کہتا ہے افسوس ابن آدم کو حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر دیا مجھے حکم ہوا تو میں نے نہ کیا اب میرے لئے دوزخ ہے۔" (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۳۳)

[14] یعنی جن پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب ٹھہر چکا ہے وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے اور جب اللہ نے انہیں رسوا کر دیا تو اب انہیں کون عزت دے سکتا ہے یعنی انہیں ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟ معلوم ہوا بندے کی ساری عزت اللہ کے حضور جھکنے میں ہے۔ آخر میں اللہ کے اختیار کی بات کی گئی کیونکہ اللہ اپنی مرضی سے جسے چاہے پیدا کرتا ہے جب چاہے مارتا ہے جب چاہے بیمار کرتا ہے اور شفا دیتا ہے اور جب چاہے تونگر یا فقیر کر دیتا ہے، تو وہی ہر اختیار کا مالک ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ

یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم لڑائی کی۔ [15] تو جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے

ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ ج یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ

آتشیں لباس بنائے گئے ہیں۔ ان کے سروں کے اوپر کھولتا پانی بہایا جائے گا، جس سے ان کے پیٹوں میں

بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ ؕ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ

جو کچھ ہے گل جائیگا اور ان کے چمڑے گل جائیں گے۔ [16] اور ان کے لئے آہنی گرزیں تیار ہیں۔ جب بھی وہ جہنم سے

یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾ ع

تکلیف کے سبب نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا اور (کہا جائے گا) آگ کا عذاب چکھو۔ [17]

[15] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت ان تین مسلمانوں اور تین کافروں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں سب سے پہلے تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابلہ میں نکلے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ حج باب ۳) مسلمان یہ تھے حضرت امیر حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم۔ حضرت امیر حمزہ نے اپنے مدمقابل شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے مدمقابل عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر ڈالا جبکہ حضرت عبیدہ عمر رسیدہ تھے انہیں ان کے مدمقابل ولید بن عتبہ نے زخمی کر دیا۔ حضرت امیر حمزہ اور مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہما نے فارغ ہو کر حضرت عبیدہ کی مدد کی اور ولید بن عتبہ کو بھی جہنم رسید کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کی پہلی جنگ کی پہلی جھڑپ تھی جس میں اسلام غالب آیا اور کفر مغلوب ہوا اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اس جھڑپ میں مارے جانے والے کفار کی مذمت اور غالب آنے والے مومنین کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے۔ حقیقت میں یہ تا قیامت معرکۂ کفر و اسلام میں اترنے والے کرداروں کی تصویر کشی ہے۔

[16] پہلے ان کرداروں کی مذمت بتائی جا رہی ہے جو کفر پہ مارے جاتے ہیں اگلے رکوع میں ایمان پہ جان دینے والوں کی عظمت بتائی جائے گی۔ تو فرمایا کفر پہ مرنے والوں کو جہنم میں آگ کا لباس پہنایا جائے گا یعنی آگ ان کے جسموں پر لباس کی طرح لپٹی ہوگی۔ اور ان کے سروں پہ کھولتا پانی ڈالا جائے گا جو نہ صرف ان کی چمڑیاں پگھلا دے گا بلکہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی پگھل جائے گا مگر دوبارہ پھر درست ہو جائے گا اور یہ سلسلۂ عذاب اسی طرح چلتا رہے گا۔

[17] روایات کے مطابق نارِ جہنم کے شعلے کفار کو اٹھا کر اوپر لے جائیں گے جہاں انہیں جہنم سے باہر کا ماحول نظر آئے گا وہ وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے مگر شعلے انہیں دوبارہ نیچے لے جائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا‌ ؕ وَلِبَاسُهُمۡ

نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں سنہری کنگن اور جواہرات پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا

فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ۝۲۳ وَهُدُوۡۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۖۚ وَهُدُوۡۤا اِلٰى صِرَاطِ

لباس ریشمی ہوگا۔[18] انہیں (دنیا میں) اچھی بات کی راہنمائی کی گئی اور انہیں کی راہ

الۡحَمِيۡدِ ۝۲۴ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمَسۡجِدِ

دکھائی گئی۔ [19] بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے

الۡحَـرَامِ الَّذِىۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَالۡبَادِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ

سب لوگوں کے لئے بنایا ہے اس میں مقامی باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہیں [20] اور جو شخص

فِيۡهِ بِاِلۡحَـادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝۲۵ ع

اس میں ظلم کے ساتھ الحاد پھیلانا چاہے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔[21]

اہل جنت کے انعامات اور اہل جہنم کے عذابات

[18] گویا اہل جنت کو جنت میں اپنی اپنی بادشاہت و مملکت دی جائے گی وہ دنیوی بادشاہوں کی طرح سونے کے

کنگن اور جواہرات سے مرصع تاج پہنیں گے۔ ان کے لئے ریشمی لباس، باغات ومحلات، خدام وغلمان کی فوج، سینکڑوں بیویاں اور دودھ اور شہد کی نہریں دی جائیں گی۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ مومن مرد کے زیورات اس کے بازو پہ وہاں تک ہوں گے جہاں تک وضوء کا پانی پہنچتا ہے (کہنیوں تک) یاد رہے جو مرد دنیا میں سونا یا ریشم پہنے اسے جنت میں یہ نعمتیں نہ دی جائیں گی الا یہ کہ سچی توبہ کرلے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے دنیا میں ریشم پہنا یا شراب پی یا سونے چاندی کے برتنوں میں پیا وہ جنت کے ریشم، شراب طہور اور جنتی سنہری ونقرئی برتنوں سے محروم رہے گا۔" (نسائی کتاب الاشربہ باب ۴۵)

اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو دنیا میں جہاد اور تلاش رزق کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے جبکہ ریشم اور زیورات نازک مزاجی و فارغ البالی پر دلالت کرتے ہیں۔ جنت میں چونکہ جہاد زندگانی نہ ہوگا اس لئے وہاں مردوں کو یہ چیزیں دی جائیں گی۔

دنیا میں عورت پہ چونکہ کسب معاش کے لیے نکلنا ضروری نہیں اس لیے اسے زیور اور ریشم پہننے کی اجازت دی گئی اور اس لیے بھی تا کہ وہ اپنی خوبصورتی سے اپنے شوہر کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔

[19] اہل جنت کو یہ نعمتیں کیوں ملیں اس لئے کہ انہیں دنیا میں اچھی بات کی ہدایت ملی اور اس رب کی حمد کا راستہ ملا جو حمید ہے یعنی لائقِ حمد ہے۔ اچھی بات سے کیا مراد ہے بعض نے کہا وہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ بعض نے کہا اس سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اوصافِ حمیدہ مراد ہیں جو اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں سے چھپا دیے یا نکال دیے تھے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے ہر وہ اچھی بات مراد ہے جو اللہ ورسول اور عوام المسلمین کی خیر خواہی کے لئے ہو جیسے حمد باری تعالیٰ، نعت مصطفی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ہر اچھے خلق والی گفتگو۔ یعنی اچھی بات کہنا حصولِ جنت کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میزان عدل میں اچھے خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہ ہوگی۔" (ترمذی کتاب البر باب ٦١)

[20] ہجرت کے بعد کفار نے مومنین کو حرم کعبہ میں داخلہ سے روک دیا تھا اور ہجرت سے قبل بھی وہ انہیں اپنی مرضی ہی سے مسجد حرام میں جانے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہم نے مسجد حرام یعنی سرزمین حرم کو تمام نسل انسانی کے لئے مرکز بنایا ہے۔ اس میں مقامی باشندہ یا باہر سے آنے والا سب برابر ہیں۔ تو جو لوگ دوسروں کو یہاں آنے سے روکتے ہیں وہ عذاب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔ اس میں مقامی باشندہ اور باہر سے آنے والا دونوں برابر ہیں۔

کیا ارضِ حرم کی خرید وفروخت اور کرایہ داری ناجائز ہے؟

اس آیت میں الۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَالۡبَادِ ؕ (کہ ارض حرم میں رہنے والا اور مسافر سب برابر ہیں) سے استدلال

کرتے ہوئے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرزمین حرم تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔ اس کا کوئی مالک نہیں بن سکتا۔ لہٰذا یہاں حجاج سے کسی مکان میں ان کی رہائش کا کرایہ وصول کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین کا کوئی مالک ہی نہیں نہ اسے کوئی بیچ سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے نہ کرایہ وصول کرسکتا ہے۔ لیکن امام مالک کا یہ استدلال کمزور ہے۔ اس آیت کا صرف یہ مفہوم ہے کہ سرزمین حرم تمام انسانوں کے لئے مرکز عبادت ہے اس میں مقامی یا غیر مقامی کا کوئی فرق نہیں۔ امام مالک اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے شہر مکہ کے کسی گھر کا کرایہ کھایا اس نے پیٹ میں نار جہنم بھری۔" (دارقطنی کتاب الحج باب المواقیت جلد اول صفحہ ۲۳۳ حدیث ۲۷۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک سرزمین حرم کی خرید وفروخت تو جائز ہے مگر کرایہ داری جائز نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک سب کچھ جائز ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک بھی امام شافعی والا ہے مگر وہ کرایہ داری کو مکروہ جانتے ہیں تاکہ حجاج کرام کو بآسانی حج کرنا ممکن ہو۔ جبکہ امام مالک کی مابہ الاستدلال مذکورہ حدیث ضعیف ہے اس کے ایک راوی اسحاق بن ابراہیم کو خود امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۱۸۰)

ہماری یہاں گزارش ہے کہ سعودی حکومت کو مکہ میں حجاج و معتمرین کے لئے مفت یا کم از کم سستی رہائش کا بندوبست کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس وقت مکہ میں رہائش کا کرایہ ظالمانہ حد تک مہنگا ہے۔ مسجد حرام سے متصل عمارات میں حج کے موقع پر فی بستر ایک رات کا کرایہ اوسطاً ایک ہزار سعودی ریال یعنی قریباً پچیس ہزار پاکستانی روپے ہے اور بعض عمارات کا کرایہ دو ہزار ریال تک بھی ہے۔ جبکہ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے دوران اہل مکہ کو اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ حجاج جس گھر میں چاہیں ڈیرہ لگائیں (درمنثور بروایت ابن ابی شیبہ جلد ۶ صفحہ ۲۵) یعنی خلافت راشدہ کے دور میں حجاج کرام سے رہائش کا کرایہ لینا معیوب جانا جاتا تھا۔ تو آج اگر اہل مکہ حجاج کرام کو مفت رہائش نہیں دے سکتے تو کم از کم ان کی چمڑی اتارنے سے تو گریز کریں۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) کعبۃ اللہ سب انسانوں کے لیے مرکز ہے۔

اس جگہ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سے معلوم ہوا کعبۃ اللہ تمام نسل انسانی کے لئے مرکز عبادت ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ "اور جب ہم نے بیت اللہ کو تمام انسانوں کے لئے مرکز عبادت بنایا۔" (بقرہ: ۱۲۵) اسی لیے کعبۃ اللہ کو زمین کے وسط میں بنایا گیا۔ یعنی کرۂ ارضی کے خشک حصہ کے وسط میں۔ کیونکہ دنیا کے تمام براعظم کعبۃ اللہ کے اردگرد واقع ہیں۔ یہ تمام کرہ ارضی کے لیے مرکز نماز بھی ہے اور مرکز حج بھی۔

(۲) اس سے نبوت محمدیہ کا عالمگیر ہونا بھی معلوم ہوا

کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ہے۔ ہمارے نبی کا قرآن هُدًى لِّلنَّاسِ ہے اور ہمارے نبی

کا قبلہ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کی رسالت تا قیامت تمام نسل انسانی کے لیے ہے۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

[21] الحاد کا لغوی معنی حکمِ الٰہی سے پھر جانا ہے۔ یعنی جو شخص حرم میں دین کے خلاف نظریات پھیلائے اور اہل دین پر ستم ڈھائے جیسے کفار مکہ نے یہاں بت پرستی رائج کی اور مسلمانوں کو یہاں سے نکالا۔ یا جیسے یزید اور حجاج بن یوسف نے یہاں ظلم وستم کا بازار گرم کیا یا جیسے ماضی قریب میں انگریزوں کی مدد سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت خلافتِ اسلامیہ ترکیہ کے ٹکڑے کر کے یہاں نجدی تحریک چلائی گئی اور طاقت کے زور پر نجدی افکار پھیلائے گئے جو اکثر قرآن و حدیث سے متصادم ہیں اور آج ان گمراہ کن نجدی وہابی نظریات کو حرم کعبہ میں طاقت کے زور پہ تقریراً و تحریراً پھیلایا جارہا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کسی نبی یا ولی کے وسیلہ سے دعاء کرنا شرک ہے یا رسول اللہ کہنے والا مشرک ہے، ایصال ثواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے، انبیاء کرام بھی عام لوگوں کی طرح مر گئے، لہٰذا وہ کچھ نہیں سن سکتے، وغیرہ۔ ایسے ملحد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں تین انسان شدید قابل نفرت ہیں۔ حرم میں الحاد پھیلانے والا، اسلام میں جاہلیت کی رسم جاری کرنے والا اور کسی کے ناحق قتل کی کوشش کرنے والا۔'' (بخاری کتاب الآیات باب ۹) یہاں سے حرم کعبہ کی عظمت معلوم ہوئی کہ یہاں کا گناہ شدید تر قرار دیا گیا۔ الحاد ہر جگہ برا ہے مگر حرام میں الحاد کی سزا سخت تر ہے۔ اسی طرح حدیث کے مطابق یہاں ایک نیکی بھی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ (بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۳۱)

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـًٔـا وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ

اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بیت اللہ کی جگہ کا علم مہیا کیا (اور کہا) کہ میرے ساتھ کوئی چیز شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے

لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ۝٢٦ وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ

گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔[22] اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو تو وہ تمہارے پاس

رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ۝٢٧

پیدل اور دبلی سواری پہ بیٹھ کر دور دراز کے راستہ سے چل کر آئیں گے۔[23]

حج کیسے شروع ہوا اور وہ کیسے کیا جاتا ہے

[22] سب سے اول حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کی مدد سے کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا۔ پھر طوفان نوح میں کعبہ شریف کو اٹھا لیا گیا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کعبہ کہاں تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم مہیا فرمایا کہ کعبۃ اللہ کی جگہ کون سی ہے۔ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) بدلی کے سائے پر نشان لگاؤ آپ نے نشان لگا لئے پھر ان نشانوں پر کھدائی کی تو نیچے سے وہ بنیادیں نمودار ہوگئیں جن پر آدم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا۔ (ابن ابی حاتم عن ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما جلد ۸ صفحہ ۲۴۸۵ روایت ۱۳۸۷۲) پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ کعبہ تعمیر کرو اور یہاں اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور یہ حکم کہ شرک نہ کرو، بتا کر مشرکین مکہ کا رد کیا گیا جنہوں نے کعبۃ اللہ میں بت نصب کر رکھے تھے اور دورانِ طواف انہیں سجدہ کرتے تھے انہیں بتایا گیا کہ اس کعبہ کی تعمیر ہی اس حکم پر کی گئی تھی کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور شرک سے دور رہا جائے۔

مسجد کی صفائی کی اہمیت اور اس کا ثواب

اس آیت میں وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ۝٢٦ (حج:٢٦) سے معلوم ہوا مسجد کا پاک صاف رکھنا سنتِ ابراہیمی ہے یعنی جو جگہ عبادت مثل اعتکاف ورکوع وسجود کے لئے وقف کر دی جائے اسے پاک رکھنا ضروری ہے۔ اسی لئے مسجد میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے اس کے چھت پر طہارت خانہ بنانا جائز نہیں کیونکہ مسجد کی فضا آسمان تک مسجد ہے۔ مسجد کی صفائی کا ثواب بھی بے حد ہے ایک صحابی مسجد کی صفائی کرتا تھا، وہ فوت ہوگیا اس کے جنازہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع نہ دی گئی۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قبر پہ لے چلو۔

آپ ﷺ اس کی قبر پہ گئے اور دعاء خیر فرمائی۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۵۰)

[23] جب کعبہ بن گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ لوگوں کو حج بیت اللہ کی طرف بلاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! میری آواز سب لوگوں تک کیسے پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم پہنچائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس (جو کعبۃ اللہ سے چند گز کے فاصلے پر پہاڑ ہے) پہ کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں دے کر ندا فرمائی: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ۔ اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اپنے رب کا حکم پورا کرو، تو باپ دادا کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں روحوں نے یہ اعلان سن کر تلبیہ کہا (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ) تو جس نے بھی تلبیہ کہا وہ دنیا میں آکر تا قیامت ضرور حج کرے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۴۸۷ روایت ۱۳۸۷۶) اور یہ بھی مروی ہے کہ جس نے جتنی بار تلبیہ کہا اسے اتنی بار حج نصیب ہوگا۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) معلوم ہوا حج کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے صرف کعبہ کا طواف شروع ہوا۔ حج کے باقی تمام ارکان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع کئے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا کہ یہ میدانِ عرفات ہے اس میں نو ذی الحجہ کو وقوف کرنا ہے۔ پھر وہ انہیں مزدلفہ میں لائے وہاں کا وقوف بتایا، پھر منیٰ میں ابراہیم علیہ السلام کو تین جگہ شیطان دکھایا گیا اور آپ کو حکم ہوا کہ اسے سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کے اعلان کا حکم فرمایا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۱)

(۲) پیدل حج کی فضیلت۔

اس آیت میں يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ سے معلوم ہوا پیدل حج زیادہ فضیلت والا ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پیدل حج میں اللہ تعالیٰ ہر قدم پر سات سو نیکیاں عطا فرماتا ہے اور ہر نیکی حرم کی نیکی ہے۔ پوچھا گیا حرم کی نیکی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا حرم کی ہر نیکی لاکھ نیکی کے برابر ہے۔'' (بیہقی کتاب الحج جلد ۴ صفحہ ۳۳۱) گویا پیدل حج میں ہر قدم پر سات کروڑ نیکیوں کا ثواب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو حجاج سوار ہوں ان سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں اور پیدل حج کرنے والوں سے معانقہ کرتے ہیں۔'' (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۶)

لِّيَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِىۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى مَا

تاکہ وہ اپنے منافع حاصل کریں اور چند مقررہ دنوں میں ان بے زبان جانوروں پہ اللہ کا نام لیں

رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ‌ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ ۞٢٨

جو ہم نے انہیں عطا کئے ہیں، تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔[24]

ثُمَّ لۡيَـقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۞٢٩

پھر لوگ میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور آزاد گھر کا طواف کریں۔[25]

[24] یعنی حج کے مقاصد میں سے یہ ہے کہ حجاج اپنے منافع حاصل کریں جو دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی۔ دینی یہ ہیں کہ رضاء الٰہی حاصل ہو، گناہ مٹیں اور یہ سبق حاصل ہو کہ سب مسلمان اللہ کے حضور ایک جیسے ہیں ان میں رنگ و نسل یا علاقہ وزبان کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسی لیے حج و عمرہ میں سب کو ایک ہی لباس میں حاضر کیا جاتا ہے۔ جبکہ حج کے دنیوی منافع یہ ہیں کہ تجارت کی جائے، دنیا دیکھی جائے وغیرہ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ مقررہ دنوں میں اللہ کے نام پر جانور ذبح کر کے اللہ کی رضا حاصل کی جائے اور بے بس مصیبت زدہ غرباء کو گوشت حاصل ہو۔

مقررہ دنوں سے دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ مراد ہیں کیونکہ انہی تین دنوں میں میدانِ منیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی دی تھی۔ پہلے دن بکریاں، دوسرے دن گائیں اور تیسرے دن اونٹ ذبح کئے۔ اس آیت میں: فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ ۞٢٨ (خود بھی کھاؤ اور بے بس فقیر کو بھی کھلاؤ) سے معلوم ہوا کہ حج کی قربانی کا گوشت حجاج خود بھی کھائیں اور فقراء کو بھی کھلائیں، سب کے لیے جائز ہے۔ البتہ حج میں غلطی ہونے پر جو دم کی قربانی لازم آتی ہے اس کا گوشت حاجی خود نہیں کھا سکتا۔

[25] یعنی حج کی قربانی والا جانور ذبح کرنے کے بعد حجاج کو چاہئے کہ احرام کھول کر اپنی میل کچیل دور کریں۔ یعنی نہائیں دھوئیں، بڑھی ہوئی حجامت درست کریں، ناخن کاٹیں اور احرام کی میلی چادریں اتار کر دھلے ہوئے کپڑے پہنیں۔ کیونکہ احرام میں حاجی اپنے جسم سے میل نہیں اتار سکتا، اپنے بال یا ناخن نہیں کاٹ سکتا۔ آگے فرمایا کہ حجاج اپنی نذریں پوری کریں یعنی حج کے احکام بجالائیں۔ یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ جس نے حج کرنے یا متعدد قربانیاں دینے یا متعدد طواف کرنے کی نذر مانی ہوا سے اپنی نذر پوری کرنی چاہئے۔

آخر میں طوافِ زیارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۞٢٩ کہ احرام

کھولنے کے بعد حجاج کرام بیت اللہ کا طواف کرنے جائیں۔ یاد رہے طواف زیارت کو حجامت یعنی احرام کھولنے کے بعد کرنا سنت ہے واجب نہیں۔ گویا جس نے طواف زیارت کے بعد احرام کھولا اس پہ کوئی گناہ نہیں، نہ ہی کوئی دم لازم ہے۔ البتہ یہ سنت طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں سنت طریقہ بیان فرمایا ہے۔

کعبہ شریف کو یہاں اَلْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (آزاد گھر) اس لئے فرمایا گیا کہ اللہ نے اسے جابر و ظالم حاکموں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچایا ہے اور جو اسے ڈھانے آئے اس کا حشر اصحاب فیل والا ہوگا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اس کا طواف کرنے والا نارِ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حج کی میل کچیل کا اللہ کے ہاں مقام

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ سے معلوم ہوا کہ حجاج کی میل کچیل جو احرام کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اللہ کے ہاں بہت مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وقوف عرفہ کے وقت اللہ تعالیٰ حجاج پہ خاص تجلی فرماتا ہے۔ فرشتوں کے سامنے ان پہ مباہات (فخر) کرتا ہے اور فرماتا ہے میرے بندے دور دور سے پراگندہ سر میری رحمت کی امید لیے آئے ہیں۔ سنو اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں، سمندر کی جھاگ اور بارش کے قطروں کے برابر ہوں تو بھی میں سب کو بخش دوں گا، میرے بندو واپس جاؤ تمہاری بخشش ہو چکی ہے۔ (الترغیب والترہیب بروایت طبرانی و بزار جلد ٢ صفحہ ١١٠) اور ایک حدیث کے مطابق افضل حج وہ ہے جس میں بندہ میلا کچیلا ہو جائے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ

یہ حکم الٰہی ہے اور جو اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔[26] اور

لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

تمہارے لئے جانور حلال کئے گئے سوا ان کے جو تمہیں بتلائے جائیں، تو تم بتوں کی ناپاکی سے دور رہو

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ۝۳۰ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

اور جھوٹی بات سے دور رہو۔[27] خالص اللہ کے ہو کر رہو نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے اور جو شخص اللہ کے ساتھ

بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اُچک لیں گے یا اسے ہوائیں دور افتادہ جگہ پر

سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲

پھینک دیں گی۔[28] یہ حکم الٰہی ہے اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔[29]

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۳۳ ع

تمہارے لئے ان چوپایوں میں وقت مقرر تک فوائد ہیں پھر اللہ کے آزاد گھر تک ان کا پہنچنا ہے۔[30]

[26] یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرمت وعظمت دی ہے ان کا احترام وتعظیم بجالانا باعثِ برکت وخیر ہی ہے۔ جیسے کعبۃ اللہ، حجرِ اسود، مقامِ ابراہیم، صفا ومروہ، حدودِ حرم، مدینہ طیبہ اور روضۂ مصطفی ﷺ اور سب سے بڑھ کر بندۂ مومن کی حرمت ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے پردۂ کعبہ کو پکڑ کر کہا اے کعبہ! تمہاری حرمت کا کیا کہنا مگر بندۂ مومن کی حرمت اللہ کے ہاں تم سے عظیم تر ہے۔ (ترمذی کتاب البر باب ۸۵) یعنی حاجی کو اللہ کی محرمات کا لحاظ رکھنا چاہئے اور اللہ نے جن چیزوں کو حرمت وتوقیر دی ہے ان کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے، لہٰذا حاجی کو چاہیے کہ حدودِ حرم شہر مکہ اور شہر مدینہ کا ادب واحترام ملحوظ رکھے۔ وہاں گالی گلوچ، غیبت، بدنظری اور دوسرے مسلمانوں کو ایذاء دینے سے باز رہے۔

[27] یعنی اے حجاج! تمہارے لیے سب جانور حلال کئے گئے ہیں۔ سوا ان جانوروں کے جو تمہیں بتا دیے گئے ہیں جیسے مردار اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور۔ یاد رہے الانعام تین طرح کے گھریلو جانوروں کو کہا جاتا ہے، اول: بکریاں اور ان کی قسم کے جانور جیسے بھیڑیں، دنبے۔ دوم: گائیں جن میں بھینسیں بھی شامل ہیں۔ سوم:

اونٹ۔ قرآن مجید میں انہی جانوروں کو انعام کہا گیا ہے۔ دیکھئے سورہ انعام آیت ۱۴۲ یا ۱۴۴۔ گویا یہاں اشارہ کیا گیا کہ حج کی قربانی انہی تین قسم کے جانوروں میں سے ہونی چاہیے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حجاج! بتوں کی نجاست سے دور ہو۔ یہ مشرکین کا رد ہے جو طواف کے دوران بتوں کو سجدے کرتے اور ان کے آگے جانور ذبح کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے بتوں سے دور رہنے کا حکم فرمایا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جھوٹ سے دور رہو یعنی حج میں خصوصاً جھوٹ سے بچو اور حج کا ثواب ضائع نہ کرو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ مشرکین کی طرح جھوٹے عقائد کے اپنانے سے دور رہو۔

[28] اے حجاج! حج میں تم اللہ کے خالص بندے بن کر رہو کہ حج کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے بندہ خود کو وقف کر لے۔ اور اے حجاج شرک سے دور رہو کہ شرک کرنے والا ایسے ہے گویا وہ آسمان کی بلندی سے زمین پر آ گرا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے پھر جانوروں نے مردار کی طرح اس کا گوشت نوچنا شروع کر دیا اور ہواؤں نے اس کے جسم کے ذرے اڑا کر دور دور پھینک دیئے۔ یہ بھی نزولِ قرآن کے وقت مشرکین کی طرف سے حج کے دوران کئے جانے والے شرک کا رد ہے۔

[29] حج اللہ کی نشانیوں کے قائم رکھنے کا نام ہے، جیسے صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ؕ ''صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' (بقرہ:۱۵۸) کعبہ اللہ کی نشانی ہے۔ مقام ابراہیم اللہ کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ ''کعبہ میں اللہ کی نشانیاں ہیں جن میں مقام ابراہیم بھی ہے۔'' (آل عمران:۹۷) قربانی کے جانور اللہ کی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ''ہم نے قربانی کے جانوروں کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔'' (حج:۳۶) گویا وہ تمام مقامات جہاں حج ادا کیا جاتا ہے یا جن چیزوں کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے۔ وہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ کیونکہ حج اللہ کی عظیم عبادت ہے تو عبادت کے ساتھ متعلق چیزیں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اس معنی میں منیٰ، مزدلفہ، عرفات، حرم، شہر مکہ، شہر مدینہ، کعبۃ اللہ اور روضۂ رسول ﷺ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تو حجاج سے کہا گیا کہ اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرنا یعنی ان کی اہانت سے بچنا دلوں کا تقویٰ ہے۔

اللہ کی نشانیوں سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کسی چیز کی نشانی وہ ہوتی ہے جسے دیکھ کر وہ چیز یاد آ جائے۔ جیسے دھواں دیکھ کر آگ یاد آ جاتی ہے، یا بادل دیکھ کر بارش یاد آ جاتی ہے۔ تو اس معنی میں جس چیز سے بھی اللہ یاد آئے یا اللہ کا دین یاد آئے یا جو چیز عبادتِ خداوندی کا ذریعہ بنے وہ اللہ کی نشانی ہے۔ جیسے مسجد، مدرسہ، قرآن، اذان، نماز، داڑھی، مصلیٰ وغیرہ۔ اس میں انبیاء و اولیاء بھی شامل ہیں کیونکہ حدیثِ مبارکہ میں ہے ''اہل اللہ وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔'' (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۴) لہٰذا انبیاء و

اولیاء بھی اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان کی تعظیم بھی دلوں کا تقویٰ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانور کو اس لیے شعائر اللہ میں سے قرار دیا کہ اس کا عبادت سے تعلق ہو گیا ہے تو وہ انسان شعائر اللہ میں سے کیوں نہیں جو اللہ کی محبت میں فنا ہو جائے؟

[30] یعنی قربانی کے لئے تیار کردہ جانوروں سے تم وقتی فوائد اٹھا سکتے ہو جیسے ان سے دودھ، اون اور بچے وغیرہ حاصل کرنا یا ان پہ سوار ہونا، پھر انہیں اللہ کے آزاد گھر کعبہ شریف تک یعنی حدودِ حرم تک لے جانا ہو گا تا کہ انہیں وہاں ذبح کیا جائے۔ معلوم ہوا حج کی قربانی حدودِ حرم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ ''قربانی کا جانور جو کعبہ تک پہنچایا جائے۔'' (مائدہ:۹۵) اسی طرح حج وعمرہ میں کسی غلطی پہ جو دم لازم آتا ہے یعنی جانور کی قربانی لازم آتی ہے وہ بھی حدودِ حرم ہی میں ہو سکتی ہے، اس سے باہر نہیں۔ حدودِ حرم میں مکہ منیٰ مزدلفہ سب شامل ہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ

اور ہم نے ہر امت کو قربانی کا ایک طریقہ عطا فرمایا ہے تا کہ وہ ان بے زبان جانوروں پر جو ہم نے انہیں دیئے اللہ کا

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾

نام لیں۔ [31] تو تمہارا معبود معبود واحد ہے تو تم اسی کے آگے سر جھکاؤ اور ان عجز پسندوں کو بشارت دیدو کہ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ

جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف سے بھر جاتے ہیں اور صابروں کو اس تکلیف پر جو انہیں پہنچی بشارت دے دو

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور نماز قائم کرنے والوں کو جبکہ وہ ہمارے دیئے ہوئے سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ [32]

عید الاضحیٰ پہ جانوروں کی قربانی کا حکم اور اس کا فلسفہ

[31] گزشتہ رکوع میں حج کے دوران کی جانے والی قربانی کا ذکر ہوا اب پوری دنیا میں عید الاضحیٰ والے دن کی جانے والی جانوروں کی قربانی کا ذکر ہو رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں جانوروں کی قربانی کا ایک طریقہ جاری کیا تھا کہ وہ اللہ کے عطا کردہ جانور اللہ کی رضا کے لئے اس کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ لہٰذا اے امت محمدیہ! ایک طریقہ تمہیں بھی دے دیا گیا ہے تو اسے خوش اسلوبی سے بجالاؤ۔

یادر ہے جانور کی قربانی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل سے شروع ہوا جس کا ذکر سورہ مائدہ رکوع ۵ میں گزر چکا ہے۔اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دنبہ ذبح کیا پھر ہر زمانہ میں انبیاء کرام علیہم السلام رضاء الٰہی کے لئے جانور قربان کرتے رہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا یوں حکم فرمایا:''اور جس جگہ کو خداوند اپنے مسکن کے لئے چن لے وہیں اپنے خدا کے لئے گائے بیل اور بھیڑ بکری کی قربانی چڑھانا۔'' (تورات کتاب الاستثناء باب ۱۶ آیت ۲ صفحہ ۱۸۲)

جانوروں کی قربانی کی اہمیت وفضیلت

آج بعض نام نہاد مسلمان اس قربانی سے انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت غرباء کو دے دینا بہتر ہے ان کے نزدیک جانور ذبح کرنا بیکار کام ہے مگر جب اللہ نے ہر امت میں جانور کی قربانی رائج کی ہے تو اس سے انکار دین سے بغاوت ہے۔حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔پوچھا گیا اس کا ثواب کیا ہے؟ فرمایا: (جانور کے) ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔(ترمذی کتاب الاضحیہ باب ۱، ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ۳، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس کے پاس گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ دے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔'' (ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ۲)

[32] یعنی اللہ ہی معبود واحد ہے لہٰذا اسی کے نام پر جانور ذبح کرو اور اس کے حکم پر گردن جھکا دو مثلاً اس نے عید قربان والے دن صاحب استطاعت لوگوں کو جانور کی قربانی کا حکم دیا ہے تو انہیں اللہ کے حکم پر گردن جھکا دینی چاہئے کیونکہ اللہ کے حضور عاجزی کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی کہا جائے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے تو ان کے دل خوف سے بھر جاتے ہیں اور اس حکم کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔اور وہ راہِ حق میں آنے والی ہر مصیبت پر صبر و رضا سے کام لیتے ہیں یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ مصیبت اللہ ہی کے حکم سے آئی ہے تو وہ اسے اپنے محبوب حقیقی کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور ان کی عاجزی وانکسار کی یہ علامت بھی ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں کیونکہ نماز سراپا عجز و نیاز ہے اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جس کی ایک مثال اللہ کے نام پر جانور کا قربان کرنا بھی ہے۔اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے۔(۱) صبر کی عظمت، (۲) پابندی نماز کی اہمیت (۳) راہ خدا میں خرچ کرنے کا مقام۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا

اور ہم نے قربانی کے اونٹوں کو تمہارے لئے نشانیاں بنایا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔[33] تو ان (کے ذبح) پر

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

اللہ کا نام لو جب وہ پاؤں پر کھڑے ہوں، پھر جب وہ پہلو کے بل آپڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٣٦ لَنْ يَّنَالَ

اور قناعت پسند اور مانگنے والے فقیر کو دو۔[34] اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے لئے مسخر کئے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔[35] اللہ کو

اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ

ان کے گوشت ہرگز نہیں پہنچتے نہ ان کے خون پہنچتے ہیں بلکہ اسے تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔[36] اسی طرح ہم نے

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٣٧ اِنَّ

انہیں تمہارے بس میں دیدیا ہے تا کہ تم اللہ کی بڑائی کہو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور نیکوکاروں کو بشارت دیدو، بیشک

اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝٣٨ ع

اللہ ایمان والوں کے مصائب دور کرتا ہے، بے شک اللہ کسی دھوکہ باز ناشکرے کو پسند نہیں رکھتا۔[37]

[33] بُدْنٌ بَدَنَةٌ کی جمع ہے جیسے ثُمُرٌ ثَمَرَةٌ کی جمع ہے۔ یہ لفظ اونٹوں کے لئے زیادہ مشہور ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا اطلاق گائے پر بھی ہے تاہم اس آیت میں اس سے اونٹ ہی مراد ہے۔ اہل عرب قربانی کے اونٹوں کو مخصوص ہار پہنا دیتے تھے جنہیں دیکھ کر ہر کوئی جان جاتا کہ قربانی کے اونٹ ہیں تو کوئی انہیں چوری نہ کرتا نہ تکلیف پہنچاتا گویا وہ اونٹ اللہ کی عبادت کی نشانی بن جاتے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے قربانی کے اونٹوں کو اللہ کی نشانی بنایا ہے اور تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے کہ ان کی قربانی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

[34] صَوَآفَّ صَافَّةٌ کی جمع ہے۔ یعنی اونٹوں کی صف بستہ قطار، یعنی اونٹوں کو صف میں کھڑا کر کے انہیں قربان کرو اور ان کے ذبح پر اللہ کا نام لو۔ آگے فرمایا کہ جب وہ ذبح کے بعد پہلو کے بل زمین پر گر جائیں یعنی ان کی جان نکل جائے اور خون بہہ جائے تو ان کا گوشت بنا کر خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی دو۔ خواہ قناعت پسند فقیر ہوں کہ حاجت کے باوجود گوشت نہ مانگیں اور خواہ سوال کرنے والے ہوں کہ گوشت لینے آ جائیں۔ بہر حال سب کو گوشت تقسیم کرو کہ یہی

قربانی کا مقصد ہے کہ جنہیں گوشت کھانا نصیب نہیں یا بہت کم نصیب ہے وہ بھی کم از کم سال میں ایک بار یہ لذت مفت میں اور وافر حاصل کر سکیں۔

اس سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اونٹ کی قربانی کی فضیلت۔

یہاں اونٹوں کی قربانی کا خصوصی ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کی گئی اور یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹ قربان فرمائے۔ تریسٹھ اونٹ آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی کے ذبح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا آپ کا تریسٹھ اونٹ ذبح کرنا آپ کی عمر کے تریسٹھ برس کے ہر برس کا شکرانہ تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۴۸) حدیثِ مبارکہ میں ہے اس وقت ہر اونٹ اپنی گردن آگے کر رہا تھا تاکہ اسے پہلے آپ ﷺ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کا موقع ملے۔ (ابوداؤد کتاب المناسک باب ۱۹)

(۲) اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہئے۔

لفظ صوآفّ اور فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا اگلا بایاں پاؤں باندھ دیا جائے۔ وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو، پھر اس کے سینے کے قریب اس کے گلے پر چھری یا نیزہ چلایا جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص اونٹ کو لٹا کر ذبح کر رہا تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھ کر فرمایا اونٹ کو کھڑا کرو اور اس کا بایاں پاؤں باندھ دو پھر اسے نحر کرو کہ یہی تمہارے نبی کی سنت ہے۔ (بخاری کتاب الحج باب ۱۱۸)

(۳) قناعت والوں کو مانگنے والوں سے پہلے دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے القانع والمعترّ میں قناعت والوں کا ذکر پہلے کیا ہے اور مانگنے والوں کا بعد میں۔ قناعت والے حاجت مندوں کی مثال دینی مدارس کے طلباء کی صورت میں دی جا سکتی ہے جو حاجت کے باوجود کسی سے مانگتے نہیں ہیں۔

[35] اللہ نے جانوروں کو انسانوں کے تابع کیا ہے یہ اس کی عظیم نعمت ہے کہ انسان اپنے سے کئی گناہ قد و قامت والے اور طاقتور جانوروں کو نکیل ڈالے پھرتا ہے اور انہیں ذبح کرتا ہے۔

[36] ابن جریج سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ قربانی کے اونٹوں کے گوشت اور ان کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مارتے تھے (تاکہ اللہ تک ان کی قربانی پہنچے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایسا کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں تب یہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۴۹۵ حدیث ۱۳۹۵۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اللہ یہ دیکھتا ہے کہ تم کس تقویٰ کے ساتھ قربانی کرتے ہو۔ کئی لوگ دکھاوے کے لئے بہت سے جانور قربان کرتے ہیں ان کا عمل اللہ تک نہیں پہنچتا کیونکہ اس میں تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ والا ادنیٰ عمل بھی اللہ کے ہاں سے عظیم اجر پاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے اموال نہیں دیکھتا وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔" (مسلم کتاب البر حدیث ۳۴) اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قربانی کے جانور کا خون زمین پہ گرنے سے قبل ہی اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے۔" (ابن ماجہ)

[37] یعنی قربانی کی برکت سے اللہ مومن کے مصائب دفع فرماتا ہے جانور کی جان کا صدقہ مومن کی جان کے لئے تحفظ بن جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی سے فرار کے لئے دھوکہ بازی کے جھوٹے بہانے گھڑنے اور ناشکری کرنے سے بچنا چاہئے اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ ناپسند ہیں۔

قربانی کے چند احکام

ہر آزاد مقیم صاحب استطاعت مسلمان پہ عید الاضحیٰ پہ جانور کی قربانی لازم ہے۔ شہر میں رہنے والے لوگ نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی نہیں دے سکتے۔ جبکہ اہل دیہات طلوع فجر کے بعد قربانی دے سکتے ہیں۔ ایک شخص ایک بکری یا دنبہ قربانی میں دے سکتا ہے۔ جبکہ ایک گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں۔ ضروری ہے کہ ایک گائے یا اونٹ میں جتنے افراد شریک ہوں ان سب کا مقصد قربانی یا عقیقہ جیسی عبادت ہو اگر ان میں سے کسی ایک کا مقصد محض گوشت ہو نہ کہ کوئی عبادت، تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوئی۔ اندھے، لنگڑے، لاغر، سینگ کٹے، کان کٹے یا دانت ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ قربانی کے لیے بھیڑ بکری وغیرہ کی عمر ایک سال، گائے کی دو سال اور اونٹ کی پانچ سال عمر لازم ہے۔ اگر دنبہ یا بھیڑ چھ ماہ کا ہو اور سال کا نظر آئے تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ قربانی کی کھال صدقہ کر دی جائے تو بہتر ہے۔ البتہ اس سے گھر میں مصلیٰ یا کوئی اور چیز بھی بنائی جا سکتی ہے۔
(کنز الدقائق کتاب الاضحیہ صفحہ ۴۲۰، ۴۲۱)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾

جن کو (ناحق) مارا جائے انہیں اذن جہاد دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔[38]

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا ان کا یہی گناہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔[39] اور اگر

دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

اللہ بعض لوگوں کا شر دوسرے لوگوں کے ذریعے دور نہ کرتا تو خانقاہیں، گرجے، یہودی عبادت خانے

وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ

اور مسجدیں گرادی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔[40] اور اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کریں۔

اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

بیشک اللہ طاقتور غالب ہے۔[41]

کفار کے خلاف اعلان جہاد اور اس کے مقاصد

[38] مؤمنین جب تک مکہ میں تھے انہیں اذنِ جہاد نہ دیا گیا حالانکہ انہیں ناحق قتل کیا گیا اور ستایا گیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بوڑھے والدین کو اذیتیں دے دے کر مار دیا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیئے جاتے تھے اسی طرح کئی غلام اسلام لے آئے ان کے آقاؤں نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے الغرض اہل اسلام پر ہر طرح کا ظلم جاری رکھا گیا اور ان پر ہر دہشت گردی روا رکھی گئی مگر چونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور وہ محکوم تھے مکہ میں حکومت کفار کے پاس تھی اس لیے مسلمانوں کو مکہ میں اذنِ جہاد نہ دیا گیا۔ پھر جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں ان کی حکومت قائم ہوئی اور پہلی اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آئی تو صحابہ کرام کو اذن جہاد دیا گیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ پہلی آیت ہے جس میں اذنِ جہاد دیا گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۴۹۶ روایت ۱۳۹۶۱)

امام بغوی فرماتے ہیں مشرکین مکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کو قتل کر دیتے، کسی کا سر پھوڑ دیتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریاد کرتے، آپ فرماتے، صبر کرو ابھی مجھے اذن جہاد نہیں دیا گیا۔ جب آپ ہجرت کر کے

مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور یہ حکم قتال سے متعلق نازل ہونے والی پہلی آیت تھی۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۹) چنانچہ اس اذنِ جہاد کے بعد کفار مکہ سے جھڑپیں شروع ہوگئیں پھر معرکہ بدر وقوع پذیر ہوا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ سے معلوم ہوا مسلم قوم دہشت گرد نہیں ہے بلکہ شروع سے دہشت گردی کا شکار ہے۔ جونہی اسلام کا آغاز ہوا اہلِ ایمان سے دہشت گردی شروع کردی گئی اور اب تک ہو رہی ہے، کشمیر، انڈیا، فلسطین، عراق، افغانستان اور پاکستان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے اور جب مسلمان دفاع میں بندوق اٹھاتے ہیں تو الٹا انہی کو دہشت گرد کہہ کر مجرم بنا دیا جاتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہی تو چرچا نہیں ہوتا

[39] اب جہاد کے مقاصد بتائے جارہے ہیں تو جہاد کا مقصد اول یہ ہے کہ کفار جن مسلمانوں کو ان کے گھروں سے یعنی ان کے وطن سے نکال دیں صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہیں ایسے مسلمانوں کو جہاد کرنا چاہئے تاکہ وہ جہاد کے ذریعے کفار سے اپنے گھر اور اپنا وطن واپس لے سکیں جیسے کفار مکہ نے صحابہ کرام کو اذیتیں دے دے کر مکہ سے ہجرت پر مجبور کردیا تو انہوں نے جہاد کے ذریعے مکہ فتح کیا اور آج اس کی مثال یہ ہے کہ امریکہ کی مدد سے ارضِ بیت المقدس پر یہود کو باہر سے لاکر بسایا گیا اور وہاں کے فلسطینی مسلمانوں کو شدید مظالم کے ذریعے ہجرت پہ مجبور کردیا گیا اور وہ کویت، لبنان اور شام وغیرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اسی طرح ارضِ کشمیر میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ کیا گیا کہ وہ ہجرت کر کے مہاجر کیمپوں میں آٹھہرے اور آج افغانستان وعراق میں امریکی افواج نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اہلِ ایمان ہجرت پر مجبور ہیں۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) ان حالات میں اس آیت کے مطابق 58 اسلامی ممالک پر جہاد فرض ہے۔ یعنی ان پہ فرض ہے کہ وہ باہم متحد ہو کر اپنے کشمیری، فلسطینی، افغانی اور عراقی مسلمان بھائیوں کو ان کا آزاد وطن دلانے کے لئے یہود و ہنود اور نصاریٰ سے قتال کریں۔ آج کے اقتدار پرست نام نہاد مسلم حکمران کہتے ہیں کہ ہم میں کفار سے لڑنے کی طاقت نہیں وہ طاقت میں ہم سے بہت زیادہ ہیں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ نازل ہوا تب بھی تو مسلمان کفار کے مقابلہ میں انتہائی کمزور تھے۔ مگر چھوٹی سی اسلامی ریاست کے قائم ہوتے ہی ان پر جہاد فرض کردیا گیا اور دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ”تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور مظلوم مردوں عورتوں اور بچوں کی مدد کے لئے جہاد نہ کرو گے۔“ (نساء:۷۵)

(۲) مہاجرین صحابہ کی فضیلت: اس آیت میں الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ سے ضمناً مہاجرین صحابہ کی فضیلت معلوم ہوئی کہ محض ایمان کی وجہ سے ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ لہٰذا وہ انصار صحابہ سے افضل

ہیں۔پھران میں سے خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کی ہجرت سب سے اعلیٰ ہے۔

[40] جہاد کا مقصد دوم یہ ہے کہ اگر اللہ جہاد کے ذریعے بعض لوگوں (کفار) کا شر دوسرے لوگوں (مسلمانوں) کے ہاتھوں دور نہ کرتا تو عیسائی راہبوں کی خانقاہیں اور ان کے مذہبی اجتماعات کے لئے بنائے گئے کلیسے اور یہود کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد تباہ کر دی جاتیں حالانکہ مساجد میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے۔یعنی اگر امت عیسیٰ علیہ السلام کے مومنین جہاد نہ کرتے تو مشرکین ان کی خانقاہیں اور کلیسے گرا دیتے۔اگر امت موسیٰ علیہ السلام کے مومنین جہاد سے منہ موڑتے تو کفار ان کے عبادت خانے تباہ کر ڈالتے اور اگر امتِ محمدیہ کے مسلمان کفار کے خلاف شمشیر جہاد نہ اٹھائیں گے تو کفار ان کی مساجد تباہ کر ڈالیں گے اور مسلمانوں کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے جب سپین کے مسلمانوں نے جہاد سے منہ موڑا تو انہیں وہاں سے مار مار کر نکال دیا گیا اور ان کی ہزاروں مسجدیں گرجوں اور سینماؤں میں تبدیل کر دی گئیں۔آج بھی سپین کے کئی نائٹ کلبوں کی دیوروں پہ قرآنی آیات لکھی ملتی ہیں۔ہمارے کئی دوست وہاں دیکھ کر آئے ہیں۔ہندوستان میں آج بھی کئی مساجد گرائی جا رہی ہیں ابھی بابری مسجد کا معاملہ دور کی بات نہیں۔اگر آج مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ موجزن ہوتا تو کفار کو کسی مسجد کی بے حرمتی کی جرأت نہ ہو سکتی۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ حکم جہاد ہر امت پر جاری رہا۔

[41] اللہ سب سے طاقتور اور سب پر غالب ہے اگر اہل ایمان اس کے دین کی مدد کے لئے جہاد کریں تو اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا اور انہیں ہر طاغوتی و اسلام دشمن طاقت پر غلبہ دے گا وہ ابابیل پرندوں کے ذریعے بڑے بڑے ہاتھیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جہاد کی تلوار ہاتھ میں نہ لیتے اور کفار سے ڈرتے رہتے جیسے آج 58 اسلامی ممالک کے حکمران سہمے اور ڈرے ہوئے ہیں تو دین کو کبھی غلبہ نہ ملتا۔معلوم ہوا امتِ مسلمہ کی کامیابی جہاد میں مضمر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اختیار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ

اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ ہی کے لئے سب کاموں کا انجام ہے۔[42] اور اگر کفار

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے قبل قوم نوح، عاد و ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط

لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ

اور اہل مدین نے بھی (رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو جھٹلایا گیا تو میں نے کافروں کو (کچھ) مہلت دی پھر

اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

میں نے انہیں پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا (سخت) تھا۔[43]

[42] جہاد کا مقصد سوم یہ ہے (اور یہ جہاد کا اہم ترین مقصد ہے) کہ اللہ کی زمین پہ اللہ کا قانون نافذ کیا جائے یعنی جب اللہ مسلمانوں کو جہاد کے ذریعے زمین پر غلبہ دیتا ہے تو وہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرتے ہوئے نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور معاشرہ سے برائی مٹاتے اور نیکی پھیلاتے ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جہاد کے ذریعے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قرآن وسنت کا قانون نافذ کیا۔ انسانوں کو قیصر وکسریٰ کی بندگی سے چھڑوا کر اللہ کی بندگی کی لذت سے آشنا کیا اور انسانیت کے پاؤں سے ملوکیت کی زنجیریں توڑ کر انہیں آزاد و خود مختار انسان بنایا اور بندہ و آقا سب کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اگر اہلِ اسلام جہاد نہ کرتے تو دنیا ہمیشہ قیصر وکسریٰ کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی رہتی۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) جہاد کا اہم تر مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا دین نافذ کرنا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کے قبضہ میں جس قدر زمین ہے وہ اس پر بھی اللہ کا قانون نافذ نہیں کر رہے۔ بس نام کے مسلمان ہیں۔ عملاً اغیار کے قوانین نافذ ہیں۔ بے حیائی کے اڈے قائم ہیں، سود نافذ ہے، شرعی اسلامی سزائیں معطل ہیں۔

(۲) خلافتِ راشدہ کی حقانیت، خلفاء راشدین نے اس آیت کے مطابق زمین پر جہاد کے ذریعے اقتدار قائم

کر کے نماز و زکوۃ اور دیگر احکام اسلامیہ کا صحیح معنی میں نفاذ کر کے دکھا دیا۔اور دور خلافت راشدہ اس آیت کی بہترین عملی تفسیر ہے۔

[43] حضور ﷺ کو تسلی عطا فرمائی جارہی ہے کہ اگر کفار آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے، حضرت ہود و صالح علیہما السلام کو عاد و ثمود کی قوموں نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم فرعون نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نمرود نے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین نے جھٹلایا۔اللہ فرماتا ہے کہ میں نے ان قوموں کو کچھ عرصہ مہلت دی جب وہ باز نہ آئے تو میں نے انہیں پکڑ لیا۔

اسی طرح کفار مکہ و یہود مدینہ کو بھی کچھ عرصہ مہلت دی گئی ہے اگر یہ باز نہ آئے تو ان پر بھی اللہ کی پکڑ آنے والی ہے۔چنانچہ کفار مکہ کو بدر و احزاب میں اور یہود مدینہ کو غزوۂ بنی قریظہ و بنی نضیر میں اور یہود خیبر و فدک کو غزوۂ خیبر میں پکڑ لیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت آج تک جاری ہے جب بھی کسی قوم نے اسلام و اہل اسلام کے خلاف سازشیں اور جنگیں بڑھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔پھر یا اسے ہدایت دے دی یا مٹا ڈالا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

تو ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جبکہ وہ ظالم تھیں، تو اب وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

اور کتنے ہی بیکار پڑے کنوئیں اور اونچے محلات ہیں۔[44] تو کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا تاکہ

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

ان کے لئے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے، کہ بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں موجود ہیں[45] اور کفار آپ (ﷺ) سے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا

اور اللہ ہرگز اپنے وعدہ کی مخالفت نہ کریگا اور بیشک تمہارے رب کے ہاں (قیامت) کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے جیسے

تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

تم گنتی کرتے ہو۔[46] اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں میں نے مہلت دی جبکہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع

اور میری ہی طرف سب کا لوٹنا ہے۔[47]

ع ۱۴ ۲

[44] یعنی کفار کو دیکھنا چاہئے کہ انبیاء کو جھٹلانے والی کئی قوموں کی بستیاں تباہ کر دی گئیں۔ آج وہ اوندھی پڑی ہیں۔ ان کے کنوئیں اور چشمے خشک ہو گئے ہیں اور اونچے محلات کھنڈر بن گئے ہیں۔ غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ نے قوم صالح علیہ السلام کی تباہ شدہ بستی حجر کے کھنڈرات دیکھے تھے۔ تو کفار کو ان تباہ شدہ بستیوں سے عبرت پکڑ کر اسلام دشمنی سے باز آنا چاہئے۔

[45] کفار کو چل پھر کر دیکھنا چاہئے کہ تاکہ انہیں ایسے دل حاصل ہوں جو عبرت حاصل کریں اور ایسے کان ملیں جو حق سن سکیں۔ یعنی وہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ کیسی کیسی طاقتور قوموں کا نام ونشان مٹا دیا گیا کیونکہ بات یہ ہے کہ

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں لہٰذا کفار کو چشم دل سے قوموں کے عروج و زوال کا حال دیکھ کر راہِ ہدایت پکڑنی چاہئے۔ اس میں مسلم حکمرانوں اور معاشرہ کے ظالم طبقوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے کہ جب اللہ نے نمرود و فرعون جیسے ظالم و جابر بادشاہوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تو ان کی کیا حیثیت ہے

[46] کفار مکہ نے کہا تھا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ (انفال: ۳۲) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کفار آپ سے جلد عذاب چاہتے ہیں اور اللہ نے بھی منکروں سے وعدۂ عذاب کر رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدے سے خلاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا کفار عذاب کی جلدی نہ کریں وہ اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ چنانچہ بدر میں وہ عذاب آ گیا اور قیامت کا عذاب الگ ہے اور قیامت کا دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کا ہوگا۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''فقیر و محتاج اہل ایمان مالداروں سے آدھا دن یعنی پانچ سو برس قبل جنت میں چلے جائیں گے۔'' (ترمذی کتاب الزہد باب ۳۷) اس حدیث میں پانچ سو برس کو قیامت کا نصف دن قرار دیا گیا ہے تو پورا دن ہزار برس کا ٹھہرا۔

[47] کئی قوموں کو ان کی اسلام دشمنی کے باوجود کچھ عرصہ مہلت دی گئی جب وہ باز نہ آئے تو ان پر اللہ کی پکڑ آ گئی لہٰذا دورِ حاضر کے دشمنانِ اسلام کو عبرت پکڑنی چاہئے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیں اے لوگو! میں تو تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں، تو جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا

اعمال کریں، ان کیلئے بخشش اور عزت والی عطا ہے۔ اور جو ہماری آیات کے جھٹلانے میں

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

پوری کوشش کریں وہی دوزخ والے ہیں۔ [48]

رسالت محمدیہ کی حقانیت اور منکرین کے شبہات کا ازالہ

[48] گزشتہ رکوع میں کفار کو گزشتہ زمانوں کی کافر اور دشمن دین قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑنے کی دعوت دی گئی تھی اب اسی مضمون کو زیادہ واضح انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں سے ارشاد فرما دیں کہ سن لو کہ میں تو تمہارے ہی لئے کھلا ڈرانے والا ہوں لہٰذا جو مجھ پر اور میری کتاب پر

ایمان لے آئے اور اس کے مطابق اچھے اعمال کرے اس کے لئے بخشش اور جنت میں عزت کی عطا ہے اور جو میری رسالت اور میری کتاب سے انکار کرے اور اللہ کی نازل کردہ آیات کو جھٹلائے اس کے لئے ابدی جہنم ہے۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) رسالت محمدیہ کی عالمگیری:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر تمام نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا کیونکہ النَّاسُ میں قیامت تک پیدا ہونے والا ہر انسان شامل ہے جیسے فرمایا گیا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ (الناس:۳-۱) تو جیسے اللہ تعالیٰ ہر انسان کا رب اور الٰہ ہے یونہی سید المرسلین ﷺ تا قیامت ہر انسان کے لئے رسول ہیں اس لئے دوسری جگہ واضح فرمایا گیا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ''آپ فرمادیں اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''
(اعراف:۱۵۸)

(۲) ختم نبوت:

اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ اور اس کے بعد والے مضمون سے دو طرح صراحتاً عقیدۂ ختم نبوت واضح ہوتا ہے۔

اول: اِنَّمَاۤ حرفِ حصر ہے اب اس جگہ خواہ مبتداء کا خبر میں حصر کیا جائے یا خبر کا مبتداء میں، دونوں طرح یہی معنی بنتا ہے کہ قرآن جس نسل انسانی سے مخاطب ہے اس کے لئے حضور ﷺ ہی کھلے ڈرانے والے ہیں یعنی رسول ہیں۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ ''اور آپ فرمادیں کہ میں ہی کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' (حجر:۸۹)

اور اس کی تشریح اس حدیث سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ کے سامنے تورات کے چند ورقے پیش کئے گئے تاکہ ان سے راہنمائی لی جائے۔ آپ کا چہرہ غضب آلود ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں موسیٰ علیہ السلام خود آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے پھر فرمایا:

انا حظکم من النبیین وانتم حظی من الامم۔ ''تمہارے حصہ کا نبی صرف میں ہوں اور میرے حصہ کی امت صرف تم ہو۔'' (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱، جلد ۴ صفحہ ۲۶۶) اس کی مزید وضاحت میں نے اپنی کتاب ''دلائل ختم نبوت مع رد قادیانیت'' میں کی ہے۔

دوم: فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ۔ الخ سے معلوم ہوا کہ اب نجات اخروی رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے میں مضمر ہے۔ جو اس سے وابستہ ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ اب اسے آپ ﷺ کے بعد مزید کسی نبی پہ ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہی اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ کا معنی ہے۔ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مانا جائے تو پھر اس آیت کو اور اس مفہوم کی دیگر سینکڑوں آیات کو منسوخ کہنا پڑے گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

اور ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول یا نبی بھیجا جب اس نے (غلبہ دین کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

ضرور رکاوٹ ڈالی پھر شیطان جو کچھ (رکاوٹ) ڈالے اللہ اسے مٹا دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو محکم فرماتا ہے اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

علم والا حکمت والا ہے۔[49] تا کہ شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اسے اللہ ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے

مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝

دلوں میں مرض ہے اور ان کے لئے جن کے دل سخت ہیں۔اور بیشک ظالم لوگ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ

اور تا کہ جنہیں علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ یہ (دین) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو چاہیے کہ وہ اس پر ایمان لائیں

لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

پھر چاہیے کہ اس کے لئے ان کے دل جھک جائیں اور اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔[50]

[49] اس آیت کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کفار کے ایمان لانے کی شدید تمنا رکھتے تھے اور جب وہ ایمان لانے کی بجائے شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں پر چلتے تو آپ ﷺ کو شدید غم ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو بھی رسول یا نبی دنیا میں آیا جب اس نے تمنا کی کہ دین غالب آئے اور کفر مغلوب ہو تو شیطان نے اس کی تمنا میں ضرور رکاوٹ ڈالی۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں وسوسے اور شبہات ڈالے مگر اللہ شیطان کا ڈالا ہوا ہر شبہ دور کر ڈالتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کرتا ہے اور وہ علم وحکمت والا ہے۔

مثلاً کفار کے دلوں میں شیطان نے یہ شبہ ڈالا کہ قرآن میں تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ایسے قصے تم بھی بنا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو یوں مٹا ڈالا کہ فرمایا اگر تمہیں قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو اس کی مثل ایک سورت بنا کر لاؤ۔ (بقرہ:٢٣) مگر وہ نہ لا سکے، یوں یہ شبہ مٹ گیا۔ اس طرح شیطان نے کفار کے دلوں میں شبہ ڈالا کہ نبی تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے ہم انسانوں میں سے ایک انسان کو کیسے نبی بنا دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو یوں ختم کیا کہ

فرمایا ہم نے آپ ﷺ سے قبل جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد یعنی انسان ہی تھے۔(انبیاء:۷) اور یہ کہ اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ہم ان کے لئے فرشتہ رسول بھیجتے۔(بنی اسرائیل:۹۵) اس طرح کی مثالوں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ الغرض اسی طرح شیطان نے کسی بھی نبی کی تمنائے غلبۂ دین میں جو بھی شبہ ڈالا اللہ نے اسے دور کر دیا۔ گویا اس آیت میں نسخ کا لغوی معنی مٹا دینا مراد ہے۔

یہاں مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ میں نبی اور رسول کو الگ الگ بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ نبی ہر وہ شخص ہے جسے اللہ اپنے دین کی تبلیغ کے لیے بذریعہ وحی منتخب فرمائے اور رسول وہ ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نئی کتاب یا صحیفہ یا شریعت بھی دی جائے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔

(مظہری بروایت احمد، ابن حبان اور حاکم جلد ۶ صفحہ ۳۳۱)

کیا حضور ﷺ کی زبان پہ شیطان نے معاذ اللہ کفریہ کلمات جاری کر دیے تھے؟

اس آیت کے شان نزول اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے بعض روایات ذکر کی ہیں جنہیں محققین نے موضوع و باطل قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ان باطل روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت حبشہ کے کچھ عرصہ بعد ایک روز نبی اکرم ﷺ صحن کعبہ شریف میں سورۂ نجم پڑھ رہے تھے، صحابہ اور مشرکین سبھی سن رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسری دیوی منات کو دیکھا ہے (نجم:۱۹) تو اچانک شیطان نے آپ کے دماغ پر (معاذ اللہ) قبضہ کر لیا اور آپ نے آگے یہ پڑھنا شروع کر دیا: تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ یہ (لات و منات اور عزیٰ) عظیم المرتبہ دیویاں ہیں اور ان سے امید شفاعت رکھنی چاہئے۔ کفار یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سورۂ نجم کے آخر میں سجدۂ تلاوت پر جب نبی اکرم ﷺ اور صحابہ نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔

مہاجرین حبشہ کو حبشہ میں اطلاع ملی کہ مکہ میں سب مشرکین ایمان لے آئے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر سجدہ کرتے ہیں۔ تو وہ واپس مکہ آئے۔ مگر یہاں حالات پہلے سے سخت تر تھے۔ تو وہ گرتے پڑتے پھر واپس چلے گئے۔ تب اللہ نے ناراض ہو کر جبرائیل علیہ السلام کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آ کر کہا اے محمد (ﷺ) مجھے سورۂ نجم سنائیں۔ آپ ﷺ نے اس طرح سنائی جیسے شیطان نے آپ کے دماغ میں الفاظ ڈالے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں نے تو آپ ﷺ پر یہ الفاظ نہیں اتارے تھے۔ تب آپ سمجھے کہ یہ الفاظ آپ کے دماغ اور آپ کی زبان پر شیطان نے ڈالے ہیں۔ تو آپ سخت مغموم رہنے لگے۔ تب اللہ نے آپ کی تسلی کے لئے یہ آیت اتاری: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ چنانچہ آپ کا غم دور ہوا۔ یعنی اللہ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں ہر نبی و رسول کی

تلاوت میں شیطان نے اپنی بات ضرور ڈالی تھی مگر اللہ شیطان کی ڈالی ہوئی بات کو مٹا دیتا اور اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔
یہ ان روایات کا خلاصہ ہے جو تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵، تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۰۰ تا ۲۵۰۲ اور در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۷ تا ۷۹ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مگر یہ سب روایات درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ امام ابن کثیر نے صحیح فرمایا:
لم ارها مسندة من وجه صحيح، کہ ان میں سے کوئی روایت بھی میں نے صحیح اسناد کے ساتھ مروی نہیں پائی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ بیروت)

اور امام فخر الدین رازی نے فرمایا:
اما اهل التحقيق فقالوا هذه الرواية باطلة موضوعة. اہل تحقیق کے نزدیک یہ روایات موضوع باطلہ اور قرآن وسنت اور معقول سے متصادم ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ ملتان)

اسی طرح امام قرطبی نے فرمایا:
الاحاديث المروية في نزول هذه الآية ليس منها شيء يصح، اس آیت کے نزول کی بارے میں مروی روایات میں سے کوئی بھی صحیح شیءنہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۸۰ مطبوعہ داراحیاء، بیروت)

امام خازن نے فرمایا:
لم يروها احد من اهل الصحة ولا اسندها ثقة بسند صحيح او سليم متصل، یعنی ان روایات کو اہل صحت میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی کسی ثقہ امام نے انہیں کسی صحیح یا متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تفسیر خازن جلد ۵ صفحہ ۲۳) اور امام بیضاوی نے تفسیر بیضاوی جلد ۶ صفحہ ۳۳۲ میں ان روایات کو مردود، موضوع اور باطل قرار دیا ہے۔

ان روایات کے بطلان پہ قرآنی دلائل

میں عرض کرتا ہوں یہ روایات درج ذیل ان قرآنی آیات سے متصادم ہیں۔

اول: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ اللہ رب العزت نے شیطان کو جنت سے نکالتے ہوئے فرمایا: اے شیطان! "میرے خاص بندوں پر تمہارا کوئی اختیار نہیں۔" (حجر:۴۲) اب انبیاء کرام سے بڑھ کر اللہ کے خاص بندے کون ہیں؟ تو ان پر شیطان کا اختیار کیسے چل سکتا ہے؟ مگر مذکورہ روایات کا مفاد یہ ہے کہ ہر نبی کی تلاوت میں شیطان نے کفریہ باتیں داخل کر دی تھیں۔

دوم: لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ "قرآن میں کوئی باطل (جھوٹ اور کفر) داخل نہیں ہوسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔" (فصلت:۴۲) یعنی نہ پہلے کبھی ایسا ہوا نہ آئندہ کبھی ایسا ہوگا۔ جب اللہ کا وعدہ ہے کہ قرآن میں باطل داخل نہیں ہوسکتا تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا یہ وعدہ غلط ہوگیا اور شیطان نے نبی کی زبان پہ قرآن میں کفریہ

الفاظ جاری کر دیے؟

سوم: فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ ''(اللہ تعالیٰ رسول کے) آگے پیچھے (فرشتوں کے) پہرے بٹھاتا ہے تاکہ وہ جانے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات درست پہنچا دیئے ہیں اور اللہ نے رسولوں کے پاس جو کچھ ہے اسے گھیر رکھا ہے۔'' (جن:٢٦) یعنی جب کسی نبی پہ اللہ کا کلام اترتا ہے تو اللہ تعالیٰ رسول کے آگے پیچھے یعنی ہر طرف فرشتوں کے پہرے بٹھا دیتا ہے کہ اللہ کے کلام میں شیاطین اپنی کوئی بات داخل نہ کرسکیں۔تو پھر کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پہ شیطان قرآن میں کفریہ باتیں ڈال دے؟

چہارم: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿٦﴾ ''(اے نبی ﷺ) ہم آپ کو یوں پڑھائیں گے کہ آپ بھول نہ سکیں گے۔'' (اعلیٰ:٦) اس واضح وعدۂ الٰہی کے باوجود رسول اللہ ﷺ کیسے بھول گئے؟

پنجم: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ ''بے شک ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (حجر:٩) ان تمام آیات کا مفاد یہ ہے کہ قرآن اللہ کی محفوظ کتاب ہے اس میں شیطان کے کوئی چیز داخل کرنے کا ہرگز امکان نہیں لہٰذا مذکورہ آیات ان تمام قرآنی آیات سے متصادم ہیں۔

پھر یہ روایات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں جو مذکورہ واقعہ کے پانچ برس بعد پیدا ہوئے۔ کیونکہ روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت حبشہ کے بعد پیش آیا اور یہ ہجرت سن بعثت پانچ میں ہوئی جبکہ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر صرف تین برس تھی۔ گویا وہ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے۔حالانکہ یہ واقعہ مذکورہ روایات کے مطابق صحابہ کے اجتماع میں ہوا تو کیا وجہ ہے کہ جو صحابہ وہاں موجود تھے ان میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہ کیا۔

اصل بات صرف اسقدر ہے جو بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورہ نجم وہ پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔ جب حضور ﷺ نے اس پہ سجدہ کیا تو آپ ﷺ کے ساتھ تمام مومنین مشرکین اور سب جن وانس نے سجدہ کیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ نجم باب ٤)

اگلی حدیث میں اسی جگہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ کفار میں سے صرف امیہ بن خلف نے سجدہ نہ کیا۔اس نے زمین سے مٹی اٹھا کر ماتھے پہ لگالی۔تو اسے ایمان نصیب نہ ہوا اور وہ حالت کفر میں قتل ہوا۔گویا جن کفار نے اسوقت سجدہ کیا تھا۔انہیں بعد میں ایمان مل گیا۔مطلب یہ ہے کہ پہلی آیت سجدہ کے نزول پہ اللہ رب العزت نے کفار پہ ایسا رعب ودبدبہ ڈالا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے سجدہ کیا تو وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔بس اتنا سا واقعہ ہے۔

اس سے زائد سب باطل روایات ہیں۔اور ان میں اسقدر تضاد ہے کہ الامان۔کسی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ

اس وقت نماز میں سورہ نجم پڑھ رہے تھے۔ کسی میں ہے کہ آپ محفل میں پڑھ رہے تھے۔ کسی میں ہے کہ ان شیطانی اور کفریہ الفاظ کے زبان پہ آتے ہی آپ کو تنبیہ ہوگئی۔ اور بعض میں ہے کہ بعد میں جبرائیل امین علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ سے سورہ نجم سنی اور آپ نے شیطان کے القاء کے مطابق پڑھی تو جبرائیل علیہ السلام نے تصحیح کی۔ الغرض یہ اضطراب واختلاف بھی اس واقعہ کے بطلان کی دلیل ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زبان پہ شیطان کے ڈالے ہوئے کفریہ الفاظ معاذ اللہ جاری ہو گئے تو آپ پریشان رہنے لگے۔ تب اللہ نے یہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ الخ نازل کی اور آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں ہر نبی ورسول کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ سورہ نجم والا یہ واقعہ ان روایات کے مطابق مکہ میں پیش آیا اور اسوقت حبشہ کی طرف بعض صحابہ ہجرت کر گئے تھے۔ اور یہ ہجرت سن بعثت پانچ میں ہوئی۔ گویا یہ واقعہ سن بعثت پانچ کے لگ بھگ پیش آیا۔ جبکہ سورہ حج مدنی سورت ہے اس میں فرضیت جہاد اور فرضیت حج کا بیان ہے۔ گویا ان دونوں کے مابین قریبا آٹھ دس برس کا فاصلہ ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ نے اتنے برسوں کے بعد جا کر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی؟ یہ کیسی نامعقول بات ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا سورہ نجم والے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پہ کسی کفریہ قول کا جاری ہونا کہیں ثابت ہے۔

بعض لوگوں نے اس واقعہ کی یہ تاویل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سورہ نجم پڑھ رہے تھے تو شیطان نے آپ کی آواز میں اپنی آواز کو ملا دیا تھا اور یہ الفاظ کہہ دیے تھے: تلك الغرانيق العُلیٰ وان شفاعتهن لترتجى، (یہ لات ومنات مقدس دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اور سننے والوں نے سمجھا کہ شائد یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ نے کہے ہیں حالانکہ آپ نے نہیں کہے تھے۔ صرف شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا دی تھی۔ مگر یہ تاویل بھی غلط ہے۔ جب قرآن نے صاف فرما دیا کہ قرآن میں کسی طرف سے کوئی باطل داخل نہیں ہوسکتا۔ تو شیطان کو کیسے یہ قوت مل گئی کہ اس نے قرآن میں اپنی آواز ملا دی؟ پھر رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ شیطان کسی کے خواب میں آکر اسے نہیں کہہ سکتا کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ تو اسے یہ جرأت کیسے ہوگئی کہ آپ ﷺ کی آواز میں اپنی آواز ملا دے؟ یعنی جب وہ آپ کی شکل نہیں اپنا سکتا تو آواز کیسے اپنا سکتا ہے۔ وہ بھی کفریہ الفاظ کے ساتھ اور وہ بھی قرآن میں؟

[50] یعنی جن کے دلوں میں کفر کا مرض ہے اور جن کے دل قبول حق کے مقابلہ میں سخت ہو گئے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ شیطان ان کے دلوں میں جو شبہات ڈالتا ہے وہ ان کے لئے وجہ آزمائش بن جاتے ہیں اور ایسے ظالم لوگ دور کے جھگڑوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر علم والوں یعنی یقین والوں پر شیطانی شبہات سے کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے اللہ کے کلام کی طرف سے نازل شدہ کلام سمجھتے ہیں اور ان کے دل اس کے آگے جھکے رہتے ہیں کیونکہ اللہ انہیں سیدھی راہ کی

طرف راہنمائی فرماتا رہتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

اور کفر کرنے والے ہمیشہ دین کے بارے میں مبتلائے شک رہیں گے تا آنکہ ان پر اچانک قیامت آ جائے یا ان پر

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ

بے ثمر دن کا عذاب آ پہنچے۔[51] بادشاہی اس دن اللہ ہی کے لئے ہے وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، تو جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے وہ نعمتوں والے باغات میں ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور

بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ ع

ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔[52]

ع ٧ ١٤

[51] مگر کفر پر ڈٹنے والے لوگوں کے دل ہمیشہ شیطانی شبہات میں مبتلا رہیں گے تا آنکہ ان پر اچانک قیامت قائم ہو جائے (کیونکہ انہی کی ایک نسل پر اچانک قیامت قائم ہو گی) یا ان پر بے ثمر دن کا عذاب آ جائے اس سے موت کا دن مراد ہے کیونکہ موت کے وقت فرعون کی طرح ہر کافر ایمان لاتا ہے مگر وہ اس کے لئے بے ثمر ہوتا ہے کیونکہ موت کے فرشتے دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا بے فائدہ ہے اور اس ایمان کی کچھ حیثیت نہیں۔

[52] روز قیامت صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی۔ بادشاہی تو آج بھی اللہ ہی کی ہے مگر آج بادشاہی کے دیگر دعویداران بھی ہیں جبکہ روز قیامت ان کے سب دعوے ختم ہو جائیں گے۔ اس دن اللہ ہی لوگوں میں فیصلہ فرمائے گا چنانچہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جنت سے نوازے گا اور کفر کرنے اور اللہ کی آیات کے جھٹلانے والوں کو جہنم میں ذلت آمیز عذاب سے دو چار کرے گا۔ معلوم ہوا جہنم میں ذلت آمیز عذاب صرف کفار کے لئے ہے۔ وہاں جو اہل ایمان اپنے گناہوں کے سبب جائیں گے انہیں جو عذاب ہوگا وہ پردہ پوشی میں ہوگا ذلت رسوائی کے ساتھ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا فوت ہو گئے اللہ یقیناً انہیں بہتر

حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ

رزق دے گا اور بیشک اللہ ہی سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ وہ ضرور انہیں وہاں داخل کرے گا جو جگہ انہیں پسند ہو گی

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ

اور اللہ یقیناً علم والا حلم والا ہے۔[53] یہ ان کا انجام ہے اور جس نے اسی قدر بدلہ لیا جس قدر اسے تکلیف دی گئی

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

پھر اس پر ظلم ہوا تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ معافی دینے والا ہے، بخشنے والا ہے۔[54] یہ اس لئے ہے کہ اللہ

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔[55]

فضیلت مہاجرین اور درس توحید

[53] اس سے قبل کہا جا رہا تھا کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے جنت ہے۔ اب عمل صالح کی ایک مثال دی جا رہی ہے تو فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یعنی اپنا دین بچانے کے لئے وطن چھوڑ دے پھر اسی راہ میں اسے قتل کر دیا جائے یا اسے طبعی موت آ جائے جبکہ وہ راہ حق میں جان دینے کے لئے تیار ہو تو بہرحال اللہ اسے بہترین رزق دے گا یعنی جنت کی نعمتوں سے نوازے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے کیونکہ نیک اعمال کے بدلے میں جیسی عظیم نعمتیں وہ دیتا ہے کوئی نہیں دے سکتا۔

شہادت کی آرزو میں مرنے والا بھی شہید ہے

اس آیت کی تشریح یہ حدیث کرتی ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا پھر وہ قتل کر دیا گیا یا مر گیا وہ بہرحال شہید ہے یا اسے گھوڑے یا اونٹ نے گرا دیا یا سانپ نے کاٹ لیا یا وہ اپنے بستر پر مر گیا وہ بہرحال شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔“ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۱۴)

اسی طرح ایک صحابی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ دو آدمیوں کا جنازہ پڑھنے کے لئے نکلے ان میں سے ایک راہ خدا میں قتل ہوا تھا دوسرا راہ حق میں فوت ہوا۔ (یعنی وہ بھی جہاد کے لئے نکلا تھا مگر قتل نہ ہو سکا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگوں کا میلان مقتول کی طرف زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا تم مقتول کی طرف زیادہ مائل ہو حالانکہ وہ دونوں برابر ہیں کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۱ حدیث ۲۵۳۵۹)

معلوم ہوا اعمال کا مدار نیت پر ہے ایک شخص اپنا دین بچانے کے لئے ہجرت کرتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ خواہ اسے اس راہ میں جان دینا پڑے وہ دے گا اب اسے اس راہ میں قتل کر دیا جائے یا نہ۔ وہ بہر حال شہید ہے کیونکہ وہ جان دینے ہی کے جذبہ سے گھر سے نکلا تھا۔

مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بوقت وصال رو رہے تھے لوگوں نے پوچھا کیا آپ موت کے ڈر سے رو رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اس موت کو تیروں کی برسات اور تلواروں کے سائے میں ڈھونڈھا مگر یہ مجھے نہ ملی۔ آج میں اونٹ کی طرح ایڑیاں رگڑ کر مر رہا ہوں۔ پاس بیٹھے صحابہ نے کہا اے خالد! جب تم شہادت کے طلبگار اور متلاشی رہے تو تم بہر حال شہید ہو۔

اور حدیث صحیح ہے کہ جو شخص نیکی کا مصمم ارادہ کرے (یعنی اس کے لئے اسباب جمع کرے) پھر اسے نہ کر سکے تو اللہ فرماتا ہے اے فرشتو! اس کے نامہ اعمال میں یہ نیکی لکھ دو۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳، بخاری کتاب الرقاق باب ۳۱)

[54] مقاتل نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ محرم کی اٹھائیس تاریخ کو ایک لشکر روانہ کیا۔ مشرکین سے اس کا سامنا ہوا۔ مشرکین نے کہا: اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر دو کیونکہ وہ محرم کے مہینے میں لڑائی حرام جانتے ہیں ان کے تیور دیکھ کر صحابہ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ اس ماہ میں لڑائی مت چھیڑو۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی ان سے لڑائی کرنا پڑی اور اللہ نے انہیں غلبہ عطا فرمایا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۰۴)

تو شان نزول کے حوالے سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص جہاد یا ہجرت کی راہ میں نکلے (جیسا کہ گزشتہ آیات میں راہ خدا میں مارے جانے کا ذکر ہے) پھر اسے اس راہ میں کفار کی طرف سے ایذاء پہنچائی جائے اور وہ بھی بدلے میں ویسی ہی کارروائی کرے اور وہ لڑائی کا آغاز نہ کرے بلکہ اس پر سرکشی کی جائے تو بہر حال اللہ اس کی مدد کرے گا خواہ دیکھنے میں اس کا عمل شریعت کے خلاف ہو اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے وہ دیکھتا ہے کہ بندے نے کس موقع اور کس نیت سے کوئی فعل کیا ہے۔ اب محرم میں لڑائی حرام تھی مگر جب ابتداء کفار نے کی تو صحابہ کو بھی جوابی کارروائی کی اجازت دی گئی۔

تاہم یہ آیت اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے عام ہے۔ یعنی جس شخص کو ایذاء دی گئی پھر اس پہ سرکشی کی گئی یعنی بار بار ستایا گیا تو اس نے اسی قدر بدلہ لیا جس قدر اسے ستایا گیا تھا جیسا کہ حکم قصاص ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے

بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم کا بدلہ ویسا ہی زخم ہے۔ (مائدہ، ۴۵) تو اللہ اس کی مدد کرے گا۔ کیونکہ قصاص لینا اس کا حق ہے۔ البتہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴿۶۰﴾ کہہ کر بتادیا کہ اللہ کو معاف کردینا پسند ہے۔

[55] اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وعظمت بیان فرمارہا ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ دن کو رات میں بدل دیتا ہے اور رات کو دن میں، دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ سردیوں میں دن کا کچھ حصہ رات میں اور گرمیوں میں رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کردیتا ہے۔ تو جو رب نظام کائنات اور سلسلہ شب و روز کا چلانے والا ہے وہی مستحق عبادت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ

یہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی خدائے برحق ہے۔ اور جسے کفار اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ باطل ہے اور اللہ ہی

اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ز فَتُصْبِحُ

سب سے بلند سب سے بڑا ہے۔[56] کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے

الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ط اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴿۶۳﴾ج لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

زمین سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ (بندوں پر) مہربان خبردار ہے۔[57] اس کے لئے ہے جو آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴿۶۴﴾ع

جو زمین میں ہے اور اللہ ہی سب سے بے پرواہ ساری حمد والا ہے۔[58]

ع ۸ ۱۵

[56] لہٰذا اللہ ہی خدائے واحد وحق ہے اور اللہ کے سوا جس چیز کو بھی عبادت کی جائے وہ باطل و ناحق ہے۔

[57] اللہ کے خدائے واحد ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ وہ آسمان سے بارش اتارتا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے اگر وہ بارش نہ برسائے تو زمین خشک ہو جائے کوئی سبزہ غلہ اناج پھل اور پانی زمین پر نظر نہ آئے پھر نہ کوئی انسان زندہ رہ سکے نہ حیوان۔ تو اللہ اپنے بندوں پر مہربان اور ان کے حالات سے واقف ہے اور ان کی ضرورت کے مطابق ان پر پانی برساتا ہے۔

[58] ارض و سما کی ہر چیز اللہ کی ملکیت و قبضہ میں ہے لہٰذا سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے غنی ہے۔ لہٰذا ساری مخلوق کو اسی سے اپنی حاجات کو وابستہ کرنا چاہئے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور وہ کشتیاں جو سمندر میں اس کے حکم سے

بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

چلتی ہیں۔[59] اور اللہ نے آسمان کو روک رکھا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر نہ سکے۔ بے شک اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۶۵ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ

لوگوں پہ مہربان رحمت والا ہے۔[60] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر زندہ

يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَـكَفُوۡرٌ ۝۶۶ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا هُمۡ نَاسِكُوۡهُ

کرے گا بے شک انسان ناشکرا ہے۔ ہم نے ہر امت کے لئے ایک ضابطہ عبادت بنایا ہے جس پر وہ چلنے والے تھے

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الۡاَمۡرِ وَادۡعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۶۷

لہٰذا کفار تم سے اس معاملہ میں نہ جھگڑیں اور تم انہیں اپنے رب کی طرف بلاؤ بیشک تم سیدھی ہدایت پر ہو

وَاِنۡ جٰدَلُوۡكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۶۸ اَللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ يَوۡمَ

اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ تمہارے درمیان روز قیامت

الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۝۶۹

ان باتوں میں فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔[61]

درس توحید اور رد کفر و شرک

[59] گزشتہ رکوع کے آخر میں اللہ رب العزت نے اپنی نعمتیں گنوائی تھیں کہ وہ بارش برسا کر زمین کو سرسبز کر دیتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے اسے اللہ نے انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتیاں اس کے لئے مسخر کر دی ہیں جو سمندروں میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں۔ زمین کی ہر چیز کا انسان کے لئے مسخر کیا جانا یہ ہے کہ انسان حیوانات، نباتات اور جمادات میں اللہ کے دیئے ہوئے علم سے جو چاہے تصرف کرتا ہے اور وہ سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلا رہا

اور ہزاروں ٹن وزنی ہوائی جہاز ہوا میں اڑ رہا ہے۔

اس میں یہ درس ہے کہ ہر چیز انسان کے لئے زیر فرمان کی گئی ہے تاکہ وہ اللہ کا فرمان پورا کرے اور جب بندہ اللہ کے احکام بجالاتا ہے تو اللہ اس کا حکم ہر چیز پہ جاری کر دیتا ہے اور یہی اولیاء اللہ کے لئے باب کرامت کی حقیقت ہے وہ اللہ کے کسی حکم سے گردن نہیں پھیرتے تو کوئی چیز ان کے حکم سے گردن نہیں پھیرتی۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حکم دریائے نیل پر چلتا ہے اور ہوا ان کے حکم یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ کو آن واحد میں عراق تک پہنچاتی ہے اور اسی لئے حضرت آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ آن واحد میں تختِ بلقیس کو یمن سے بابل میں لاتے ہیں۔

[60] آسمان کو اللہ کے حکم نے بلند کر رکھا ہے جب یہ حکم ہٹ جائے گا تو آسمان ٹکڑے ہو کر گر پڑے گا اسی لئے فرمایا گیا: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور یہی معنی ہے اس آیت کا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ''اللہ نے آسمانوں کو کسی ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے جو تم دیکھ سکو'' (رعد:۲) یعنی آسمان حکم الٰہی کے ستون پر کھڑا ہے۔ جب یہ ستون گرے گا تو آسمان گر جائے گا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ناشکرا ہے یعنی اللہ کی اتنی نعمتیں کھا کر بھی اس کی حکم بجا آوری نہیں کرتا بلکہ اس کی مخالفت کرتا اور اسے گالیاں دیتا ہے جب وہ اپنے خالق کا اس قدر ناشکرا ہے تو دوسرے انسانوں کا کس قدر ناشکرا اور احسان فراموش ہوگا؟ اسی لئے آج انسانوں میں احسان کے بدلے وفا کم اور جفا زیادہ ہے احسان شناس اور شکر گزار لوگ بہت کم ہیں۔

[61] مشرکین نے ایک بار سوال کیا کہ اے مسلمانو! جس جانور کو اللہ ذبح کرے (یعنی جو جانور بحکم الٰہی بغیر ذبح مر جائے) اسے تم نہیں کھاتے اور جسے تم ذبح کرو اسے کھا لیتے ہو یہ کیا انصاف ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے ہر امت کو ایک ضابطۂ عبادت دیا ہے جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح امت محمدیہ کو بھی ایک طریقۂ عبادت دیا گیا ہے کفار کو اس پر جھگڑے یا اعتراض کا حق نہیں کہ یہ حلال کیوں ہے اور یہ حرام کیوں؟ بلکہ تم کفار کو اپنے طریقہ کی دعوت دو کیونکہ تم سیدھی راہ پر ہو، پھر بھی اگر کفار تم سے جھگڑا کریں تو ان سے الجھنے کی بجائے ان سے کہہ دو کہ اللہ ہی روز قیامت تمہارے جھگڑے کا فیصلہ کرے گا۔

یاد رہے جو جانور بغیر ذبح مر جائے اس کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذبح کے بغیر مرنے والے جانور کا خون اس کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور ایسے گوشت کا کھانا صحت کے لئے شدید مضر بن جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس رب نے جانور کو حیات دی جب اس کے نام کے بغیر جانور کی حیات ختم ہوئی تو اس کا کھانا مومنوں کے لئے جائز نہ رکھا گیا۔ اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ جاہل سے جھگڑا کرنے کی بجائے اسے دور سے سلام کہنا چاہئے جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (فرقان:۶۳)

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔ [62] وہ اللہ کے سوا اسے پوجتے ہیں جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا

نہیں اتاری اور جس کا انہیں کچھ علم نہیں اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے اور جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ

ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو تم کفر والوں کے چہروں میں ناگواری دیکھو گے،

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

قریب ہے کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں آپ فرمائیں کیا میں تمہیں اس سے

مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ع

بُری چیز نہ بتاؤں۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے۔ [63]

[62] یہ لوح محفوظ کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ کو سو برس کی مسافت کے برابر (طویل وعریض) ایک کتاب بنایا ہے اور تخلیق خلق سے قبل قلم سے فرمایا کہ اے قلم اس میں قیامت تک میرا علم لکھ دے تو جو کچھ ہونے والا تھا قلم نے لکھ دیا یہ اس آیت کا معنی ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۰۴)

[63] یعنی جب کفار کو قرآن کا سننا ناگوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں فرمائیں کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں اس سے بھی ناگوار ہے؟ وہ نارِ جہنم ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کیا ہے اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے۔ اگر کفار یہ نار برداشت نہیں کر سکتے تو انہیں قرآن کی آواز پہ کان رکھنا چاہیے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ

وہ ہرگز ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے خواہ وہ اس کے لئے اکٹھے ہوجائیں۔[64] اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے

شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا

تو وہ اسے مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔[65] مانگنے والا اور جس سے مانگا گیا دونوں کمزور تر ہیں۔انہوں نے اللہ کی

اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

قدر نہ کی جو اس کی قدر کا حق ہے بے شک اللہ قوت والا غلبے والا ہے۔

ردِّ شرک، حقانیتِ اسلام اور ضرورتِ جہاد

[64] گزشتہ رکوع میں ردشرک پر زور دیا گیا اب اس کی ایک دلیل پیش کی جارہی ہے اور بت پرستوں سے کہا جارہا ہے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو وہ ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے جبکہ اللہ نے ساری کائنات تخلیق فرمائی ہے تو کس قدر جہالت ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کی جائے۔ معلوم ہوا کہ تخلیق صرف اللہ کی صفت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے ''جو لوگ میرے جیسی تخلیق کرنا چاہیں ان سے بڑا ظالم کون ہے وہ ایک دانہ یا ایک ذرہ پیدا کر کے دکھائیں۔'' (بخاری کتاب اللباس باب ۹۰) گویا مکھی تو جاندار چیز ہے کسی بے جان چیز کو بھی اللہ کے سوا کوئی تخلیق نہیں کر سکتا ایک دانہ ایک گٹھلی یا ایک پھل نہیں بنایا جاسکتا۔

[65] یعنی اگر بتوں کے آگے سے مکھی کوئی چیز اٹھا لے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے کیونکہ ان میں کوئی شعور یا حس نہیں ہے تو ان سے کفار کا ڈرنا اور سمجھنا کہ اگر وہ ان کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ان کا کچھ بگاڑ دیں گے سراسر حماقت ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بت پرست اپنے بتوں پر زعفران ملتے تھے، پھر بتوں پر مکھیاں آکر بیٹھ جاتیں اور جگہ جگہ سے وہ رنگ چوس لیتیں۔ سدی نے کہا: کفار بتوں کے آگے کھانے لاکر رکھتے تو مکھیاں ان سے کھانے لگتیں۔ ابن زید نے کہا: کفار بتوں کے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالتے تھے، کئی موتی گر پڑتے اور کوئی پرندہ یا مکھی آکر اسے اٹھا لے جاتی مگر کسی نام نہاد خدا میں یہ طاقت نہ تھی کہ مکھی سے اسے واپس لے سکے تو اس بارے

میں یہ آیت اتری۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۰۵ روایت ۱۴۰۲۵)

بتوں سے متعلقہ آیات کو انبیاء واولیاء پر چسپاں کرنے کی گمراہی

معلوم ہوا یہ آیت بتوں کے بارہ میں نازل ہوئی مگر آج کچھ لوگ اسے انبیاء واولیاء کی قبور پر چسپاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ ان کی قبور پر جا کر ان سے حاجات مانگتے ہیں ان نبیوں ولیوں کو یہ طاقت نہیں کہ ایک مکھی کو اپنی قبر سے اڑا سکیں یا اگر کوئی مکھی ان کی قبر سے اٹھالے تو وہ اس سے واپس لے سکیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کے بارے میں یہ اندازِ فکر دل آزار اور قرآن وحدیث سے بے خبری پہ مبنی ہے۔ دیکھیں! اللہ رب العزت نے فرمایا جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اور تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ (بقرہ: ۱۵۴)

اور کافر کی تلوار سے قتل ہونا اتنا بڑا جہاد نہیں جتنا شریعت کی تلوار سے اپنی خواہشات نفس کا قتل کرنا بڑا جہاد ہے۔ اسی لئے حدیث میں مجاہدۂ نفس کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۹) جب شہداء زندہ ہیں تو اولیاء اللہ بطریق اولیٰ زندہ ہیں اور جب یہ زندہ ہیں تو انبیاء کی زندگی کا کیا کہنا؟ تو انہیں بتوں سے تشبیہ دینا عظیم جسارت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما شبّهتُ خروجَ المؤمنِ من الدنیا الا مثلَ خروجِ الصبیّ من بطنِ اُمِه۔ ''مومن کا دنیا سے نکلنا ایسے ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر دنیا کی وسعت میں آجاتا ہے۔'' (جامع صغیر للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۴۸۴) یعنی موت سے اللہ کے نیک بندوں کی طاقت وتصرف میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا:

اذا مات المؤمن یُخلّی سربه یسرح حیث یشاء۔ ''جب مومن مرجاتا ہے تو اس کا راستہ کھول دیا جاتا ہے جہاں چاہے جائے۔'' (مصنف ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۱۴۴ بحوالہ جامع الاحادیث جلد ۲ صفحہ ۹۲) ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ وصال کے بعد اولیاء اللہ کی روحانی قوت وتصرف میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ تو پھر وصال یافتہ انبیاء واولیاء کو بے حس وحرکت بتوں سے تشبیہ دینا کتنی بڑی جسارت ہے۔

اس جگہ علماء دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کے یہ الفاظ فیصلہ کن ہیں۔ کہتے ہیں:

جو استعانت واستمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہے وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ (جس سے مدد طلب کی جائے) زندہ ہو یا مردہ۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۹۹ کتاب العقائد والکلام)

مولانا اسماعیل دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین پہ یک گونہ فضیلت ہے وہ یہ کہ ولایت، قطبیت، غوثیت، ابدالیت اور دیگر مقامات

رفیعہ دنیا کے ختم ہونے تک آپ کی وساطت سے ملتے ہیں اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو جو دخل ہے وہ عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پہ مخفی نہیں۔ (صراط مستقیم دوسری ہدایت پہلا افادہ صفحہ ۶۰) گویا مولانا اسماعیل دہلوی صاحب کے نزدیک حضرت مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنی قبر میں لیٹے دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

علماء اہل حدیث کے پیشوا مولانا وحید الزمان حیدر آبادی لکھتے ہیں:

امام جزوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبور صالحین کے نزدیک دعا کی جلد قبولیت کی تمنا کرنی چاہئے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم کی قبر تریاق مجرب ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں قبر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو رکعت پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۳۲ مطبوعہ میور پریس دہلی سن طباعت ۱۳۲۵ھ)

کاش دیوبندی و اہل حدیث علماء اپنے اکابر کی تحریرات کو اپنے نظریات بنالیں تو امت میں اتحاد کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ

اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے، بے شک، اللہ سننے والا

بَصِيْرٌ ۚ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

دیکھنے والا ہے۔ [66] وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف سب امور

الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

لوٹائے جاتے ہیں اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدة

اور بھلائی کرو تاکہ کامیابی پاؤ۔ [67]

[66] امام بغوی فرماتے ہیں جب کفار نے کہا: ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ ''کیا ہم سب کو چھوڑ کر اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ذکر اتارا گیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ جھوٹا متکبر ہے۔'' (قمر:۲۵) تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ فرشتوں یا انسانوں میں سے اللہ جسے چاہے بطور رسول چن لیتا ہے لہٰذا کفار کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول کیوں چنا گیا کیونکہ رسول چننا اللہ کا کام ہے۔ یاد رہے کہ فرشتوں میں سے چار رسول ہیں جو دوسرے فرشتوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور انسانوں کے لئے

السجدة عند الشافعي

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے گئے جن میں سے تین سو تیرہ (یا پندرہ) رسول ہیں۔

اجرائے نبوت پہ غلط مرزائی استدلال کا جواب

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ سے مرزائی لوگ استدلال کرتے ہیں کہ یہ صیغۂ مضارع ہے جو استمرار پر دال ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ آج بھی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے لہٰذا ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے۔ مقدمہ بہاولپور میں مرزائی وکیل نے اس آیت سے یہ استدلال کیا تھا۔ مگر یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ شان نزول کی روشنی میں آیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ رسول کا چننا صرف اللہ کا کام ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ اب بھی رسول چنتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنا ولی عہد چنے اور بعض لوگ اس پر اعتراض کریں تو بادشاہ کہے گا ولی عہد تو بادشاہ ہی چنتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ مزید ولی عہد بھی چنے گا ولی عہد تو اس نے جو چننا تھا چن لیا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے جن کو انبیاء بنانا تھا بنا دیا اور اس نے آخری رسول محمد مصطفی ﷺ کو شان ختم نبوت سے سرفراز فرما دیا۔ اب وہ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا کہہ کر صرف اپنا اختیار بیان فرما رہا ہے۔

اس کی مثال قرآنِ مجید میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والے رسولوں کی طرف اللہ غالب و حکیم ہی وحی فرماتا ہے۔ (شوریٰ، ۳) اب سوال ہے کہ اس آیت میں بھی لفظ یوحی فعل مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ تو کیا اس سے یہ دلیل لی جائے گی کہ اللہ اب بھی پہلے انبیاء کی طرف وحی فرماتا ہے؟ نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہوں یا پہلے انبیاء سب کی طرف وحی نازل فرمانا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ الخ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا اختیار بیان فرمایا ہے۔ پھر یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور انبیاء میں سے رسول وہ ہیں جو نئی کتابیں یا نئی شریعتیں لے کر آئے اور مرزائی بھی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد نئی کتاب یا شریعت والا نبی نہیں آ سکتا پھر وہ کس منہ سے اس آیت کو اپنے لئے دلیل بناتے ہیں۔

کوئی غیر رسول کسی رسول سے افضل نہیں ہوسکتا:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ سے معلوم ہوا کہ ہر رسول کو غیر رسول پہ بزرگی حاصل ہے خواہ وہ فرشتوں میں سے رسول ہو یا انسانوں میں سے، یعنی اللہ جس کو فرشتوں اور انسانوں میں سے چن لیتا ہے اور اس کے سر پہ تاج رسالت سجا دیتا ہے وہ دیگر تمام فرشتوں اور انسانوں سے برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ؗ ''(اے موسیٰ!) میں نے تمہیں اپنی رسالات اور اپنے کلام کے ذریعہ تمام انسانوں پہ برگزیدہ کر دیا۔'' (اعراف، ۱۴۴) لہٰذا رسول غیر رسول سے بحکم قرآن

اسے افضل وبرتر ہوتا ہے۔اس لیے اہل تشیع کا بارہ (12) ائمہ اہل بیت کو تمام انبیاء سے افضل کہنا سراسر گمراہی ہے۔ اسے ائمہ کرام اور محدثین نے کفر قرار دیا ہے۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی: وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ کہ ''ہم نے تمام (انبیاء) کوسب عالمین پہ فضیلت عطا فرمائی۔'' (انعام،٨٦) معلوم ہوا جسے اللہ اپنی رسالت سے نوازے اسے اللہ تمام انسانوں پہ فضیلت عطا فرما دیتا ہے۔

رسل ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں

يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا سے معلوم ہوا کہ جن ملائکہ کو اللہ نے رسالت دی ہے جیسے جرائیل میکائیل اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ وہ (انبیاء کے سوا) تمام انسانوں سے افضل ہیں۔لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جرائیل علیہ السلام سے افضل ماننا غلط ہے کیونکہ جرائیل علیہ السلام رسل الملائکہ میں سے ہیں۔

اہل تشیع کی بنائی ہوئی امامت منصوصہ کا رَدْ

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور فرشتوں میں سے صرف انبیاء ومرسلین ہی کو چنتا ہے یعنی انہیں بذریعہ وحی مقرر ومنصوص فرماتا ہے۔مگر اس کے باوجود اہل تشیع بارہ اماموں کو بھی اللہ کی طرف سے منصوص ومنتخب مانتے ہیں اور ان پہ بھی وحی کا نزول بتاتے ہیں۔تو کیا یہ قرآن پہ زیادتی نہیں ہے؟ اور کیا یہ سراسر الحاد وزندقہ نہیں ہے؟ اگر ائمہ کا چناؤ بھی انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو یہاں ضرور فرمایا جاتا: الله يصطفي من الملائكة رسلا ومن الناس وائمة منهم ، یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے اور انسانوں میں سے ائمہ کو چنتا ہے۔مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں فرمایا۔صاف معلوم ہوا کہ ائمہ کی امامتِ منصوصہ کا عقیدہ باطل اور کفریہ عقیدہ ہے۔

[67] اس آیت میں امام شافعی اور امام احمد سجدۂ تلاوت کرتے ہیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک نہیں کرتے پہلے دو اماموں کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سورت (سورہ حج) کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں اور جو شخص یہ سجدے نہ کرے اسے یہ سورت پڑھنے کی ضرورت نہیں۔(ترمذی کتاب الجمعہ باب ٥٤) مگر امام ابو حنیفہ وامام مالک فرماتے ہیں یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف و ناقابل حجت ہے خود امام ترمذی نے اسے روایت کرنے کے بعد لکھا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہے اس کی مزید تحقیق تفسیر مظہری میں ہے۔

پھر اس آیت میں ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کہا گیا اور جہاں رکوع وسجدہ دونوں مذکور ہوں اس سے سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ نماز مراد ہوتی ہے گویا اس آیت میں نماز کا حکم دیا گیا ہے اور نماز میں سے صرف رکوع وسجود کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ باقی ارکانِ نماز کسی نہ کسی صورت میں معاف ہوسکتے ہیں۔مثلاً گونگے شخص سے قرأت اور لاغر بیمار سے قیام وقعود معاف ہے مگر رکوع وسجود ہر نمازی کو ضرور ادا کرنا پڑتے ہیں خواہ سر کے اشارے سے ادا کئے جائیں۔لہذا اس آیت میں نماز کا

سجدہ مراد ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت اور اگر اس آیت پہ سجدہ کرنا ہے تو پھر ساتھ میں رکوع بھی کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہاں ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا فرمایا گیا ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق جہاد ہے اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور اس نے تم پر دین میں
الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۵
کوئی حرج نہیں رکھا، اپنے باپ ابراہیم کے دین پر چلو۔[68] اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
اس سے قبل بھی اور اس کتاب میں بھی۔[69] تاکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہوں اور تم
عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ
لوگوں پر گواہ ہو۔[70] تو نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ تمہارا کارساز ہے۔ وہ کیا ہی اچھا
مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۠۷۸
کارساز اور کیا ہی بہتر مددگار ہے۔[71]

ع ۱۰

[68] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی راہ میں یوں جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا حکم پہنچانے میں کسی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤ جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ (مائدہ:۵۴) جب کہا گیا کہ جیسے جہاد کا حق ہے ایسے جہاد کرو تو سوال پیدا ہوا کہ جہاد کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں آگے فرمایا گیا کہ اللہ نے تمہارے دین میں کوئی حرج نہیں رکھا یعنی تم پر تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ لہٰذا جب تم نے اپنی طاقت کے مطابق جہاد کر لیا یعنی کسی طاغوتی طاقت کو خطرے میں لائے بغیر اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو تم نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ آگے فرمایا گیا کہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلو یعنی جیسے انہوں نے ظلم و جہالت اور کفر و شرک کے خلاف جہاد کیا تم بھی کرو۔ اس جگہ ابراہیم علیہ السلام کو مسلمانوں کا باپ اس لئے کہا گیا کہ یہود نسبی طور پر اولاد ابراہیم ہیں اور مشرکین مکہ یعنی قریش بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام ہی تھے مگر کفر و شرک کی وجہ سے ان کا نسب ابراہیم علیہ السلام سے کٹ گیا ہے جیسے نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کا اپنے باپ سے نسب کٹ گیا تھا۔ تو بتایا گیا کہ اے مسلمانو! ابراہیم علیہ السلام تمہارے باپ ہیں نہ کہ یہود و مشرکین مکہ کے۔ لہٰذا تمہارا حق ہے کہ

ان کے طریقہ پر چلو اور وہ مسلمانوں کے روحانی باپ اس لئے بھی ہیں کہ ان کی ملت آج تک جاری ہے یعنی ان کے دین کے متعدد احکام آج تک جاری ہیں جیسے ارکانِ حج، قربانی اور ختنہ وغیرہ۔

[69] یعنی ایمان والوں کا نام ہر نبی کے زمانہ میں ہمیشہ مسلم ہی رکھا گیا اور اس کتاب یعنی قرآن میں بھی ان کا نام مسلم ہی رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا: فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ ''تمہیں موت آئے تو صرف اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔'' (بقرہ: ١٣٢) اور امت محمدیہ سے کہا گیا کہ یوں کہو: وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ ''ہم اللہ کے لئے مسلم ہیں (یعنی اللہ کے آگے سر جھکانے والے ہیں)'' (بقرہ: ١٣٦) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم کا معنی ہے اسلام کا ماننے والا اور اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۛ یعنی ''اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔'' (آل عمران، ١٩)

ملتِ اسلامیہ کی پہچان یہی ہے کہ وہ مسلم ہیں

معلوم ہوا کہ اللہ نے ہر دور میں ان کا مسلم ہی نام رکھا۔ ہر نبی کے ماننے والے مسلم یا مسلمان ہی کہلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام عربی، عجمی، ہندی، ایرانی، سعودی، ارائیں، جٹ، راجپوت وغیرہ ہرگز نہیں رکھا لہٰذا ہمیں صرف اسی نام پہ فخر کرنا چاہئے جو اللہ نے ہر دور میں ہمیں عطا فرمایا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی افغان بھی ہو ‏ تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا ‏ نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

[70] حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گزشتہ امتوں کے کفار کے خلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی اور یہ مضمون سورہ بقرہ آیت ١٤٣، سورہ نساء آیت ١٤١ اور سورہ نحل آیت ٨٩ میں گزر چکا ہے۔

[71] یعنی اے امت محمدیہ! جب تمہارا نام مسلم ہے یعنی اللہ کے آگے جھکنے والے اور تم وہ امت ہو جو ساری امتوں پر گواہ بنے گی تو پھر نماز کی صورت میں اللہ کے آگے جھکا یا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کے دین سے وابستہ ہو جاؤ کہ وہی تمہارا کارساز و مددگار ہے۔

الحمد للہ آج 18 محرم الحرام 1429ھ بمطابق 27 جنوری 2008ء بروز اتوار بعد نماز فجر بوقتِ اشراق سورہ حج کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

انکار ختم نبوت پر قادیانیوں کے
اعتراضات کا دنداں شکن جواب

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب)

دلائل ختم نبوت
مع
ردِ قادیانیت

اس کتاب میں آپ ملاحظہ کریں گے

- دلائل ختم نبوت از قرآن حدیث اقوال صحابہ و ائمہ دین
- انکار ختم نبوت پر قادیانیوں کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب
- اللہ ﷻ رسول ﷺ انبیاء کرام صحابہ اور اہل بیت علیہم السلام کی شان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی گستاخیاں
- مرزا کی جھوٹی پیش گوئیوں کا عبرتناک انجام اور مسئلہ حیات مسیح

تصنیف
علامہ حافظ قاری محمد طیب نقشبندی دامت برکاتہم

ناشر: مکتبہ برہان القرآن
مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
0321-4298570

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے …

تفسیر برہان القرآن

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر انگلینڈ

جلد چہارم

مکتبہ برہان القرآن